دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

اپریل 2011

سالگرہ نمبر

دو سلسلے وار تحریریں

سحرا کی - کارواں

اسلم راہی کی تاریخی کہانی

بعل دیوتا کے پجاری

ایم اے راحت کا معاشرتی ناول

آخری بازی

پاکستانی پوائنٹ
ایک رابطہ اپنوں سے
www.pakistaniPoint.com

MEMBER APNS CPNE
آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

عمران ڈائجسٹ

محمود ریاض
عامر محمود
محمد شفیع

الکرلا نمبر

باتیں آپ سے
...ہتہ نامے ... پر تبصرہ اپنی ... چاشنی مدیر کے ... آپ کی آراء پسند ... ناپسند مشورے
مدیر — 8

بعل دیوتا کے پجاری
اس تاریخی کہانی میں آپ کو جہاں جنگوں کا احوال ملے گا' وہیں محبت کی لازوال داستان بھی نظر آئے گی۔ تاریخ کے اوراق سے
اسلم راہی — 12

سامع
بون جب اوپری سیڑھی پر پہنچا تو اسے اپنے نتھنوں میں ہلکی ہلکی سی بو کا احساس بھی ہوا۔ یہاں ہوا بھی بند تھی اور گھٹن سی ہو رہی تھی۔
احمد صغیر صدیقی — 41

سحرزادی
بعض اوقات انسان کی زندگی ایسے ایسے موڑ اختیار کرتی ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ ایک حوصلہ مند نوجوان کی داستان
سبحان راشد — 46

ممی
اس نے خود کو تصور میں اپنے عجائب گھر میں دیکھا جہاں اس کے نوادرات میں ممی کا اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ......!
محمد صدیق طاہر — 92

آسیبی مورتی
اس نے گرنے سے بچنے کے لیے اس شخص کا بازو پکڑ لیا اور اسی لمحے اس کی نظروں کے سامنے خنجر کی دھار چمکی۔ ایک طویل تحریر
ایم الیاس — 116

اوریجنل
لڑکی نے میری طرف اس طرح دیکھا۔ جیسے میں پاگل ہوں۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سی پھیل گئی اور حیرت کی بات بھی تھی۔
محمد سلیم اختر — 121

کھیل
ریفرشمنٹ روم میں انہیں ایک نوٹ بک میز پر ملی اور وہ بیٹھ گئے۔ لیلس نے کوڈ کی کتاب کھول لی اور ٹیلی گرام کو ڈی کوڈ کرنے لگا۔
حسن علی خان — 124

آپریشن
ایک شوہر کا قصہ جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ہر قسم کے احساس سے محروم ہے۔ اس کی روح مردہ ہوچکی ہے۔
دانش کمال — 135

باطن
محرومیاں ہزار رنگ ہوتی ہیں۔ یہ آدمی کے ظاہر پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں اور باطن پر بھی' وہ لڑکا بھی محرومیوں کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔
نوازش شاہین — 143

فریبی رات
جونہی میں فلورا کو تھامنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اس نے شدید دیوانگی کے عالم میں مجھے اس شدت سے دھکا دیا کہ......!
ایس اے ہاشمی — 148

❖ اپریل 2011ء ❖ قیمت 40 روپے ❖ جلد 40 ❖ شمارہ 12

سالگرہ نمبر

جشن — 168

[illegible]

ننگا جال — 175

[illegible]

طارق عزیز

قاتل چکور — 186

[illegible]

عابد علی سید

کارواں — 194

[illegible]

ایم اے راحت

مٹی کی مونالیزا — 218

[illegible]

[illegible]

لیمن جوس — 226

[illegible]

[illegible]

غیر قانونی مشورہ — 230

چھ ماہ بہت اچھے گزرے میں نہایت خوش تھا۔ لورین بے حد اچھی بیوی ثابت ہوئی مجھے کبھی اس نے کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

موپاساں

زندگی کھیل نہیں — 236

میں نے ان کے حکم کے مطابق جب اس کا کمرا سجایا تو وہ میرے سلیقے اور ذوق پر حیران رہ گیا۔ کمرے کی سجاوٹ کی اس نے تعریف کی۔

ہما صفدر

وہ دن — 245

اسی لمحے کمرے کے ماحول پر طاری سکوت سناٹا فلک شگاف چیخ سے ٹوٹا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر چکی تھی۔ فری، سعد اور فواد اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

صائمہ کاردار

کہاں ہو تم — 255

آپی تو بالکل ہی بدل گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر مجھے زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا ہو۔

ثمینہ پرویز

آخری بازی — 262

ان دو برسوں میں ڈیڈی کو ان کے دوست میرے بارے میں کیا رپورٹیں بھیجتے رہے تھے اس کا مجھے علم نہیں تھا لیکن یہ رپورٹیں میرے خلاف تھیں۔

ایم اے راحت

آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام اشاعت: 37 اردو بازار، کراچی

قارئین محترم ...... سلام مسنون!

اپریل کا شمارہ بطور ''سالگرہ نمبر'' آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس شمارے میں تاریخی سلسلے وار تحریر کے علاوہ دو تہلکہ خیز سلسلے اور ملکی وغیر ملکی ادب سے منتخب تحریروں کا انتخاب شامل ہے۔ جن پر آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

ملک کے حالات اسی ڈگر پر چل رہے ہیں' کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت کے چل چلاؤ کا وقت ہے اور کبھی یوں لگتا ہے کہ یہی حکومت ہمیشہ رہنے کے لیے آئی ہے۔ ہمارے سیاست داں اور دانش ور اپنی عقل و دانش کے مطابق مختلف تبصروں سے اخبارات اور ٹی وی چینلو پر روزانہ ہی نظر آتے ہیں...... لیکن عجیب بات تو یہ ہے کہ ان کے تبصروں اور ملکی حالات میں بہت تضاد ہے...... اتنا کہ جیسے دن اور رات میں ہوتا ہے۔ اگر کسی بات میں حقیقت ہے تو صرف یہ کہ غریب...... مسلسل غربت کی گہرائیوں میں غرق ہوتا جا رہا ہے اور ''امیر'' حیرت انگیز طور پر ترقی کر رہا ہے۔ اس پر کون غور کرے گا......؟ یہ آپ کے اور ہمارے بس کی بات نہیں۔

آیئے اب چلتے ہیں اپنی محفل کی جانب' جہاں آپ کے محبت نامے منتظر ہیں۔

﴿...... معین احمد ناز، راولپنڈی سے رقم طراز ہیں کہ مارچ کے شمارے میں سلسلے وار تحریروں میں اسلم راہی کی ''بعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ احمد صغیر صدیقی کی ''مشینی کنبہ'' ایم الیاس کی ''معہ سود'' دلاور آغا کی ''امید صبح'' نوازش شاہین کی ''گم گشتہ'' عابد علی سید کی ''راہ فراموش'' طارق حفیظ کی ''ویران مکان'' چوہدری کرم الٰہی کی ''بیگناہی جرم'' شوکت صدیقی کی ''اجنبی'' انور عنایت اللہ کی ''اپنا دوش' ارشد جمیل کی ''لاٹری'' ش۔ صغیر۔ ادیب کی ''اپنا گھر'' آثم میرزا کی ''آمد فصلِ گل'' ہما صفدر کی ''میں تباہ ہوگئی'' صائمہ کاردار کی ''کوئی شریک سفر'' ثمینہ پرویز کی ''محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ایم اے راحت کی ''بے مثال'' بے حد اچھی تھیں۔ مجموعی طور پر پورا شمارہ اچھا لگا۔

﴿...... عزیز الدین بدر ضلع بہاولنگر سے رقم طراز ہیں کہ مارچ کے شمارے میں سب سے زیادہ پسند آنے والی کہانیوں میں سلسلے وار تحریروں میں تاریخی کہانی ''بعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ ''مشینی کنبہ' معہ سود' امید صبح' گم گشتہ' راہ فراموش' ویران مکان' بیگناہی جرم' اجنبی'' کے علاوہ اردو ادب سے ''اپنا دوش' لاٹری' اپنا گھر' آمد فصلِ گل'' سچی داستانوں میں سے ''میں تباہ ہوگئی' کوئی شریک سفر' محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ''بے مثال'' بے حد اچھی تھیں۔ اردو ادب سے انتخاب عمدہ تھا۔ دونوں سلسلے بھی بہتر ہوتے جا رہے ہیں۔

﴿...... محمد رمضان ڈیرہ غازی خان سے رقم طراز ہیں کہ عمران ڈائجسٹ کا شمارہ اپنی بھرپور دلچسپیوں کے ساتھ ملا۔ اردو ادب سے انتخاب عمدہ تھا۔ دیگر کہانیوں میں سلسلے وار تحریروں میں تاریخی کہانی ''بعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ ''مشینی کنبہ' معہ سود' امید صبح' گم گشتہ' راہ فراموش' ویرا

بیگناہی جرم' اجنبی'' کے علاوہ اردو ادب سے ''اپنا دوش' لاٹری' اپنا گھر' آمد فصلِ گل'' سچی داستانوں میں سے ''میں تباہ ہوگئی' کوئی شریک سفر' محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ''بے مثال'' بے حد اچھی تھیں۔

☆......ارم طاہر صاحبہ ملتان شہر سے لکھتی ہیں کہ مارچ کا شمارہ توقع سے بڑھ کر بہتر پایا۔ اس شمارے میں سلسلے وار تحریروں میں اسلم راہی کی ''لعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ احمد صغیر صدیقی کی ''مشینی کنبہ'' ایم الیاس کی ''معہ سود'' دلاور آغا کی ''امید صبح'' نوازش شاہین کی ''گم گشتہ'' عابد علی سید کی ''راہ فراموش'' طارق حفیظ کی ''ویران مکان'' چوہدری کرم الٰہی کی ''بیگناہی جرم'' شوکت صدیقی کی ''اجنبی'' انور عنایت اللہ کی ''اپنا دوش'' ارشد جمیل کی ''لاٹری'' ش۔ صغیر۔ ادیب کی ''اپنا گھر'' آثم میرزا کی ''آمد فصلِ گل'' ہما صفدر کی ''میں تباہ ہوگئی'' صائمہ کاردار کی ''کوئی شریک سفر'' ثمینہ پرویز کی ''محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ایم اے راحت کی ''بے مثال'' بے حد اچھی تھیں۔

☆ ارم صاحبہ! پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☆ برادرم نسیم انور، لو... لکھتے ہیں کہ مارچ کے شمارے میں اردو ادب سے انتخاب کے علاوہ سچی داستانیں ... سلسلے وار تحریروں میں تاریخی کہانی ''لعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ ''مشینی کنبہ' معہ سود' امید صبح' گم گشتہ' راہ فراموش' ویران مکان' بیگناہی جرم' اجنبی'' کے علاوہ اردو ادب سے ''اپنا دوش' لاٹری' اپنا گھر' آمد فصلِ گل'' سچی داستانوں میں سے ''میں تباہ ہوگئی' کوئی شریک سفر' محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ''بے مثال'' بے حد اچھی تھیں۔

☆ برادرم نسیم انور! سچی داستانیں کی پسندیدگی اور تبصرے کا شکریہ۔

☆......شمس الدین خواجہ لاہور سے لکھتے ہیں کہ مارچ کے شمارے میں سلسلے وار تحریروں میں تاریخی کہانی ''لعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ ''مشینی کنبہ' معہ سود' امید صبح' گم گشتہ' راہ فراموش' ویران مکان' بیگناہی جرم' اجنبی'' کے علاوہ اردو ادب سے ''اپنا دوش' لاٹری' اپنا گھر' آمد فصلِ گل'' سچی داستانوں میں سے ''میں تباہ ہوگئی' کوئی شریک سفر' محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ''بے مثال'' اچھی لگیں۔

☆ ایم شفیق صاحب سکھر شہر سے رقم طراز ہیں کہ عمران ڈائجسٹ اپنی خوبیوں کے باعث بے حد پسند ہے۔ مارچ کے شمارے میں سلسلے وار تحریروں میں اسلم راہی کی ''لعل دیوتا کے پجاری'' ایم اے راحت کی ''کارواں'' اور سبحان راشد کی ''سحر زادی'' کے علاوہ احمد صغیر صدیقی کی ''مشینی کنبہ'' ایم الیاس کی ''معہ سود'' دلاور آغا کی ''امید صبح'' نوازش شاہین کی ''گم گشتہ'' عابد علی سید کی ''راہ فراموش'' طارق حفیظ کی ''ویران مکان'' چوہدری کرم الٰہی کی ''بیگناہی جرم'' شوکت صدیقی کی ''اجنبی'' انور عنایت اللہ کی ''اپنا دوش'' ارشد جمیل کی ''لاٹری'' ش۔ صغیر۔ ادیب کی ''اپنا گھر'' آثم میرزا کی ''آمد فصلِ گل'' ہما صفدر کی ''میں تباہ ہوگئی'' صائمہ کاردار کی ''کوئی شریک سفر'' ثمینہ پرویز کی ''محسن بھیڑیا'' اور آخری صفحات پر ایم اے راحت کی ''بے مثال'' بے حد اچھی تھیں۔

قارئین آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت اللہ حافظ مُدیر

تاریخی کہانیوں کے شائقین کے لیے بطور خاص

بعل دیوتا کے پجاری

اسلم راہی

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں کے دور میں
سب سے زیادہ سازشیں ہوئی ہیں' اس کا اہم سبب جہاں اختیارات'
اقتدار اور دولت رہی ہے' وہیں عورت بھی ہے جو اس معاملے میں اہم
حیثیت کی حامل ہے۔ اچھے برے ہر قوم' ہر مذہب اور ہر دور میں
موجود رہے ہیں۔ اسلامی مملکتوں کی استحکام کے لیے مذہب
پر کاربند سپہ سالاروں اور جنگ جو سپاہیوں نے اہم کردار ادا
کیا۔ زیر نظر طویل تاریخی کہانی میں آپ کو جہاں
جنگوں کا احوال ملے گا' وہیں محبت
کی لازوال داستان بھی نظر آئے گی۔
مسلمان حکمرانوں نے اپنی مملکت کو مضبوط کرنے کے لیے کن کن امور پر
توجہ دی اور اسے کمزور کرنے کے لیے سازشی عناصر نے کیا کیا جتن کیے۔

مسلمان حکمرانوں کا احوال' تاریخی حقائق' طویل داستان

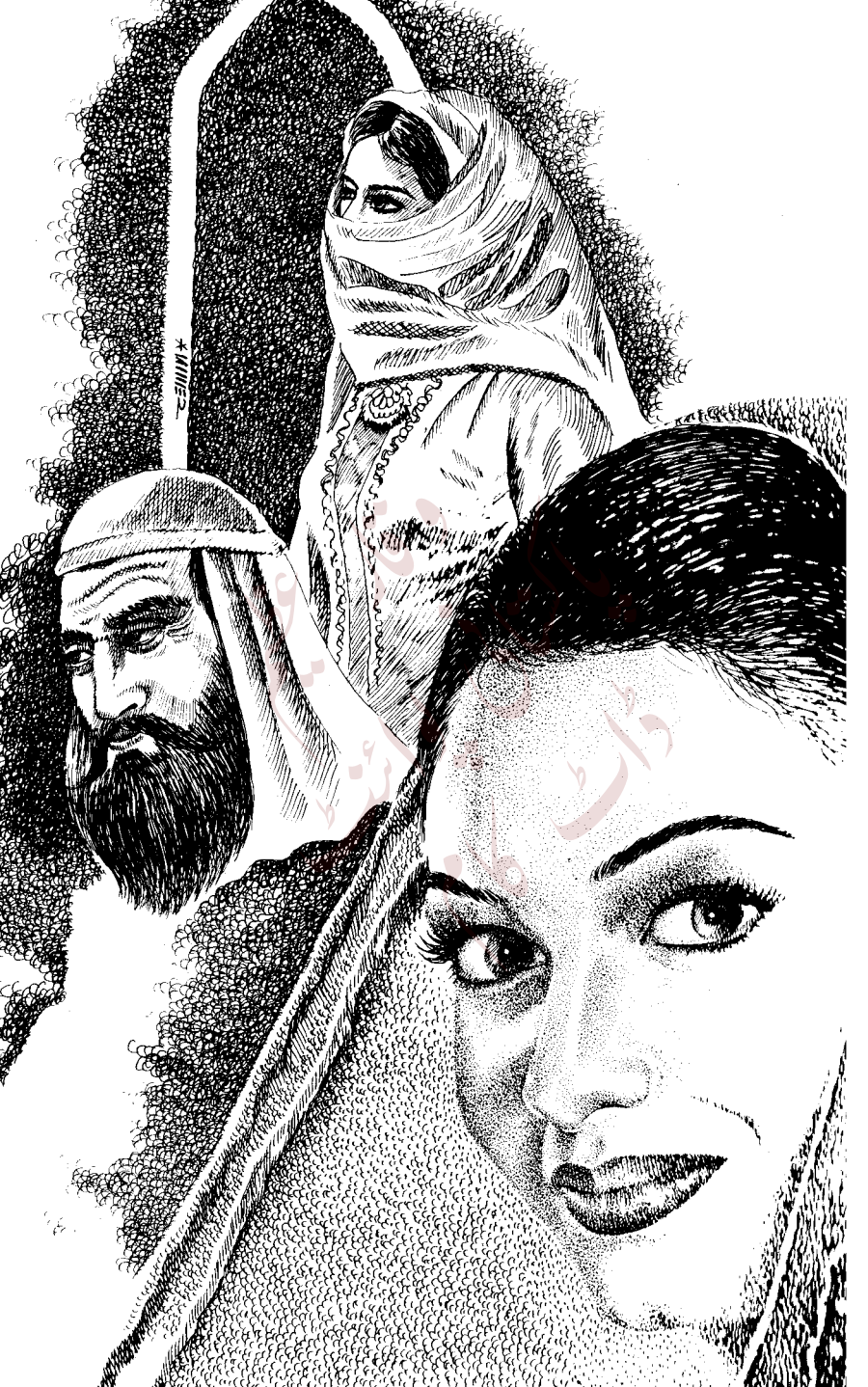

یقطان کے قبیلے نے بعلبوس شہر کے باہر پڑاؤ کیا تھا۔ بعلبک شہر کے بعد وسط اشیاء کے دو مقامات ایسے تھے جہاں بعل دیوتا اور اس کی بیوی عشتار دیوی کی پرستش اپنے زور شور سے کی جاتی تھی ان میں ایک مقام تو بعلبس تھا اور دوسرا قرص..... بعلبک کے بعد یہ دونوں مقام بعل اور عشتار دیوی کے زبردست مراکز تھے اور اگر قصص اور روایات پر اعتبار کیا جائے تو وہ سارے علاقے ایک طرح سے بعل دیوتا کی پرستش کے زیر نگیں تھے۔ بعلبس کو کنعانیوں یعنی فونیقیوں کا سب سے قدیم شہر ہونے کا دعویٰ تھا اس کی بنیاد دنیا کے ابتدائی عہد میں بڑے دیوتا اول کے ہاتھوں پڑی تھی جسے یونانیوں نے کرونس اور رومنوں نے شائرن کہہ کر پکارا بہرحال بات خواہ کچھ ہی رہی ہو، تاریخی ادوار میں اس کی حیثیت مذہبی مرکز اور کنعانیوں کے مقدس مقام کی تھی یہ شہر سمندر کے کنارے سطح مرتفع پر واقع تھا اور اس میں بعل اور عشتار کے بہت بڑے مندر تھے۔

رومنوں کے مندروں میں کشادہ صحن کے اندر خانقاہوں سے گھرا ہوا ایک مخروطی یا حرم نما سنگ مینار سینہ تانے کھڑا تھا جس تک پہنچنے کے لیے زینوں کا ایک سلسلہ چلا گیا تھا ان مندروں میں بعل اور دیوی عشتار کی پوجا پاٹ ہوتی تھی اسے یوں کہنا چاہیے کہ سارا شہر ایک طرح سے بعل دیوتا اور عشتار دیوی کی ادب گاہ تھا اور ابراہیم جو بعلبس سے کسی قدر جنوب میں سمندر سے ہمکنار ہو جاتی ہے قدیم زمانے میں بعل ہی کے نام سے موسوم تھی۔

اس کے علاوہ بعلبس اور بعلبک شہر کے درمیان انا کا نام کا ایک مقام تھا جہاں عشتار دیوی کا ایک مشہور شجرزار اور معبد تھا جسے رومن شہنشاہ قسطنطین نے وہاں کی رسوم اور عبادت کی فاجرانہ نوعیت کی وجہ سے تباہ کر ڈالا تھا جدید سیاحوں نے اس شکستہ حال قریے کے قریب سمندر کی جائے وقوع دریافت کی ہے جو آج بھی اسقا کے نام مشہور ہے اور پہاڑ کے دامن میں دریائے کی رومانی اور نخلستانی گزرگاہ کے سرے پر واقع ہے۔

اس قریے کو آبشار کے کنارے اخروٹ کے شاندار جھنڈ گھیرے ہوئے ہیں، یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر دریا ایک غار کے دھانے سے جس کے اطراف فلک بوس چٹانیں حلقہ باندھے کھڑی ہیں ابل کر نکلتا ہے اور آبشار پر آبشار گھاٹی کی بے پناہ گہرائیوں میں سے پھسلتا چلا جاتا ہے۔

جوں جوں وہ نیچے اترتا ہے بن اور جنگل گنجان ہوتا چلا جاتا ہے اور نبات لانے دروں اور شگافوں سے نکل نکل کر نشیب میں اس زبردست خلاء پر ایک لاجوردی نقاب ڈال رکھی ہے جس میں دریا گرجتا یا سرسراتا ہوا بہتا ہے گرتے ہوئے پانی کا جوش پہاڑی کی خوشگوار اور صاف ہوا بن اور جنگل کی شگفتگی بڑی پرلطف بلکہ خمار آگیں ہوتی ہے اس مندر کی عمارت جس کے محل وقوع کی نشاندہی آج کٹے ہوئے بھاری لٹھوں اور ایک خوب صورت کھمب سے ہوتی ہے دریا کے رخ ایک پرشکوہ منظر اپنے سامنے لیے ہوئے ایک چبوترے پر کھڑی ہے۔

گرجتے اور جھاگ اڑاتے آبشار کے اس پار نظر اٹھا کر دیکھا جائے تو غار اور چٹانوں کی چوٹی نظر آتی ہے۔ یہ پہاڑی اس قدر بلند ہے کہ وہ بھیڑ بکریاں جو چٹانوں کی اونچائی پر جھاڑ جھنکار چرتی پھرتی ہیں، سینکڑوں فٹ نیچے سے دیکھنے والوں کو چیونٹیاں سی نظر آتی ہیں۔

سمندر کی سمت وہ منظر خاص طور پر بڑا دل آویز ہوتا ہے جب اس گہری گھاٹی پر گہری سنہری کرنیں نور برسا کر پہاڑ کی اس فصیل کے تمام برجوں اور پشتوں کو روشن کر دیتی ہیں اور لاجوردی چادر پر بکھر جاتی ہیں جو اس کی گہرائیوں میں پڑی ہوتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں قدیم روایات کے مطابق بعل اور عشتار دیوتا کے مندر تھے۔

شام کے اندھیرے میں ٹمٹماتی شمعیں اور ڈھلانوں پر آدمی کی صورت دکھائی دیتے جاتی ہیں جن تک یہ بظاہر اس کی رسائی نظر نہیں آتی قدیم

زمانے میں یہ ساری کی ساری دلفریب وادی بعل دیوتا کا قہر تو تھی اور آج بھی اس دیوتا کی یاد اس سے وابستہ ہے اس لیے کہ ان بلند چٹانوں پر جو اسے گھیرے ہوئے ہیں جگہ جگہ اس کی عبادت گاہوں کے آثار ملتے ہیں ان میں بعض اتھاہ غاروں میں جھکی ہوئی ہیں جہاں سے ان عقابوں کو دیکھا جا سکتا ہے جو نیچے اپنے آشیانوں کے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں جو چکرانے لگتا ہے۔

تراشیدہ کھویا غار کے اوپر ایک بھاری چٹان پر بعل دیوتا اور عشتار دیوی کی مورتیاں کھدی ہوئی ہیں جن کی قدیم زمانے میں لوگ پوجا پاٹ اور پرستش کرتے تھے۔

بہر حال نابلوس شہر کے نواح میں دو روز قیام [illegible] بعد [illegible] روز یقطان، شاول اور اناثی قبیلے [illegible] کا بیٹا جرار تینوں عشتار دیوی کے مندر میں داخل ہوئے اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا فضاؤں کے اندر تاریکی پھیل چکی تھی اور عشتار دیوی کے مندر میں اس وقت جگہ جگہ مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں مندر کے دروازے پر جو محافظ کھڑا تھا آگے بڑھ کر یقطان بن سلوم نے اسے مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''میرے عزیز عشتار دیوی کے مندر میں ایرخ نام کا جو پجاری ہے ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

اس پر وہ محافظ حرکت میں آیا کہنے لگا۔ ''تم تینوں میرے ساتھ آؤ۔'' چنانچہ چند قدم اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دائیں جانب اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

''یہ جو راہداری آگے جا رہی ہے سیدھے اسی پر جاؤ آگے برآمدہ آئے گا' اس برآمدے میں دائیں جانب سے تیسرا کمرہ ایرخ کا ہے اور اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہی ہوگا۔''

یقطان بن سلوم نے اس محافظ کا شکریہ ادا کیا چنانچہ شاول اور جرار کے ساتھ وہ آگے بڑھنے لگا۔ راہداری طے کرنے کے بعد تینوں برآمدے میں داخل ہوئے اور برآمدے میں دائیں جانب جو تیسرا کمرہ تھا اس کے دروازے پر شاول نے آگے بڑھ کر دستک دی تھی۔

پہلی دستک پر ہی اندر سے آواز آئی۔

''کون ہے اندر آ جاؤ۔''

اس پر شاول نے دروازہ کھولا اور دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی شاول یقطان اور جرار تینوں اس کمرے میں داخل ہوئے۔

انہیں دیکھ کر پہلے تو ایرخ بڑا فکر مند ہوا غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تم کون ہو اور اس وقت تم میرے پاس کس غرض سے آئے ہو۔'' جواب میں یقطان بن سلوم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''کیا آپ ہمیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے۔''

اس پر ایرخ نے نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جب انہیں بیٹھنے کے لیے کہا تب تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے ساتھ ہی گفتگو کا آغاز یقطان نے کیا تھا اور ایرخ نام کے اس پجاری کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''میرے عزیز ہم ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہم تینوں کا تعلق فلسطین میں بسنے والے قبیلے بنی اروم سے ہے ہم بعل دیوتا اور عشتار دیوی کے پیروکار ہیں اور اسی کی پوجا پاٹ اور پرستش کرتے ہیں چند ماہ پہلے کی بات ہے کچھ کنعانی تاجروں سے بعل دیوتا سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کنعانیوں نے ہمارے قبیلے کے کچھ جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور وہ بھاگ گئے تھے جبکہ ہم ان کی تلاش میں تھے۔

بعد میں کسی نے ہمیں خبر دی کہ وہ رقیم شہر کی طرف بھاگ گئے ہیں چنانچہ ہم رقیم شہر کی طرف گئے۔ وہاں جا کر کچھ دن قیام کر کے لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو ہمیں پتا چلا کہ بعل دیوتا کے کچھ پجاری جو جنوب کی

سمت سے آئے تھے اور اصل میں وہ شمال کے رہنے والے تھے اور ان کی منزل بلک شہر تھی انہوں نے ان کنعانی نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد یقطان رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ پھر کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز یہ سب زبانی باتیں تھیں اور ہمیں اس کا ثبوت بھی نہ ملا کہ واقعی وہ لوگ سارے جا چکے ہیں اگر تو وہ مارے جا چکے ہیں تو واپس جا کر ہم اپنے کام کاج میں لگ جائیں اور اگر یہ خبر درست نہیں ہے اور وہ زندہ ہیں تو پھر ان کا کھوج تلاش کر کے ہم ان کے تعاقب میں لگ جائیں گے اور جب تک انہیں موت کے گھاٹ نہیں اتاریں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

چنانچہ یہی عزم لے کر ہم تم سے بلک شہر کی طرف روانہ ہوئے اور بلک شہر میں ہم بعل دیوتا کے پجاریوں سے ملے انہوں نے ہم پر انکشاف کیا کہ جنوب کی طرف سے آنے والے بعل دیوتا کے پجاریوں کا تعلق بعلوس شہر کے عشتار دیوی کے مندر سے ہے انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ انہوں نے کچھ دن واقعی بعل دیوتا کے مندر میں بلک شہر کے اندر قیام کیا تھا اور پھر وہ بعلوس شہر کی طرف روانہ ہو گئے انہی پجاریوں نے ہمیں آپ کا نام ایرخ بتایا تھا۔

ساتھ ہی بعلک شہر میں بعل دیوتا کے پجاریوں نے ہم پر یہ بھی انکشاف کہ پجاریوں نے رقم شہر میں جن کنعانیوں کو قتل کیا تھا ان کے گھوڑوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور وہ گھوڑے بلک شہر کے مندر میں موجود ہیں۔ چنانچہ وہ پجاری ہمیں بعل دیوتا کے مندر میں لے گئے اور اس نے وہ گھوڑے ہمیں دکھائے کہ ان گھوڑوں پر سوار ہو کر وہ کنعانی رقیم کی طرف آئے تھے جنہوں نے ہمارے اردمی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

چنانچہ ہم نے وہ گھوڑے خرید لیے ان گھوڑوں کو خریدنے کے بعد ہم نے بلک سے بعلوس شہر کا رخ کیا گھوڑوں کو تو ہم عشتار دیوی کے مندر سے ذرا فاصلے پر اپنے دو ساتھیوں کے حوالے کر کے آئے ہیں اور پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ اور آپ کے وہ پجاری جنہوں نے کنعانیوں کو قتل کیا تھا ان سے جانیں کے لیے کہ واقعی ان کے گھوڑے ہیں اگر ثابت ہو گیا کہ وہ گھوڑے قاتلوں کے ہیں تو پھر آپ سمیت جن پجاریوں نے بھی اس کام میں حصہ لیا انہیں ہم مال و اموال سے نواز کر رکھ دیں گے اور ایسا نوازیں گے کہ ساری زندگی انہیں اپنے نان نفقہ کی کوئی فکر نہ رہے گی۔

محترم ایرخ ہم تاجر ہیں ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے بس ایک بار آپ اور آپ کے ساتھی جنہوں نے اس کار خیر میں حصہ لیا وہ مندر سے باہر کھڑے ان گھوڑوں کو پہچانیں اگر یہ گھوڑے قاتلوں کے ہیں تو ان گھوڑوں پر ہی ہم نے بھاری رقوم لاد رکھی ہیں اور وہ رقوم ہم گھوڑوں سمیت آپ کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔''

یقطان کی اس گفتگو سے ایرخ کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ چنانچہ کہنے لگا۔

''تم تھوڑی رکو میں اپنے ان ساتھیوں کو بلاتا ہوں جنہوں نے ان کنعانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

اس کے بعد ایرخ نے پہلے تینوں کا بغور جائزہ لیا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ کچھ اور پجاری بھی تھے پھر وہ یقطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے جن ساتھی پجاریوں نے اس کام میں حصہ لیا تھا وہ اس وقت میرے ساتھ ہیں تم آؤ عشتار دیوی کے منہ سے باہر تم نے جو گھوڑے کھڑے کیے ہیں ہم انہیں دیکھتے ہیں۔'' ایرخ کے یہ الفاظ سن کر یقطان شاؤل اور جرار کی خوشی کوئی انتہا نہ رہی تاہم انہوں نے اپنی اس خوشی اور اطمینان کو مخفی رکھا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے ایرخ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہو لیے تھے۔

چونکہ رات گہری ہو چکی تھی مندر کے اطراف میں تاریکی تھی مندر سے چند قدم ہی وہ آگے گئے تھے کہ تاریکی میں سے چند نوجوان نمودار ہوئے وہ یقطان شاؤل اور جوار کے ساتھی تھے جنہیں وہ پہلے ہی وہاں مقرر کر کے عشتار دیوی کے مندر میں داخل ہوئے تھے چنانچہ وہ نوجوان ان پر جھپٹے اور لمحوں کے اندر ان کا قصہ پاک کر کے رکھ دیا' ان کی لاشوں کو وہیں پھینک دیا گیا پھر اس کے بعد یقطان بن سلوم بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اندھیرے سے نکل کے جو ساتھی پجاریوں پر حملہ آور ہوئے تھے اور ان کا خاتمہ کر دیا تھا ان میں سے ایک سے اس نے کمان اور چند تیر لیے پھر اشتعار دیوی کے مندر کے صدر دروازے سے قریب ہوا کمان سنبھالی تیر چڑھایا اور نشانہ لے کر لگاتار آگے پیچھے تین تیر چلائے اس کے [illegible] صدر دروازے کے محافظ کے جسم میں پیوست ہو گئے تھے اور وہ زمین پر گر کر دم توڑ گیا تھا اس کے بعد یقطان بن سلوم' سارے تھوڑی دیر بھاگ کر مزید آگے گئے وہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے ان پر وہ سوار ہوتے اور انہیں ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنے قبیلے کے پڑاؤ کی طرف ہو لیے تھے۔

جب کچھ دیر تک عشتار دیوی کے مندر کے پجاری لوٹ کر نہ گئے تب مندر کے اندر پہلے چیخ و پکار شور ہوئی کچھ لوگ ایرخ اور دوسرے پجاریوں کو پکارتے ہوئے انہیں مخاطب کرنے لگے تھے اس شور شرابے کے بعد آخر مندر کے اندر ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہر کوئی یہ کہنے لگا کہ ایرخ اور دوسرے پجاری اس وقت مندر میں موجود نہیں ہیں چنانچہ کچھ دیر تک پجاری اور مندر کے محافظ ادھر ادھر بھاگتے ہوئے ایرخ اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرتے ہوئے جب مندر کے احاطے میں انہیں کچھ نہ ملا تب وہ مندر کے صدر دروازے کی طرف بھاگے دروازے پر انہوں نے محافظ کی لاش پڑی دیکھی تب وہ چونکے اس پر ایک پجاری سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''لگتا ہے کوئی بہت بڑا حادثہ نمودار ہو گیا ہے محافظ کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور ہمیں خبر تک نہیں ہوئی کسی نے اس پر تیر برسائے ہیں اور اس کا کام تمام کر دیا گیا ہے اگر یہ مر چکا ہے تو پھر ایرخ اور اس کے ساتھی کہاں ہیں۔''

اس پر ایک پجاری کے مشورے پر سب باہر گئے' وہ تھوڑا سا آگے گئے ہوں گے کہ وہاں ایرخ اور اس کے ساتھی کی لاشیں پڑی تھیں نہیں دیکھ کر سارے پجاری نہ صرف دنگ رہ گئے تھے بلکہ ان پر خوف اور لرزہ طاری ہو گیا تھا اس پر ایک پجاری ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''لگتا ہے بڑی منصوبہ بندی کے تحت ہمارے خلاف یہ کام کیا گیا ہے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ایرخ اور اس کے ساتھی مندر سے باہر کیا لینے آئے تھے اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ کس نے صدر دروازے کے محافظ پر تیر برسا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔''

اس پر ایک پجاری دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''یہاں کھڑے ہو کر اس موضوع پر ایسی گفتگو کرنا اچھا نہیں پہلے ساری لاشوں کو اندر لے چلیں صدر دروازے کے محافظ کی بھی لاش سنبھالیں اور وہاں اب ایک کے بجائے زیادہ محافظ کھڑے کریں اس کے بعد کل سے قاتلوں کی تلاش کا کام شروع کر دیں۔''

باقی پجاریوں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا لہٰذا ایرخ اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر وہ مندر کی طرف پلٹے' مندر کے صدر دروازے پر محافظ کی جو لاش تھی اس کو بھی اٹھا لیا گیا مندر کے صدر دروازے پر زیادہ محافظ کھڑے کر دیے گئے اور اس کے بعد بعل دیوتا کے مندر کے احاطے ہی میں ان پجاریوں کی لاشوں کو دفن کیا جانے لگا تھا۔

اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے یقطان شاؤل جرار اپنے قبیلے میں داخل ہوئے تینوں نے پہلے سردار ذونواس کے خیمے کا رخ کیا گھوڑوں کو خیمے سے باہر باندھنے کے بعد خیمے میں داخل ہوئے اندر ذونواس شاید بڑی بے چینی سے انہیں کا انتظار کر رہا تھا

جب وہ خیمے میں داخل ہوئے تب اس نے خوشی کا اظہار کیا جونہی وہ اندر آئے ذونواس نے اپنے جوانوں کے سرپرسالار شاول کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''جس کام کے لیے گئے تھے اس کا کیا بنا۔''

اس پر شاؤل نے مسکراتے ہوئے یقطان کی طرف دیکھا پھر ذونواس کو مخاطب کر کے کہنے گا۔

''اس کام کی ساری منصوبہ بندی کیونکہ یقطان بن سلوم نے کی تھی اور وہ اپنی اس منصوبہ بندی میں سو فیصد کامیاب رہا ہے لہٰذا اس کی تفصیل بھی یہی بتائے گا۔''

جواب میں ذونواس مسکراتے ہوئے یقطان کی طرف دیکھنے لگا اور یقطان نے بڑی تیزی کے ساتھ پجاریوں کے قتل اور عشتار دیوی کے محافظ کو تیر مار کر اس کا کام تمام کرنے کی ساری تفصیل سناڈالی تھی۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد ذونواس نے تینوں کو شاباش دی ان کا شکریہ ادا کیا پھر کہنے لگا۔

''ہم اپنے کام کی تکمیل کر چکے ہیں اب بلوس شہر کے نواح میں قیام کرنے کا ہمارے پاس کوئی مقصد اور مدعا نہیں ہے واپس جاؤ قبیلے والوں سے کہو کوچ کی تیاری کریں یہاں اب قیام نہیں کریں گے میری ایک بات غور سے سنتا اس وقت کیونکہ رات ہو چکی ہے لہٰذا عشتار دیوی کے مندر کے پجاری اپنے مرنے والے ساتھیوں کے قاتلوں کی تلاش رات کے وقت نہیں کریں گے اس کی ابتداء وہ یقیناً دن کے وقت شروع کریں گے اس طرح ہم بلوس شہر سے دور جا چکے ہوں گے اور ہم پر کوئی شک نہیں کرے گا اور اگر کوئی شک بھی کر لیتا ہے تو کوئی ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اس لیے کہ یہ مندر کے پجاری ہم پر شک کر کے ہمارا کیا بگاڑیں گے لیکن کیونکہ ان راستوں سے ہمارا آنا جانا ہوتا ہے اور انہیں راستوں پر ہماری روزی پھیلی ہوئی ہے لہٰذا ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔ بہرحال جس مقصد کے لیے ہم بلوس کی طرف آئے تھے وہ مقصد پورا کر چکے اب یہاں سے کوچ کر چلیں۔''

ذونواس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی یقطان اور شاؤل خیمے سے باہر نکل گئے تھے پھر تھوڑی دیر بعد کنعانیوں کا وہ قبیلہ بلوس شہر کے نواح سے شمال کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

☆☆

سامرہ شہر میں جس کا حکمران اخیاب تھا وہ ایمن کا باپ اور دیسان کا شوہر تھا وہاں ایک روز بڑی چہل پہل اور جشن کا سماں تھا اس لیے کہ اخیاب کی بیٹی جو اس کی بیوی ایزبل سے تھی اس کی شادی اسرائیل کی دوسری سلطنت یہودیوں کے بادشاہ اسا کے بیٹے یہوسفط سے ہو رہی تھی پورے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور ساحرہ شہر سے باہر جوبل دیوتا کا عظیم اور بہت بڑا مندر ایک کوہستانی سلسلے کے اوپر تھا اسے بھی اس روز خوب سجایا گیا تھا دراصل حضرت سلیمان کے بعد بنی اسرائیل درحصوں میں بٹ گئے تھے حضرت سلیمان کے بعد ان کا بیٹا رجسام تخت نشین ہوا بنی اسرائیل نے حضرت سلیمان کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سکم شہر میں رجسام کے بادشاہ بنائے جانے کی رسومات ادا کی جائیں چنانچہ بنی اسرائیل کے سارے سردار اور ان گنت اسرائیلی سکم شہر میں جمع ہوئے۔

جبکہ خود رجسام بھی یروشلم شہر سے ان رسومات میں شرکت کرنے کے لیے نکلے۔

سردار نے ان کے خلاف بغاوت اور سرکشی کر دی تھی اور وہ اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر مصر کی طرف بھاگ گیا تھا اس سردار کا نام یربعام تھا۔

سکم میں بادشاہت کی رسوم ادا کرنے سے پہلے رجسام نے کچھ قاصد مصر کی طرف بھجوائے اور باغی سردار یربعام کو یہ پیغام بھجوایا کہ وہ مصر سے نکل کر فلسطین میں داخل ہوا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے بادشاہ بنائے جانے کی رسومات میں شریک ہو۔ یربعام نے نئے بادشاہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا اور وہ اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ مصر سے نکل کر فلسطین میں داخل ہوا۔

جب باغی سردار ہربعام اپنے ساتھیوں کے ساتھ نئے بادشاہ رجسام کے سامنے پیش ہوا تو اس

[illegible] اور اس کے ساتھیوں نے حضرت سلیمان کے بیٹے رحبعام کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے بادشاہ تیرے باپ نے ہمارا جو سخت کر دیا تھا تو تو اب اپنے باپ کی اس سخت خدمت کو اور اس بھاری جوئے کو جو اس نے ہم پر رکھا تھا ہلکا کر دے اور اس کے صلے میں ہم تیری خدمت کریں گے اور ہمیں امید ہے کہ تو ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرے گا جیسا تیرا باپ اپنے دور میں ہمارے ساتھ کیا کرتا تھا۔"

اس کی یہ گفتگو سن کر حضرت سلیمان کے بیٹے اور بنی اسرائیل کے نئے بادشاہ رحبعام نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

"تم سب لوگ تین روز تک اس سکم شہر میں قیام کرو تین روز کے بعد میرے پاس آنا تب میں [illegible] گا۔"

رحبعام [illegible] وہ لوگ وہاں سے چلے گئے ان کے جانے کے بعد رحبعام نے ان سرداروں کو اپنے پاس جمع کیا جو حضرت سلیمان کے ساتھ بھی کام کرتے چلے آ رہے تھے اور انہیں مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔

"تم مجھے کیا صلاح دیتے ہوئے کہ مجھے مصر سے آنے والے ان باغیوں اور ان کے سردار یربعام سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔"

رحبعام کے اس سوال پر ان سارے سرداروں [illegible] ایک سردار نے رحبعام کو مخاطب [illegible] کہا۔

"اے بادشاہ تو اگر آج کے دن اپنی قوم کا [illegible] اپنی قوم کے کام کرے ان کی بہتری اور ان کی بھلائی کی کاروائیاں کرے اور جو لوگ باغی سردار یربعام کے ساتھ مصر سے نکل کر ارض فلسطین میں داخل ہوتے ہیں اگر تو ان کی بھی خدمت کرے ان کو نرمی سے جواب دے ان سے میٹھی میٹھی باتیں [illegible] تو وہ صدا تیرے خادم اور غلام بن کر رہیں گے۔" حضرت سلیمان کے ان بوڑھے سرداروں سے مشورہ کرنے کے بعد رحبعام نے ان جوانوں کو اپنے پاس جمع کیا جو بنی اسرائیل میں سرکردہ گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے جو اس کے ساتھ پل کر جوان ہوئے تھے جن کا اسرائیل کے اندر بڑا اثر رسوخ تھا جب یہ سارے جوان رحبعام کے سامنے پیش ہوئے تو رحبعام نے اس مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بغاوت اور سرکشی کرنے والے لوگ مصر سے نکل کر ارض فلسطین میں داخل ہوئے ہیں تم مجھے ان کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو۔ وہ لوگ جو مصر سے نکل کر یہاں آئے ہیں وہ مجھے کہتے ہیں کہ میرے باپ نے ان پر بوجھ رکھا اور میں وہ بوجھ ہلکا کروں۔"

چنانچہ ان جوانوں نے جو رحبعام کے ساتھ پل کر جوان ہوئے تھے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"اے بادشاہ جب وہ مصر سے آنے والے تین دن بعد تیرے پاس آئیں تو تو انہیں مخاطب کر کے کہنا میرے باپ نے جو بوجھ تم پر رکھا تھا وہ بوجھ تم پر پہلے سے زیادہ بھاری اور وزنی کر کے رکھ دوں گا۔ میرے باپ نے تم لوگوں کو کوڑوں سے ٹھیک کیا تھا تو میں تم کو بچھوؤں سے ٹھیک کر کے رہوں گا۔"

رحبعام نے ان جوانوں کے اس مشورے کو قبول کیا اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تین دن کے بعد مصر سے آنے والے باغی جب رحبعام کے سامنے پیش ہوئے تو رحبعام نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے باپ نے جو تم پر بوجھ رکھا تھا اس بوجھ میں اور اضافہ کروں گا اور اگر میرا باپ تمیں کوڑے مار کر ٹھیک کرتا رہا ہے تو میں تم سب پر بچھو چھوڑ کر تم کو درست کر دوں گا۔"

رحبعام کا یہ جواب سن کر نا صرف یہ کہ مصر سے آنے والے وہ باغی اس سے نا صرف ناخوش ہوئے بلکہ بنی اسرائیل کے بڑے بڑے سردار اور بڑے بڑے سرکردہ لوگ رحبعام کے جواب سے خفا اور ناراض ہوئے اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ رحبعام

کی جگہ پر بعام کا ساتھ دیں گے اس کے بعد ان سرداروں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد رحبام کے مخالفت اور یز بھام کی حمایت کرنے کا اعلان کر دیا۔

سکم میں قیام کے دوران جب رحبام کو یہ خبر ملی کہ بنی اسرائیل کی اکثریت اس کے خلاف ہوگئی ہے اور کسی بھی وقت اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے تو وہ اپنے حامی لوگوں کے ساتھ سکم شہر سے یروشلم شہر کی طرف کوچ کر گیا اب حالت یہ ہوگئی کہ بنی اسرائیل دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے بنی اسرائیل میں سے یہود اور بنیاسین کے قبیلوں نے رحبام کا ساتھ دینے کا اعلان کیا اور رحبام یروشلم میں رہتے ہوئے دونوں قبیلوں پر حکومت کرنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ وہ ان دونوں قبیلوں کے جوانوں پر مشتمل ایک جرار لشکر تیار کرنے کی کوشش میں لگ گیا تھا بنی اسرائیل کے دوسرے سارے قبیلوں نے مصر سے آنے والے نبی سردار یز بھام کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا تھا اور انہوں نے اب یز بھام ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اس طرح ارض فلسطین میں دو حکومتیں قائم ہوگئی تھیں ایک یروشلم شہر میں حضرت سلیمان کے بیٹے رحبام کو اور دوسری سامرہ شہر میں باغی سردار یز بھام کی حکومت قائم ہوئی تھی۔

ان دونوں سارائیلی حکومت سے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ دونوں حکومتیں حریف تو تھیں ہی وہ مگر بعض اوقات ان میں باقاعدہ دشمنی کی آگ بھی بھڑک اٹھتی تھی دونوں پر نشیب و فراز کی حالتیں طاری ہوئیں پھر کبھی قوت کا پانسہ اسرائیل کی طرف بڑھ جاتا اور کبھی یہودہ کی طرف اسرائیلی کا بادشاہ یز بھام تھا اور یہودہ کی سلطنت کا بادشاہ حضرت سلیمان کا بیٹا م رحبام تھا۔

اس طرح ان دنوں مملکت میں بار بار حکمرانوں میں تبدیلیاں ہوئیں یہاں تک کہ دو سو سال میں یکے بعد دیگرے انیس بادشاہ مسند نشین ہوئے پھر بغاوتیں ہوتی رہیں اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے خلاف سازشیں بھی کرتی رہیں یہی داخلی اختلاف انجام کار ان کی تباہی کا موجب بنے اور اب حالت یہ تھی کہ یہود یہ کا بادشاہ آسا تھا جس کا مرکزی شہر یروشلم تھا اور اسرائیل کا بادشاہ اخیاب تھا جس کا مرکزی شہر سامرہ تھا۔

جہاں تک سامرہ شہر کا تعلق ہے تو اس کا دوسرا نام نابلس بھی ہے یہ فلسطین کا ایک قدیم ترین شہر ہے اس کے قریب دو مقدس پہاڑ ہیں اور اس شہر کے باشندے عرب سامری ہیں۔

نابلش بقول کچھ مورخین سامرہ قوم کا شہر ہے جن کا دعوی ہے کہ مقدس شہر یروشلم نہیں بلکہ نابلس یا سامرہ ہے فرقہ سامرہ کے پاس دنیا میں اور کوئی شہر سوائے اس کے نہیں ہے بلکہ یروشلم والے کہتے ہیں وہ سوائے نابلس کے دنیا کے اور کسی شہر میں موجود نہیں ہے۔

اس شہر سے متعلق مورخ مقدسی بیان کرتا ہے کہ نابلس یا سامرہ پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اس میں زیستون کے درخت کثرت سے ہیں حتیٰ اسے چھوٹا دشمن بھی کہا جاتا ہے شہر ایک وادی میں آباد ہے اور ابال اور گریزیم نام کے دو پہاڑوں نے اسے دونوں طرف سے محصور کر رکھا ہے اس کا بازار شہر کے ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک پھیلا ہوا اور دوسرا بازار وسط شہر تک آتا ہے بیچ میں بڑی مسجد ہے جس کا فرش بہت خوب بنایا گیا ہے شہر کے اندر سے ایک ندی گزرتی ہے یہاں کے مکان پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور بعض قابل دید پن چکیاں یہاں نظر آتی ہیں۔

مورخ ادریسی اس شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ نابلس فرقہ ساحرہ کا شہر ہے یہاں وہ کنعان ہے جسے حضرت یعقوب نے کھودا تھا جہاں حضرت عیسیٰ بھی آ کر بیٹھے اور ایک ساحرہ عورت سے پینے کا پانی طلب فرمایا اس مقام پر آج کل ایک خوب صورت کلیسا بنا ہوا ہے یروشلم کے لوگ کہتے ہیں کہ فرقہ سامرہ کے لوگ اس شہر کے سوا کہیں اور نہیں ہیں اس شہر سے متعلق علی پروں کا کہنا ہے کہ نابلس ایک عام شہر ہے اس سے باہر ایک مسجد ہے جہاں لوگ کہتے

ہیں کہ حضرت آدمی نے نماز میں سجدہ کیا اور وہ پہاڑ گریزم بھی یہاں ہے جس کی نسبت یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابراہیم بھی اس پہاڑ پر رہے یہاں غار کے نیچے ایک چشمہ ہے جس کو بہت مقدس مانا جاتا ہے اور اس کی زیارت کو لوگ آتے ہیں بستی میں فرقہ سامرہ کی بڑی کثرت ہے نابلس یا سامرہ کے قریب حضرت خضر کا چشمہ اور حضرت یوسف کا میت بھی ہے مزید براں اسی جگہ حضرت یوسف درخت کے نیچے دفن ہوئے۔

مورخ یاقوت کا کہنا ہے کہ نابلس با سامرہ فلسطین کا مشہور شہر ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان اس طرح آباد ہے کہ چوڑائی کچھ نہیں رہی اور صرف طول چلا گیا ہے نابلس میں پانی افراط سے ہے کیونکہ پہاڑ ... ہے یہاں کی زمین پتھریلی ہے یروشلم ... اس کا فاصلہ دس میل ہے شہر کے متعلق وسیع اراضی اور اعلیٰ درجے کا ضلع ہے جو تمام تر جبل القدس پر پھیلا ہوا ہے۔

نابلس کے باہر وہ پہاڑ ہے جس کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے اس پر غار میں سجدہ کیا یہی وہ پہاڑ ہے کہ جس پر یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اس پر رہے یہودی اس پہاڑ کو نہایت متبرک اور قابل تعظیم خیال کرتے ہیں اور اسے گریزم کہتے ہیں۔

نابلس میں سامرہ فرقہ کے لوگ آباد ہیں جو صرف اسی جگہ بستے ہیں اور باہر جاتے ہیں تو صرف کاروبار یا نفع کمانے کی غرض سے یہ سامرہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے نابلس میں ان کی بری مسجد بنی ہوئی ہے یعنی بارہ سو پچیس میں اسی شہر کو وہ القدس موسوم کرتے ہیں اور یروشلم کے مقدس شہر پر تیرا بھیجتے اگر اس میں کسی کو وہاں یعنی یروشلم جانا پڑے تو شہر میں داخل ہوتے وقت ایک پتھر اٹھا کر بیت المقدس پر مارتا ہے کوہ گریزم کا انجیل میں بھی ذکر ہے فرقہ ساحرہ بیت عبادت یا قبلہ یہی پہاڑ ہے اس کے ایک غار سے وہ چشمہ نکلتا ہے جو اس فرقہ والوں میں نہایت مقدس مانا جاتا ہے یہی سبب کہ نابلس میں اس فرقے کی اتنی بڑی آبادی ہے۔

مورخ، مشقی اس شہر سے متعلق کہتا ہے کہ نابلس خوب صورت شہر ہے یہ بہت سرسبز اور پسندیدہ شہر ہے دو پہاڑوں کے درمیان ہونے کے باوجود وسیع کشادہ ہے آب رواں اور نفیس حماموں کی کثرت ہے۔ اس میں ایک خوب صورت مسجد بنی ہوئی ہے جہاں جماعت ہوتی ہے اور شبانہ روز قرآن مقدس پڑھا جاتا ہے جس کے لیے قاری مقرر ہیں۔

چاروں طرف باغ ہیں اور ان میں شہر بارہ دری نظر آتا ہے اس رقبے میں درختوں کی بڑی کثرت ہے اور اس کے زیتون کا تیل مصر شام حجاز اور صحرائے عرب کے تمام علاقوں کو جاتا ہے سالانہ ایک ہزار دمشقی قنطار صرف جامع اموی کے لیے دمشق بھیجا جاتا ہے اسی تیل سے نہایت عمدہ قسم کا صابن بناتے ہیں جو تمام ملکوں اور بحر روم کے جزیروں میں بھیجا جاتا ہے۔

نابلس میں ایک قسم کا زرد خربوزہ بوتے ہیں جو تمام خربوزوں سے زیادہ شیریں ہوتا ہے یہاں دو پہاڑ ہیں اور فرقہ سامرہ کے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں ان کی قربانیاں بھی اسی پہاڑ پر ہوتی ہیں اور قربانی کے لیے بھیڑیں ذبح کرتے ہیں گوشت کو آگ میں ڈالتے ہیں کسی اور شہر میں سامرہ فرقہ کے اتنے آدمی نہیں جتنے نابلس میں ہیں کیونکہ فلسطین کی دوسری تمام بستیوں میں سامرہ کی کل تعداد ملا کر ایک ہزار نفوس بھی نہ ہوگی کہتے ہیں اگر شاہراہ پھر یہودی عیسائی اور مسلمان جا رہے ہوں تو سامرہ فرقے کا آدمی مسلمانوں کے ساتھ چلنے کو ترجیح دے گا۔

ابو اس شہر کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ نابلس اہم شہر ہے حضرت سلیمان کا باغی سردار یربعام یہاں آیا اور اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے دس قبیلے بھی لے کر آیا اسی نابلس میں اس نے قیام کیا اور نابلس کے اوپر پہاڑی پر ایک بڑا مندر تعمیر کروایا کیونکہ وہ سوائے حضرت موسیٰ ہارون اور یوشع کے حضرت داؤد سلیمان

اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کی رسالت کا منکر تھا پھر اس نے فرقہ سامرہ کے لیے ایک قانون دین بنایا جس میں بیت المقدس کی زیارت کو جانا ممنوع قرار دیا تھا کہ اس کے ساتھی وہاں نہ جائیں اور وہاں کے بادشاہوں کی جو حضرت سلیمان کی اولاد کی خوبیاں دیکھ کر خود اس سے برگشتہ نہ ہو جائیں فرقہ سامرہ کی بنیاد اس طرح پڑی اور اس کے ظہور کی یہ صورت تھی جو بیان کی گئی ہے۔

سن تیرہ سو پچپن میں نابلس کی ابن بطوطہ نے سیاحت کی وہ اسے انہار اور اشجار خاص کر زیتون سے مامور بتاتا ہے۔ جس کا تیل دمشق قاہرہ کو بھیجا جاتا ہے وہ لگتا ہے یہاں تخم خرنب کی ایک مٹھائی ایسی بناتے ہیں جو دمشق بلکہ قاہرہ اور دور دور تک بکنے جاتی ہے اس کے بنانے میں خرنب کو ابال کر خوب گوندھ لیا جاتا ہے اور ایک نہایت عمدہ قسم کا خربوزہ بھی جو نابلس کے نام سے موسوم ہے یہاں پیدا ہوتا ہے شہر میں ایک جامع مسجد ہے جس کے وسط میں پیچھے پانی بنا ہوا ہے۔

بہر حال اسی نابلس شہر میں ساحرہ کے حکمران اجناب نے اپنی بیٹی کی شادی یہودیوں کی دوسری ریاست یہودہ کے بادشاہ کے بیٹے سے کر دی اس شادی کے موقع پر بڑا بے مثل اور شاندار جشن برپا کیا گیا اور اس جشن کے موقع پر چاہیے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل خداوند قدوس کا شکریہ ادا کرتے لیکن اس خوشی کے موقع پر انہوں نے بعل دیوتا کے ہاں قربانیاں دیں اور بعل دیوتا کو خوش کرنے کے لیے نابلس کے قریب کوہستانی سلسلے کے اوپر جو بعل دیوتا کا مندر بنا ہوا تھا اسے خوب سجایا گیا اور کئی روز تک بعل دیوتا کی پوجا پاٹ اور پرستش کا کام ہوتا رہا۔

جن دنوں سامریہ میں بعل دیوتا کی پوجا پاٹ اور پرستش اپنے زوروں پر آ گئی تب خداوند قدوس کے حکم سے حضرت الیاس نے سامرہ رخ کیا تاکہ سامریہ کے بادشاہ اخیاب کو سمجھائیں اور اسے شہر سے باز رکھنے کی کوشش کریں چنانچہ حضرت الیاس سامریہ کے بادشاہ اخیاب کے پاس پہنچے اسے بہت سمجھایا اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی اخیاب نے حضرت الیاس کی بات ماننے کے بجائے آپ سے دشمنی شروع کر دی تھی ان حالات میں خداوند قدوس کے احکامات کے مطابق آپ دریائے یزدن کے قریب کریت نام کے ایک نالے کی طرف چلے گئے اور ساتھ ہی خداوند قدوس کی طرف سے آپ کی تسلی کے لیے آپ پر یہ وحی کی گئی کہ اس نالے کے اندر زندگی بسر کرتے ہوئے پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خداوند قدوس کی طرف سے پرندے آپ کے لیے کھانا لے آیا کریں گے اور یہ کہ وہ اس نالے کا پانی پی کر ایک وقت مقررہ تک دن گزاریں۔

پس ایسا ہوا کہ خداوند قدوس کے حکم مطابق حضرت الیاس اسی نالے میں ایک پناہ گاہ بنا کر رہنے لگے صبح و شام خدا کے حکم کے مطابق پرندے انہیں کھانا پہنچانے اور نالے کا پانی پی کر آپ گزر بسر کرتے رہے یہاں تک کہ سامریہ کی سلطنت میں قحط پڑ گیا اور بارش ہونا بند ہو گئی جس کے باعث وہ نالہ بھی خشک ہو گیا۔

تب خداوند قدوس کی طرف حضرت الیاس کو حکم ہوا کہ وہ اس نالے سے نکل کر سارپت نام کے قصبے کی طرف روانہ ہو جائیں اس لیے کہ وہاں خداوند قدوس کی طرف سے ایک بیوی کو پہلے ہی حکم دے دیا گیا ہے کہ الیاس کی پرورش اور دیکھ بھال کرے۔

ساتھ ہی حضرت الیاس کو یہ بھی حکم ہوا کہ سارپت کی طرف جاتے ہوئے راستے میں الیسع نامی شخص کو اپنے ساتھ لے لیں اس لیے کہ ان کے لیے فلسطین کی سرزمین میں الیسع ہی نبی کی حیثیت سے خداوند قدوس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائیں گے۔

چنانچہ خداوند قدوس کا یہ حکم ملنے کے بعد حضرت الیاس کریت نام کے اس نالے سے نکل کر سارپت کی طرف روانہ ہوئے راستے میں انہوں نے

[illegible] کو دیکھا جو زمین جوت رہے تھے' الیاس ان کے قریب آئے اور جس طرح انہیں خداوند قدوس کی طرف سے حکم ملا تھا' اس کے مطابق انہوں نے اپنی چادر السیع پر ڈال دی جس کا اثر یہ ہوا کہ السیع اپنا سارا کام چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو لیے' اس طرح السیع اور حضرت الیاس دونوں سارپت کے قصبے میں پہنچے۔

انہوں نے دیکھا کہ قصبے کے باہر ایک عورت لکڑیاں چن رہی تھی اس موقع پر خداوند قدوس نے حضرت الیاس کی رہنمائی کی اور آپ پر وحی نازل ہوئی کہ یہی وہ عورت ہے جس کے ذمے تمہاری دیکھ بھال اور پرورش کی گئی ہے حضرت الیاس لکڑیاں چننے والی اس عورت کے پاس آئے اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"اے خاتون میں اور میرا ساتھی دونوں [illegible] ہیں کیا ایسا ممکن نہیں کہ تو ہمیں پانی پلائے اور ہمارے لیے کچھ کھانے کے لیے بھی آگے لا[illegible]"

اس [illegible] وہ عورت [illegible] حضرت الیاس کو بڑی عاجزی [illegible]

"[illegible] پانی تو [illegible] قدر [illegible] لیکن [illegible] مجھے اپنے خدا کی [illegible] روٹی نہیں ہے ہاں میرے گھر میں [illegible] تھوڑا سا آٹا ہے اور کپی میں تھوڑا [illegible] اس غرض سے آئی ہوں کہ [illegible] لکڑیاں چنوں اور واپس جا کر اس آٹے اور گھی سے [illegible] کھانا پکا کر دوں جو ابھی چھوٹا ہے اور اگر [illegible] ایسا نہ کیا تو مجھے خدشہ ہے وہ مرجائے گا۔"

اس عورت کی ڈھارس بندھاتے ہوئے حضرت الیاس کہنے لگے۔

"اے معزز خاتون تو ٹھیک کہتی ہے تو مجھے [illegible] ساتھ اپنے گھر لے چل میں اپنے خدا کے حکم [illegible] تحت تیری طرف آیا ہوں دیکھ میرے خدا مجھے یہ [illegible] دیا ہے کہ جب تک میں اپنے ساتھی کے ساتھ [illegible] ہاں قیام کرونگا اور جب تک اس سرزمین کے اندر قحط پھیلا ہوا ہے اس وقت تک تیرے اس مٹکے سے آٹا اور کپی سے گھی ختم نہ ہوگا۔"

وہ عورت سمجھ گئی کہ یہی وہ شخص ہے جس کی دیکھ بھال کے لیے اسے اشارہ دیا گیا تھا لہٰذا وہ انہیں لے کر اپنے گھر چلی گئی اس طرح حضرت الیاس نے الیسع کے ساتھ اس خاتون کے ہاں قیام کیا اور جب تک وہاں ٹھہرے رہے وہاں مٹکے سے آٹا کپی سے کبھی ختم نہ ہوا' اس کے بعد حضرت الیاس کو خداوند قدوس کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ ایک بار پھر اخیاب کی طرف جائیں اور اسے شرک سے منع کریں پس خداوند قدوس کا حکم پا کر حضرت الیاس اپنے شاگرد الیسع کے ساتھ پھر اخیاب سے ملنے کے لیے سامریہ شہر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

حضرت الیاس جب سامریہ شہر کے قریب گئے تو وہاں ان کی ملاقات سامریہ کے بادشاہ اخیاب کے ماجب عبدیہ سے ہوئی عبدیہ ایک نیک شخص تھا اور اللہ کے نیک بندوں کی حفاظت کرنے والا تھا جبکہ دوسری طرف بادشاہ اخیاب اپنی ملکہ ایزبل کی فرمائش کے تحت ہر اس شخص کو قتل کروا دیتا [illegible] جو بعل دیوتا کی پرستش کو شرک قرار [illegible] کر خدائے واحد کی طرف بلاتا تھا۔ یہی حالت حضرت الیاس کی بھی ہوئی جب وہ پہلی بار اخیاب کی طرف گئے تھے اور بعل دیوتا کی پرستش کو شرک' قرار دے کر اس کے خلاف آواز اٹھائی تو ایزبل اور اخیاب دونوں آپ کے خلاف ہو گئے تھے اور آپ نے خداوند قدوس کے احکامات کے تحت کریت کے نالے میں پناہ لی تھی' عبدیہ نے حضرت الیاس کو دیکھا تو فکر مند ہوا اسے خدشہ ہوا کہ اگر بادشاہ نے الیاس کو دیکھ لیا تو ضرور اس شخص کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اس موقع پر عبدیہ نے حضرت الیاس کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

"میں تیرے لیے اپنے بادشاہ اخیاب سے خوفزدہ ہوں اس لیے کہ جب اسے خبر ہوگی کہ آپ شہر میں داخل ہوئے ہو تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ آپ کو

کوئی نقصان نہ پہنچائے لہٰذا میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' اس پر حضرت الیاس نے قبدیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''عبدیہ تم میرے معاملے میں کوئی خطرہ کوئی خوف محسوس نہ کرو اس لیے کہ میں اپنے خداوند قدوس کے احکام کے تحت اس طرف آیا ہوں تم جاؤ اور اپنے بادشاہ اخیاب کو میرے آنے آنے کی خبر کرو کیونکہ میں اپنے آقا اپنے مالک اپنے خدا کے حکم کے تحت اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

پس عبدیہ مجبور ہو کر گیا اور اپنے بادشاہ اخیاب کو جا کر الیاس کے آنے کی اطلاع دی۔ اخیاب نے عبدیہ کو واپس بھیجا کہ الیاس کو لے کر میرے پاس آؤ جب الیاس اور آپ کے شاگرد الیسع کو اخیاب کے سامنے پیش کیا گیا تو الیاس کو مخاطب کرتے ہوئے اخیاب نے کہا۔

''اے الیاس تو پھر اس شہر میں داخل ہو گیا ہے کیا تو چاہتا ہے کہ تو اپنی باتوں سے بنی اسرائیل کے اندر نفرت اور عداوت پھیلا دے۔'' اس پر حضرت الیاس نے کمال جرات مندی اور بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اخیاب غور سے سنو میں اپنے باتوں سے بنی اسرائیل کے اندر عداوت بدی اور بے راہ روی نہیں پھیلا رہا بلکہ تو بنی اسرائیل کے اندر تمہارے اور تمہاری ملکہ کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے سو بادشاہ اس سے پہلے لوگ گناہ ضرور کرتے تھے پھر اپنے خدا کو واحد جانتے ہوئے اس کی بندگی اور عبادت بھی کرتے تھے اے بادشاہ جب تم نے صیدا کی اس شہزادی ایزبل سے شادی کی ہے وہ اپنے ساتھ سونے کا دیوتا کا بت بھی لے کر آئی ہے تب سے اس سرزمین کے شرک کا دور دورہ شروع ہوا ہے اور تو نے ایزبل کا کہا مانتے ہوئے بعل دیوتا کو کوہستان کرمل پر نصب کروا دیا ہے اور وہاں تو نے اس کے لیے ایک بہت بڑا مندر تعمیر کرنے کے علاوہ اس مندر میں ساڑھے چار سو کے قریب پجاری بھی رکھ دیے ہیں۔

بس اے بادشاہ تیرے ایسا کرنے سے اس سرزمین میں شرک پھیلا ہے شرک کی وجہ سے اسی سرزمین میں بدامنی بداعمالی نے گھر کر لیا ہے پس اس بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس سرزمین میں اور بنی اسرائیل کے اندر تیری وجہ سے بے راہ روی اور گناہ اور عداوت پھیل گئی ہے۔''

حضرت الیاس کی اس گفتگو کے جواب میں اخیاب کہنے لگا۔

''سن الیاس میں سمجھتا ہوں کہ میری ملکہ ایزبل نے کوئی برا کام نہیں کیا' تم دیکھتے ہو کہ جب سے بعل دیوتا کے بت کو کوہستان کرمل پر بننے والے مندر کے اندر رکھا گیا ہے لوگ جوق در جوق اس طرف آتے ہیں اسے اس سے اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں تم جانتے ہو کہ بعل دیوتا کی صرف یہاں پرستش نہیں ہو رہی بلکہ لبنان کے کوہستانی سلسلوں سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی اقوام میں سے بہت سی ایسی ہیں جو اس بعل کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہیں۔ اس کے آگے اپنے سر کو خم کرتی ہیں اور اس کو اپنا اکلوتا اور واحد کارساز سمجھ کر اس پر نذرانوں کے چڑھاوے کے علاوہ اس سے مرادیں بھی مانتے ہیں۔

سن الیاس اگر تو سمجھتا ہے کہ یہ بعل دیوتا جھوٹا ہے پھر تو لوگوں کے سامنے کوئی معجزہ دکھا جس کی وجہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ بعل دیوتا کی پرستش شرک ہے اور بعل دیوتا کی وجہ سے ان سرزمینوں کے اندر گناہ اور بدل پھیلی ہے۔''

اخیاب کی یہ گفتگو سن کر الیاس تھوڑی دیر خاموش رہے پھر آپ نے انیاب کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''جس طرح خداوند قدوس کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے اس کے مطابق میں تم سے کہتا ہوں کہ کوہستان کرمل پر جہاں تم نے بعل دیوتا کا بہت بڑا اور عظیم مندر تعمیر کروا رکھا ہے وہاں تو بنی اسرائیل کے بڑے بڑے اور سرکردہ لوگوں کو جمع کر لو اور بعل دیوتا کے ساڑھے چار سو پجاری اس مندر کے اندر

کام کرتے ہیں اور دن رات بعل دیوتا کی دیکھ بھال اور اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بعل کی پوجا اور پرستش بھی کرتے ہیں تو ان پجاریوں کو بھی وہاں جمع کر پھر جو کچھ میرے خدا نے مجھ سے کہا ہے اس کے مطابق تو ایسا کر کہ ان سے کہہ کر بعل دیوتا کے مندر کے سامنے لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگائیں۔ پھر ایک بیل لے کر اسے ذبح کریں اور اس کے گوشت کے ٹکڑے ملا کر ان لکڑیوں پر ڈال دیں اس طرح میں بھی اپنی طرف سے مندر کے سامنے ایک لکڑیوں کا ڈھیر لگاؤں گا اور ایک بیل ذبح کر کے اور اس کا گوشت کاٹ کر ان لکڑیوں کے اوپر رکھ دوں گا۔

پس اے بادشاہ جب ایسا ہو چکے اور تیرے پجاری لکڑیوں پر بیل ذبح کر کے ڈال دیں اور میں بھی ایسا کرلوں تو پھر تیرے پجاری بعل دیوتا سے دعا مانگیں اور میں اپنے خداوند کے حضور دعا مانگوں گا اور جس کی لکڑیوں کو بھی آگ لگ جائے اور گوشت بھسم ہو کر رہ جائے وہی سچا ہوگا۔''

سامریہ کے بادشاہ اخیاب نے حضرت الیاس کی اس تجویز کو پسند کیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر یہ معاملہ ہے تو تم یہیں قیام کرو میں پجاریوں سے مشورہ کر کے ایک دن مقرر کرتا ہوں۔ اس دن بنی اسرائیل کے سارے سرکردہ لوگوں کو جمع کر کے اور پھر تمہاری تجویز پر عمل کیا جائے گا۔''

یوں حضرت الیاس نے اپنے شاگرد الیسع کے ساتھ سامریہ شہر میں قیام کیا اس دوران بادشاہ کی طرف سے ایک دن مقرر کر دیا گیا جس دن بنی اسرائیل کے سارے سرکردہ لوگوں کو وہاں جمع ہونے کا حکم دیا گیا اور پھر پجاریوں کو بھی وہاں آنے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔

حضرت الیاس اور بعل دیوتا کے پجاریوں کے درمیان جو دن مقرر ہوا تھا اس روز حضرت الیاس اپنے شاگرد الیسع کے ساتھ کوہستان کرمل پر آئے اور ان کے مقابلے میں پجاری بھی وہاں آ گئے تھے۔

دونوں گروہ اپنے اپنے بیل ذبح کرنے لگے تھے کہ اپنی اپنی قربانی کی تیاری کریں یہ دیکھیں کہ کس کی قربانی قبول ہوتی ہے کس کی نامنظور ہوتی ہے اس موقع پر سامریہ کا بادشاہ اخیاب اس کی ملکہ ایزبل اور بے شمار اسرائیلی بنی کوہستان کرمل پر وہ مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

پس دونوں گروہوں کی قربانیاں تیار ہو گئیں تو سب سے پہلے بعل دیوتا کے پجاریوں نے جو مذبح تیار کیا تھا اس کے اوپر جو لکڑیاں رکھی گئی تھیں ان پر ذبح کیے ہوئے بیل کا گوشت رکھ دیا گیا تھا اس کے بعد وہ بعل دیوتا سے اس قربانی کی قبولیت کی دعا مانگنے لگے۔ صبح سے دوپہر تک وہ بعل دیوتا سے دعا کرتے رہے اور کہتے رہے اے بعل تو ہماری دعا سن پر بعل کی طرف سے انہیں نہ کوئی آواز سنائی دی اور نہ انہیں کوئی جواب ملا اور سارے پجاری اس مذبح کے اردگرد جو بنایا گیا تھا کودتے رہے اور دوپہر کے قریب ایسا ہوا کہ حضرت الیاس نے بلند آواز میں انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔

''سنو بعل دیوتا کے پجاریو اپنے دیوتا کو بلند آواز میں پکارو کیونکہ وہ تو دیوتا ہے ہو سکتا ہے وہ سوچوں میں یا پھر کہیں گہری نیند میں ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ زور زور سے اسے پکارتے ہوئے جگایا جائے۔'' اس پر پجاری بلند آواز میں بعل دیوتا کو پکارنے لگے۔

اس کے علاوہ اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق اپنے آپ کو چھریوں اور نشتروں سے گھائل کرنے لگے تھے یہاں تک کہ وہ سب بجارے لہولہان ہو گئے بعل دیوتا کی طرف سے انہیں کوئی جواب دیا گیا اور نہ ہی ان کی قربانی کو قبول کیا گیا اس طرح شام ہونے والی ہو گئی تھی۔

جب بعل دیوتا کے سارے پجاری اپنے اپنے کام میں ناکام ہو گئے تب حضرت الیاس اپنے شاگرد الیسع کے ساتھ اٹھے جو قربان گاہ انہوں نے تیار کر رکھی تھی اس پر انہوں نے بیل کو گوشت رکھا پھر اس

کے بعد قریب ہی دو زانوں ہو کر بیٹھ گئے دعا کے انداز میں انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر انتہائی رقت اور دل سوزی اور انتہائی عاجزی انکساری میں انہوں نے کہنا شروع کیا۔

''اے خداوند اے ابراہیم اسحاق اور اسرائیل کے خدا آج یہاں جمع ہونے والے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تو ہی خداوند بندگی اور عبادت کے قابل ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے جو کچھ کیا ہے وہ تیرے ہی حکم سے کیا ہے اے میرے خدا میری سن تا کہ یہ جان لیں کہ تو ہے خدا ہے تیرے علاوہ کوئی معبود کوئی کارساز نہیں ہے۔

اے اللہ یہ لوگ جو میرے مقابل آئے ہیں زرد رو کھیت مردہ طرف اور ضمیر رکھنے والے آخرت اور عاقبت سے انکار کرنے والے سچائی کے پرچم اکھاڑنے والے اور جھوٹے عمامے باندھنے والے لوگ ہیں یا اوہام پسند ہیں' سال ہا سال کی بدی کی دھند کے اندر ڈوبے رہنے کے بعد ان کی حالت گہنائے ہوئے چاند جیسی ہو گئی ہے اب یہ گھمبیر اندھیروں کی سسکتی نشب جیسے ادبجھی ہوئی قندیلوں جیسے ہو کر رہ گئے ہیں اب انہیں کسی ہدایت کسی راہنمائی کی تمنا نہیں ہے اے خداوند یہ لوگ جو یہاں میرے مقابل جمع ہیں ان کی قباؤں پر خون ناحق کے چھینٹے ہیں یہ موت کے راستے میں صلیبیں کھڑی کرنے والے جاہل لوگ ہیں ان کی اس نجس چھب ان کی اس جاہلیت کے سامنے میرے اللہ میری مدد فرما تا کہ ان کے اپنے کھڑے کیے ہوئے جھوٹے دیوتاؤں کے مقابلے میں تیرے نام کا بول بالا ہو۔

اے اللہ والے میرے خدا میری راہبری کرنے والے واحد اور قہار میری دعا کو سن میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں تیری ہی راہبری تیری ہی رہنمائی میں کر رہا ہوں پس تو میری اس قربانی کو قبول فرما تا کہ یہ لوگ جانیں کہ بعل دیوتا جس کی یہ پوجا پاٹ کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کائنات کے اندر تو ہی اکیلا اور واحد ہے جو بندگی اور عبادت کے قابل ہے۔''

حضرت الیاس جب اپنی دعا جب ختم کر چکے تو لوگ دنگ اور حیران رہ گئے اس لیے کہ اسی لمحہ آسمان کی طرف سے ایک آگ نازل ہوئی اور اس نے اس سوختی قربانی کی لکڑیوں پتھروں کو گوشت سمیت بھسم کر کے رکھ دیا اور قربان گاہیں تیار کرتے وقت جو نزدیک کی کھائی میں پانی جمع ہو گیا تھا' وہ پانی بھی اس آگ کے نزول کے باعث خشک ہو کر رہ گیا تھا اور وہاں جمع ہونے والے لوگوں نے جب یہ سماں دیکھا تو بے حد متاثر ہوئے وہ بلند آوازوں میں شور کرنے لگے۔

''خداوند اکیلا اور واحد ہے وہی بندگی عبادت اور کارسازی کے لائق ہے۔'' اور وہاں جمع ہونے والے سارے لوگ سجدے میں گر گئے تھے تاہم بعل دیوتا کے پجاری اپنی جگہ پر کھڑے رہے وہ سجدے میں نہ گرے تھے پر وہ بھی اس موقع پر ایک عجیب حادثے سے پریشان اور متاثر دکھائی دے رہے تھے وہاں جمع ہونے والے سب لوگ جب سجدے سے اٹھے تب حضرت الیاس نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''یہاں جمع ہونے والے بنی اسرائیل کے فرزندوں پہ بعل دیوتا کے پجاری خداوند کی نشانی دیکھنے کے باوجود اس کے حضور نہ جھکے اور نہ ہی انہوں نے خداوند کو سجدہ کیا لہٰذا ان کو پکڑو اور اس کوہستان کرمل کے نیچے جو غیون نام کا نالا ہے وہاں لے جا کر انہیں قتل کر دو۔'' وہاں جمع ہونے والے سب لوگ حضرت الیاس کے کہنے پر حرکت میں آئے انہوں نے بعل دیوتا کے ان پجاریوں کو پکڑ لیا پھر انہیں لے کر کوہستان کرمل کے نیچے غیون نام کے نالے پر لے گئے اور ان سب کو وہاں لیجا کر قتل کر دیا۔

حضرت الیاس کی طرف سے اس معجزے کا ظہور دیکھ کر سامرہ کا بادشاہ اخیاب بے حد متاثر اور اپنی جگہ پر پریشان ہوا جب بعل دیوتا کے سارے پجاریوں کو کوہستان کرمل کے نیچے لیجا کر پھر بعل دیوتا سے منہ پھیرتا ہوا خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اپنے گناہوں کی اس نے معافی مانگی اور بعل سے

روگردانی کا وعدہ کیا پھر وہ سجدے سے فارغ ہونے کے بعد کھڑا ہوا اور اپنے قریب ہی الیسع کے ساتھ کھڑے حضرت الیاس کے پاس آیا اور بڑی عاجزی اور انکساری سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے الیاس میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور یہ جو تمہاری قربانی قبول ہوئی ہے یہ ثابت کرتی ہے کہ تم خداوند کے پسندیدہ اور اس کے چنے ہوئے ہو اس کوہستان کرمل پر میں بعل دیوتا سے روگردانی کر کے اللہ کی فرماں برداری کرنے کا عہد کر چکا ہوں پس تو اپنے رب کے حضور دعا کر کہ میری سلطنت کے اندر خوب بارش ہو کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ کئی برس سے سامرہ کی سلطنت میں بارش نہیں ہوئی اور میرے لوگ سخت کال اور بھوک کا شکار ہیں اور اگر بارش ہو تو ہمارے غلے کی فروانی ہو اور لوگ خوشحال ہو جائیں گے۔'' اپنی بات ختم کرنے کے بعد جب اخیاب خاموش ہوا تو حضرت الیاس نے اخیاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''اے اخیاب تو میرے ساتھ آ.....'' اخیاب چپ چاپ ان کے ساتھ ہولیا اس موقع پر اخیاب کے چند ملازم بھی اس کے ساتھ تھے۔ حضرت الیاس ان سب کو لے کر کوہستان کرمل پر بنی ہوئی عمارت کے کمرے میں داخل ہوئے اور خداوند کے حضور بارش کی دعا کرنے لگے دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت الیاس نے سامرہ کے بادشاہ اخیاب سے کہا۔

''اے اخیاب اپنے ایک ملازم کو باہر بھیج کہ وہ کوہستان کرمل کی چوٹی پر کھڑا ہو کر سمندر کی طرف دیکھے کوئی معمولی چیز دکھائی دے تو مجھے بتائے۔''

اس پر اخیاب نے اپنے ایک ملازم کو باہر بھیجا اور اس کو تاکید کی کہ کوہستان کرمل کی چوٹی پر کھڑا ہو کر سمندر کی طرف دیکھے اور کوئی غیر معمولی چیز دکھائی دے تو آ کر اطلاع دے۔

ملازم باہر گیا تھوڑی دیر تک وہ کوہستان کرمل پر کھڑا ہو کر سمندر کو بار بار دیکھتا رہا پھر واپس آیا اور حیرانی سے انتہائی مایوسانہ انداز میں کہنے لگا۔

''اے اللہ کے نبی میں نے وہاں کھڑے ہو کر بڑے غور سے سمندر کی طرف دیکھا مگر مجھے وہاں کوئی چیز دکھائی نہیں دی۔''

اس کا یہ جواب پا کر حضرت الیاس خاموش رہے انہوں نے پھر ملازم کو باہر بھیجا مگر اس بار بھی اسے سمندر کی طرف کچھ دکھائی نہ دیا یوں حضرت الیاس نے سات بار ملازم کو باہر بھیجا اور ساتویں بار وہ ملازم بھاگا بھاگا اندر آیا اور حضرت الیاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے اللہ کے نیک بندے میں دیکھتا ہوں کہ سمندر کے اندر سے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا ہے اس کے علاوہ کوئی اور غیر معمولی چیز نمودار نہیں ہوئی۔'' یہ خبر سن کر حضرت الیاس نے اپنے قریب بیٹھے سامریہ کے بادشاہ اخیاب کو مخاطب کر کے کہا۔

''اخیاب دیکھ خداوند کے حضور میری دعا قبول ہوئی یہ بادل کا ٹکڑا سمندر کی طرف سے نمودار ہو رہا ہے بہت جلد سارے آسمان پر پھیل کر موسلا دھار بارش کا سبب بنے گا لہٰذا قبل اس کے بارش شروع ہو آؤ اٹھو شہر کی طرف چلیں ورنہ یہ بارش ہم کو شہر میں داخل نہ ہونے دے گی۔''

حضرت الیاس کا یہ جواب سن کر اخیاب خوش ہو گیا تھا پھر وہ اپنے ملازموں کے ساتھ سامریہ کی طرف چلا گیا جبکہ حضرت الیاس اپنے شاگرد الیسع کے ساتھ شہر کی طرف چلے گئے اور جو لوگ وہاں کھڑے ہوئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سمندر کی کوکھ کے اندر سے بادل کا جو ٹکڑا نمودار ہوا تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر پھیل گیا پھر بادل گرجنے لگے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اس بادل کے باعث دور دور تک بارش ہونے لگی تھی سامریہ سلطنت کی سرزمین جو برسوں سے پیاسی اور خشک ہو گئی تھی وہ تر بتر ہو کر رہ گئی تھی۔

دوسری طرف کوہستان کرمل سے واپسی کے بعد سامریہ کے بادشاہ اپنے محل کے کمرہ خاص میں

داخل ہوا تو اس کی ملکہ ایزبل پہلے سے بڑی بے چینی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی تھی اس کمرے میں آ کر اخیاب ایک نشست پر بیٹھ گیا ایزبل نے فوراً اسے مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

''گو میں کوہستان کرمل پر آپ کے ساتھ گئی تھی لیکن کیونکہ یہ معاملہ طول پکڑ گیا تھا لہٰذا میں واپس آ گئی لہٰذا مجھے اب یہ بتایا جائے کہ بعل دیوتا کے پجاریوں کے ساتھ جو مقابلہ ہوا تھا اس کا کیا بنا۔''

ایزبل کا یہ سوال سن کر اخیاب کے چہرے پر اداسی اور پریشانی چھا گئی تھوڑی دیر تک وہ گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر ایزبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ایزبل میں آج تک الیاس کو ایک عام سا آدمی تصور کرتا رہا پھر آج مقابلے کے دوران یہ ثابت ہو گیا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا فرستادہ اور نبی ہے۔

ایزبل کوہستان کرمل پر بعل دیوتا کے مندر کے عین سامنے دو قربان گاہیں تیار کی گئی تھیں ایک قربان گاہ الیاس نے تعمیر کی تھی دوسری بعل دیوتا کے پجاریوں نے ایک بیل کاٹ کر اس کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قربان گاہ کی لکڑیوں پر رکھ دیے اس کے بعد وہ بعل دیوتا سے فریاد کرنے لگے کہ ان کی قربانی کو قبول کیا جائے۔

صبح سے شام تک بعل دیوتا کے پجاری بعل سے فریاد کرنے کے علاوہ اپنے جسموں پر چھریاں مار کر اپنے آپ کو لہولہان کرتے رہے تاکہ بعل دیوتا ان کی حالت سے متاثر ہو کر ان کی قربانی کو قبول کر لے صبح سے شام تک دعا اور اس دہائی دینے کے باوجود بھی بعل دیوتا کی طرف سے نہ کوئی جواب ملا اور نہ ہی ان کی قربانی قبول کی گئی آخر تھک ہار کر وہ اپنی قربان گاہ پر بیٹھ گئے تھے۔

اور پھر اس کے بعد ایسا ہوا کہ اللہ کے اس فرستادہ اور نبی الیاس حرکت میں آئے انہوں نے بیل ذبح کر کے اور اس کا گوشت قربان گاہ کی لکڑیوں پر رکھا اس کے بعد اس نے خداوند کے حضور دعا کی اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ آسمان سے ایک آگ اتری اس نے قربان گاہ پر رکھے گوشت کو بھسم کر کے رکھ دیا اور قربان گاہ کے اردگرد جمع ہونے والے پانی کو بھی اس نے خشک کر دیا تھا۔

سنو ایزبل ایسا ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے جتنے لوگ کوہستان کرمل پر جمع تھے بعل دیوتا کی طرف سے پیٹھ کرتے ہوئے سچے دل سے اپنے خداوند کے حضور سجدہ ریز ہو گئے یہ دیکھتے ہوئے الیاس نے حکم دیا کہ یہاں جمع ہونے والے بعل دیوتا کے پجاریوں کو کوہستان کرمل سے نیچے سجا کر غیون کے تالے میں قتل کر دیا جائے۔

اس آج کے مقابلے کا یہ انجام ہوا کہ بعل دیوتا کے سارے پجاریوں کو لے جا کر اس نالے پر قتل کر دیا گیا جو تم دیکھتی ہو کہ ہماری سرزمین پر بارش ہو رہی ہے تو یہ بھی اس دعا کا نتیجہ ہے جو الیاس نے خداوند سے کی۔'' یہاں تک کہنے کے بعد اخیاب خاموش ہو گیا تھا اخیاب کی ان انکشافات پر ایزبل کے سامنے خالی نشست پر بیٹھ گئی تھوڑی دیر تک وہ اپنے سر کو جھکائے بڑے ملول سی بیٹھی رہی پھر وہ زخمی سانپ کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی اور اخیاب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اگر بعل دیوتا کے وہ پجاری ختم کر دیے گئے ہیں تو سامرہ شہر میں پجاریوں کی کمی تو نہیں ہے میں کل ہی پہلے پجاریوں سے دوگنے پجاری بعل دیوتا کے مندر میں مقرر کر دوں گی اخیاب مجھے اپنی اور تیری جان کی قسم جو حشر الیاس نے میری بعل دیوتا کے پجاریوں کا کیا ہے میں کل تک ایسا ہی برا انجام الیاس کا کروں گی۔''

چونکہ اس وقت ایزبل کی حالت پریشان کن ہو رہی تھی لہٰذا اخیاب اسے سہارا دے کر اسے اپنی خواب گاہ میں لے گیا تاکہ وہ آرام کر سکے خود اخیاب نے ایک قاصد حضرت الیاس کی طرف روانہ کیا اور انہیں ملکہ ایزبل کے ارادے سے آگاہ کیا کہ

بل کل تک تمہارا خاتمہ کرنے کے درپے ہے۔
س وقت ایزبل کے ارادے سے الیاس کو
کاہی ہوئی اس وقت ان پر وحی نازل ہوئی اور انہیں
ہا گیا سامریہ کی سلطنت کو چھوڑ کر یہودیہ کی طرف
چلے جائیں۔

حضرت الیاس نے اپنے شاگرد الیسع کو
سامریہ ہی میں چھوڑا تا کہ وہ حالات پر نگاہ رکھیں اور
خود راتوں رات سامریہ کی سلطنت چھوڑ کر فلسطین
کی جنوبی سلطنت یہودیہ میں داخل ہوئے وہاں
حکم خداوندی کے مطابق انہوں نے اپنا سفر جاری
رکھا اور جبل سینا کے ایک غار میں جا کر انہوں نے
پناہ لے لی تھی۔

☆☆

یقطان بن سلوم کا قبیلہ انتہائی شمال میں آرمینیا
کی سرحدوں تک بڑھتا چلا گیا تھا اور پھر وہاں سے وہ
ایک شہر سے دوسرے شہر جست و خیز کرتے ہوئے
واپس آئے تھے اور ایک شہر کا سامان دوسرے شہر
میں بیچتے ہوئے وہ نفع بھی حاصل کرتے جا رہے تھے
یہاں تک کہ انہوں نے دمشق کے جبل قاسیون کے
دامن میں آ کر پڑاؤ کیا پڑاؤ کرنے کے ساتھ ہی
یقطان بن سلوم اپنے ایک اونٹ کو پکڑ کر لایا اس پر
کجاوہ ڈالا اور پھر اس کجاوے کے ساتھ سامان
باندھنے لگا تھا۔

اس موقع پر دوسرے خیمے سے اس کی ماں
ازال دیسان ایمن اور سلمون بھی نکل آئے جبکہ
یقطان بن سلوم کے دونوں چھوٹے بھائی کوش اور
انوس پہلے ہی اس کے ساتھ کام میں مصروف تھے۔
یقطان بن سلوم کی طرف بڑھتے ہوئے
دیسان نے ازال کی طرف دیکھا پھر کسی قدر تعجب کا
اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ''اوزال میری بہن یہ
یقطان کوش انوس کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہیں
ان کے سامنے اونٹ بٹھا ہوا ہے اور وہ اونٹ کے
کجاوے سے کچھ سامان باندھ رہے ہیں۔''
اس موقع پر ایمن بھی تعجب خیز انداز میں اوزال

کی طرف دیکھنے جا رہی تھی اوزال کے چہرے پر ہلکا
سا تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگی۔
''دیسان میری بہن میرے بیٹے یقطان نے
دمشق کے بادشاہ بن ہود کے ساتھ اچھے تعلقات بنا
رکھے ہیں شہر شہر گھومتے ہوئے یہ بن مدد کے لیے اس
کا پسندیدہ سامان خریدتا ہے اور جب دمشق سے گزر
کر ہم جنوب کی طرف جاتے ہیں تب وہ خریدا ہوا
سارا سامان بن مدد کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔
بن ہود یہ سامان اس سے مفت نہیں ملتا بلکہ اس
سامان کا جس قدر منافع دوسرے شہروں سے ملتا ہے
بن مدد اس سے پانچ گنا زیادہ منافع دیتا ہے۔
اصل بات یہ ہے کہ دیسان میری بہن! کہ
پچھلے سے پچھلی بار ہم جب دمشق سے گزرے تو یہاں
دمشق کے بادشاہ بن ہود کے کچھ سالات اپنے لشکر
میں بھرتی کرنے کے لیے تیغ زنی کا مقابلہ کروا رہے
تھے ان مقابلوں میں میرے بیٹے یقطان نے بھی
حصہ لیا اور اس نے جس قدر وہاں تیغ زن تھے سب کو
بچھاڑ دیا تھا اس پر بن ہود کے سالار نے یقطان کو پکڑ
کر بن ہود کے سامنے پیش کر دیا بن ہود نے اسے
اپنے لشکر میں شامل کرنے کی پیشکش کی ایک اچھی
خاصی رقم دینے کا بھی وعدہ کیا ساتھ اس سے یہ بھی کہا
کہ اگر اس کی کارگزاری اچھی رہی تو وہ اسے اپنے
لشکریوں کا سالار بنا دے گا۔
اس پر میرا بیٹا یقطان کہنے لگا۔ اس نے لشکر میں
شامل ہونے کے لیے مقابلے میں حصہ نہیں لیا بلکہ یہ
کام اس نے شوقیہ کیا کہ وہ دیکھے کہ اس کا تیغ زنی کا
معیار کیا ہے اس نے بن مدد پر انکشاف کیا کہ وہ
کنعانی ہے اور ایسے خانہ بدوش قبیلے سے تعلق رکھتا
ہے جو قدیم سے خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے
آ رہے ہیں شمال میں آرمینیا تک جاتے ہیں اور
جنوب میں مصر کے جنوبی حصوں کی طرف سفر کرتے
چلے جاتے ہیں۔
چنانچہ بن ہدد نے اسے اپنے لشکر میں شامل
نہیں کیا لیکن اسے پسند ضرور کرنے لگا دمشق کے

بادشاہ کا یہ رویہ یقطان کو بھی پسند آیا لہٰذا یہ اکثر و بیشتر اس کی پسند کا سامان خرید کر اس کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور اب یہ اس کا پسندیدہ سامان لے کر بن ہود ہی کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ اس لیے کہ ہود میرے بیٹے کو اب اپنا ایک سالار ہی سمجھتا ہے اور ہم یہاں سے گزرتے ہیں تو میرے بیٹے کو خاصا معاوضہ بھی دیتا ہے۔''

اب چونکہ چاروں چلتے ہوئے اس جگہ آئے تھے جہاں یقطان اور اس کے چھوٹے بھائی کام میں مصروف تھے ان چاروں کو اپنے قریب آتا دیکھ کر یقطان کام کرتے ہوئے رک گیا تھا کوش اور انوس بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تھے دیسان قریب آئی اور کسی قدر سنجیدگی میں یقطان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹے یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تم نے دمشق کے بادشاہ بن مدد کے ساتھ اچھے تعلقات بنا رکھے ہیں مگر بیٹے میرا بھی ایک کام کرنا ہے۔''

''یقیناً دمشق سے کوچ کرنے کے بعد ہم فلسطین سے گزرتے ہوئے مصر کی طرف جائیں گے بیٹے کیا ایسا ممکن نہیں کہ فلسطین میں قیام کے دوران ہم سامرہ شہر کے آس پاس رکیں اور تم کسی طرح یوطان نام کے نوجوان سے ملو جس کے ساتھ ہم نے ایمن کی منگنی طے کی تھی میں یہ نہیں کہتی کہ ایمن اسے پسند کرتی ہے ہاں یوطان ایمن کو ضرور پسند کرتا ہے ایمن نے صرف ہمارے کہنے پر اس کے ساتھ اپنی منگنی کو قبول کر لیا تھا' میں چاہتی ہوں کہ کیونکہ اس سے منگنی طے ہو چکی ہے ایمن کے سلسلے میں اس سے بات کی جائے کیا وہ ایمن کو حاصل کرنے کے لیے سامرہ اسے نکل کر کہیں اور زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے خیالات جاننے کے بعد بیٹے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔''

دیسان جب خاموش ہوئی تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے یقطان بن سلوم کہنے لگا۔

''آپ کوئی فکر نہ کریں یہاں سے کوچ کرنے کے بعد جب فلسطین کا رخ کریں گے تو میں یوطان نام کے اس جوان سے سامرہ شہر میں مل کر ایمن سے متعلق اس کے خیالات جاننے کی کوشش کروں گا۔''

یقطان کے اس جواب پر دیسان خوش ہوگئی تھی پھر سارا سامان لادنے کے بعد یقطان نے اونٹ کو اٹھایا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر وہ دمشق شہر کی طرف ہو لیا تھا دمشق شہر کے قصر کے صدر دروازے پر جب وہ رکا تب قصر کے محافظوں نے شاندار انداز میں اس کا استقبال کیا پھر ایک محافظ بھاگتا ہوا اندر گیا تھوڑی دیر بعد دمشق کا بادشاہ بن ہود اپنے بیٹوں کے ساتھ باہر نکلا وہ سب بڑے پرجوش انداز میں یقطان بن سلوم سے ملے بن ہود کے کہنے پر سارے سامان کا جائزہ لیا گیا۔ اونٹ کو وہاں بٹھا دیا گیا اور سارے سامان کا جائزہ لینے کے بعد بن ہود کے خدام وہ سامان قصر کے اندر لے گئے تھے پھر بھی بن ہود یقطان بن سلوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز تو اب میرے ساتھ آ تیرے ساتھ اب کچھ ایسی انسیت ہوگئی ہے کہ مجھے تیرا انتظار رہتا ہے تو آج کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے گا۔''

اس کے ساتھ ہی بن ہود اور اس کے بیٹے یقطان بن سلوم کو اندر لے گئے پہلے بن ہود نے یقطان بن سلوم کو سامان کی ادائیگی کی جس سے یقطان بن سلوم کو اچھا خاصا منافع ملا تھا اور دوپہر کا کھانا بھی اس نے بن ہود اور اس کے بیٹوں کے ساتھ کھایا اس کے بعد وہ بڑی عاجزی اور انکساری میں ان سے اجازت لے کر اپنے قبیلے کی طرف چلا گیا تھا۔

جس طرح یقطان بن سلوم کا تعلق کنعانی عربوں سے تھا اسی طرح دمشق کے بادشاہ بن ہود کا تعلق آسامی عربوں سے تھا جہاں تک ان آسامی قبائل کا تعلق ہے تو آسامی پہلے پہل شمالی عرب کے صحرا میں خانہ بدوش قبائل کی زندگی بسر کرتے رہے تھے بعد میں یہ لوگ آرامیوں کے نام سے موسوم ہوئے دوسرے بدوؤں کی طرح جو

اس سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور بعد میں بھی آئے آرامی بھی وقتاً فوقتاً اپنے ہمسایوں یعنی بابل اور شام کی قریبی سرزمینوں پر قبضہ جمانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے رہتے تھے۔

دوسرے ہزار سال قبل مسیح کے نصف آخر میں یہ لوگ وسطی دریائے فرات کے کنارے پر آباد ہو چلے تھے وہیں انہوں نے ایک قوم کی صورت اختیار کی اور ایک زبان کی نشوونما بھی کی۔

آرامی زبان ایک مغربی سامی بولی سے پیدا ہوئی جو دوسرے ہزار سال قبل مسیح کے نصف اول میں دوآبہ دجلہ اور فرات کے شمال مغربی علاقے کے اندر بولی جاتی تھی بعد میں یہ لوگ وسطی دریائے فرات کے ساتھ ساتھ آباد ہوتے ہوئے مغرب میں شام تک پہنچ گئے سولہویں صدی قبل مسیح کے اوائل میں جب حتی قوم نے بابل اور شمالی شام پر حملے شروع کر دیے تو بظاہر آرامیوں پر بھی نقل و حرکت کے دروازے کھل گئے اور صحرا سے آ کر حضروی زندگی اختیار کرنے والے نو آباد کاروں کو اس خطے میں مستقل قدم گاہ مل گئی حیتوں نے ڈیڑھ سال بعد میتانی سلطنت تباہ کر ڈالی اس سے آرامیوں کے داخلے میں مزید سہولت پیدا ہوئی اموال اور کنعانی عربوں کے بعد آرامی عربوں کی یہ ہجرت صحرائی علاقے سے سامی گروہوں کی تیسری لڑی حرکت خیال کی جاتی ہے۔

یہ آرامی حرکت متعدد گروہوں کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی اگرچہ اسے اس زمانے میں اسی طرح تعبیر نہ کیا گیا۔

پہلے پہل یہ آرامی قبیلے کے کرکمیش شہر کے پڑوس میں رہتے تھے لیکن آگے چل کر پھر انہوں نے پیش قدمی شروع کی اور یہ آرامی مشرق میں بابل تک جا پہنچے اور کامدانیوں یا نو بابلیوں کو امداد دینا شروع کر دی ان کے ساتھ انہیں گہرا علاقہ تھا۔

جو دستاویزات کھدائی کے دوران اب تک ملی ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ چودھویں اور تیرہویں قبل مسیح میں دوآبہ دجلہ فرات نیز شمالی اور وسطی شام کے بڑے علاقوں کو مختلف عربوں کے گروہ پامال کر چکے تھے اور کرکمیش جیسے چھوٹے حتی حلقوں کے سواء مذکورہ بالا علاقوں پر آرامی رنگ چڑھنے لگا تھا۔

تدریجاً وادی عاصی نیز اس کے شمالی علاقے میں جو طبی قوم ان کے سامنے آئی ان کے ساتھ دو طرح کا سلوک ہوا یا تو انہیں ان آرامیوں نے سیلاب کی طرح ہلا کر رکھ دیا یا وہ ان کے اندر ضم ہو کر رہ گئے۔

کوہستان لبنان میں بہرحال مغربی جانب ان آرامیوں کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا کر دی تھی اور اس علاقے میں حتی اور اموری گروہ فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے تھے ساحل کے میدانی علاقے میں کنعانی آبادیوں پر قطعاً کوئی اثر نہ پڑا تھا اس لیے کہ کنعانی آرامیوں ہی کے بھائی بند تھے اور یہ دونوں گروہ عرب تھے۔

بارہویں قبل مسیح میں یہ آرامی دمشق جا پہنچے اور آئندہ چل کر یہ شہر آرامی سلطنت کا مرکز بن گیا۔

دمشق کے علاوہ حران شہر دوآبہ میں آرامیوں کا دوسرا بڑا مرکز تھا اس پر دمشق سے پہلے ہی ان کا قبضہ ہو چکا تھا رفتہ رفتہ ان نوواردوں نے کنعانی عربوں اور اموری عربوں کے درمیان سکونت اختیار کر لی اور ان کی تہذیب کو اپنا لیا لیکن ایک تہذیبی شے ایسی تھی جو کسی سے نہ لی وہ ان کی زبان تھی۔

اسرائیلی اور فلسطینی تیرہویں صدی کے اواخر میں آرامیوں کے جنوب میں آباد ہوئے تھے انہوں نے اپنی بولی بدل لی لیکن آرامیوں نے اپنی بولی بدستور قائم رکھی۔ اس کے لیے مغربی ایشیا کی آئندہ زندگی میں دورس کردار ادا کرنا ان کا مقدر تھا۔

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ تیرہویں صدی کے آخر تک آرامی اور اسرائیلی ہجرتیں اپنے انجام کو پہنچ چکی تھیں یہ دونوں قومیں نئے وطنوں میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو آباد ہو چکی تھیں پہلی آرامی

حکومتیں وسطی فرات کے حلقے میں قائم ہوئیں اسے دو آبشار کے درمیان گزرگاہ کی حیثیت حاصل تھی ان میں سے ایک حکومت آرام فہریم یعنی دریائی آرام تھی دریاؤں سے مراد فرات اور اس کا معاون دریائے خابور ہیں نہ کہ دجلہ یہی نام تیرہویں صدی کے اواخر سے مسماری کتبات میں مرکوز ہونے لگا اور نویں صدی کے بعد ناپید ہوگیا جب آشوریوں نے اس خطے کے آرامیوں کو واقعی مٹا دیا دوآبہ میں ایک اور حکومت فدام آرام تھی۔ یہ آرامی نہریم جتنی بڑی نہ تھی ان کا حلقہ حران کے حوالی تک محدود تھا عہد نامہ قدیم میں دونوں لفظ مترادف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ حزان بڑی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اور حران کے معنی ہی راستے کے ہیں یہ شہر آرامی تہذیب کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔

روایات میں عبرانیوں اور آرامیوں کے قدیم تعلقات کبھی فراموش نہ کیے فلسطین میں آباد ہونے سے قبل ان کے بزرگ حران ہی سے آئے تھے چنانچہ حضرت ابراہیم کو جب حضرت اسحاق کے لیے موزوں بیوی کی تلاش ہوئی تو ان کے قاصد حراف ہی بھیجے گئے تھے بعد میں حضرت یعقوب کو یہ اور راحیل سے شادی کے لیے حران ہی بھیجا گیا تھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کے فرزندوں کا حادری سلسلہ آرامی تھا۔

آرامیوں نے جتنی بھی حکومتیں قائم کیں ان سب سے زیادہ اہم وہ تھی جس کا مرکز پہلے ضوباہ اور بعد میں دمشق بنا یہ گیارہویں قبل مسیح کے آخر میں قائم ہوئی یعنی اس زمانے میں جب عبرانیوں نے بادشاہت کی بنیاد رکھ دی تھی پھر آرامیوں کی یہ سلطنت اس قدر بڑی ہوگئی تھی کہ اس کی حدود ایک طرف دریائے فرات پر اور دوسری طرف دریائے پرموک تک تھی شمالی جانب یہ نینوا کے آشوری علاقے میں اور جنوبی جانب یہودی حکومت میں تصرفات کرتی تھی کون لبنان کے مشرق کا پورا شامی علاقہ نیز شمالی شام تک آرامی قابض ہو چکے تھے۔

جہاں تک ان آرامیوں کی زبان کا تعلق ہے یہ زبان عربی سے ملتی جلتی ہے اور عربی ہی کی ایک شام کہلاتی ہے اور قدیم دور میں یہ زبان عراق شا عرب میں بولی جاتی تھی مصر اور ایران کی زبانوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں اس کے علاوہ قدیم قو عاد اور ثمود وغیرہ کی زبان بھی یہی عربی آرامی تھی قو ثمود کے متعلق ایک اور بات بھی غور کے لائق ہے کہ شمالی عرب کے جن مقامات پر ثمود کی سکونت ثابت ہوتی ہے وہاں ایک خاص خط کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں جن کی زبان آرامی عربی ہے۔

العلا کے مقام پر جو کتبے ملے ہیں وہ بھی اسی قسم کے ہیں اس خط کا نام پہلے ابتدائی عربی تھا بعض لوگ اس کو بھائی کہتے ہیں کہ یہاں کے چند کتبات میں طیان نامی ایک قبیلے کا ذکر ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس کو ثمودی کہتے ہیں۔

آرامیوں سے متعلق مورخین مزید لکھتے ہیں کہ شمالی شام کے قبائل میں جو شمالی زبان بولتے تھے گیارہویں صدی سے آٹھویں صدی قبل مسیح میں شمالی شام کا علاقہ آرام کہلاتا تھا اس دور میں یہاں کے قبائل میسوپوٹیمیا یعنی طراق اور مشرق کی طرف دور دور تک پھیل گئے تھے اور مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی تاریخ کی کا ماخذ تین تصور کیے جاتے ہیں۔

اول شمالی شام سے ملنے والے آرامی کتبے جو دسویں اور گیارہویں قبل مسیح سے تعلق رکھتے ہیں دوئم آشولالوں کے ریکارڈ میں ویسے گئے آرامیوں کے حوالے سیوتم عہد نامہ عتیق بھی بائیبل ان تمام حوالوں سے ان آرامیوں کی تاریخ سولہویں صدی قبل مسیح تک جاتی ہے مورخین مزید لکھتے ہیں کہ حضرت نوح کے تین بیٹے سام حام اور یافت تھے بنی سام میں سے عباد پر آشور لود اور آرام پیدا ہوئے بنی آرام آگے چل کر آرامی کہلائے تیرہ سو پچھتر قبل مسیح کے وقت یہ لوگ دریائے فرات تک پہنچ چکے تھے کیونکہ تل عمر نہ سے ملنے والے خطوط میں جو تیرہ سو پچھتر قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے ان کی

۔۔۔دکی ظاہر ہوتی ہے اس کے پچاس سال بعد یہ لوگ دریائے دجلہ تک بھی پہنچ گئے تھے لیکن آخر ا۔ وری خربوں نے جن کا مرکزی شہر نینوا تھا انہیں شمال کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

☆☆

دمشق سے کوچ کرنے کے بعد یقطان بن سلوم کے قبیلے نے فلسطین میں داخل ہونے کے بعد یوسف علیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا تھا جب اس کنویں کا نام ہے جس میں حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے ڈالا تھا یہ مقام بافیاس اور طبریہ کے درمیان واقع ہے اور تبریہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے کچھ مورخین کا بیان ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ نابلس میں رہتے تھے ایک دوسرے قول کے مطابق جس جگہ حضرت یوسف کو جس جگہ ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالا وہ نابلس اور موضع سنجل کے درمیان واقع ہے۔

جب یوسف یعنی چاہ یوسف کی ابن بطوطہ نے بھی زیارت کی اسے بنریہ اور بیروت کے مابین بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ کنواں ایک چھوٹی مسجد کے صحن میں لے لیا گیا ہے خوب چوڑا اور گہرا بھی ہے اس کا یہ بھی لکھنا ہے کہ اس نے اس کا پانی پیا جو دریائے اردن سے آتا تھا حضرت یوسف کے اس کنویں سے جسے جب یوسف بھی کہا جاتا ہے اس کے قریب دو اہم مقامات ہیں یہ گاؤں کی صورت میں ہے اور ایک کا نام قصر یعقوب ہے یہ جگہ تبریہ کے باقیاس کے راستے پر واقع ہے یہاں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف جاتے رہنے پر روئے اور جس کنویں میں حضرت یوسف کو گرایا گیا تھا یہ مقام اس کنویں کے بالکل قریب ہے دوسرا اہم مقام جو یہاں قریب ہی ہے اور کنعان ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت یعقوب رہتے تھے یہاں اب جو گاؤں آباد ہے اس کا نام سلوح ہے کہتے ہیں یہ مقام نابلس شہر کے قریب ہیں یہی نابلس شہر جس کا دوسرا نام سامرہ بھی ہے جب یوسف کے قیام کے دوسرے روز یقطان بن سلوم سامرہ شہر میں دیسان کے شہر کہنے پر ایمن کے منگیتر یوطان سے بات کرنے کے لیے روانہ ہوا جب وہ اپنے خیمے سے نکل کر چلا گیا تب دیسان کچھ دیر خیمے سے باہر کھڑی ہو کر اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ اس موقع پر یقطان کی ماں ارزال اور دونوں بھائی خیمے کے اندر موجود تھے اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ایمن خیمے سے نکلی اپنی ماں کے پاس آئی اور بڑی راز داری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اماں تم نے یقطان کو لوطان کی طرف بھیج کر اچھا نہیں کیا اماں جس وقت تم اس موضوع پر ان سے گفتگو کر رہی تھیں میں بولنا چاہتی تھی لیکن میں تمہاری بات کاٹنا نہیں چاہتی تھی نہ ہی تمہاری مخالفت کرنا چاہتی تھی اماں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کام یقطان کی زندگی کو خطرے میں نہ ڈال دے۔

اماں یہ ہمارے محسن ہیں ان کو تھوڑا سا بھی نقصان ہوا تو میرے خیال میں ہم انتہا درجہ کے برے احسان فراموش کہلائیں گے اماں ٹھیک ہے میری نسبت لوطان سے طے کر دی گئی تھی لیکن تم جانتی ہو کہ میں نے کبھی اس سے ملاقات نہیں کی ہاں ایک بار جب تمہارے ساتھ سامرہ کے بازار سے گزری تھی تو یوطان کو دیکھا تھا میں جب قصر سے نکلتی تھی تو وہ یقیناً مجھے دیکھا رہتا ہو گا لیکن میں نے کبھی اس کی طرف دھیان نہیں دیا اماں یہ ساری محبت یک طرفہ تھی میں نے کبھی بھی کسی بھی موقع پر نہ کسی کے سامنے اس کا اظہار کیا نہ میں کبھی یوطان سے ملی وہ مجھے پسند کرتا رہا اور پھر اماں وہ عمر میں بھی مجھ سے کافی بڑا ہے اور تم جانتی ہو کہ میں کبھی تمہارے سامنے بولی نہیں نہ تمہارے کسی کام کی مخالفت کی ہے اس بناء پر جب تم نے میری نسبت اس کے ساتھ طے کر دی تو اماں میں ایک لفظ بھی تمہارے خلاف نہیں بولی تم نے صرف یہ دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے تاجر کا بیٹا ہے صاحب ثروت ہے مال دولت کی ریل پیل ہے اس لیے کہ وہ مجھے بے حد خوش رکھے گا۔''

اس موقع پر ایمن کو خاموش ہو جانا پڑا اس لیے

مسلمون ارزال کوش اور انوس بھی خیمے سے باہر نکل کر دھوپ میں آن کھڑے ہوئے تھے۔

بہر حال یقطان بن سلوم یوطان سے ملنے کے لیے سامریہ شہر کی طرف روانہ ہوا اور لوطان کا تعلق بنی ادوم سے تھا سامریہ میں بنی ادوم کافی تعداد میں رہتے تھے اور ان کا خاصا بڑا محلہ تھا جہاں وہ ایک قبیلے کی صورت میں رہتے تھے اور یہ سب لوگ بڑے صاحب ثروت تھے جہاں تک بنی ادق کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل کچھ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی تین بیویاں تھیں ایک سارہ دوسری ہاجرہ تیسری قطورہ ستارہ کے بیٹے حضرت اسحاق تھے ان کے دو بیٹے تھے حضرت یعقوب جو بنی اسرائیل کے باپ تھے اور عیسو جن کا لقب ادوم تھا اس سلسلے میں سے ادوم اپنے بھائی سے الگ ہو کر اپنے چچا اسماعیل کے پاس عرب میں مطوطن ہوئے۔

دوسری بیوی قطورن کے بطن سے جن میں سے تمام اولاد کو جن میں ایک کا نام مدین تھا عرب ہی میں ان کے باپ نے ان کو بسایا اور ان میں بنو مدین اور بنو دوان کے سواء اوروں کا حال معلوم نہیں۔

تیسری بیوی ہاجرہ کے اسکن سے صرف ایک بیٹا اسماعیل تھے جنہوں نے عرب ہی میں اپنے باپ کے حکم پر سکونت اختیار کی۔

اس طرح گویا ایک بیوی قطورہ سے اہل مدین اور اہل دوان تھے حضرت سارہ سے بنو ادوم اور حضرت ہاجرہ سے اسماعیل تھے۔

بنی ادوم جس خطہ ملک میں آباد ہوئے یونانی میں اس کو ادومیہ کہنے لگے تھے اور یہ بحر مردار اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے اس کے شمال میں مجرم دار اور فلسطین جنوب میں شمالی خلیج عقبہ مدین اور مغرب میں جزیرہ غاسینا اور مشرق میں ارض موآپ اور عرب کا شمالی علاقہ جات ہیں۔

حضرت یعقوب اور عیسو دونوں سگے بھائی تھے اور حضرت اسحاق کے بیٹے تھے عیسو فرزند اول تھے لیکن پہلوٹھے ہونے کی برکت حضرت یعقوب کو ملی چنانچہ عیسو فلسطین کی سرزمین سے اٹھ کر اپنے چچا حضرت اسماعیل کے پاس چلے گئے اور ان کی صاحبزادی جس کا نام باسمہ یا محلات تھا شادی کر لی پھر اور چند شادیاں بھی کیں جن سے متعدد اولادیں ہوئیں اور اولادوں کی اولادیں بھی پھیلتی چلی گئیں۔

آخر یہ لوگ عرب کے کوہستانی سلسلے سعیر سے شام اور انتہائی یمن تک طوقد وسیع ہو گئے عیسو کا نام کیونکہ عرف عام میں ادوم یعنی سرخ تھا اس لیے اس خاندان کا نام بھی ادوم پڑ گیا کچھ مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ادوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے بھی رکھ دیا گیا تھا۔

چند صدیوں کے بعد یہ خاندان کثیر تعداد قوم بن گئی جس نے سترہ سو قبل مسیح سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی اسی عہد میں بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تو ادوم کی حکومت کوہستان میں قائم تھی ادوم کی تاریخ سے متعلق کوئی زیادہ معلومات نہیں تاہم بنی ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ان کے بادشاہ نے مدین والوں سے جنگ کی اور انہیں بد ترین شکست دی اس کے بعد تیرہویں صدی قبل مسیح میں رامیس سوئم جو مصر کا فرعون تھا وہ ادوم پر حملہ آور ہوا اور مصری کتبہ میں ان کی سرزمین کا نام بتایا گیا ہے بعد کے دور میں حضرت داؤد جب بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے تو انہوں نے ادوم کی سرزمینوں کو فتح کر کے اسرائیلی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔

بہر حال یقطان بن سلوم سامرہ شہر میں داخل ہوا اور جس جگہ کا پتا دسیان نے بتایا تھا وہاں آیا وہ ایک کافی بڑے دوکان تھی باہر کھڑے ہو کر اس نے دوکان کا جائیزہ لیا اس وقت اندر ایک جوان بیٹھا ہوا تھا عمر میں یقطان بن سلوم سے کافی بڑا لگتا تھا دوکان میں داخل ہونے کے بعد یقطان نے اس نوجوان کی طرف غور سے دیکھا پھر کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا نام لوطان ہے۔''

وہ نوجوان اٹھ کھڑا ہوا غور سے یقطان کی طرف دیکھنے لگا پھر کہنے لگا۔

''اس شہر میں اجنبی لگتے ہو کہو کیا معاملہ ہے۔''

اس پر یقطان کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ اس نے بیٹھنے کے لیے کہا جس پر یقطان اس کے سامنے بیٹھ گیا پھر بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ تم ماضی میں ایمن نام کی کسی لڑکی کو پسند کرتے رہے ہو تو یہ غلط بیانی تو نہ ہوگی۔'' یقطان کے ان الفاظ پر لوطان چونکا تھا کہنے لگا۔ ''آہستہ گفتگو کرو ایمن کے نام کا بھی اگر کسی کو پتا چل گیا تو میری اور تمہاری دونوں کی گردن کاٹ دی جائے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لوکان جب رکا تب یقطان بن سلوم مزید رازداری میں کہنے لگا۔

''جو کچھ میں نے کہا ہے کیا یہ درست ہے۔''

اس پر لوکان کہنے لگا۔ ''تمہارا کہنا تو درست ہے پر تم ایمن کو کیسے جانتے ہو۔''

اس پر پہلے کی نسبت زیادہ رازداری میں اور اپنا ... یقطان کے قریب لے جاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''یوں جانو ایمن میرے پاس ہے۔''

ان الفاظ پر لوکان چونکا تھا یہاں تک کہ لوطان پھر بولا۔

''یوں جانو مجھے اس کی ماں نے تمہاری طرف بھیجا ... وہ یہ جاننا چاہتی ہے کہ کیا تم ابھی سے شادی ... لیے تیار ہوا گر ایسا ہے تو پھر میں کل آؤں گا اور ... اپنے ساتھ لے جاؤں گا اس لیے کہ یہاں سے جانے کے بعد میں دیسان سے مشورہ کروں گا کہ تم اب بھی ایمن کو پسند کرتے ہو اور ہمیں اگلا قدم کیا اٹھانا چاہیے۔''

یقطان کے ان الفاظ پر لوکان گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا یہاں تک کہ یقطان نے پھر اسے مخاطب کیا۔

''دیکھو میں یہیں سامرہ شہر ہی میں قیام کیے ... ہوں میں کل اپنی ماں اور اپنے دو بھائیوں کے ساتھ بازار میں آؤں گا ہم نے کچھ خریداری بھی کرنی ہے اس طرح کوئی ہم پر شک بھی نہیں کرے گا کہ ہم تمہاری دوکان پر کیوں آئے ہیں یہاں سے میری ماں اور میرے بھائی کچھ سامان خریدیں گے پھر تو ہمارے ساتھ چلنا ہم تمہیں ایمن سے ملائیں گے تم اس کی ماں دیسان سے بھی گفتگو کر لینا پھر تم سب مل کر جو فیصلہ کرو گے وہی آخری ہوگا۔''

لوطان نے اس سے اتفاق کیا تھا لہٰذا یقطان اٹھا اور کہنے لگا۔ ''اب میرا یہاں زیادہ دیر قیام کرنا اچھا نہیں میں جاتا ہوں۔''

لوطان اسے روکنا چاہتا تھا کہ عین اسی لمحہ ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص دوکان میں داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہوئے لوطان خاموش ہو گیا یقطان جب باہر نکل گیا تو بوڑھا آ کر اسی نشست پر بیٹھ گیا جس نشست سے یقطان اٹھا تھا لوکان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے یہ جو لڑکا آیا تھا یہ کیا کہتا ہے یہ کون تھا۔''

جواب میں لوطان نے خاموشی اختیار کی اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے وہ بوڑھا نام جس کا انوس تھا اور جو لوطان کا باپ تھا کہنے لگا۔

''لوطان تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے۔''

اپنے باپ کے اس انداز تخاطب پر لوطان بول اٹھا اور تھوڑی دیر پہلے یقطان سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل اپنے باپ سے کہہ دی تھی۔

لوکان جب ساری تفصیل کہہ چکا تب طنزیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا باپ انوس بول اٹھا۔

''اور تم نے اس نوجوان سے وعدہ کر لیا ہوگا کہ تم دیسان سے ملو گے اور ایمن سے شادی کر لو گے۔''

''احمق انسان کیوں اپنی زندگی کو موت کے کنویں میں دھکیلتے ہو ہاں اس معاملے سے تم ایک فائدہ ضرور حاصل کر سکتے ہو۔''

''کیسا فائدہ.....؟'' چونکنے کے انداز میں لوطان نے پوچھ لیا تھا اس پر اس کا باپ انوس بول اٹھا۔

''پہلے میری بات تفصیل سے سن اگر تو ایمن سے شادی کرتا ہے تو پہلے تو یہ بتا تو کہاں رہے گا سامرہ میں رہنے سے تو رہا تجھے یہاں کوئی نہیں رہنے دے گا اور اگر رات کی تاریکی میں تو ایمن کو شہر میں لے بھی آئے اور خفیہ طور پر اس سے شادی کر کے اس کے ساتھ رہنا شروع کر دے تو یاد رکھنا اس کے باپ اور ساسر حکمران اخیاب کے جاسوس بھوکے کتوں کی طرح گھومتے رہتے ہیں کسی نہ کسی روز ایمن کا راز فاش ہو جائے گا اور جس روز ایسا ہوا ایمن کی گردن تو کٹے ہی کٹے ساتھ تیرے جسم کے بھی ٹکڑے کر دیے جائیں گے اس طرح تیری محبت اور زندگی دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا لہٰذا ایمن سے شادی کرنے میں تم نقصان ہی نقصان میں رہو گے اور اگر اس سے شادی کر کے تم کہیں اور رہتے ہو تو پھر تمہیں جگہ جگہ دھکے کھانے پڑیں گے کہاں سے تم اس کے اخراجات پوری کرو گے اور پھر اخیاب کے آدمی ان تینوں کی تلاش میں ہو کسی نہ کسی روز تو وہ انہیں پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور جس روز پکڑے گئے تم بھی دھر لیے جاؤ گے اور ان کی گردن تو کٹے ہی کٹے ساتھ تیری گردن بھی کٹ جائے گی۔''

اپنے باپ کی اس گفتگو سے لوکان لرز کانپ گیا تھا سہمے سہمے سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا تھا انوس اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا وہ یہ جان گیا تھا کہ اس کا بیٹا لوطان اس کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے لہٰذا اس نے اس گفتگو کو آگے بڑھایا اور کہنے لگا۔

''دیکھو اس معاملے سے ہم دونوں باپ بیٹا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ہمیں اس کے لیے بہت بڑا انعام بھی مل سکتا ہے وہ جوان تم سے وعدہ کر کے گیا ہے کہ کل وہ اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ تمہاری دوکان میں آئے گا کچھ خریداری کرلے گا اور پھر تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا تم ایسا کرو آج ہی بعل دیوتا کے مندر کے بڑے پجاری سے ہر حالت میں ملو یہ ساری حقیقت اس پر آشکارہ کرو اسے یہ مت کہنا کہ تم نے آنے والے نوجوان سے ایمن کے ساتھ شادی کرنے کی حامی بھری تھی بلکہ اس پر یہ انکشاف کرنا کہ ایمن اس کی ماں اور ایمن کا بھائی یہیں کہیں قیام کیے ہوئے ہیں اور کل ہماری دوکان میں ایک ایسا نوجوان آئے گا جو جانتا ہے کہ ایمن نے کہاں پناہ لے رکھی ہے یہ خبر سن کر بعل دیوتا کا بڑا پجاری اور اس کے ساتھی دوسرے پجاری بھی بے حد خوش ہوں گے اس لیے کہ وہ سب ہی اخیاب کی بیوی دیسان بیٹی ایمن اور مسلمون سے نفرت رکھتے ہیں اس لیے کہ وہ بعل دیوتا کے مخالف ہیں اور بعل دیوتا کی پوجا پاٹ کے بجائے وہ ایک خدا کی بلندگی اور عبادت کرنے والے ہیں لہٰذا بعل دیوتا کے پجاری تو ہر صورت میں ان تینوں کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''بڑے پجاری کو بتانا اس لیے ضروری ہے کہ تم یہ سارا معاملہ براہ راست سامریہ کے بادشاہ اخیاب سے تو کہہ نہیں سکتے نہ تمہیں اس سے کوئی ملنے دے گا نہ تمہاری باتوں پر اعتبار کرے گا لہٰذا یہ بات تم بڑی پجاری سے جب کہو گے تو ساتھ ہی اشارے میں اسے یہ بات بھی کہہ دینا کہ وہ سامرہ کے بادشاہ اخیاب کے لیے اتنا بڑا کام کر رہا ہے لہٰذا اس کام کے لیے کچھ نہ کچھ معاوضہ تو تمہیں ملنا چاہیے دیکھو بیٹے ایمن سے شادی میں تمہارے لیے گھاٹا ہی گھاٹا اور نقصان ہی نقصان ہے اور تمہاری جان ضائع ہونے کا ذکرہ ہے لہٰذا یہ بہترین طریقہ ہے اس سے ہماری دولت میں مزید اضافہ ہوگا اور جب تمہارے پاس دولت کے انبار ہوں گے تو پھر جس لڑکی سے تم چاہو شادی کر لو شادی کا کیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لوطان کا باپ انوس رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہنے لگا۔

''بیٹے کام وہ کرنا چاہیے جس میں فائدہ ہ جب تم ابھی تھوڑی دیر تک بعل دیوتا کے مندر میں کر مندر کے بڑے پجاری سے یہ سارا معاملہ کہہ گے تو یوں جانو تم بری الذمہ ہو جاؤ گے یعنی تمہارا کا ہی ختم ہو جائے گا اور تم حسب معمول اپنے کام میں

لگا ... مال و دولت اور انعام کا انتظار کرنا جو ... کی طرف سے تمہیں ملے گا اور کل جب ... ابھی یہاں سے اٹھ کر گیا ہے اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ دوکان میں خریداری کے لیے ... گا تب بعل دیوتا کے پجاریوں کے محافظ اسے اور اس کے اہل خانہ کو پکڑ لیں گے جب ان پر سختی کی ... کی تو وہ تو دیلی بتادیں گے کہ ایمن اس کی ماں اور بھائی نے کہاں قیام کر رکھا ہے یہ سب کچھ جب ... ثابت ہوجائے گا تو پھر یاد رکھنا اس کام کے صلے میں ہمارا بادشاہ اخیاب ہم سب کو ایسا نوازے گا کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس لیے کہ اخیاب کی دوسری بیوی نام جس کا ایزبل ہے وہ میدان کی شہزادی ہے اور وہاں کے بادشاہ اتبعل کی بیٹی ہے اور بعل دیوتا کی کٹر قسم کی پیروکار ہے چونکہ دسیان بعل دیوتا کی پیروکار نہیں لہٰذا ایزبل اس کی بدترین دشمن ہے اور جب تمہاری نشاندہی پر ایمن دیسان اور ایمن کے بھائی سلمون کو گرفتار کرلیا جائے گا تو یاد رکھنا اخیاب کی نسبت ایزبل تمہیں زیادہ مال و دولت سے نوازے گی اس لیے کہ تمہاری وجہ سے اس کی بدترین دشمن دیسان اس کی بیٹی اور بیٹے کا خاتمہ ہوگا لہٰذا میرے بچے دوکان میں اب میں بیٹھتا ہوں تو اٹھ اور بعل دیوتا کے مندر کی طرف جاؤ وہاں بڑے پجاری یورام سے مل اور یہ سارا معاملہ اس سے کہہ دے تاکہ حالات ہمارے حق میں پلٹا کھائیں۔"

لوطان نے اپنے باپ انوس کی اس گفتگو سے اتفاق کیا تھا پھر وہ اٹھا دوکان سے نکلا اور بڑے پجاری یورام سے ملنے کے لیے وہ بعل دیوتا کے منہ کی طرف ہولیا تھا۔

☆☆

اگلے روز سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر ... لوطان بن سلوم اپنی ماں اپنے دونوں بھائیوں ... اور انوش کے ساتھ اپنے پڑاؤ سے نکلا اور سامرہ ... نے رخ کیا بڑی تیزی سے چاروں چلتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور سیدھے لوطان کی دوکان کی طرف گئے اس وقت سورج غروب ہورہا تھا گھروں کے اندر چراغ روشن ہوگئے تھے شاید یقطان بن سلوم نے یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ وہ اندھیرا ہونے کے بعد لوکان کو اپنے ساتھ لے کر ایمن کے پاس لائے گا چنانچہ چاروں لوطان کی دکان میں داخل ہوئے اس وقت لوکان اور اس کا باپ دونوں دوکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔

دونوں نے بڑے پرجوش انداز میں یقطان بن سلوم کا استقبال کیا اور انہیں نشستوں پر بیٹھنے کے لیے کہا جب وہ بیٹھ گئے تب لوکان کا باپ انوس یقطان بن سلوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے عزیز میں لوکان کا باپ ہوں مجھے بے حد افسوس ہے کہ کل میری تم سے ملاقات نہ ہو سکی اس لیے کہ تم ہمارے لیے ایک انتہائی اچھی بلکہ سود مند خبر لے کر آئے تھے اور بدقسمتی یہ کہ جس وقت تم میرے بیٹے لوطان سے گفتگو کرنے کے بعد دوکان سے نکل گئے تھے اس وقت میں دوکان میں داخل ہوا تھا میں نے تمہیں دیکھا تھا شاید تم نے بھی مجھے دیکھا اور پہچانا ہوگا۔"

اس موقع پر فیقان بن سلوم نے صرف اثبات میں گردن ہلائی تھی یہاں تک کہ انوس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

"میرے عزیز تو ہمارے پاس ایمن کی خبر لے کر آیا تھا ایمن ہمارے لیے بڑی محترم بڑی قابل عزت اور بڑی اہم شخصیت ہے اس لیے کہ میرا اکلوتا بیٹا لوکان اسے پسند کرتا ہے اور اسی پسند کے مطابق اس کی منگنی بھی لوکان کے ساتھ طے ہوچکی تھی اس کے بعد ہمارے حکمران اخیاب کے ہاں کچھ گھریلو مسائل اٹھ کھڑے ہوئے جس کی بناء پر ایمن اس کے بھائی سلمون اور اس کی ماں دیسان کو یہاں سے بھاگ جانا پڑا وہ تینوں کہاں گئے کس جگہ ٹھہرے کہاں کہاں پناہ لی اس کی نہ ہمیں خبر ہے نہ جاننے کی ضرورت ہے مگر تمہارے ایک طرح سے ہم شکرگزار

ہیں کہ تم نے ہمیں ایمن سے متعلق کچھ نشاندہی کی اگر تم نے کچھ خریدنا ہے تو خرید لو اس کے بعد میرا بیٹا تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔''

اس پر یقطان بن سلوم اٹھا اس کے بھائی اور ماں بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور دوکان میں رکھے کپڑوں کا جائزہ لینے لگے تھے۔ سورج اب غروب ہو گیا تھا باہر تاریکی چھا گئی تھی اوزال نے اپنے علاوہ یقطان کوش انوش اور اس کے علاوہ دیسان ایمن اور سمون کے لیے بھی کچھ کپڑے پسند کیے ان سارے کپڑوں کا ایک ڈھیر دوکان کے ایک طرف لگا دیا اس کے بعد لوکان کا باپ انوس حرکت میں آیا علیحدہ کیے جانے والے ان کپڑوں کی قیمت کا اندازہ لگانے لگا تھا۔

اسی موقع پر بعل دیوتا کے کچھ پجاری دوکان میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ کچھ محافظ بھی تھے۔

وہ پجاری سیدھے یقطان بن سلوم کی طرف آئے شاید لوطان نے پوری تفصیل انہیں بتا رکھی تھی اور یقطان کے قریب آ کر ایک پجاری اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر ہم غلطی پر نہیں تو تمہارا نام یقطان بن سلوم ہے تم جانتے ہو ایمن اس کی ماں اور بھائی کہاں ہیں لہٰذا تم ہمارے ساتھ چلو۔''

ان الفاظ پر یقطان بن سلوم چونکا تھا اچانک اس کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر گیا تھا پھر ایک جواب طلب سی نگاہ باری باری اس نے لوطان اور اس کے باپ پر ڈالی تھی اس کے دیکھنے کا انداز بتاتا تھا کہ وہ لوکان اور اس کے باپ انوس دونوں کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے اس پجاری کو مخاطب کیا۔

''تم کون ہو اور ہم تمہارے ساتھ کیوں جائیں۔ اس پر وہ پجاری کہنے لگا۔ اگر تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے تو تم چاروں کی گردنیں کاٹ دی جائیں گی۔ دیکھو میں اور میرے ساتھی بعل دیوتا کے پجاری ہیں اور ہمارے ساتھ یہ مندر کے محافظ ہیں سیدھی طرح شرافت سے ہمارے ساتھ چلو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے تم ہمیں اس جگہ لے چلو جہاں ایمن اس کے بھائی سلون اور ماں دیسان نے قیام کر رکھا ہے اگر تم چپ چاپ شرافت کے ساتھ ہمیں وہاں لے گئے تو ہم تمہیں یہ عہد دیتے ہیں کہ ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے تمہیں چھوڑ دیں گے اور اگر تم نے اکڑنے یا پتہ نہ بتانے کی غلطی کی تو یاد رکھنا چاروں کو ایسا لہولہان کیا جائے گا کہ تم میں سے کسی کو بولنے کی سکت نہ رہے گی۔''

اس موقع پر کھا جانے والے انداز میں یقطان بن سلوم نے لوطان اور اس کے باپ انوس کی طرف دیکھا پھر قہر بھری آواز میں کہنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے تم دونوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا ہے۔'' اس کے بعد بعل دیوتا کے پجاریوں کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

''ہمارا راستہ چھوڑ دو ہم نہ کسی ایمن کو جانتے ہیں نہ اس کی ماں اور نہ اس کے بھائی کو اور اگر تم نے ہمیں روکنا چاہا تو دنگا فساد اٹھے گا اور تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔''

اس پر پجاری نے اپنے ساتھ آنے والے مسلح جوانوں کو اشارہ کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے غراتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''آگے بڑھ کر اسے جکڑ لو میں دیکھتا ہوں یہ کیسے ایمن اس کی ماں اور بھائی کا پتا نہیں بتاتا۔''

مسلح جوان جب آگے بڑھے تو ایک جھٹکے کے ساتھ یقطان بن سلوم نے اپنی تلوار بے نیام کر لی تھی اپنے دفاع کے لیے تیار ہو گیا تھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے دونوں بھائیوں کوش اور انوش نے بھی تلواریں کھینچ لی تھیں یہ صورت حال دیکھتے ہوئے پجاری ایک طرف ہٹ گیا۔ کوش اور انوش دونوں اپنی تلواریں کھینچ کر اپنی ماں کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے جبکہ ان کے ایک طرف یقطان بن سلوم بالکل مستعد تھا۔

لوکان اور اس کا باپ دونوں فکر مند ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے اس موقع پر اچانک یقطان بن سلوم حرکت میں آیا جو نوجوان اس کے دونوں

ہا وال کی طرف بڑھے تھے ان پر حملہ آور ہوا اور ان پلٹ جھپٹتے وہ ایسے انداز اور ایسی ہولناک تندی کے ساتھ حملہ آور کہ اس نے دو محافظوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دی تھیں جب دو مسلح محافظ لوطان کی دوکان میں لاشوں کی صورت میں گرے اور ان کا خون بہنے لگا تب انوس اور لوطان دونوں کے اوسان خطا ہو گئے تھے رنگ ان کے چہرے پیلے پڑ گئے تھے۔ اتنی دیر تک ذرا بائیں جانب سے ہو کر دو مسلح جوانوں نے یقطان بن سلوم کو اپنا ہدف بنانا چاہا اس پر یقطان بن سلوم بڑی مستعدی سے ان کی طرف لپکا وہ بڑی تیزی اور بڑی مہارت سے ان کے وار روکنے لگا تھا۔ اس موقع پر باقی محافظ ایک دم بھاگتے ہوئے آگے بڑھے اور کوش اور انوش پر حملہ آور ہو گئے انہوں نے کوش انوش اور یقطان بن سلوم کی ماں اوزال کا خاتمہ کر دیا جو دو محافظ یقطان بن سلوم سے ٹکرائے تھے ان میں سے ایک یقطان بن سلوم کی تلوار کا شکار ہوا اور جن محافظوں نے یقطان بن سلوم کے دونوں بھائیوں اور ماں کا خاتمہ کیا تھا وہ اب یقطان بن سلوم کی طرف لپکے تھے یہ صورت حال یقطان بن سلوم کے لیے بڑی خطرناک تھی لہٰذا ایک محافظ جو اس سے ٹکرا رہا تھا اسے جھٹکا دے کر اس نے پیچھے گرایا اور دوکان سے بھاگا۔

وہ تیزی سے ایک موڑ مڑنے والی گلی کی طرف بھاگا پجاری اور محافظ اس کے پیچھے تھے اچانک یقطان بن سلوم کو کوئی ترکیب سوجھی گلی کا موڑ مڑنے کے بعد اس نے پیٹھ پر لٹکتی ہوئی کمان سنبھالی اور بھاگتے ہوئے ترکش سے تین تیر بھی نکال لیے تھے اتنی دیر تک تعاقب کرنے والے محافظ بھی اور ان کے پیچھے پیچھے پجاری گلی کا موڑ مڑ کر اس کے تعاقب میں لگ گئے تھے اگلا موڑ مڑنے کے ساتھ ہی یقطان بن سلوم ...ت میں آیا لگاتار کئی تیر اس نے چلائے ان تیروں ...سے پجاریوں کے آگے آگے بھاگتے ہوئے ...نشانی ہو کر زمین پر گر گئے تھے یہ صورت حال ...ہوئے پجاری رک گئے تھے اور رکنے کے ساتھ ہی وہ شور کرنے لگے تھے اور لوگوں کو یقطان بن سلوم کو قاتل بتا کر پکڑنے کی تلقین کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر ایک پجاری نے دوسرے پجاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے چلا کر کہا۔

”تم میں سے سب شہر پناہ کے ایک ایک دروازے کی طرف بھاگ کر جائے اور شہر کے دروازوں کے محافظوں سے کہے کہ اس حلیے کا ایک نوجوان ہے اسے کسی بھی صورت شہر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ پجاری سامرہ شہر کے مختلف دروازوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور یہ ساری گفتگو جو ایک پجاری نے بلند آواز میں کی تھی یقطان بن سلوم نے بھی سن لی تھی اب یقطان بن سلوم یہ بھی خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اس موقع پر اگر وہ شہر سے نکل کر بھاگا تو یقیناً شہر پناہ کے کسی بھی دروازے پر اسے مشکوک خیال کر کے پکڑ لیا جائے گا اور پھر اس کا چھوٹنا یا سامرہ شہر سے نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔

ابھی وہ انہیں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ جس مکان کے دروازے کی اوٹ میں وہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور جہاں کھڑے ہو کر اس نے پجاں پر تیراندازی کی تھی وہ دروازہ آدھا کھلا پھر ایک بوڑھے نے سر باہر نکال کر ادھر ادھر دیکھا باہر گھپ اندھیرا تھا اس بوڑھے نے یقطان بن سلوم کا بازو پکڑ لیا اور اسے اندر کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے یہاں گلی میں تمہارے لیے خطرہ ہے اندر آ جاؤ بعل دیوتا کے جو پجاری تمہارا تعاقب کر رہے ہیں وہ بھیڑیے ہیں کسی صورت تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ بعل دیوتا کے پرستار شیطانی قوتوں کے پروردہ ہیں ان کے ہاں انسانیت شرافت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔“

اس بوڑھے نے یقطان بن سلوم کو اندر کھینچنے کے بعد دروازہ بند کر لیا تھا پھر دوبارہ ایک یقطان بن سلوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تمہاری عمر تھوڑی ہے لیکن لگتا ہے تم کام

بہت بڑا کر چکے ہو تم نے ضرور بعل دیوتا کے ان پجاریوں کے خلاف اور بعل دیوتا کے خلاف بحث کی ہوگی اور میرا اندازہ ہے کہ تم مواحد بھی ہو۔''

اس پر یقطان بن سلوم نے چونکنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔ ''آپ نے یہ کیسے اندازہ لگالیا کہ میں مواحد ہوں۔''

جواب میں بوڑھا مسکرایا اور کہنے لگا۔

''دیکھ ہم گھر کے دو ہی افراد ہیں ایک میں اور ایک میرا بیٹا میرا نام تیمان ہے میرے بیٹے کا نام بشام ہے وہ دوسرے کمرے میں ہے آؤ میں تمہیں اس سے ملاتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی بوڑھے نے دروازہ بند کیا یقطان بن سلوم کا ہاتھ پکڑ کر وہ دوسرے کمرے میں گیا ایک نوجوان وہاں کھڑا تھا آگے بڑھ کر پرجوش انداز میں وہ یقطان بن سلوم سے ملا تینوں وہاں بیٹھ گئے یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز اس بوڑھے تیمان نے کیا اور کہنے لگا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم گھر کے دو افراد ہیں ایک میں اور ایک یہ میرا بیٹا جس کا نام بشام ہے ہم خود بھی مواحد ہیں دیکھو ہم یہودی ضرور ہیں لیکن بعل دیوتا کو نہیں مانتے اور جس کسی کا بھی بعل دیوتا کے پجاریوں سے جھگڑا ہوتا ہے وہ عموماً مواحد ہی ہوتا ہے اس لیے کہ یہ پجاری اور ہمارا حکمران احباب اور اس کی بیوی ایزبل مواحد لوگوں کو پسند ہی نہیں کرتے اور ان کا قتل عام کرتے ہوئے بڑی خوشی اور بڑا اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ بیٹے اب تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے یوں جانو تم اپنوں کے اندر آگئے ہو تم مواحد ہو ہم بھی مواحد ہیں لہٰذا ہمارے درمیان ایک رشتہ ہے پہلے یہ بتاؤ تمہارا تعلق کن سرزمینوں سے ہے۔''

اس پر یقطان بن سلوم بولا اور کہنے لگا۔

''میں کنعانی ہوں سارے پیغمبروں اور نبیوں کو ماننے والا ہوں اور عرب کی سرزمینوں میں آنے والے ایک نبی پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔''

یقطان بن سلوم کے ان الفاظ پر تیمان اور بشام دونوں کے چہروں پر خوشی اور اطمینان کی لہر بکھر گئی تھی پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بشام کہنے لگا۔

''قسم خداوند قدوس کی تمہارے ساتھ تو ہمارا دہرا رشتہ ہے ہم یہودی ہیں سارے پیغمبروں کو مانتے ہیں اور ساتھ ہی خداوند قدوس کی اس بشارت کے مطابق جو اس نے اپنے رسول موسیٰ پر نازل کی اور جس میں یہ انکشاف کیا کہ موسیٰ جیسا ہی ایک نبی کوہ شعیر کی وادیوں میں اٹھے گا۔ کوہ شعیر عرب کا کوہستانی سلسلہ ہے میرے عزیز اس آنے والے پیغمبر کو ہم بھی پہلے سے ماننے والے ہیں دیکھو اب ہم تمہیں خداوند قدوس نے چاہا تو نہ مرنے دیں گے اور نہ ہی ان بعل دیوتا کے پجاریوں کے ہاتھ لگنے دیں گے۔

تم بڑی اچھی گلی کا موڑ مڑ کر ادھر آئے ہو ہمارے دروازے پر کھڑے ہو کر جو تم نے تعاقب کرنے والے مسلح جوانوں اور پجاریوں پر تیراندازی کی وہ بھی بڑی مناسب تھی اس لیے کہ اس گلی میں کوئی اور گھر نہیں ہے یہ ہمارا گھر ہے سامنے جو ایک بڑا احاطہ ہے اس میں ہمارے جانور بندھتے ہیں اور ہمارے اس مکان کے دائیں جانب آگے جو گلی کا حصہ ہے اس میں بھی ہمارا باڑہ ہے میرا بیٹا ہر روز صبح سویرے سورج طلوع ہونے کے ساتھ اپنے جانور لے کر شہر کی نواحی چراگاہوں کی طرف نکل جاتا ہے اور شام کو اپنا ریوڑ واپس لے آتا ہے دیکھ میرے عزیز سامرہ شہر کے اندر تیرا زیادہ دن قیام کرنا بھی درست نہیں ہے تیرا ہر صورت میں حفاظت کے ساتھ شہر سے نکل جانا ضروری ہے اگر ایسا نہ ہوا تو ملکہ ایزبل کے کارندوں کے علاوہ بعل دیوتا کے پجاری شکاری کتوں کی طرح بو سونگھنا شروع کر دیں گے کہ جس جوان نے پجاریوں کے محافظوں کا قتل عام کیا اسے ہر صورت میں تلاش کرنا چاہیے۔

لہٰذا ابھی تھوڑی دیر تک کھانا کھانے کے بعد میرا بیٹا تمہیں مکان کے تہہ خانے میں لے جائے گا صبح سویرے تمہیں جگائے گا اور اندھیرے منہ سامنے

... لے جانے کا ہمارا ایک خچر ہے بڑا ... اس کے پیٹ کے ساتھ تمہیں باندھ ... سارے جانوروں کو اکٹھا نکال کر انہیں ... نکل جائے گا اس طرح مجھے امید ہے ... کے ساتھ شہر سے باہر نکلنے میں کامیاب ... احتیاط کی خاطر جہاں ریوڑ چرے گا وہاں ... قیام کیے رکھنا ممکن ہے اخیاب کے ... میں سے یابل دیوتا کے پجاریوں کے ... دوں میں سے کوئی شہر سے نکلنے والے لوگوں کے ... شہر سے نکل کر چراگاہوں کی طرف جانے والے ... روں کا بھی جائزہ لیں۔ تم برابر ان کی نظروں سے ... رہنا یہ تمہارے لیے انتہائی ضروری ہے اب تو ... تم دونوں باپ بیٹے نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔''

یقطان بن سلوم اداس اور افسردہ تھا چہرے پر ... دکھ کی پرچھائیاں تھیں آنکھوں میں بجھ جانے والے دیوں کی سی کیفیت تھی پھر دکھ بھری آواز میں کہنے لگا۔

''آپ دونوں باپ بیٹا کھانا کھائیں مجھے ... نہیں ہے آپ دونوں کی بڑی مہربانی مجھے رات ... بسر کرا کے اگلے روز شہر سے باہر نکالنے کی تدبیر ... ان کے لیے میں آپ کا بڑا ممنون اور شکر گزار ... کہ آپ لوگ کھانا کھائیں یوں جانیے مجھے قطعاً ... بھوک نہیں ہے۔''

اس موقع پر تیتان نے بڑی شفقت اور محبت ... اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''... تمہارا دکھ بڑا گہرا ہے لیکن بیٹے کھانا نہ ... یہ دکھ اور غم کم تو نہیں ہوگا تھوڑا بہت کھالو ... ہو جائے گی۔''

اس ... یقطان بن سلوم نے نفی میں گردن ہلائی

... دونوں کا بڑا شکر گزار ہوں کہ آپ ... میں آپ سے کہتا ہوں مجھے ... آپ دونوں کھانا کھائیں اس

غزل

عماد عالم

دل کی جو کہانی ہے
بات وہ بہت پرانی ہے

یادوں کے گرد جالے ہیں
دل میں تصویر پرانی ہے

ہر شام ہراساں پھرتی ہے
یاد تیری دیوانی ہے

گال پر جس کے تل تھا
وہ صورت اب بھلانی ہے

دکھ باتیں کرتے ہیں
دل میں اسکی بیابانی ہے

وہ بدلا تو رت بدلی
اب مجھے کیا پریشانی ہے

عماد سرمایہ ہے میرا
یادوں کی جو فراوانی ہے

کے بعد رات بسر کرنے کے لیے آپ مجھے رکھنا چاہتے ہیں میں وہیں پڑا رہوں گا رات بسر کر لوں گا۔''

اس موقع پر کچھ دیر تک بڑے دکھ بھرے انداز میں تیتان یقطان بن سلوم کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے بیٹے بشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے دائیں طرف والے کمرے میں لکڑی کے کچھ ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ٹکڑا اٹھاؤ کیل اور ہتھوڑی لو جس دروازے سے میں یقطان کو کھینچ کر اندر لایا ہوں اس دروازے کے دونوں پٹ بلند کر کے اور لکڑی کا وہ ٹکڑا اس طرح دروازے کے اندرونی طرف رکھ کر دونوں پٹ کے اوپر وہ لکڑی آجائے اور وہاں کیل ٹھونک دو ایسا میں اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ یقطان کی تلاش کے سلسلے میں اگر بعل دیوتا کے پجاری یا احباب کے جاسوس اور اس کے خفیہ لوگ یقطان کو تلاش کرنے کے لیے ہمارے یہاں آتے ہیں تو ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ دروازہ پکا بند ہے اور جب وہ یہ دیکھیں گے کہ یقطان بن سلوم تو گلی کا موڑ چکا تھا اور جس موڑ کی طرف یہ مڑا اس طرف ہمارا دروازہ ہے پکا بند ہے لہٰذا ہم پر وہ شک نہیں کریں گے۔''

اس پر بشام اپنی جگہ پر اٹھا ساتھ والے کمرے میں گیا اور لکڑی کا ایک ٹکڑا اس نے دروازے کے دونوں پٹ پر رکھ کر کیل لگا دیے اس کے بعد دوبارہ وہ اپنے باپ اور یقطان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

اس موقع پر یقطان نے تیمان کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ بعل دیوتا کے پجاری میرے تعاقب میں لگ گئے ہیں اس لیے کہ جب میں گلی کا موڑ مڑا اور میں نے اوٹ میں رہتے ہوئے پجاریوں پر تیر چلائے اور وہ رک گئے اس وقت آپ اس دروازے کے پاس کھڑے تھے جسے لکڑی کا ٹکڑا لگا کر پکا بند کر دیا گیا ہے اسی دروازے سے آپ نے مجھے اندر کھینچا تھا اگر آپ اس دروازے پر کھڑے تھے یا اس دروازے کے قریب تھے پھر آپ نے کیسے دیکھ لیا کہ بعل دیوتا کے پجاری میرے تعاقب میں ہیں۔''

جواب میں تیمان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بیٹے تم دیکھتے ہوئے ہمارا مکان کونے پر ہے اور اس کو دو گلیاں لگتی ہیں اور دونوں گلیوں کی طرف میرے مکان کے دروازے کھلتے ہیں جس وقت یہ حادثہ پیش آیا اس وقت میں اپنے اس دروازے کے قریب کھڑا تھا جو دروازہ اس گلی میں کھلتا ہے جہاں پجاریوں نے تمہارا تعاقب کیا تھا لیکن جب تم بھاگے تو میں نے فوراً وہ دروازہ بند کر دیا اور اس دروازے کی طرف گیا جو بند کر دیا گیا ہے وہاں دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو کر تم نے پجاریوں پر تیر چلائے اور ایک طرح سے انہیں اپنا تعاقب کرنے سے روک دیا تمہاری یہ کیفیت دیکھتے ہوئے میں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ بعل دیوتا کے پجاری ضرور کسی مواحد کے تعاقب میں ہیں لہٰذا میں نے دروازہ کھولا اور تمہیں کھینچ کر اندر لے آیا۔''

تیمان کی یہ گفتگو سن کر یقطان بن سلوم خاموش رہا اور تیمان غصے میں اس کی بدلتی ہوئی حالت کا اندازہ لگا رہا تھا لہٰذا اس نے اپنے بیٹے بشام کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''بیٹے یقطان کو تہہ خانے میں لے جاؤ اور وہاں اس کے آرام کا اہتمام کرو۔'' اس پر یقطان بڑی ممنونیت سے تیمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ مجھے وہ جگہ بتا دیں جہاں میں رات بسر کرتی ہے جہاں میری بھوک مر گئی ہے وہاں مجھے نیند بھی نہیں آئے گی میں یہ رات بڑی مشکل سے کاٹوں گا۔''

یقطان بن سلوم کی یہ حالت دیکھتے ہوئے تیمان اور بشام دونوں باپ بیٹا کسی قدر فکر مند ہو گئے تھے پھر بشام یقطان بن سلوم کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اس تاریخی داستان کی
باقی واقعات آئندہ ماہ ملاحظہ کریں

سامع

احمد صغیر صدیقی

سیڑھیوں کے اوپر جو بلب روشنی دے رہا تھا خاصا
ندہ اور پرانا سا تھا۔ یہی حالت عمارت کی دیواروں کی
تھی۔ یوں جب اوپری سیڑھی پر پہنچا تو اسے اپنے نتھنوں
ں ہلکی ہلکی سی بو کا احساس بھی ہوا۔ یہاں ہوا بھی
تھی اور گھٹن سی ہو رہی تھی۔ پھر فضا میں بہت سے
کی بو جو سماں باندھتی ہے وہی سماں یہاں تھا۔

اس شمارے کے لیے غیر ملکی ادب سے درآمد

وہ ایک چھوٹے قد کا معمولی سا آدمی تھا۔
وان تھا نہ بوڑھا۔ اسے دیکھ کر ذہن پر کوئی
اس تاثر بھی نہیں ابھرتا۔ ڈیسک کے سامنے پڑی
رسی پر بیٹھ کر وہ مبہم انداز میں مسکرایا جب کہ اس
کی آنکھیں مضطرب انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لینے لگیں۔ اس نے اپنی جیب سے ایک خاصا پرانا بٹوا نکالا وہاں سے اس نے تین ڈالر کے نوٹ برآمد کیے جو اس کے بٹوے کی طرح پرانے لگ

رہے تھے۔ اس نے نروس انداز میں انہیں میز پر رکھتے ہوئے آگے سرکایا۔

''یہ.....اتنی رقم ٹھیک ہے نا۔''

چالمر بون نے آہستگی سے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔ یہ ایک مناسب نقوش والا موزوں قسم کا سر تھا جو اس کے چوڑے شانوں اور متناسب جسم پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں گہری اور ان کا رنگ نیلگوں تھا۔ یہی نہیں یہ آنکھیں ہوشیاری اور چوکسی بھی ظاہر کر رہی تھیں۔

''تین ڈالر کی رقم ٹھیک ہے۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''یہی میرا معاوضہ ہے۔ اس کے بدلے تم جس موضوع پر چاہو میرے ساتھ ایک گھنٹے تک باتیں کر سکتے ہو اور جو بات بھی تم کہو گے وہ صرف میری ذات تک محدود رہے گی۔''

''باتیں خفیہ رہیں یا نہ رہیں مجھے اس کی فکر نہیں۔'' چھوٹے سے آدمی نے بیزاری سے کہا۔ ''کسی کو فرصت ہی نہیں کہ میری پریشانیاں سنے۔ یہ بات نہ ہوتی تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں یہاں آتا اور رقم خرچ کرتا۔ جب بھی میں نے کسی کو اپنی پریشانیاں سنانے کی کوشش کی ہے تو جانتے ہو کیا ہوا ہے۔ ادھر میں نے اپنی بات چھیڑی اور ادھر سے وہ خود اپنا دکھڑا لے کر دوڑا۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ میں دوسروں کی پریشانیاں سنوں۔ میرے پاس تو خود اپنی الجھنیں کم نہیں۔ کم از کم انہیں میری بات تو سننا چاہیے تھی۔'' یکا یک چپ ہو کر اس نے چالمر بون کی سمت پر شبہ انداز میں دیکھا۔ ''تمہارے پاس تو اپنی ایسی پریشانیاں نہیں جو تم مجھے سنانا چاہو۔''

بون نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''نہیں میرے پاس ایسی کوئی پریشانی نہیں جو میں تمہیں سنانا چاہوں۔''

''پھر ٹھیک ہے۔'' مختصر سے آدمی نے کہا۔ اس نے ایک لمبی سی سانس لی پھر اس کی آواز میں ایک نوع کی یکسانیت سی ابھر آئی۔ ''میرا نام جیکٹ واٹ ہے۔ شہر کے مشرقی حصے میں میرے پاس ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ ہے۔ میں نے اس کے کمروں کرائے پر دے رکھا ہے۔ تمہارے پاس جب تک کوئی ایسی عمارت نہ ہو تم ہم جیسے مالکان کی مشکلات سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ساری مصیبت کی جڑ یہ کرائے دا ہوتے ہیں۔ پھر قوانین بھی ہیں۔ پھر ٹیکس وغیرہ کے مسائل ہوتے ہیں۔ عمارت کی ٹوٹ پھوٹ کے قصے ہوتے ہیں۔ محکمہ صحت کی ضروریات کے بکھیڑے ہوتے ہیں۔ مار دھاڑ کے بکھیڑے ہوتے ہیں اور قتل وہلاکت کے مسئلے بھی۔''

''قتل و ہلاکت کے بھی مسئلے ہوتے ہیں۔'' چالمر بون نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

''طرح طرح کے کرائے داروں سے کرا وصولنا کیا کچھ کم مصیبت ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک آدھ قتل بھی ہو جائے۔ قتل کوئی ہوتا ہے او شامت میری آتی ہے۔ عمارت بدنام ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میرا معاملہ کوئی الگ نہیں۔ میری عمارت بھی بدنام ہو رہی ہے اور میں سخت پریشان ہوں۔''

''تو کیا تمہاری عمارت کا کوئی کرایہ دار قتل ہو گیا ہے۔''

''اور کیا۔ سارے اخباروں میں یہ خبر تھی تصویریں بھی تھیں۔ کمرہ نمبر پندرہ میں وہ دونو رہتے تھے میاں بیوی تھے۔ اسکیفر زنام تھا ان کا اس قدر بوڑھے تھے کہ تم انہیں دیکھ کر تعجب کرتے ویسے یہ صرف دیکھنے کو بوڑھے تھے۔ حرکات میں نوجوانوں کو مات کرنے والے۔ میں جب بھی کرا وصولنے جاتا تھا۔ اس وقت تم دیکھتے۔ کیسی کڑک دا آواز ہوتی تھی ان کی۔ خیر پھر بوڑھا اسکیفر مر گیا او جانتے ہو کیا چھوڑا تھا اس نے اپنی بیوی کے لی ایک دو سو نہیں پورے پچیس ہزار ڈالر۔''

''پچیس ہزار ڈالر۔''

''جی جناب انشورنس کی رقم تھی۔ پھر می نے اس سے کہا تھا کہ وہ یہ رقم میرے سپرد کرد۔ میں اسے اسٹاک وغیرہ میں لگا دوں گا لیکن بڑ بھی خوب تھی سنی ان سنی کر گئی۔ پھر اس بے وقو

نے یہ رقم بینک میں بھی نہیں رکھی۔ اسے خیال تھا کہ بینک والے رقم خرد برد کر دیں گے۔ ہوا وہی جو ہونا تھا۔ کسی نے اسے قتل کر دیا اور رقم لے اڑا تو دو گیارہ ہو گیا۔"

جالمر بون اپنی کرسی میں تھوڑا سا کسمسایا۔ "پولیس کو وہ شخص ملا جس نے قتل کیا تھا اور رقم چرائی تھی۔" اس نے پوچھا۔

"پولیس۔" آدمی نے تمسخر سے کہا۔ "وہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں۔ کیا کیا انہوں نے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ غصہ تو اس پر ہے مجھے کہ اس بڑھیا کو قتل ہونے کے لیے میری ہی عمارت ملی تھی۔ اور سونے پر سہاگا یہ ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے میرے اوپر ایک مقدمہ ہونے والا ہے۔"

"مقدمہ۔"

"ہاں۔ اخباروں کے سلسلے میں بات یوں ہے کہ ہال کے سامنے والے حصے میں ایک شخص رہتا ہے۔ اس کا نام پیٹرک ہے۔ یہ مسز اسکیفر اس قدر کنجوس تھی کہ یہ اخبار وغیرہ نہیں خریدتی تھی۔ حالانکہ پچیس ہزار ڈالر رکھے ہوئے تھے۔ خیر وہ کرتی یہ تھی کہ پیٹرک کے اخبار اٹھا لیتی تھی اور پڑھنے کے بعد پھر اسی جگہ ڈال دیتی تھی۔ بے وقوف عورت انہیں نہ تک نہیں کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ پیٹرک سمجھ گیا کہ چکر کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے نگرانی شروع کی۔ اب وہ اخبار والے کو رقم ادا کرنے پر تیار نہیں۔"

"لیکن اس کی وجہ سے تم پر کیسے مقدمہ ہو سکتا ہے۔" بون نے پوچھا۔

"بتا رہا ہوں نا۔ میں نے پیٹرک کی طرف سے اخبار والے کو کہا تھا۔ اس کے انکار پر وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ میرے اوپر کیس کر دے گا۔"

"میرے خیال میں اصل پارٹی پیٹرک ہے۔" بون نے کہا۔

"وہ کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ بوڑھی مقتولہ اس کے اخبار اٹھا لیتی تھی۔"

"وہ ثابت کر سکتا ہے بھائی یہی تو مصیبت ہے جس روز مسز اسکیفر کا قتل ہوا تھا اس سے ایک دن قبل صبح ہی صبح اس عورت نے اخبار اٹھایا تھا اور اس کا ایک حصہ پھاڑ لیا تھا۔ یہ پیٹرک کہتا ہے کہ عورت کے اس عمل نے اخبار کو اس کے لیے بے کار کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ عورت کے نشانات انگشت اس اخبار پر ہیں۔ وہ ثابت کر سکتا ہے مسٹر پچاس ڈالر اس پر واجب ہیں۔ پورے سال کا چندہ ہے لیکن وہ دینے سے انکاری ہے۔ اس کے پاس وہ پھٹا ہوا اخبار موجود ہے۔"

وہ کرسی پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے بے حد تھک گیا ہو۔ اس نے بیزاری سے ہاتھ ہلایا۔ "خیر کم از کم میں نے یہ ساری باتیں کہہ کے دل کا بوجھ تو ہلکا کر لیا ہے۔ تم یقین کرو میں سخت پریشان ہوں۔"

"کوئی اور مسئلہ جو تم کہنا چاہتے ہو۔"

جیک نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کیا کہہ رہے ہو۔ یہ مسئلے جو میں نے بتائے کیا کم ہیں۔ میرے خدا...... تم اور کس کی بات کر رہے ہو۔"

"میں دراصل اس لیے کہہ رہا تھا کہ ابھی پورا گھنٹہ ختم نہیں ہوا۔" بون نے کہا۔ اس نے میز پر طبلہ بجایا اور سوچتے ہوئے بولا۔ "تم نے یہ پیٹرک اور اسکیفر کی جو کہانی سنائی مجھے دلچسپ لگ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب جبکہ تم نے تمام باتیں کہہ لی ہیں اور ابھی گھنٹہ ختم نہیں ہوا کیوں نہ میں اپنی فیس کے عوض تمہارا کچھ کام بھی کر دوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں شام کو کسی وقت تمہارے اس پیٹرک سے مل کر کیوں نہ وہ معاملہ طے کرا دوں جس کی بنا پر مقدمے کا خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے میرے کہنے سے یہ شخص بل کی ادائیگی پر تیار ہو جائے۔"

"تم اس سے بات کرنا چاہتے ہو تو بے شک بات کرو۔" جیکب نے کہا۔

"لیکن ایک بات میں تمہیں بتا دوں یہ آدمی

بھی بڑا نمبری ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ وہ تمہاری سنے گا۔ دوسرے تم خود ہی جانا۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

☆☆

سیڑھیوں کے اوپر جو بلب روشنی دے رہا تھا خاصا گندہ اور پرانا سا تھا۔ یہی حالت عمارت کی دیواروں کی بھی تھی۔ بون جب اوپری سیڑھی پر پہنچا تو اسے اپنے نتھنوں میں ہلکی ہلکی سی بو کا احساس بھی ہوا۔ یہاں ہوا بھی بند تھی اور گھٹن سی ہو رہی تھی۔ پھر فضا میں بہت سے افراد کی بو جو سماں باندھتی ہے وہی سماں یہاں تھا۔

اس نے احتیاط سے کمروں کے نمبر پڑھنے شروع کیے۔ اسے کمرہ نمبر پندرہ بہرحال مل ہی گیا۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ انتظار کے دوران اس نے اپنے ہاتھ کے لیدر دستانے اتار لیے۔ ذرا ہی دیر میں دروازہ ذرا سا کھلا۔ کوئی بہت محتاط سا ہو رہا تھا۔

''مسٹر پیٹرک۔'' بون نے پوچھا۔

''ہوں کیا بات ہے۔''

''میرا نام بون ہے۔ میں اخبار والوں کی طرف سے آیا ہوں۔''

دروازہ جوں کا توں ہی رہا۔ اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

''میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کروں گا۔ میں کوئی رقم نہیں دوں گا۔'' آواز نے کہا۔

''تم مجھے اندر تو آنے دو۔'' بون نے کہا۔

''میں تم سے تمہارے مطلب ہی کی بات کرنے آیا ہوں۔ ممکن ہے تمہیں اچھی لگے۔''

''ہوں۔'' ہنکاری پھر بھری گئی اور دروازے کو ہچکچاہٹ کے ساتھ کھول دیا گیا۔

''آجاؤ۔'' آواز نے کہا۔

یہ ایک لمبا سا کمرہ تھا۔ بے حد گندہ سا۔ اس کا بستر الجھا ہوا پڑا تھا۔ اس کی چادر میلی ہو رہی تھی اور پورے کمرے میں گندگی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے کے اندر میلے کپڑوں کی بساند بھی موجود تھی۔

''ہاں' کہو کیا کہنا ہے تمہیں۔'' پیٹرک نے پوچھا۔

یہ شخص ایک دبلا پتلا مجہول سا آدمی تھا۔ اس کے بدن پر بھی ڈھیلا ڈھالا سا لباس تھا۔ اس کے سر کے بال بھی الجھے ہوئے تھے۔ اس نے آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا جس کے پیچھے سے اس کی گول گول آنکھیں جھانک رہی تھیں جس میں شک وشبے کی گہری چمک موجود تھی۔

بون نے دروازہ بند کر کے اپنی پشت اس سے ٹکا دی پھر اس نے پوچھا۔ ''وہ عورت جس کا یہاں قتل ہوا۔ تمہارے کمرے کے سامنے رہتی تھی نا۔''

پیٹرک نے بھویں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ ''ہاں' کیوں۔''

''جس رات اس کا قتل ہوا' تم یہاں موجود تھے۔''

''ہاں..... کیوں۔''

''تم نے کسی کو دیکھا تھا۔ کوئی پرشبہ آدمی یا کوئی اور چیز۔''

''نہیں۔ میں پولیس کو یہ بات بتا چکا ہوں۔''

بون نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اس نے اپنے دستانے اپنے کوٹ کی جیب میں ٹھونس لیے۔ ''تمہارا کہنا ہے کہ وہ عورت تمہارے اخبار چرا پڑھا کرتی تھی۔ کیا تم یہ بات ثابت کر سکتے ہو۔''

''بالکل کر سکتا ہوں۔'' پیٹرک نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا جدھر ایک اخبار تہ کیا ہوا رکھا تھا۔ ''اسے دیکھ رہے ہو۔ اس میں سے مسز اسیکفر نے ایک کونا نوچ لیا تھا۔ اس کی انگلیوں کے نشانات ضرور اس پر ہوں گے۔ ضرورت پڑی تو میں ثابت کر دوں گا۔ میں بہرحال اخبار کی رقم نہیں دوں گا۔ خوب را

[illegible] اور [illegible] واہ۔"

"[illegible]" بون نے تسلی سے کہا۔ "تم مت [illegible]"

[illegible] دوسرے لمحے اس کا گھونسا فضا میں بلند ہوا اور پیٹرک کے جبڑے سے ٹکرایا۔ وہ ویسے ہی دبلا [illegible] آدمی تھا۔ گھونسا لگتے ہی لہرایا اور فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ بون نے وقت کھوئے بغیر اس کے سینے پر سواری کر لی۔ پھر اس نے اس کی گردن پکڑ کر اس کا سر وہاں پڑے گندے کپڑوں کے ڈھیر میں [illegible] دیا۔ پیٹرک کی ٹانگیں زور زور سے چل رہی تھیں لیکن فضول۔ بون کی لانبی انگلیاں اب اس کے حلق پر جم گئی تھیں اور وہ ان پر با آہستگی دباؤ [illegible] جا رہا تھا۔

"بس بس۔ اب ختم کرو۔" اچانک اس کی [illegible] سے ایک آواز نے کہا۔ "بون ہٹ جاؤ۔"

بون نے مڑ کر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ [illegible] واٹ کھلے دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔ وہ اس وقت بھی مختصر سا لگ رہا تھا لیکن اب اس کا [illegible] بدلا ہوا تھا۔ اس بار اس کے لہجے میں قطعیت [illegible] اور تحکم بھی۔ اور تحکم اس کے ہاتھ میں [illegible] پولیس ریوالور کی وجہ سے دو آتشہ ہو گیا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے کہا۔

بون نے آہستہ سے پیٹرک کو چھوڑ دیا اور [illegible] کھڑا ہوا۔ ان کے ہاتھ جھول رہے تھے لیکن [illegible] تناؤ محسوس ہو رہا تھا۔ پیٹرک کے منہ [illegible] کراہیں نکلیں اور وہ کروٹ بدلنے لگا۔

"[illegible]ری۔" واٹ نے کہا۔ "مجھے معلوم نہ تھا [illegible] تیزی دکھائے گا۔"

[illegible] اپنا ایک پیر بڑھایا۔ "مجھے کچھ پتا [illegible] اس کی نگاہیں گہری توجہ سے [illegible] ریوالور پر تھیں۔

"[illegible] مت کرنا۔" واٹ نے کہا۔ "[illegible] گولی تم سے بھی تیز ہو گی۔ میرا [illegible] ایک پولیس ڈیٹکٹو ہوں اور میں تمہیں مسز اسکیفر کے قتل کے جرم میں گرفتار کر رہا ہوں۔"

بون نے بھاری لہجے میں کہا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"شٹ اپ۔" جیکب واٹ نے حکم دیا۔ "آج پہلی بار تمہیں میری باتیں سننی ہوں گی اور اس کا تمہیں کوئی معاوضہ بھی نہیں ملے گا۔ مسز اسکیفر تمہارے پاس گئی تھی۔ اس نے تمہاری فیس دے کر تم کو اپنی داستان سنائی تھی۔ تم نے اس سے پچیس ہزار ڈالر والی بات سنی۔ تمہیں یہ بھی پتا چلا کہ وہ انہیں بینک میں رکھنے سے گریزاں ہے۔ تمہارے پاس عمدہ موقع تھا۔ تم نے فائدہ اٹھایا اور اسے ہلاک کر دیا پھر تم نے اس کی رقم اڑا لی۔ مسز اسکیفر نے تمہیں اخبار کا وہ حصہ دکھایا تھا جس پر تمہارا اشتہار تھا۔ تمہارے بارے میں اسے اسی سے پتا چلا تھا۔ تم نے احتیاطاً اسے قتل کرنے سے قبل یہ پرچا لے لیا تھا۔ تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ یہ ٹکڑا اس نے کسی اور کے اخبار سے نوچا ہو گا۔ جب میں نے تمہیں یہ باتیں بتائیں تو تم نے سوچا کہ اب وہ اخبار بھی تمہیں کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہی ہو گا کیونکہ پھٹا ہوا اخبار بھی تمہاری نشاندہی کر رہا تھا۔ حالانکہ وہاں سے تمہارا اشتہار پھاڑ لیا گیا تھا۔ تمہیں اندیشہ تھا کہ اگر پولیس کے علم میں یہ بات آئی تو وہ خود دلچسپی لے گی...... اور واقعی پولیس کے عالم میں یہ بات آ گئی تھی۔"

بون کسی سحر زدہ کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

جیکب واٹ چوکس تھا۔

اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بون۔ اس بار پولیس نے بھی کچھ عرصے کے لیے وہی پیشہ اختیار کر لیا تھا جو تمہارا تھا۔ تم ایک پیشہ ور 'سامع' ہو نا لیکن پولیس نے بغیر کسی فیس کے اپنے کان کھلے چھوڑ دیے تھے۔"

آسیبی مورتی

ایم الیاس

رتنا جب دروازے کے قریب پہنچی تو اندر سے ایک شخص تیزی سے نکلا اور اس سے ٹکرا گیا۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے اس شخص کا بازو پکڑ لیا اور اسی لمحے اس کی نظروں کے سامنے خنجر کی دھار چمکی۔ رتنا نے گھبرا کر اس شخص کا بازو چھوڑ دیا اور ساتھ ہی لڑکھڑا کر قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر گر پڑی۔ وہ شخص فضا میں خنجر بلند کر کے جھپٹا۔

[illegible] کے لیے ایک تجسس [illegible]

پروفیسر سریش اپنے کام میں اس قدر منہمک تھا کہ دنیا و مافیہا سے جیسے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اس کے سامنے مختلف اقسام کے مٹی کے برتنوں کا ایک ڈھیر تھا۔ ان میں وہ مماثلت تلاش کر رہا تھا۔ یہ برتن مختلف ادوار کے تھے۔ پھر گھوڑوں کی ٹھوکروں سے اس کی آنکھوں میں مٹی بھر گئی۔ اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

تین گھوڑے تھے۔ ان پر جو سوار تھے وہ چہرے مہرے اور وضع قطع سے اجرتی قاتل دکھائی دیتے تھے۔ ان کی کینہ توز آنکھوں میں سفاکانہ چمک تھی اور چہرے پر درندگی چھائی تھی۔ وہ اسے خون آشامی بھیڑیوں کی طرح خون خوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ موت کے فرشتے بن کر آئے ہیں۔

ان کی پشت پر جو تین قلی کھڑے تھے۔ ان کی خاموشی سے ایک سنگین قسم کی دھمکی ظاہر ہو رہی تھی۔ ان کے چہرے سپاٹ تھے لیکن وہ بھی اسے نفرت اور غصے بھری نگاہوں سے گھورے جا رہے تھے۔

یہ جو تینوں گھوڑے سوار باگیں کھینچے کھڑے تھے پروفیسر انہیں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ البتہ وہ ان قلیوں سے بہ خوبی آشنا تھا۔ وہ بھی اسے اس لیے جانتے تھے کہ وہ ان سے محنت مزدوری کا کام لیتا رہتا تھا۔ اس نے ان گھوڑ سواروں اور قلیوں کی اچانک اور غیر متوقع آمد کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ یہ سوچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کہ شاید وہ کوئی مطالبہ لے کر آئے...... مطالبہ کیا ہو سکتا تھا وہ اچھی طرح سے واقف تھا...... بیوی سخت بیمار ہے......ایک بچہ گر گرا کے ہاتھ پیر تڑوا بیٹھا ہے...... گھر میں راشن ختم ہو گیا ہے...... لہٰذا نہ صرف اجرت میں اضافہ کیا جائے بلکہ کچھ پیشگی رقم دی جائے۔ یہ مزدور ہمیشہ شاکی اور نالاں رہتے تھے۔ اس کے انداز میں کبھی نرمی ہوتی تھی اور کبھی جارحیت سی......اس وقت اس نے ان کے تیوروں سے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ آج اپنے مطالبات طاقت کے زور پر جبر سے منوانا چاہتے ہیں اس لیے ان بدمعاشوں کو لے کر آئے ہیں۔

''کیا چاہتے ہو......'' پروفیسر سریش نے قدرے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''اس وقت کیسے

[illegible] نہیں دیا۔ قلیوں
[illegible] بھی کر لیا۔ ان میں
[illegible] پکڑ لیے۔ وہ دہشت
[illegible] لیے پڑا تو ایک قلی نے اس کے
[illegible] زوردار ہنٹر مارا۔ اس کا سر گھوم کر رہ گیا۔
[illegible] جانور کی طرح گھسیٹتے ہوئے اس کھمبے
[illegible] لے گئے جو اگلے ہفتے کھدائی کے لیے
[illegible] طور پر نصب کیا گیا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ
[illegible] جائے گئے۔ اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ
[illegible] وہ بوڑھا تھا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی
[illegible] کی لیکن ناکام رہا...... جس قلی نے اس کا
[illegible] رکھا تھا وہ بڑا مضبوط اور توانا تھا۔ پروفیسر
[illegible] ہو کر رہ گیا۔

پھر ایک بدمعاش گھوڑے سے اتر آیا۔ جب
[illegible] نے اندرونی جیب سے خنجر نکالا تو پروفیسر سریش
[illegible] آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹ گئیں اور وہ
[illegible] آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اسے اپنی

آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا کہیں وہ کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے...... یہ خواب نہیں تھا۔ اس کی رگوں میں خون خشک ہو گیا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسے خوف و دہشت سے زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔ کیوں کہ وہ ایک عرصہ سے ان لوگوں میں کام کر رہا تھا۔ ان کی ہر بات مانتا اور ان کے طور طریق کا احترام کیا کرتا تھا۔ انہیں روزگار ان کی منہ مانگی اجرت پر مہیا کرتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے ان کا کوئی ناجائز مطالبہ نہ مانا ہو...... اور پھر ان کی اپنی تاریخ اور تمدن کے بارے میں انہیں بے شمار باتیں بتائی تھیں جن سے وہ ناواقف تھے...... اور پھر اس نے کبھی کسی بات میں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ پھر یہ اسے قتل کرنے کیوں آئے ہیں...... کیا شرافت اور انسانیت کا صلہ اس طرح سے دیا جاتا ہے۔ دیا جا رہا ہے۔ ایسا تو ذلیل سے ذلیل شخص بھی نہیں کر سکتا ہے۔

"تم...... قت...... مجھے قتل کرنا چاہتے ہو......"
پروفیسر سریش نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ اس کے

اوسان جواب دیے جارہے تھے۔

''کیا..... کیا..... یہ احسان فراموشی نہیں ہے..... تم کیا چاہتے ہو بتاؤ۔ وہ..... وہ میں دینے کے لیے تیار ہوں۔''

اس بدمعاش نے پہلے اس کے منہ پر خنجر کا دستہ اور پھر اس کے سر پر اس سنگ دلی سے مارا کہ وہ لرز کر رہ گیا۔ پھر وہ سب اسے کانپتا ہوا دیکھ کر بے رحمی سے ہنسنے اور قہقہے مارنے لگے۔ پھر خنجر والے نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''ہم تمہاری زندگی چاہتے ہیں..... اس لیے کہ تم بہت بوڑھے ہوگئے ہو اور تمہیں زندہ رہ کر کرنا کیا ہے۔'' پھر خنجر لمحے بھر کے لیے سورج کی روشنی میں چمکا اور اس کے پیٹ میں تر از و ہوتا چلا گیا۔

پروفیسر سریش ڈگ مگا کر منہ کے بل گرا۔ درد ناک چیخ اس کے حلق میں گھٹی گھٹی رہ گئی اور پھر اسے ہوش نہ رہا کہ کب ایک قلی نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا اور بدمعاش نے خنجر جواب چمکنے کی بجائے خون میں لتھڑ کر اب کھو چکا تھا اسے جسم سے جدا کر دیا۔

☆☆

آثار قدیمہ کی کھدائی کرنے والی کمپنی انڈین ریسرچ سینٹر نے سری لنکا کی حکومت کی اجازت اور تعاون سے کام شروع کیا تو اسے قطعاً مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ فرم کے مالک جوشی ٹاٹا ہندوستان کے رئیس ترین ٹاٹا فیملی کے خاندان کا ایک امیر ترین فرد تھا۔ اس کا نہ صرف سری لنکا بلکہ پڑوس ممالک میں بھی بڑا اثر و رسوخ تھا۔ دولت مند بڑے طاقت ور ہوتے ہیں۔ وہ ذہین تھا۔ اس نے اپنے اثر و رسوخ سے سرکاری اور غیر سرکاری سطح کی تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا تھا لیکن پروفیسر سریش اور گوپال اور جوشی ٹاٹا کے درمیان ایک بنیادی فرق تھا۔ جوشی ٹاٹا ایک سرمایہ دار بزنس مین تھا اور وہ دولت کمانے کے لیے سرمایہ کاری کر رہا تھا۔ جب کہ پروفیسر سریش اور گوپال کے پیش نظر دولت کمانا نہیں تھا۔ انہیں ان اشیاء کی منہ مانگے دام فروخت یا انہیں کسی میوزیم کو تحفے میں دیے جانے سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ وہ تو سری لنکا کے ماضی کے ایک مہاراجہ کی نامکمل معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی یکے بعد دیگرے جانشینی کے درمیان گم گشتہ کڑیوں کو ملانے کے لیے کوشاں تھے۔ صدیاں گزرتے گزرتے بہت سارے مہاراجاؤں اور راج کماروں کی دوائیاں بے نام و نشان اور امداد زمانہ کے ہاتھوں تیار ہوگئی تھیں۔ تاہم ابھی بہت سی مورتیاں ملنے کا امکان تھا جنہیں کسی وجہ سے دریافت نہیں کیا گیا تھا لیکن اس عظیم مہاراجا رنجیت کمار کا بیش بہا جو کہاں تھا..... اس طرح انکل سیواس چہارم اور لڑکپن میں راجا بننے والے بھی لاپتا تھے۔ سادھیوں کی لامتناہی تلاش' سورج کی جھلسا دینے والی تپش اور اندر کی زہریلی ہوا بڑی جان جوکھوں کی باتیں تھیں۔ کوئی سر پھرا ہی اس کام میں ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ پروفیسر سریش اور گوپال دونوں ہی سر پھرے تھے۔ ان کی زندگی موت اور اس کے شکنجوں سے دل بہلانے کا نام تھا۔

ماضی میں راج کماروں اور مہاراجوں کی راکھ ندی اور دریاؤں میں بہا دی جاتی تھی لیکن ان کی مورتیاں جو خالص سونے کی ہوتی تھیں وہ سادھیوں میں دفن کر دی جاتی تھیں جو مقبرے معلوم ہوتے تھے۔ جوشی ٹاٹا کو ان مورتیوں کی تلاش تھی۔ طوفانوں' سیلابوں اور بارشوں نے ان کی باقیات کو پاتال کی گہرائیوں میں جانے کہاں کہاں پوشیدہ کر دیا تھا۔ کچھ مہم جوؤں نے ان سادھیوں' مقبروں کو تلاش کیا تھا۔ ان کا نام و نشان ہوتا تو شاید کسی کے ہاتھ لگ جاتیں۔ پھر یہ سلسلہ اس لیے جاری نہ رہ سکا تھا کہ اسے مفروضہ سمجھ لیا گیا تھا۔ اب چوں کہ سونے کے دام آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ دس بارہ مورتیاں بھی ہاتھ لگ گئیں تو وہ کروڑوں ڈالر کما لے گا۔ سری لنکا حکومت کو اس نے ایک معاہدے کے تحت ایک کروڑ کی رقم اس شرط پر دی تھی کہ جو بھی مورتیاں اور نوادرات ملیں گی' وہ اس

…ملامت ہوں گی۔
…فیسر سریش کی بیٹی کو باپ نے اپنا معاون
…لیا تھا۔ اس کی بیٹی رتنا ایک ذہین نوجوان تھی۔
…کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتی تھی......
…گوپال نے ایک نوجوان ساجن کو جو کرناٹک
…سے فارغ التحصیل تھا۔ بہت ہی الوالعزم
…پسند تھا۔ اس ٹیم نے جوشی ٹاٹا کو بڑے
…آرام واطمینان سے رکھا ہوا تھا۔ اس کا کام صرف
…مہم کے اخراجات اٹھانا رہ گیا تھا اور وہ اس کی
…معنوں میں تعظیم نہیں کرتے تھے بلکہ صرف
…انداز سے اظہار تشکر کر دیتے تھے۔ یوں موسم
…سختیاں برداشت کرنا اس کے لیے ممکن نہ تھا،
…لیے وہ بہت کم اس طرف کا رخ کرتا تھا اور
…وہاں شاذ و نادر ہی آتا تھا۔ آتا تو صبح کی فلائٹ
…آتا۔ پھر سہ پہر کی فلائٹ سے واپس چلا
…جاتا۔ ممبئی شہر میں جس سکون اور طمانیت سے رہتا
…ہر طرح کی آسائش وسہولت دولت کے ناتے
…میسر تھی۔ انہیں سارے بکھیڑوں سے نمٹنے
…لیے آزاد چھوڑ جاتا۔

اس ماہ کی انتھک محنت اور جدوجہد کے بعد
…زیر زمین پتھر کا ایک زینہ نظر آیا جو دوسرے
…آثاثی مہم بازوں کی نظروں سے اوجھل رہا تھا۔ اس
…یہ تھی کہ ان کی طرح انہوں نے غیر معمولی
…نہیں کی تھی۔ پہلے پہلے تو انہیں یہی توقع تھی
…کسی مقبرے کا پتا چلا ہے۔ کیوں کہ یہ دست
…مردوں کی تدفین کرتے ہیں لیکن وہ جوں
…کھدائی کرتے گئے ان پر ایک غیر متوقع
…انکشاف ہوتا گیا یہ کوئی غیر معمولی مقبرہ ہے اور شاید
…کسی عظیم مہاراجا کی مورتی کا مدفن ہے۔ چھ
…کی مسلسل کھدائی کے بعد انہیں ایک بہت بڑا
…نظر آیا جب وہ اس میں گھسے تو وہاں گم شدہ
…کی فضا ان کی منتظر تھی۔ جو ایک نیست و
…کی صدائے بازگشت سنا رہی تھی۔ بوجھل
…سے دم گھٹا جاتا تھا لیکن ان کے حوصلے
پست نہ ہوئے اور نہ ہی انہوں نے ہمت ہاری بلکہ ان کا عزم وحوصلہ اور بڑھ گیا

مقبرے میں مدفون فرماروا کے استعمال کی تمام اشیاء قیمتی پوشاکیں، اسلحہ، اجناس......نشست و برخاست کی جڑاؤ چیزیں اور زیورات میں کچھ تھا۔ ایک طرف اس کے معبود کا مجسمہ تھا۔ چاروں طرف زرد جواہر بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ دیواروں، کونوں، کھدروں اور فرش پر ان کے ڈھیر لگے تھے۔ گویا ایک خزانہ تھا جو کھلا پڑا ہوا تھا۔ پروفیسر سریش اور گوپال یہ سب دیکھ کر سکتے کی سی حالت میں رہ گئے۔ پھر ان کی فطری صلاحیت عود کر آئی۔ پھر وہ ان نوادرات کی مدد سے تاریخ کی گم گشتہ کو جوڑنے بیٹھ گئے۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس کے دور میں بیٹھے ہیں۔

رتنا پوری طرح اپنے حواس پر قابو نہ پا سکی تھی۔ جب مقبرے کا اندرونی دروازہ کھلا تھا تو وہ باپ کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس دم اس کا جی چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ کوئی نادیدہ ہستی اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہو......

اس کی سرگوشی مدھم مدھم سی اس کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ وہ اس کا ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی تھی لیکن کسی ان جانے شدید خطرے کا احساس اس کے ذہن پر چھا گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ ان لوگوں سے جو ان چیزوں کی طرف منہ کیے بغیر بیٹھے ہیں کہے کہ وہ فوراً اس جگہ سے نکل بھاگیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی خوف ناک واقعہ پیش آ جائے۔

چوں کہ اس کے پتا جی نے اس کی خصوصی تربیت کی تھی اس لیے اس نے خود پر جلد ہی قابو پا لیا۔ جب حواس پوری طرح قابو میں آ گئے تو اس نے وہاں سے بھاگ جانے خیال کو دل سے نکال دیا۔ اس روشنی میں جو اس مقبرے میں صدیوں بعد کی گئی تھی اس میں اس کا جائزہ لینے لگی۔ اس کے سراپا میں ایک بے چینی تھی جو بڑھتی جا رہی تھی۔ کیوں کہ چاروں طرف پھیلی ہوئی بے نام بو کو مٹی

کی دبیز تہ کو اور پراسرار سکوت کو برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ ان جان لیوا لمحات کو شاید زندگی بھر بھلا نہ سکے گی۔ اور پھر مزید یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اس مقبرے میں داخل ہونے والے یہاں سے نکلیں تو شاید کوئی ایسا من لے کر نکلیں جو موذی قسم کا اور لاعلاج نہ ہو۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا تینوں آدمی بڑی الم ناک سی اشیاء کی فہرست تیار کر رہے تھے لیکن رتنا ان کی جیسی یک سوئی سے کوسوں دور تھی۔ لمحہ لمحہ اس کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ شدید گرمی میں بھی اپنے جسم میں اسے سردی کی سی کپ کپاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سورج کی تپش یا مورتی کا انتقام اسے جلا کر خاکستر کر دے گا..... اور اس کی راکھ کو ہوا کی نذر کر دیا جائے گا تاکہ وہ فضا میں بکھر جائے۔ اس نے سنا ہوا تھا کہ جس انسان کی بھی مورتی بنائی جاتی ہے' اس کے مرنے کے بعد اس کی آتما اس مورتی میں سما جاتی ہے۔ جب اسے مورتی کو چھیڑا جاتا ہے تو پھر وہ انتقام لیتی ہے۔ پھر اس نے اپنی ہمت کو جمع کر کے اپنے پتا جی سے کہا کہ وہ اس جگہ سے جتنا جلد ہو سکے نکل چلے۔ کیوں کہ اسے ایک ان جانا خوف اور وحشت سی محسوس ہو رہی ہے..... لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس کے پتا جی کو اس کی اس بات سے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ پھر اس نے اپنی بیٹی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تم پر ہمیشہ بھرپور اعتماد رہا ہے اور اور میں تمہاری غیر معمولی صلاحیتوں کا معترف بھی ہوں..... اور تم ذہین شاگرد ثابت ہوئی ہو۔ ہم خیال..... لیکن اب تم ایک عام سی عورت کی طرح باتیں کر رہی ہو۔''

رتنا سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو پروفیسر سریش نے اس سے کہا۔ ''یہ تم اس غار میں جا بیٹھو جسے دفتر بنایا ہوا ہے۔''

پھر وہ اس معتبر سے نکل کر اس غار میں آ گئی جسے عارضی طور پر دفتر بنایا ہوا تھا۔ یہ خاصا بڑا غار تھا۔ اس جگہ کارکردگی کا تمام ریکارڈ موجود تھا۔ رتنا یہاں بڑی عمدگی سے کلرکی کر سکتی تھی۔ فائلیں اور کاغذات جو بکھرے ہوئے تھے وہ انہیں درست کر کے قرینے سے رکھنے لگی۔ شروع شروع جب یہاں کھدائی کا آغاز ہوا تھا اسے یہ جگہ بڑی رومان پرور سی محسوس ہوئی تھی۔ ماحول بڑا خوشگوار معلوم دیتا تھا لیکن اب مقبرہ کھل جانے کے بعد اسے یہ جگہ کاٹنے کو دوڑ رہی تھی۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ یہاں سے بہت دور چلی جاتی۔

کچھ دیر بعد ساجن اس کے پاس اپنے مٹی میں اٹے ہوئے ہاتھ پاؤں اور چہرہ دھو کر آیا۔ رتنا نے اس سے پوچھا کہ وقت کیا ہوا ہے۔ یہ سوال وہ اس سے کئی بار پوچھ چکی تھی۔ ساجن نے ایک گہری سانس لے کر جیب سے سونے کی گھڑی نکال کر بڑھا دی۔

''پچھلے وقت سے ٹھیک دس منٹ اوپر ہوئے ہیں۔'' ساجن نے کہا۔

''معاف کرنا.....'' رتنا جھینپ کر بولی۔ پھر اس نے جھینپ مٹانے کے خیال سے کہا۔ ''پتا جی اور انکل گوپال اب تک لوٹے کیوں نہیں ہیں۔''

''ہو سکتا ہے کہ پروفیسر صاحب کے ہاتھ کوئی خاص چیز لگی ہو۔'' ساجن نے سرسری انداز سے جواب دیا۔

''ہاں..... جب وہ کسی کام میں غرق ہو جاتے ہیں تو پھر انہیں کسی بات کی پروا اور احساس نہیں ہوتا ہے۔'' وہ بولی۔

''خاص چیز سے میری مراد کوئی راج کماری ہو گی جو صدیوں سے ان کے انتظار میں راہ دیکھ رہی ہو گی۔'' ساجن نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

رتنا نے شوخ بھرے لہجے میں کہا۔ ''میرے پتا جی کو وہی راج کماری دوشیزہ پسند آئے گی جو کی عمر سولہ برس کی ہو۔ اس کی مورتی ہو۔ یعنی تم ہزار برس کے بعد جنم لے تو دوشیزہ ہی ہو۔''

... لیے تو سولہ برس
... لی ہو لی۔ انہیں بارہ برس کی
...
... سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ دل
... نا چاہتی تھی تاکہ ماحول اس لطیف
... اور رومان رنگ میں ڈھل جائے جو پہلے تھا۔
... کے آجانے سے اس کے دل کو بڑی تقویت
... ہی۔

گزشتہ دس بارہ مہینوں سے مل جل کر کام
... تے ہوئے انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دونوں
... دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہوں۔ جنم جنم
... ساتھ ہوں۔ ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے
... وہ محبت کے اٹوٹ بندھن میں بندھ گئے
... رتنا یہ بات جانتی تھی کہ اس کے پتا جی کو اس کا
... ساجن کے ہاتھ میں دیتے ہوئے خوش ہو گی
... پھر گوپال انکل کی طرف سے بھی اس شادی پر
... باد ملے گی اور خود کو اس بات کا خیال تھا کہ
... ساجن بہت پسند ہے بلکہ اس کی کمزوری
... گو زبان سے محبت کا اقرار اور عہد و پیمان نہیں
... تھا لیکن نگاہوں کی زبان نے دل کی بات غیر
... س انداز سے کہہ دی تھی۔ دونوں کی طبیعتیں ملتی
... یں۔ زندگی گزارنے کے لیے جس ذہنی ہم آہنگی
... کی ضرورت تھی وہ ان میں موجود تھی۔ وہ ساجن پر
... اعتماد کر سکتی تھی۔ اس نے اس عرصہ میں دیکھا تھا کہ
... ساجن میں تخلیقی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔
... ن کے ساتھ دل میں امنگیں اور ولولے پیدا کرتا
... تھا اور ایک دن شہرت اس کے قدم چومے گی۔

غار سے باہر اچانک ڈھول اڑنے لگی۔ مقامی
... گوں کے سری لنکن زبان میں باتیں کرنے کی
... واز آئی۔ دوسرے لمحے غار میں گوپال داخل ہوا۔
... شکستہ اور بے جان دکھائی دیتا تھا۔ اس کا سفید
... اور آنکھوں میں دہشت دیکھ کر رتنا چونکی۔ اس
... نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ صدمے سے نڈھال ہو رہا
... رتنا بری طرح چونکی۔ اس کے پاس آنے
سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی گوپال نے کہا۔ ”میری پیاری بچی!“ آواز نے اس کے سینے میں دم توڑ دیا۔

”انکل گوپال......! میرے پتا جی کہاں ہیں...... وہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں ہیں۔“ رتنا نے ایک ہی سانس میں پوچھا۔

گوپال جواب دینے کی بجائے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ شنکر راؤ جو سری لنکن حکومت کی طرف سے نمائندہ تھا اور وہ کام کے ابتدائی دنوں سے ان کے ساتھ تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اس کے پیچھے دو قلی اٹھائے آئے۔ وہ اسٹریچر اٹھائے ہوئے تھے۔ رتنا کو دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جان چکی تھی۔

دونوں قلی غار کے وسط میں پہنچ کر رک گئے اور پھر جیسے یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ انہیں غار میں داخل ہو کر کیا کرنا ہے۔ انہوں نے اسٹریچر کو فرش پر جیسے پٹک دیا۔ پروفیسر سریش کے منہ پر جو کپڑا پڑا ہوا تھا وہ ہٹ گیا۔ ساجن نے آگے بڑھ کر سامنے والے قلی کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فرش پر گر گیا۔

”ساجن پلیز!“ گوپال نے اس کا بازو پکڑ لیا تاکہ وہ دوسرے قلی پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ ”انہیں نہ مارو۔“

”ان دونوں نے دانستہ اسٹریچر گرایا ہے۔ میں نے خود غور سے دیکھا ہے۔“ ساجن نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

شنکر راؤ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مرنے والوں کی بے حرمتی ہمارا شیوہ نہیں ہے۔“

”میں یہاں کے لوگوں کے طور طریقے خوب جانتا ہوں۔“ ساجن نے سخت لہجے میں کہا۔ ”حالیہ چند مہینوں میں ان کی کئی حرکتیں دیکھی ہیں...... ہمارے اسٹور سے چیزوں کی چوری...... ہمارے مزدوروں کو کام چھوڑنے پر اکسانا۔“ ساجن کا پارہ

چڑھتا گیا۔ ''پہلے ہمارے ممنون تھے۔ اس لیے کہ ہمارے پاس بے تحاشا خرچ کرنے کے لیے پیسہ تھا اور تم اپنے ہاتھ رنگ کر خوش تھے۔ پھر ہم نے رنجیت کمار کا مقبرہ یا سمادھی کہو..... دریافت کرلیا جو ایک عمارت میں ہے..... اور تم نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہی اس پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ تمہارے منہ میں پانی بھر آیا..... اور اب۔'' اس نے پروفیسر سریش کی لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے پروفیسر کے ساتھ یہ کیا ہے۔ تم ہمیں دہشت زدہ کر کے یہاں سے بھگانا چاہتے ہو۔ کیوں یہی بات ہے نا.....''

''ایسے گھٹیا قسم کے الزامات تھوپنے کی آپ کو ہمت کیسے ہوئی۔'' شنکر راؤ نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''ہماری حکومت اور میں نے آپ لوگوں سے ہر قدم پر تعاون کیا ہے۔ کیا اس بات سے انکار ہے آپ کو۔''

''تم نے ہمیں کوئی سہولت نہیں پہنچائی۔'' ساجن نے ہزیانی لہجے میں کہا۔

''پلیز..... مسٹر شنکر راؤ..... مسٹر ساجن!'' اس نے قلیوں کے اسٹریچر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سہمی سہمی نظروں سے ساجن کو دیکھتے ہوئے اسٹریچر اٹھا کر غار کے اندرونی حصے میں لے گئے۔ اس تمام عرصہ میں رتنا بہت بنی کھڑی رہی۔

''میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اپنے الفاظ واپس لیں۔'' شنکر راؤ نے تیز لہجے میں ساجن سے کہا۔

''ہم کل اپنا کیمپ اٹھا رہے ہیں۔'' گوپال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ہم ممبئی واپس جا رہے ہیں۔''

شنکر راؤ تیزی سے گھوم گیا۔ ''لیکن ابھی تو آپ کا کام مکمل اور ختم نہیں ہوا ہے۔''

''نوادرات اور اپنے تحفظ کے لیے ہم باقی کام اپنے شہر جا کر کریں گے۔'' گوپال نے جھن جھلا کر کہا۔

''ایسا لگتا ہے کہ تمہارے حربے کارگر ہوئے ہیں شنکر راؤ.....'' ساجن غرایا۔ ''ہم اپنا بوریا بستر سمیٹ کر بھاگ جائیں گے۔''

''آپ بھاگ کر نہیں جا سکتے.....'' شنکر راؤ نے زیر لب کہا۔ اس کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ ''اس پراسرار مقبرے کے عذاب سے چھٹکارا پانا اب ممکن نہیں رہا ہے۔''

ایک سرد تیز لہر رتنا کی ریڑھ کی ہڈی میں کسی زہریلے اور تیز دھار خنجر کی نوک کی طرح کاٹتی ہوئی اتر گئی تو اس کا جسم لرزنے لگا۔ وہ راہبہ بجلی کی سی سرعت سے اس کے ذہن میں کوند گیا جو متعدد لوگوں کی زبان پر تھا کہ..... ماضی کے راجاؤں مہاراجاؤں اور بھی دولت مندوں نے اپنی سادھیوں کو تیر نما بنا کر ان میں اپنی مورتیاں موت سے قبل اپنے سامنے بنوا لیتے تھے۔ وصیت کی جاتی تھی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی چتا کی راکھ فضا میں بکھیر دی جائے اور مورتی سمادھی میں دفن کر دی جائے۔ یہ سمادھی کسی بہت بڑی عمارت یا شاہی محل کے کسی گوشے میں ہوتی تھی اور پھر ان کی آتما میں سادھیوں کو مٹی گارے یا پتھروں سے یا کسی دھات کے ذریعے نہیں بلکہ اپنی تباہ کن دائمی پوشیدہ طاقت سے بند کر دیتے تھے تاکہ کوئی ان مورتیوں کو کوئی لے جا نہ سکے۔ اگر کسی نے مورتی کو لے جانے کی کوشش کی تو پھر وہ مورتی اس کی جان کے درپے ہو جاتی تھی۔

''دنیا کی کوئی طاقت ہمیں یہاں جانے سے روک نہیں سکتی.....'' ساجن نے یہ کہہ کر اسے ڈانٹا۔ ''شنکر راؤ! بکواس بند کرو۔''

''موت ہمارا مقدر بن چکی ہے۔'' شنکر راؤ نے اپنا سر یوں جھکا لیا جیسے دعا مانگ رہا ہو و مرنے والوں میں' میں بھی رہوں گا۔ کیوں کہ میں بھی ملوث رہا ہوں..... ہمیں سادھیوں کی بے حرمتی کی سزا ہلاکت کی شکل میں ملے گی۔''

''اگر تم یہ کہتے ہو کہ ان مفروضہ قصہ کہانیوں سے ہماری آنکھوں میں دھول جھونکو گے تو.....

کہ اس کمپنی نے کھدائی کا کام جدید اور سائنٹفک طریقوں سے کیا تھا۔ لکڑی کی بڑی بڑی اور مضبوط پیٹیاں جو خصوصی طور پر بنی ہوئی تھیں کولمبو سے منگوائی گئی تھیں۔ شنکر راؤ اپنی حکومت اور میوزیم کے حکام سے رسمی اور قانونی روانگی کے بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ گو کہ جوشی ٹاٹا کو اجازت مل چکی تھی لیکن پھر بھی اجازت اس لیے ضروری تھی کہ سیادھی سے انہیں جو کچھ ملا ہے اس کی مالیت بے پناہ تھی۔ جوشی ٹاٹا نے ایک معاہدے کے تحت ایک کثیر رقم غیر ملکی کرنسی کی صورت میں دی ہوئی تھی۔ ساجن کی شنکر راؤ کے بارے میں شبہ ہلکا پڑتا جا رہا تھا۔ کیوں کہ وہ بڑی تیزی سے ان کی روانگی میں مدد دے رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ یہ لوگ جتنا جلد ہو سکے اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔

ایک روز وہ کولمبو سے واپسی پر میوزیم کے دو معمر ملازم لے آیا تھا۔ وہ اس لیے شنکر راؤ پر بگڑ رہے تھے کہ اس نے ایک دن بعد چلنے کی مہلت نہیں دی تھی لیکن جب انہوں نے سمادھی کی اشیاء دیکھیں' ان کی برہمی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "سری لنکا میں سینکڑوں مندر ہیں...... جو ماضی کے راجاؤں اور مہاراجوں نے بنایا تھا...... ان کی حویلیاں' محل اور سادھیوں کی عمارتیں جو پرشکوہ تھیں انہیں زلزلوں نے مدفون کر دیا...... نوادرات اور خزانوں کی کمی کوئی نہیں ہے...... ان کی تلاش میں تیس برس تک ملکی اور غیر ملکی آثار قدیمہ تلاش کرنے والی کمپنیاں خوار ہوتی رہیں...... اس لیے حکومت نے ایک کروڑ کے عوض اجازت دے دی کہ جو بھی اشیاء کھدائی سے برآمد ہوں گی' وہ کمپنی کی ملکیت ہوگی۔ یہ پہلی خوش قسمت کمپنی ہے جسے کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ لہٰذا میوزیم کی جانب سے اسی ہزار برٹش پونڈ کی پیش کش ان نوادرات اور مورتی کے عوض کرتا ہوں۔ یہ بہت بڑی پیش کش ہے۔ وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

... اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

... ڈھول اور نہ جھوٹی قصہ کہانیاں بلکہ یہ ... ماپن ہے جس نے آپ کو دیکھنے سے ... لتا ہے۔" وہ بولا۔

... پال کے سارے جسم میں خوف کی لہر اتر ... ان نے جیب سے وہسکی کی بوتل نکال کر دو ... حلق میں اتار دیے۔

... رنجیت کمار کیا...... کسی بھی راجا مہاراجا کی ... ی اور سادھی عذاب نہیں دے سکتی شنکر راؤ!" ... ان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس میں ... ف ایک سونے کی مورتی ہے جو بے جان ... کیا تم نہیں جانتے کہ آدمی کے مرنے کے ... اس کی آتما پر یوک میں قید ہو جاتی ہے...... ... ف بدروحیں دنیا میں منڈلاتی پھرتی ہیں۔ وہ بھی ... بہت ہی کم۔"

رتنا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باپ کی لاش کے ... پاس پہنچی اور اس پر جھک گئی۔ پھر اس نے دردناک ... چیخ ماری۔ اس کے باپ کا ایک بازو اسٹریچر پر پھیلا ... ہوا تھا۔ دوسرا بازو سینے پر رکھا ہوا تھا۔ لاش کے ... قریب ہی ایک کٹا ہوا بازو اور خنجر جس پر خون جم گیا ... تھا قریب قریب پڑے ہوئے تھے۔

اس کی چیخ سن کر گوپال تیزی سے اس کے ... پاس پہنچا اور اسے پیچھے سے تھام لیا۔ ساجن بھی ... لپک کر پہنچا اور اسٹریچر پر نظر پڑتے ہی بولا۔ "ہم ... جتنی جلدی یہاں سے نکل سکتے ہیں نکل جائیں ... بہتر ہے۔"

رتنا اپنے باپ کی دردناک موت پر گوپال ... کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ ہفتہ بڑی عجلت سے انہوں نے رخصت کی ... تیاریوں میں گزارا۔ جلدی جلدی سامان کی فہرست ... مکمل کی۔ ہر چیز اچھی طرح سے چیک کیا کہ وہ رہ ... نہ جائے...... سمادھی کا نقشہ بنایا...... نوادرات کا محل ... وقوع نوٹ کیا اور جگہوں کی پیمائش کی تا کہ مستقبل ... میں کوئی یہ نہ کہے اور طعنہ نہ دے اور تمسخر نہ اڑائے

گوپال نے فوراً برٹش پونڈ کو ہندوستانی کرنسی سے حساب کیا...... یہ اتنی بڑی رقم تھی کہ کھدائی کے سارے اخراجات بھی پورے ہو جاتے اور فرم کو خاصا منافع بھی ہوتا۔ میوزیم کے ملازم نے کہا۔

''کیا یہ پیش کش قبول ہے۔''

اس گراں بہا پیش کش سے گوپال بہت خوش ہو گیا اور ساجن نے بھی اتفاق کیا۔ پھر اس نے کہا۔ ''اس سودے کا اختیار صرف اس فرم کے مالک مسٹر جوشی ٹاٹا کو ہے۔ اگر ان کی طرف سے ہوتی تو ہم یہ پیش کش قبول کر لیتے۔''

''آپ مسٹر جوشی ٹاٹا کو آمادہ کر لیں۔'' شنکر راؤ نے ملتجی انداز سے کہا۔ ''پھر یہ نوادرات رہیں گے۔ ہمارے دیس سے باہر نہیں جائیں گے۔''

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہاں کے میوزیم میں ان کی نمائش کی جائے۔'' گوپال نے کہا۔ ''اس سے میوزیم کو مالی فائدہ پہنچے۔''

''ہاں......'' شنکر راؤ نے سر ہلا کر ٹھنڈی سانس لی۔ ''دوسری بات یہ ہے کہ عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔''

ساجن کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ شنکر راؤ کی نیت میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ اس کے خیال میں میوزیم ان نوادرات اور مورتی کو کسی غیر ملک کے میوزیم کو فروخت کر کے لاکھوں پونڈ آسانی سے کما لے گی...... وہ شنکر راؤ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن گوپال نے غیر محسوس انداز سے آنکھ سے اشارہ کر کے خاموش رہنے کے لیے کہا۔

ہفتے کے آخری دو دن اشیاء پیک کرنے اور انہیں سادھی کی عمارت سے نکالنے میں لگ گئے۔

گوپال اور ساجن خوش تھے کہ سارے نوادرات بہ حفاظت باہر نکال لیے گئے۔ قلیوں نے کوئی توڑ پھوڑ نہیں کی اور نہ ہی کوئی چوری چکاری ہو سکی۔ کیوں کہ ساجن نے سخت نگرانی کی تھی۔ ساجن نے آخری مرتبہ فہرست چیک کر کے رتنا کے حوالے کی کہ سنبھال کر رکھ لے۔

وہ گوپال کے ساتھ خوش گپیاں کر رہا تھا
شنکر راؤ نے آ کر جوشی ٹاٹا کی آمد کی اطلاع دی
''تمہارے باس آئے ہوئے ہیں۔'' ساجن ا
گوپال کو اس کی اس غیر متوقع آمد پر بڑی حیرا
ہوئی۔ لمحے کے لیے انہیں جیسے اس بات کا یقی
نہیں آیا۔ گوپال نے کہا۔

''چلو...... اس کا اس طرح سے اچانک ا
غیر متوقع آنا ایک لحاظ سے بہتر ہی ہوا۔ اس ک
موجودگی میں سارے معاملات نمٹ جائیں گے

''وہ دفتر میں آپ دونوں کا انتظار کر ر
ہیں۔'' شنکر راؤ نے کہا۔

جب انہوں نے اس غار کو دیکھا تو بہت پسن
آیا تھا۔ نہ صرف خاصا کشادہ اور لمبا تھا بلکہ صاف
ستھرا تھا۔ اس پر کسی ہال کا دھوکا ہوتا تھا۔ پھر انہو
نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تھا تو شروع شرو
آفس کی اور اطلاع مذاق کے طور پر استعمال ک
جاتی تھی۔ پھر یہ زبان پر یوں چڑھ گئی کہ لوگ اس
آفس ہی کہنے لگے۔ غار ہر لحاظ سے ایک موزو
آفس بن گیا تھا۔

جب وہ دونوں جوشی ٹاٹا سے ملنے پہنچے
رتنا...... وہاں ان سے پہلے موجود تھی اور اس س
باتیں کر رہی تھی۔

''تم لوگوں کے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ لا
ہوں۔'' جب وہ دونوں غار میں داخل ہوئے
جوشی ٹاٹا...... رتنا سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ کولکتہ سے آ
ہے۔ جب آپ لوگ یہاں کھدائی میں مصروف
تھے تو میں وہاں ہو آیا...... بنگالیوں کی مٹھائی بے ح
مشہور ہے۔ یہ بنگالی مٹھائی چکھ کر دیکھو۔ بتاؤ ک
کیسی ہے۔ جانے وہاں کی مٹھائی میں ایسی ک
خاص بات ہے جو یہاں نہیں ہے۔''

یہ رس گلے تھے۔ رتنا نے ایک رس گلہ اٹھا
منہ میں رکھ لیا اور بولی۔ ''لاجواب...... جی چاہ
ہے کہ اکیلی ساری مٹھائی کھا جاؤں۔'' جوشی ٹ
نے ان دونوں کو اندر آتا دیکھا تو کہا۔ ''آپ لوگ

...... ہر طرف آپ لوگوں کے

...ن اور گوپال نے ایک ایک رس گلہ اٹھا
...ں رکھ لیا۔ گوپال نے تعریفی لہجے میں کہا۔
''...بہت اچھے رس گلے ہیں۔''
''اچھا یہ بتائیں کہ کام کیسا چل رہا ہے......
...کوئی نتیجہ برآمد ہوا۔''
''میں آپ کو خوش خبری سنانا چاہتا ہوں......
آپ بڑے اچھے موقع پر آئے ہیں۔'' گوپال نے
کہا۔ ''چوں کہ آپ نے سرمایہ کاری کی ہے اس لیے
...یقین ہے کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔'' تفصیل
...تانے کے بعد اس نے کہا۔ ''شنکر راؤ کولمبو میوزیم کی
جانب سے بہت بڑی پیش کش لایا ہے۔ اتنی بڑی رقم
ہے کہ نہ صرف تمام اخراجات پورے ہو جائیں گے۔
آپ کو زبردست مالی فائدہ ہوگا۔ یہ پیش کش میوزیم
کے دو اعلیٰ عہدیداروں نے کی ہے۔''
''خاصی رقم...... کتنی ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے
کہا۔
''اسی ہزار برٹش پونڈ......'' گوپال نے کہا۔
جوشی ٹاٹا کے فلک شگاف قہقہے سے غار گونج
اٹھا۔ پھر اس نے اپنی ہنسی روک کر کہا۔
''اسی ہزار برٹش پونڈ...... کیا تمہارا دماغ
چل گیا ہے...... یہ کیا پیش کش ہوئی۔''
گوپال کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔ وہ ایسی
طرز گفتگو کا عادی نہ تھا۔ اسے جوشی ٹاٹا کا لہجہ بڑا
ناگوار لگا۔ کچھ کہنے کے لیے اس کے ہونٹ
کپکپائے۔ ساجن بے چین اور منتظر تھا کہ وہ کیا کہتا
ہے۔ لیکن ساجن نے محسوس کیا کہ وہ کسی خیال کے
زیر اثر خاموش ہو گیا ہے۔
''میں آپ کو بتا دوں......'' جوشی ٹاٹا نے
...شگفتہ مزاجی سے مخاطب کیا۔ اسے محسوس ہو گیا تھا
کہ گوپال نے تم کے تخاطب اور جملے کا برا منایا
ہے۔ ''میں ساری دنیا میں گھوم پھر کر اس مورتی کی
نمائش کروں گا جو نہ صرف سونے کی ہے بلکہ عجیب و
غریب خصوصیت اور صدیوں پہلے کی ہے......
رنجیت کمار کی۔''
''آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے......'' شنکر راؤ
ایک دم اس طرح سے اچھل پڑا جیسے اسے برقی جھٹکا
لگا ہو۔ ساجن نے پہلی بار اس کے دل میں ہمدردی
سی محسوس کی جس نے بڑی بے خوفی سے جوشی ٹاٹا کو
ٹوکا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ اسے اپنے ملک سے
بڑی جذباتی محبت ہے۔
''نہیں کر سکتے...... اس سے تمہارا کیا مطلب
ہے۔ آئندہ مجھ سے ایسی بات نہ کہنا۔'' جوشی ٹاٹا
نے سر کی جنبش سے شنکر راؤ کو ایک طرف ہٹ کر
کھڑے رہنے کے لیے کہا۔ پھر وہ گوپال اور
ساجن سے مخاطب ہوا۔ ''آپ دونوں میرے
ساتھ ساتھ رہو۔ پھر دیکھو گے کہ صحیح معنوں میں
پیسہ کیا ہوتا ہے اور کس طرح سے کمایا جاتا ہے۔ یہ
بھی ایک ہنر ہے کاروبار کا۔''
''ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا......'' گوپال نے
تکرار کے انداز میں کہا۔
''یقیناً پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا ہے......'' جوشی
ٹاٹا نے سر ہلا کر اعتراف کیا۔
''اس قدر اہمیت اور مالیت کی تاریخی چیزوں
کی عام نمائش نہیں کی جا سکتی ہے۔'' گوپال نے
کہا۔ ''یہ غلط ہے۔''
''اس لیے بھی کہ یہ مقدس مقامات ہیں۔ ان
کی نمائش کرنا ان کی بے حرمتی کرنے کے مترادف
ہے۔'' شنکر راؤ نے احتجاجاً کہا۔
''دولت کمانے سے کسی کی کوئی بے حرمتی نہیں
ہوتی ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''یہ
بزنس ہے۔''
''اگر آپ کا سنجیدگی سے یہی ارادہ ہے اور
آپ مذاق نہیں کر رہے ہیں تو مجھے اس معاملے میں
اپنے اعلیٰ حکام سے بات کروں گا...... تاکہ نمائش
کی اجازت نہ دی جائے۔''
''جو جی میں آئے کرو......'' جوشی ٹاٹا نے

بڑی بے پروائی سے کہا۔ ''میرے جی میں جو آئے گا وہ میں کروں گا۔''

شنکر راؤ گوپال کی طرف گھوما۔ ''سر گوپال..... مجھے یقین ہے کہ آپ کا وقار اور ذوق اس طرح کا کام نہیں کرنے دے گا۔''

''مسٹر گوپال..... میری فرم کے لیے کام کر رہے ہیں۔'' جوشی ٹاٹا نے تنبیہ کے انداز میں کہا۔ ''ان کا اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں..... ان کے ذمے جو کام سونپا گیا ہے وہی وہ کریں گے۔''

شنکر راؤ نے مایوسی سے سر ہلایا۔ پھر وہ سر جھکا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر دروازے کے پاس رک کر بولا۔

''ہمیں کچھ اقدامات کرنے ہوں گے۔ سر! میں ان کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔''

اتنا کہہ کر اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کے لیے رکا نہیں تیزی سے باہر نکل گیا تو جوشی ٹاٹا نے غرا کر کہا۔

''یہ سب ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کسی نہ کسی چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے اسے کرنے دو۔ میں جانتا ہوں وہ کچھ نہ کر سکے گا۔ جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں..... آئیں۔ اب تفصیلات طے کر لیں۔'' گوپال نے جیب سے بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ وہ بڑا مضطرب اور پریشان سا ہو گیا تھا۔

''ہم ممبئی پہنچ کر وہاں سے لندن چلیں گے۔'' جوشی ٹاٹا نے کہا۔ ''روانگی میں دیر نہیں کریں گے۔''

''کیا آپ واقعی سنجیدہ ہیں.....'' گوپال نے غیر یقینی لہجے میں دریافت کیا۔

''جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں..... اس طرف کا رخ کرنا چاہیے جہاں پیسہ ہو۔ یہ میرا اصول ہے کہ خوب پیسہ کماؤ۔''

''لیکن یہ.....'' گوپال نے اپنی رائے دینا چاہی لیکن جوشی ٹاٹا نے فوراً بات کاٹ دی۔

''آپ مجھے بتاتے رہے ہیں کہ یہ ایک عظیم دریافت ہے..... ٹھیک ہے نا..... صدیوں میں ہونے والی دریافت ٹھیک ہے نا..... صدیوں میں ہونے والی عظیم ترین دریافت میں سے ایک.....''

''انسانیت کے مفاد میں.....'' گوپال نے لقمہ دیا۔

''انسانیت کو کون زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے..... میں یا آپ.....'' جوشی ٹاٹا نے بھنا کر کہا۔ ''آپ ان چیزوں کو ایک چھوٹے سے شہر کی میوزیم میں رکھوانا چاہتے ہیں جہاں سیاحوں کے سوا انہیں کوئی اور نہیں دیکھے گا..... اگر لوگ معلومات حاصل کرنا چاہیں تو میں کروں گا..... دو روپے کے عوض.....'' شراب اور غصے سے گوپال کے گال تمتمانے لگے۔ اس نے میز پر مکا مارتے ہوئے برافروختہ ہو گیا۔ ''مسٹر جوشی ٹاٹا! اگر آپ اس بچکانہ نمائش پر بضد ہیں تو میرے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں، چارہ نہیں کہ میں اپنی ذمے داریوں سے کنارہ کش ہو جاؤں۔''

''اچھا..... اب یہ بتائیں کہ بچکانہ بات کون کر رہا ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے سنبھل کر کہا۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اس کام میں شریک نہیں ہو سکتا۔'' گوپال نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

غار میں گہرا سکوت چھا گیا۔ جوشی ٹاٹا کچھ دیر تک بت بنا رہا۔ پھر وہ طنزیہ نظروں سے ساجن کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو..... دیکھ رہے ہو اپنے باس کی حماقت ہو..... اس قدر جذباتی اور غصہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

ساجن نے بھی دل میں اعتراف کیا کہ..... اس کے سر گوپال کی ضد بے جا ہے اور عظیم تر مفاد میں اسے فرم کے مالک کا ساتھ دینا چاہیے۔ معاً جوشی ٹاٹا نے اس سے سوال کیا۔ ''کیا اپنی حیثیت میں ترقی اور تبدیلی چاہو گے..... کیا ممبئی چل کر اس نمائش کے نگراں کا عہدہ سنبھال لو گے..... پھر دیکھو گے کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔''

ساجن ... پٹا گیا۔ تحسین کی بوچھار......
...نمایاں مقام اور تابناک مستقبل کی امید......
...س نے ایک پل میں یہ سارے خواب دیکھ لیے...... پھر اس کی نظر گوپال کی طرف اٹھ گئی تو اس کی وفاداریاں اس شخص کے ساتھ نظر آئیں جس نے بے روزگاری میں اسے ملازمت دی تھی۔ ...نوں نہیں بلکہ سینکڑوں اور پرعزم امیدواروں میں اس کا انتخاب کیا گیا تھا۔

اس نے رک رک کر جواب دیا۔ ''جہاں تک میرا خیال ہے سر گوپال ہی بدستور انچارج ہیں۔''

''لیکن وہ تو ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' جوشی ٹاٹا نے کہا۔ ''اب وہ میرے ملازم نہیں رہے ہیں۔''

گوپال نے تیزی سے مڑ کر کہا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں ساجن! تم نے ان کی بات بھی سن لی ہے اور میری بھی...... میں ایک طرح سے زبانی طور پر استعفیٰ دے چکا ہوں۔ تحریری بھی دے دوں گا۔''

''لیکن......؟''

''اس ہم کے مفاد میں تم کو مشورہ دوں گا کہ مسٹر جوشی ٹاٹا کی پیش کش قبول کر لو۔ کم از کم نمائش تو ...ھنک کی ہوگی۔ چوں کہ تم ایک باصلاحیت اور باذوق نوجوان ہو...... مجھے امید ہے کہ اس میں خوش ذوقی تو ہوگی۔''

''جب آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آپ اپنے فیصلے پر اس قدر جذباتی کیوں ہو گئے ہیں۔'' ساجن نے کہا۔

''میرا فیصلہ ہے کہ میں اس کام میں ساتھ نہیں دے سکتا...... اس فیصلے کو جو نام دینا چاہے ...'' گوپال نے کہا۔ ''کسی وجہ سے یہ میرے ... ہے۔ البتہ تم کر سکتے ہو اور میں تمہاری ... نہیں ہوں گا۔'' اس پیش کش کو ساجن ... مشورہ طلب نظروں سے دیکھا تو ... خاموشی سے سر کو ہلایا وہ قبول کر لے۔

''... رات آپ لوگ میرے ساتھ کھانا کھائیں۔'' جوشی ٹاٹا نے اس تناؤ کی کیفیت کو ختم کرنے کے لیے کہا۔

ساجن اور رتنا نے اس کے ساتھ جو کھانا کھایا وہ اس بستی سے قریب میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ اس کے صحن میں میزیں لگی ہوئی تھیں۔ اس ہوٹل میں جو مقامی کھانا تھا وہ نہ تو ذائقہ دار تھا اور نہ اس میں کوئی لذت تھی۔ لیکن اس کے صحن میں لوک ناچ گانا خوب زوروں پر تھا۔ اس میں چودہ سے لے کر بیس برس کی طرح دار، پرکشش اور متناسب جسم کی لڑکیاں تھیں جس نے ماحول میں بڑا حسین، رنگین اور قیامت پیدا کر دی تھی۔ جوشی ٹاٹا نے ویٹروں کو خوب دوڑایا بھگایا اور مٹھی بھر بھر کے ناچنے والیوں پر سکوں کی بارش کر دی۔ نوٹ بھی ان سات لڑکیوں کو دیے جو ناچ رہی تھیں۔

کھانے کے دوران جوشی ٹاٹا نے اچانک ساجن سے پوچھا۔ ''تم نے میرے ساتھ رہنے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا......''

''میں آپ کے ساتھ ہوں مسٹر جوشی ٹاٹا!''

ساجن کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

''مجھے تمہارے اس فیصلے سے بڑی خوشی ہوئی۔'' رتنا نے بے ساختہ اور غیر متوقع سرگوشی میں ساجن کی طرف منہ کر کے کہا۔

جوشی ٹاٹا ایک دم سے اچھل پڑا۔ ''میں ایسی ہی بات سننا پسند کرتا ہوں۔ ہماری خوب بنے گی...... لیکن مجھے گوپال کے رویے پر سخت افسوس ہے...... لیکن تم کہہ سکتے ہو کہ وہ اگلے وقتوں کا آدمی ہے...... یہ جدید دور ہے۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ جو وقت کے ساتھ چلتا ہے وہی کامیاب رہتا ہے۔ تمہیں آج کے دور میں رہنا ہوگا۔''

پھر وہ مستقبل کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ایک کالا بھجنگ قد بھیڑ بھاڑ میں راستہ بناتا ہوا میز پر آیا اور ساجن سے کہنے لگا۔ ''آپ کو آپ کا مالک بلا رہا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ جلد پہنچو جلدی جاؤ۔''

''کون.....'' چوں کہ اس کا سارا دھیان ناچ کی طرف تھا اس لیے اس نے کچھ نہ کہتے ہوئے پوچھا۔

''اس کی مراد گوپال سے ہوگی۔'' رتنا بولی۔

''اس نے کس لیے اس وقت بلایا ہے۔''

''میرے خیال میں کوئی اہم بات ہو گی..... ورنہ وہ نہیں بلاتے' معاف کیجیے ہم ابھی ہو آتے ہیں۔''

''میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔'' جوشی ٹاٹا نے ان کے ساتھ اٹھتے ہوئے کہا۔

غار میں پہنچتے ہی انہیں ایک ہی نظر میں احساس ہوگیا کہ واقعی کوئی اہم بات ہے۔ گوپال کا چہرہ اس کی چغلی کھا رہا تھا۔

''کیا بات ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے پوچھا۔

''یہاں چور آئے تھے۔'' گوپال نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ ''ایشور نے بڑا بھلا کیا۔ کوئی چیز نہیں گئی۔ انہوں نے کچھ تلاش کیا۔ وہ چیز غالباً ان کے ہاتھ نہیں لگی۔ وہ خالی ہاتھ چلے گئے۔''

''کس چیز کی تلاش ہو سکتی تھی.....'' جوشی ٹاٹا کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

''تارا چند.....'' شنکر راؤ نے جواب دیا۔

''وہ غائب ہے۔ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''ساجن!'' پیچھے سے آواز آئی تو انہوں نے ایک قلی کو غار کے دہانے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ وہ ساجن کو اشارے سے بلا رہا تھا۔ ساجن اس کے پیچھے پیچھے گیا تو غار سے قدرے فاصلے پر تارا چند زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ قلی نے اسے سیدھا کیا۔ اس کے سینے میں خنجر پیوست تھا۔ ساجن بوجھل قدموں سے غار میں آیا۔

''ساجن!'' رتنا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''تمہاری چیزوں کی فہرست غائب ہے۔''

''غائب ہے.....'' ساجن نے حیرانی سے کہا۔ ''اسے تو بڑی حفاظت سے رکھا گیا تھا۔''

''ہاں..... میں نے اسے صندوقچی میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا۔'' رتنا بولی۔ ''اس کی چابی میرے پاس ہے۔''

''لیکن یہ تو ٹوٹی پڑی ہے..... اس میں سے فہرست نکال لی گئی ہے۔'' ساجن نے کہا۔

ساجن سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نقول بھی نہیں تھیں اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ دوسری فہرست تیار کی جاتی۔ اس کی گھنٹوں کی ساری محنت اکارت گئی تھی۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے اس کی نقول تیار کیوں نہیں کی۔

''لیکن وہ کیوں اور کس لیے فہرست چرا کر لے گئے۔'' ساجن نے جھنجھلا کر کہا۔ ''آخر وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

شنکر راؤ جو رتنا کی پشت پر کھڑا ہوا تھا اپنی جگہ سے بولا۔ ''اگر کسی کو مقبرے میں پائی جانے والی تمام اشیاء کے نام درکار ہوں تو یہ مقصد تمہاری فہرست سے چٹکی بجاتے ہوئے ہو سکتا ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ رنجیت کمار مہاراجا کے نوادرات سے دل چسپی رکھنے والے صرف ہم لوگ ہی نہیں ہیں۔'' ساجن نے کہا۔

☆☆

رات کا وقت تھا۔ سمندر تاریک' پرسکون اور کسی صحرا کی طرح بے کنار نظر آتا تھا لیکن اس کی سطح سے ہوا کے فرحت بخش لطیف جھونکے اٹھ اٹھ کر جہاز کے عرشے پر پھیل رہے تھے..... رتنا محسوس کر رہی تھی کہ جیسے وہ زندگی کی آخری سانس تک اس جہاز کی ریلنگ پر جھکی رہے گی اور اس کی زندگی تمام ہو جائے گی۔ مرتے مرتے پانی کی سرگوشیاں سنتی رہے گی۔

باپ کی ناوقت الم ناک موت کا زخم تازہ تھا..... کسی پر قتل کا الزام عائد نہیں کیا گیا تھا..... کسی پر مقدمہ نہیں چلا تھا..... کوئی گرفتار بھی تو نہیں ہوا تھا..... نامعلوم قاتلوں نے کیوں اور کس لیے اس کے بے گناہ اور معصوم اور بدنصیب باپ کو قتل کیا تھا' معلوم نہ ہو سکا تھا۔

اس کا جرم کیا تھا..... شاید وقت کے ساتھ

بھی یہ

...ہا۔

جہاز ... خواب
آواز آرہی تھی۔ عرشے پرسکون اور سکوت
تھے۔ لیکن اس کے نچلے حصے کے بارے
رتنا کو چین اور اطمینان نہیں تھا۔ جہاز......
سکون اور طمانیت سے پرے...... رنجیت
کی مورتی جس پر کسی ممی کا گمان ہوتا تھا اس کے
اس کی سمادھی کے نوادرات رکھے تھے۔ رتنا
دل پر محسوس کر رہی تھی۔

حسین رات ہے۔'' اس کے کانوں
ابھری اور ایک ہاتھ نے اس کے نرم و
ہاتھ کو تھام لیا۔

''جب ہم ملبار جا رہے تھے تو ایسی ہی رات
مجھے یاد ہے۔'' رتنا نے جواب دیا۔ ''بعض
بھلانے سے بھی نہیں بھولتی ہیں۔''

رتنا سوچنے لگی۔ وہ سفر کتنا خوش گزرا
اس کے پتا جی ایک سروے کے لیے گئے تھے تو
گوپال اور ساجن بھی تھا۔ اس دوران وہ
ساجن سے قریب ہوگئی تھی۔ وہ دونوں ایک پرعزم
ہم جو ٹیم کے رکن تھے جو ماضی کے رازوں کو ان
رازوں کی زمین سے اگلوانے کا عزم کر کے نکلی
لیکن یہاں اس مہم کا ذائقہ تلخ اور کڑوا ہو کر رہ
تھا...... اور پھر اس نے اپنے پتا کو کھو دیا تھا جو
دنیا میں اس کے سب کچھ تھے۔ اس کے
بدن پر جھرجھری سی دوڑ گئی۔

اس کے جسم میں ارتعاش سا دیکھ کر ساجن
پوچھا۔ ''کیا سردی لگ رہی ہے۔ موسم تو سرد
ہے۔''

''نیچے جو مورتی پڑی ہوئی ہے اس کے خیال
سے بدن پر خوف کی لہر دوڑ گئی۔'' رتنا نے
دیا۔ ''وہ نہ جانے کیوں زندہ معلوم ہوتی
ایسا لگ رہا ہے کہ اس کے اندر کوئی بدروح
ہے۔''

''یہ تمہارا واہمہ ہے۔'' ساجن نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کر کے دلاسا دیا تاکہ اس کا خوف کم ہو جائے۔ ''اس مورتی کو بڑی حفاظت سے بند کیا ہوا ہے۔ اگر اس میں بدروح موجود ہوتی تو ہم اسے جہاز پر نہیں لا سکتے۔ وہ تنگ کرتی۔''

اس اثناء میں کوئی شخص ڈگمگاتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اس کا انداز پراسرار سا تھا۔ رتنا نے ساجن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کا ڈگمگانا سمجھ میں نہیں آیا۔ جب کہ جہاز ہچکولے نہیں کھا رہا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو رتنا کے منہ سے نکل گیا۔ ''انکل گوپال۔''

''نمسکار......'' ساجن نے رتنا کی کمر سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ ''سر! آپ۔''

''ہاں...... میں...... میں ہوں۔'' گوپال نے بھی نمسکار کا جواب دے کر لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا۔ پھر وہ رتنا پر ایک نظر ڈال کر بولا۔ ''میری پیاری بچی! بہت پیاری نظر آ رہی ہو...... گڈ نائٹ......'' یہ کہہ کر وہ ڈگمگاتا آگے بڑھ گیا۔

''اگر اس کا یہی عالم رہا تو یہ بھی کسی دن مورتی بن جائے گا۔'' ساجن نے کہا۔

رتنا ریلنگ پر جھک کر لہروں کو دیکھنے لگی۔ اپنے غم و اندوہ کے باوجود اسے گوپال کی طرف سے سخت تردد تھا...... کیسا المیہ تھا۔ جب واپسی کا سفر شروع ہوا تو وہ اپنا بیشتر وقت کیبن میں گزار رہا تھا اور پھر جیسے اس نے اپنے آپ کو شراب نوشی کے حوالے کر دیا تھا اور پھر جوشی ٹاٹا نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا اس پر شدید ردعمل ہوا تھا۔ اس کی طرف سے گوپال کو ایک غیر مہذبانہ خط ملا تھا جو اخبارات میں چھپ گیا تھا کہ اب وہ آئندہ سری لنکا کی سرزمین پر قدم نہ رکھے۔ کھدائی کرنے والے ادارے اس کی بجائے کسی اور کی خدمات حاصل کریں۔ گوپال کا دل ٹوٹ گیا تھا اور اس کے خواب بکھر گئے تھے۔ پھر اس نے شراب کا سہارا

لے لیا تھا۔

''اب انکل گوپال کیا کریں گے۔'' رتنا نے لہروں پر سے نگاہ اٹھا کر ساجن سے سوال کیا۔

''ریٹائر ہو جائے گا..... بلکہ اسے ہونا پڑے گا۔ کیوں کہ اب وہ جوان تو نہیں رہا ہے۔'' ساجن نے سرد مہری سے کہا۔

رتنا کو اس کا لب ولہجہ اور گفتگو کا انداز ناگوار لگا۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی طرف دیکھے بغیر تلخی سے بولی۔

''اپنے محسن اور باس کو اس انداز سے مخاطب کر رہے ہو۔ کیا یہ احسان فراموشی نہیں ہے.....''

معاً ایک شکستہ چیخ سنائی دی جیسے کسی نے چیخنے والے کو چیخنے سے روک دیا ہو۔ یہ چیخ مردانہ تھی۔ گوپال کی تھی۔

''تم یہیں ٹھہرو.....'' ساجن نے کہا۔ ''میں دیکھ آتا ہوں کیا بات ہے۔''

وہ اس دروازے کی طرف تیزی سے لپک گیا جو دو کیبنوں کے درمیان واقع راہداری میں کھلتا تھا۔ رتنا نے لمحہ بھر توقف کیا۔ پھر خود بھی اس سمت بجلی کی سی تیزی سے لپکی۔ شاید ان دونوں کے سوا کسی نے یہ چیخ نہیں سنی تھی۔ کیوں کہ ہل چل کہیں نہیں تھی۔ البتہ عرشے پر ایک طویل القامت شخص ٹہل رہا تھا۔

رتنا جب دروازے کے قریب پہنچی تو اندر سے ایک شخص تیزی سے نکلا اور اس سے ٹکرا گیا۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے اس شخص کا بازو پکڑ لیا اور اسی لمحے اس کی نظروں کے سامنے خنجر کی دھار چمکی۔ رتنا نے گھبرا کر اس شخص کا بازو چھوڑ دیا اور ساتھ ہی لڑکھڑا کر قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر گر پڑی۔ وہ شخص فضا میں خنجر بلند کر کے جھپٹا۔ اسی وقت ایک دھک سی ہوئی۔ عرشے پر ٹہلنے والا دراز قد اجنبی اس حملہ آور کے پیٹ میں دوزبردست گھونسے لگا چکا تھا۔ وہ چاروں شانے چت گر پڑا لیکن فوراً ہی سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور دراز قد شخص سے گتھم گتھا ہو گیا۔ دونوں لڑتے لڑتے عرشے کے وسط میں پہنچ گئے۔ اندھیرے کے باعث رتنا کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ کس کا پلہ بھاری تھا۔ رتنا پر حملہ کرنے والا شخص چکراتا ہوا ریلنگ پر جا گرا۔ پھر چشم زدن میں وہ سمندر کی آغوش میں جا رہا۔

''آدمی پانی میں گر گیا.....'' ایک زوردار سی آواز سکوت کو توڑتی ہوئی فضا میں گونجی۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے لوگ عرشے پر آ گئے۔ جہاز کا کانوں کے پردے پھاڑنے والا بھونڈا سا سائرن بجنے لگا۔ عرشہ پر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ وہ شور مچانے لگے۔ ''سمندر میں ایک آدمی گر گیا ہے۔''

رتنا کا نجات دہندہ اپنا جیکٹ ٹھیک کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے پاس آیا۔ دروازے سے باہر آنے والی روشنی میں رتنا نے پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا۔ اسے نوجوان تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن درمیانہ عمر کا بھی نہیں تھا۔ چہرے پر ملائمت کے ساتھ تجربے کی چھاپ بھی تھی۔ وہ پروقار سا دکھائی دیتا تھا۔ رتنا دل میں اس سے خاصی مرعوب سی ہوئی۔

''وہ شخص کون تھا.....'' اس شخص نے رتنا کی آنکھوں میں سوالیہ نظروں سے جھانکا۔

''معلوم نہیں وہ کون تھا.....'' رتنا بولی۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ساجن کہاں ہے۔''

یہ کہتی ہوئی وہ راہ داری میں دوڑ پڑی۔ گوپال کا چھٹا کیبن تھا۔ اس کا دروازہ تقریباً پورا کھلا ہوا تھا۔ دہلیز پر ساجن گھروں بنا پڑا تھا۔ رتنا لپک کر اس کے پاس پہنچی تو وہ کراہتا ہوا اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ رتنا نے اسے بٹھا دیا۔ ساجن نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا اور ہاتھ سے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ گوپال بھی اسی حالت میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا۔

''ساجن..... ساجن کیا ہوا۔'' رتنا نے

...ش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''تم ٹھیک تو ہو نا۔''

''پہلے تو ایک آدمی نے گوپال کے سر پر حملہ ...یا اور پھر مجھ پر کر دیا۔'' ساجن نے گوپال کی ...ف اشارہ کرتے ہوئے نقاہت سے کہا۔

گوپال بہ وقت تمام اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ ...ہستہ چلتا ہوا جہاز میں نصب الماری کے پاس ...یا۔ اس میں سے بوتل نکالی اور اسے ساجن کی ...ف کر کے بلایا۔ ''کیا تم پینا چاہو گے.....''

ساجن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں.....''

رتنا کو اپنی پشت پر آواز آئی۔ اس نے گردن ...وڑا کر دیکھا۔ وہی دراز قد اجنبی کھڑا تھا۔

''میرا نام شیام ہے۔'' اجنبی نے اپنا تعارف ...رایا۔

دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ گوپال ...ستر پر بیٹھا کسی پیاسے کی طرح پیئے جا رہا تھا۔

''کوئی چیز غائب تو نہیں ہوئی ہے۔'' ساجن نے گوپال سے پوچھا۔

''غائب.....'' گوپال نے اسے احمقوں کی طرح دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں غائب ہونے کے لیے رکھا ہی کیا ہے۔'' پھر اس نے جیب سے بٹوا نکال کر نوٹ گنے پھر بولا۔ ''رقم تو پوری ہے۔''

''اگر رقم چوری نہیں ہوئی ہے تو پھر کس چیز کی ہو سکتی ہے۔'' شیام نے سوال کیا۔

ساجن نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس سوال سے اسے نوادرات کی فہرست چوری ہو جانے کا خیال آیا اور اس کے ساتھ کیبن میں رکھے ہوئے نوادرات اور مورتی کا بھی..... کیا اس کے کیبن پر بھی حملہ ہونے والا تھا۔

''یہ محض اتفاقیہ امر نہیں ہو سکتا.....'' رتنا نے گمبھیر لہجے میں کہا اور پھر سر اٹھا کر شیام سے بولی۔ ''آپ کو معلوم ہے۔''

''مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔'' شیام نے ہنس کر کہا۔ ''آپ لوگوں کی شہرت دور دور تک پھیل چکی ہے..... البتہ سر گوپال نے لوٹی ہوئی چیز اپنے کیبن میں یقیناً نہیں رکھی ہو گی۔''

''بالکل نہیں..... نوادرات جہاز کے اسٹور روم میں زبردست پہرے میں رکھی ہوئی ہے۔'' ساجن نے صاف جھوٹ بولا۔

''آپ کا پروگرام کیا ہے۔'' شیام نے پوچھا۔

''ہم ان چیزوں کو ممبئی لے جا رہے ہیں۔'' ساجن نے جواب دیا۔ ''مسٹر جوشی ٹاٹا ان کی نمائش کی ممبئی شہر سے کرنا چاہتے ہیں۔''

''آپ قیام کہاں کریں گے۔'' شیام نے دوسرا سوال کیا۔

رتنا نے محسوس کیا کہ ساجن..... شیام سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا اور ایک طرح سے یہ ٹھیک بھی تھا۔ وہ اپنے کیبن میں جا کر چیزوں کی جانچ پڑتال کرنا چاہتا تھا۔ رتنا نے ساجن کی شکل حل کرتے ہوئے دروازے کا رخ کیا تو دونوں آدمی اس کے پیچھے ہو لیے۔

''میں نے گرین کارپٹ ہوٹل میں کمرے بک کرائے ہیں۔'' ساجن کہہ رہا تھا۔ ''میں اور رتنا وہیں ٹھہریں گے۔''

''وہ کوئی زیادہ اچھی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی علاقہ.....'' شیام نے کہا۔

رتنا نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا کہ ساجن پر اس بات کا کیا ردعمل ہے۔ ساجن کے ماتھے پر بھی بل پڑ گئے۔ اسے ایک اجنبی کی نکتہ چینی ناگوار لگی تھی۔ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''وہ پارک کے قریب ہے چوں کہ پارک کے برابر جو میوزیم ہے اور اس کے سامنے ایک وسیع و عریض میدان ہے اور اس میں نمائش کے انتظامات کیے جائیں گے اس لیے ہمارے لیے یہ جگہ مناسب اور موزوں رہے گی۔''

''میری ایک بہت بڑی کوٹھی ہے۔'' شیام

نے کہا۔ ''اگر میں آپ لوگوں کو وہاں ٹھہرنے کے لیے کہوں تو کیسا رہے گا۔ وہ شہر کے ہنگاموں سے دور ایک پرسکون علاقے میں واقع ہے۔ اور پھر ہوٹل کے اخراجات سے بھی بچے رہیں گے۔''

زینہ اترتے ہوئے ان کے قدم رک گئے۔ رتنا نے دیکھا کہ ساجن کو اس پیش کش سے دھچکا سا لگا تھا۔ اس کا مزاج خالص مدراسی تھا۔ وہ اس قسم کی بے تکلفی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس بے تکلفی کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ اس کا شیام سے تعلق ہی کیا تھا۔ اس دعوت کا کوئی معقول جواز نہیں تھا۔ صرف تھوڑی دیر کی شناسائی تھی اور وہ محسن بھی تھا۔ پھر اس کے دل کے کسی کونے میں ایک آوارہ سا خیال آیا۔ کہیں شیام اس کے حسن و شباب سے متاثر ہو کر اس کے قرب کے لیے تو یہ پیش کش نہیں کر رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے اس خیال کی نفی کر دی۔ کیوں کہ شیام اتنا خوب صورت، وجیہ اور دراز قد تھا کہ جانے کتنی حسین لڑکیاں اس کی شیدائی ہوں..... ان تمام باتوں کے باوجود رتنا کے دل میں انجانی خواہش نے جنم لیا کہ کیوں نہ اس پیش کش کو قبول کر لیا جائے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ عجیب بات ہوگی..... لیکن شیام میں اس نے جو ایک عجیب سے مقناطیسی طاقت محسوس کی تھی وہ اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

''آپ کی اس پیش کش کا بہت بہت شکریہ..... لیکن معافی چاہتا ہوں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' ساجن نے پیش کش مسترد کر دی۔

''آپ کی اس عنایت کا بہت بہت شکریہ۔'' رتنا نے فوراً بات بنائی۔ اس لیے کہ ساجن نے سرد مہری سے کہا تھا۔

''دراصل آپ کا کام ایسا ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔'' شیام نے کہا۔ ''میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت آرٹ کے لیے وقف کر دوں۔ آرٹ میری بچپن سے کمزوری رہی ہے۔''

''یہ علم آثار قدیمہ ہے..... اس کا تعلق نہ آرٹ سے اور نہ ہی تفریحی چیز سے..... یہ سائنس ہے۔'' ساجن نے تڑاخ سے جواب دیا۔

''مجھے آپ کی یہ بات سن کر بڑی حیرت رہی ہے۔'' شیام نے کہا۔ ''اور کیا جو نوادرات آپ نے زمین سے نکالے ہیں ان کا مقام آرٹ میں ہے یا سائنس میں..... یا دونوں میں..... اگر آپ میرے ساتھ چلیں گے تو مجھے آپ سے بڑی مدد ملے گی۔''

''میں آپ کی مدد ضرور کرتا مسٹر شیام..... لیکن افسوس کہ ہم اپنے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔'' ساجن نے معذرت کی۔ شیام نے مدد طلب نظروں سے رتنا کی طرف دیکھا۔ لیکن اس نے لاتعلقی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ وہ ساجن سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی تھی حالانکہ اس کا دل شیام کی بات ماننے کے لیے کہہ رہا تھا۔

''اچھا چلیں..... چل کر کچھ پیتے ہیں اور وہاں اس معاملے پر غور کریں گے۔'' شیام کا اصرار بدستور قائم تھا۔

''ہاں..... یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔'' رتنا نے فوراً ہی اس کی تائید کی۔

ساجن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''اس میں غور کرنے کی ایسی کون سی بات ہے۔''

''لیکن کچھ دیر اکٹھے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔'' رتنا بولی۔ ''وقت گزاری تو ہو جائے گی۔''

''ہمیں چند ضروری کام بھی تو کرنے ہیں۔'' ساجن نے بہانہ تراشا۔ ''اس لیے میں ساتھ نہیں دے سکوں گا۔''

شیام اور رتنا دونوں ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گئے۔ جان نے کیبن میں جا کر اپنا اطمینان کر لیا۔ تمام چیزیں موجود تھیں۔ پھر وہ بھی ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ کیوں کہ اسے بھی کچھ پینے کی

ش ہو رہی تھی۔

سفر کے بقیہ دنوں میں شیام...... ساجن کا دل جیتنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔ ساجن اور رتنا کی سمجھ میں لاکھ غور کرنے پر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر وہ اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے۔ شیام ایک امیر کبیر آدمی تھا۔ وہ چاہتا تو ہوائی جہاز سے ممبئی جا سکتا تھا لیکن اس نے بحری جہاز کو ترجیح دی تھی۔ وہ سازوسامان کے باعث جہاز سے جا رہے تھے۔ انہیں یہ سب ایک امیر آدمی کا شوق محسوس ہوا تھا لیکن ایسا جنون نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جنون کی بھی ایک حد ہوتی ہے لیکن اس کے نزدیک اس کی کوئی حد نہ تھی۔ اس کے رویے میں انکساری اتنی تھی کہ وہ دونوں اس سے متاثر ہوئے جا رہے تھے۔

شیام نے رتنا کے سامنے اپنے مکان کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ...... اس کا دل خواب خود شیام کے مکان کی طرف کھنچنے لگا تھا اور پھر اس نے ساجن کے سامنے اس نے پرسکون اور الگ تھلگ ماحول کی ایسی منظر کشی کی کہ اس کا دل بھی ڈانوا ڈول ہونے لگا۔ شیام نے ایک آئیڈیل مکان بتایا جہاں بڑے ہوٹلوں کی طرح ٹریفک کا شور تھا نہ دوسرے خرافات...... ساجن وہاں اطمینان اور یک سوئی سے نمائش کے لیے کاغذی تیاریاں کر سکتا تھا۔

”لیکن یہ ہمیں اپنے ہاں لے جانے کے لیے اتنا اصرار کس لیے کر رہا ہے۔“ شیام کی بتائی ہوئی تمام خوبیوں کے باوجود اس نے رتنا سے کہا۔ ”وہ اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے۔ یہ سب کچھ پراسرار اور دل میں کچھ کالا تو نہیں ہے......“ ساجن نے مشکوک لہجے میں کہا۔

ساجن کی ان باتوں کا رتنا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اگر اس کے ذہن میں کوئی وضاحت تھی بھی تو وہ اتنی ذاتی نوعیت کی تھی کہ ساجن پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ حقیقت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر اس حقیقت کا کوئی وجود تھا کہ جہاز جوں جوں ممبئی سے قریب ہو رہا تھا وہ ایک ہیجان اور ان جانی تشویش میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے بارہا شیام کی نظروں کی گرفت میں اپنا چہرہ اور سراپا جکڑے پایا تھا وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ وہ ان دونوں میں ایسے متضاد جذبوں میں جکڑی گئی تھی جن سے وہ اب تک ناواقف تھی۔

جب جہاز ممبئی کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو حالات نے ساجن کو شیام کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ وہ ان ساری کی ساری بے بدل اشیاء کو تنہا ساحل پر اتروا نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی وہ فہرست بھی غائب تھی جس سے ملکی قوانین کی ضروریات پوری نہ ہو سکتی تھی۔ شہر میں ایک سیاسی پارٹی نے جلاؤ‘ گھیراؤ اور ہڑتال کی کال دی تو ٹرانسپورٹ کا نظام معطل ہو کر جوشی ٹاٹا غصے سے بھن بھناتا پھر رہا تھا۔ ساجن اور رتنا کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا کیا جائے۔ جوشی ٹاٹا غصے سے بھن بھناتا پھر رہا تھا۔ ایسے میں شیام ہی ان کے کام آیا اور اس کی دولت اور اثر ورسوخ نے سارے کام کروا دیے۔ جوشی ٹاٹا کی دولت کی گھن گرج بھی کچھ نہ کر سکی تھی۔ شیام نے بڑے معقول طریقے سے نئے دوستوں کی مدد کی تھی۔ پھر اس نے اپنی پیش کش دہرائی تو ساجن کو اس کی بات ماننا پڑی۔ رتنا دل میں خوش تھی کہ ساجن نے ہار مان لی۔

شیام نے اپنے مکان کی جتنی تعریف کی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ اچھا نکلا۔ سرسبز درختوں میں گھرا ہوا‘ کشادہ‘ پرسکون اور وجاہت لیا ہوا...... آرائش وزیبائش‘ راحت اور آسائش کے لوازمات شاہانہ تھے۔ گردوپیش میں جنگل جیسا سناٹا تھا۔ ساجن اور رتنا کو واقعی یہ جگہ آئیڈیل لگی۔ وہاں ایک سنجیدہ اور پروقار مزاج کے دیرینہ ملازم جونت نے انہیں ان کے کمرے دکھائے وہاں کا خواب ناک ماحول دیکھ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ واقعی سورگ میں آ گئے ہوں۔ رتنا کا کمرا بہت بڑا اور کشادہ تو نہ تھا لیکن دل کشی اس کے در و دیوار سے ٹپک رہی

تھی۔ وہ جیسے برسوں سے اس کی متلاشی تھی نرم و گداز بستر دیکھ کر بے ساختہ اس کا دل سونے کو چاہا لیکن چوں کہ نیچے مشروبات کے لیے نیچے جانا تھا اس لیے وہ سو نہ سکی۔

نشست گاہ میں پہنچ کر جو اس نے اس کی آرائش و زیبائش دیکھی' ششدر رہ گئی۔ بہترین عمدہ چکن سوپ جس کا ذائقہ اور لذت آج تک اس نے کبھی کسی سوپ میں محسوس نہیں کی تھی۔ سوپ کا پیالہ رکھ کر وہ اٹھی اور پھر کمرے میں گھوم پھر کے سجاوٹ کی چیزیں قریب سے دیکھنے لگی۔ اس کے قدم ایک قیمتی شوکیس کے سامنے رک گئے جس میں زیورات رکھے ہوئے تھے جن پر بڑی نفاست اور نزاکت سے کام کیا ہوا تھا۔ ان سے ان کے مالک کی نفیس اور عمدہ ذوق کا اظہار ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں ایسے زیورات کسی محل میں ہی ہو سکتے تھے۔

''پسند آئے.....'' معاً اسے اپنی پشت پر شیام کی آواز سنائی دی۔ وہ نہ جانے کب سے کھڑا ہوا اسے اور اس کی حرکات سکنات دیکھ رہا تھا۔

''بہت ہی خوب صورت ہیں۔'' رتنا نے تعریفی لہجے میں جواب دیا۔ وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ رنجیت کمار کے نوادرات سے کہیں زیادہ خوب صورت اور قیمتی معلوم دیتے ہیں۔ میں نے خواب میں بھی ایسے نوادرات نہیں دیکھے۔

شیام نے شوکیس کا ڈھکن اٹھا کر ایک چھوٹا سا لاکٹ نکالا جس کی آب و تاب نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس نے رتنا کی گردن سے لگایا تو اس کا دل اتنے زور سے دھڑکا۔ اتنی زور سے کہ اس کی دھڑکن شاید شیام نے بھی سن لی ہوگی۔

''یہ میسور کی ایک ملکہ کا ہے۔'' شیام نے بتایا۔ ''اور میں نے اسے کسی حسین خاتون کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔''

رتنا اس کے ہاتھ سے لاکٹ لے کر دیکھنے لگی۔ ''اف! کتنا خوب صورت ہے۔'' وہ زیر لب بولی۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے آپ کی نذر کر دوں۔'' شیام نے سرگوشی کی۔

رتنا جلدی سے دو قدم ہٹ کر اسے یوں دیکھنے لگی۔ جیسے کسی نے اس کے کان میں گرم گرم سیسہ انڈیل دیا ہو۔ پھر وہ چونکی..... اور ایک خیال اس کے ذہن میں تیزی سے کوندا بن کر لپکا۔ یہ سب کچھ بڑی تیزی سے ہو رہا ہے بڑی شدت سے۔

''لیکن یہ تو نایاب اور انمول ہے۔'' وہ بہ مشکل کہہ پائی۔ اس کی آواز میں لرزش صاف نمایاں تھی۔

''اس مسرت کے سامنے کہ یہ آپ کے پاس رہے گا۔ یہ مجھے بے وقعت محسوس ہوتا ہے۔'' شیام کی ٹھہری ہوئی آواز اسے کانوں کے پاس محسوس ہوئی۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سا سحر تھا۔

اس کے پر یقین انداز نے رتنا سے اس کی خود اعتمادی چھین لی..... وہ کتنا بھرپور انسان نظر آتا تھا اور ساجن..... کشن پر پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھا ساجن دور ہٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا..... رتنا نے چاہا کہ شیام کی نظر بچا کر اس کی طرف مدد نظروں سے دیکھے۔ لیکن..... اس کا پیارا ساجن تو جیسے اپنے خیالوں میں گم اسے بھلا بیٹھا ہو۔

''آپ اسے رکھ لیں گی۔'' شیام نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس میں حکم تھا اور نہ ہی درخواست۔

''اسے قبول نہ کرنا..... ناشکری ہوگا۔'' رتنا نے بے جان لہجے میں کہا۔ اس نے سوچا' وہ مہمان نہ ہوتی اسے قبول نہ کرتی۔

شیام نے بڑی نرمی سے اس کے نازک' سڈول اور خوب صورت ہاتھ کو تھام کر اس کی پشت پر بوسہ ثبت کر دیا۔

رتنا خواب کی سی حالت میں چلتی ہوئی جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔ ساجن ہاتھ میں خالی مگ تھامے خلا میں تک رہا تھا۔ شیام نے اس کے قریب آ کر اس کے ہاتھ

لے لیا اور پھر اسے دوبارہ بھرتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ سے رتنا کی طرف دیکھا۔ اس مسکراہٹ میں ساجن کے لیے تمسخر تھا اور یہ بات رتنا کو پسند نہ تھی۔

''مجھے ایک جام تجویز کرنے کی اجازت ہے۔'' شیام نے شگفتگی سے کہا۔ ''نمائش کی کامیابی کا جام......'' اتنا کہہ کر شیام نے دو خالی مگ میں بیئر انڈیل دی تو ان دونوں نے اپنے اپنے مگ میں اٹھالیے۔

پھر دونوں ڈنر سے فراغت پاتے ہی اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے۔ آرام دہ اور گداز بستر نے رتنا کو فوراً ہی آغوش میں لے لیا۔

☆☆

رتنا اور ساجن دونوں دوسرے دن اپنے اپنے کام میں جت گئے۔ جوشی ٹاٹا نے شیواجی پارک سے متصل میدان میں ایک لمبا چوڑا پنڈال لگالیا تھا۔ اس پر کارپوریشن نے اعتراضات کیے تھے۔ ٹاٹا فیملی کا وہ فرد تھا۔ جوشی ٹاٹا نے اپنے اثر و رسوخ سے راستہ ہموار کرلیا تھا۔ اس نے اپنے کرائے کے آدمیوں سے یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ اگر نمائش کی اجازت نہ دی گئی تو وہ ساری چیزیں یورپ اور امریکہ لے جائے گا اور وہاں اس کی نمائش کرے گا۔ اس طرح ہندوستان کے لوگ ان صدیوں پرانی تاریخی نوادرات ایک جھلک تک نہ دیکھ سکیں گے۔ اس کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ میڈیا نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ حکومت اس دباؤ سے نمائش کی اجازت دینے پر مجبور ہوگئی۔ وہ نمائش کے انتظامات میں لگ گیا۔ ساجن نے نوادرات کو احتیاط سے صندوقوں سے نکالنے کی ذمے داری سنبھال لی۔

جوشی ٹاٹا نے نمائش کا بڑی ترتیب' سلیقے اور ندرت سے اہتمام کیا تھا۔ پنڈال کے اندر اس نے سادھی کا سا ماحول بنانے کی کوشش کی تھی۔ بڑے بڑے پوسٹروں پر رنجیت کمار اور اس کے خاندان کے حالات کے علاوہ نوادرات کے کوائف بھی درج تھے۔ ساری چیزیں اس نے بڑی مناسب جگہوں پر رکھی تھیں۔ ٹھیک وسط میں رنجیت کمار کی مورتی کو ایک تابوت میں رکھا ہوا تھا۔ یہ تابوت اشارہ تھا۔ اس پر ڈھکن تھا۔ اس لیے کہ یہ مورتی خالص سونے کی تھی۔ رنجیت کمار کی کہانی پوسٹروں میں یوں درج تھی کہ وہ اور بے رمیش ہشتم کے جڑواں بیٹے تھے۔ جب دونوں نے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو وہ مختلف کردار کے مالک تھے۔ رنجیت ایک مذکر تھا۔ جو سچائی اور ابدیت کا متلاشی تھا۔ ایک سادھو کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے برعکس جے دنیاوی لذتوں کا قائل تھا اور جسمانی تلاذز کو متاع حیات سمجھتا تھا۔

رنجیت کو رعایا میں ایک مقام حاصل تھا۔ جے کو بھائی کے مقام اور اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے حسد ہونے لگا اور اس نے اپنے سازشی مشیروں اور ہم شب ساتھیوں کی مدد سے اس کے خلاف محاذ بنیاں' بوڑھے رمیش ہشتم نے اپنے وزیروں اور مخلص دوستوں کی رہنمائی اور مشورے سے خانہ جنگی سے بچنے کے لیے اپنے محبوب بیٹے کو بن باس کردیا۔ رنجیت اپنے گنے چنے وفادار ساتھیوں کے ہمراہ سنسان اور ویران علاقوں میں گھومتا پھرتا رہا۔ آخر چند مہینوں کے بعد ایک دور افتادہ بستی کے ایک سردار نے اسے پناہ دی۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس کے فلسفے اور کردار سے متاثر ہونے لگے اور اسے اپنا مہاراجا بنالیا۔ اس نے وطن واپسی کا تہیہ کرلیا۔ کیوں کہ وہاں کے حالات بڑے ابتر تھے۔ عورتوں کی عزت و آبرو خاک میں ملائی جا رہی تھی اور برائی اپنے عروج پر تھی۔ اس کی بھنک اس کے بھائی جے کے کانوں میں پڑی تو وہ اپنے بھائی کی جان لینے کے درپے ہوگیا۔ قاتلوں نے اس کا بایاں بازو کاٹ لیا جس کی انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں اور اسے وہ بطور نشان اس کے بھائی کے پاس لے گئے۔ اس کی لاش بے سروسامانی سے

دفن کر دی گئی لیکن اس کے باپ رمیش نے مرنے سے اس کی لاش منگوالی اور اسے ایک سمادھی میں جو شاہانہ تھی اس میں اس کی مورتی سونے کی بنوا کر دفن کر دی۔ اس کی چتا کی راکھ ہوا میں بکھیر دی۔

کیا چبوترے پر تابوت کو کھولو گے۔'' شیام نے سوال کیا جو بڑی تندہی سے ساجن اور رتنا کی ہر کام میں مدد کر رہا تھا۔

''کیوں نہیں ...... کیا دیکھو گے کہ یہ کیا ہو گا۔''

اس سے پہلے کہ تینوں میں سے کوئی کچھ کہتا جوشی ٹاٹا نے خنجر سے تابوت کے گرد لپٹا ہوا فیتہ کاٹا اور اس کا ڈھکن اٹھا دیا۔ رنجیت کی مورتی جو کسی ممی کی طرح اپنا دیدار کروانے کی منتظر تھی۔ شیام اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے ہٹ گیا۔ رتنا بھی اس کے ساتھ چل دی اور جاتے جاتے اس نے ساجن سے دریافت کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جا رہا ہے یا نہیں۔

''ابھی کچھ کام باقی ہے اسے نمٹا کر تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔'' ساجن نے جواب دیا۔

انہوں نے گھر پہنچ کر کچھ دیر تک ساجن کا انتظار کیا۔ چوں کہ ان دونوں کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی اس لیے کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ رتنا نے لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اپنے اٹیچی میں جوڑا تلاش کرتے سے اس کی نظر سونے کی دھات کی طرح اس گول ٹکڑے پر جو وہ سری لنکا سے ساتھ لائی تھی۔ یہ بے مایہ سا تحفہ نما نقش اس کے باپ نے کھدائی کے دوران ایک روز اسے دیا تھا۔ اس پر کسی قدیم سری لنکن زبان کے کچھ الفاظ کندہ جن کے بارے میں اس کے باپ نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے یہ چیز اس کے باپ نے کھدائی کے دوران کہیں پڑی پائی ہو گی یا پھر کسی مقامی باشندے سے خریدا ہو گا۔ سمادھی سے برآمد ہونے والے زیورات اور جواہرات کے مقابلے میں یہ گھسا ہوا نقش بے وقعت تھا لیکن اس کے باپ کی اس نشانی کو رتنا نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اب جو اس کی نظر اس پر پڑی تو باپ کی یاد اسے شدت سے تڑپا گئی اور اس نے نقش ایک پتلی زنجیر میں پڑ کر گلے میں ڈال لیا۔

جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھے تو شیام کی نظر اس نقش پر پڑی اور وہ بڑے غور سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے دیئے ہوئے لاکٹ کے سامنے ہیچ اور دو کوڑی کا دکھائی دیتا تھا۔

''کیا یہ نیا خریدا ہوا ہے۔'' شیام نے اس کی خوب صورت آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا لیکن اس کی نظروں کی گرفت بدستور نقش بھی تھا جس نے اس کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کر رکھا تھا۔

''بہت پرانا ہے۔'' رتنا نے اس کے تجسس سے متاثر ہو کر کہا۔ ''آج اس پر نظر پڑی تو اسے پہن لیا۔''

وہ سوچ رہی تھی کہ اسے شیام نے مزید نہیں کریدا لیکن اس کی نظریں رتنا کے چہرے کا طواف کرتی رہیں اور جیسے ہپناٹزم کے زیر اثر رتنا نے الف سے ے تک اپنی زندگی کے حالات اسے سنانا شروع کیے۔ وہ بڑے انہماک سے سنتا رہا۔ اس دوران میں ساجن کا تذکرہ آنا نا گزیر تھا۔

جب وہ اپنی رام کہانی سنا چکی تو شیام نے جیسے غیر ارادی طور پر سوال کر دیا۔ ''تو آپ نے ساجن سے شادی کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے کیا۔'' رتنا کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی...... بہر حال وہ ایک مخلص ساتھی ہے۔''

''تو پھر آگے بڑھنے سے پہلے خود کو اچھی طرح سے یقین دلا دو۔'' شیام نے کہا۔ ''زندگی کے ضیاع سے بڑا المیہ کوئی نہیں ہے...... اور تم جیسی ہستی کے لیے تو یہ دو گنا المیہ ہو گا...... ایک ایسا دکھ جسے تم سہہ نہ سکو گی۔''

''شیام......! آپ بہت پریشان کن باتیں

رہے ہیں۔'' رتنا نے صاف گوئی سے کہا۔

''رتنا.....! تم بہت حسین ہو رتنا.....! میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔'' وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔ وہ اس کے قریب آنے کا انتظار کرتی اور جب وہ قریب آتا تو مزاحمت نہ کرتی۔ دنیا سوئی کی طرح گھوم رہی تھی..... اور وہ اسے روکنا نہیں چاہتی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ اسے روکنا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

ساجن کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں اس طرح بھونچکے ہو گئے جیسے دو اداکار اپنا اپنا کردار ادا کرتے کرتے کسی اچانک مداخلت سے سب کچھ بھول گئے ہوں..... ساجن نے ان پر چنداں توجہ نہ دی۔

''معاف کرنا..... کچھ کام میں ایسا پھنسا کہ مجھے دیر ہو گئی۔'' ساجن نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''اگر آپ زیادہ تھک گئے ہو تو آپ کا کھانا کمرے میں بھجوا دوں۔'' شیام نے کہا۔

''نہیں..... میں کھا کر آیا ہوں.....'' ساجن نے جواب دیا۔

وہ جوشی ٹاٹا کے ساتھ کھانا زہر مار کر آیا تھا۔ پھر وہ محبت بھرے انداز سے رتنا کی طرف بڑھا تو وہ لاتعلقی سے جیسے ایک طرف لوٹ گئی۔ تھکاوٹ کے باوجود اسے رتنا کی یہ حرکت ناگوار گزری اور پہلی مرتبہ ایک شبہے نے اس کے دل میں سر اٹھایا..... شیام اور رتنا تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے تھے اور وہ اسی تیزی سے پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے رتنا کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے کسی مجرم کی طرح نگاہیں جھکا لیں۔ ساجن کا شک پکا ہو گیا۔ اس لمحے اس کی نظر رتنا کی ران میں پڑے ہوئے نقش پر پڑی۔

''یہ کیا ہے..... میں نے پہلے تو یہ کبھی نہیں دیکھا.....'' وہ رتنا پر جھکتے ہوئے بولا تو اس نے جلدی سے گلے سے اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ساجن پلکیں جھپکا جھپکا کر نقش کو دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس پر ابھری ہوئی لکیریں الفاظ ہیں یا ڈیزائن ہیں..... وہ کوئی زیور ہے یا کچھ اور.....

''یہ کیا اس نے دیا ہے.....'' ساجن نے شیام کی طرف اشارہ کیا۔

''میرے پتا جی نے دیا تھا.....'' رتنا نے جواب دیا۔ ''لیکن میں نے اسے آج پہنا ہے۔''

''کب دیا تھا.....'' ساجن نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

''جنم سے ایک دن قبل.....'' رتنا نے بتایا۔

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' ساجن ہڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''کھدائی سے ملنے والی تمام چیزوں کا اندراج کیا جاتا ہے..... لیکن مجھے یاد ہے کہ فہرست میں اس کا اندراج نہیں تھا۔ فہرست ہوتی تو معلوم ہو جاتا۔''

''ساجن!'' رتنا نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میرے باپ نے کھدائی کے دوران..... وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ تم میرے باپ پر چوری کا الزام لگانا چاہتے ہو۔

''میری بات سنو.....'' شیام ان کے درمیان آ گیا۔ ''یہ سادھی سے نکلا ہوا نہیں لگتا ہے۔'' اس نے نقش ساجن کے ہاتھ سے لے کر الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو رنجیت کمار سے بھی دو ہزار برس قبل پرانا لگتا ہے۔''

ساجن یہ سن کر بھنا گیا۔ وہ اس شخص کی لاف زنی سے تنگ آ چکا تھا۔ اب جب کہ وہ اپنی سرزمین پر تھا وہ شیام کی ساری پرائی کی باتوں کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اسے اس شخص سے نفرت ہوتی جا رہی تھی۔

''اس بات کا علم آپ کو کیوں کر ہوا.....'' ساجن کے لہجے میں تلخی سی تھی۔

''آپ کے کام میں میری دل چسپی شوقیہ

نہیں ہے۔'' شیام نے چوٹ کی۔

''آپ پہلی بار یہ انکشاف کر رہے ہیں۔'' ساجن نے بھی طنزیہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے تائید کی غرض سے رتنا کی طرف دیکھا' لیکن رتنا دوسری طرف متوجہ تھی۔

''میں ان موضوعات پر سرکھپانا نہیں چاہتا تھا جو آپ کے دائرہ کار میں زیادہ اور میرے کم ہیں۔'' شیام نے جس لہجے میں کہا وہ بڑا شائستہ اور مودبانہ تھا لیکن ساجن نے اسے اوپر طنز محسوس کیا۔ شیام نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطالعہ دراصل قدیم زبان کا ہے..... میں اب بھی یہی کہوں گا کہ یہ سمادھی سے ملا ہے۔'' ساجن نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

شیام کی آنکھوں سے سختی جھلکنے لگی تو ساجن دل میں خوش ہوا کہ اس نے بالآخر تند خو مزاج میزبان کو کھلی دشمنی پر آنے پر مجبور کر دیا ہے۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں مسٹر ساجن.....! یہ بہت پرانے زمانے کی چیز ہے۔'' اس نے لہجہ بدل کر کہا۔

''تفصیلی معائنہ کے بغیر سوائے آپ کے اور کوئی اتنے یقین اور اعتماد سے نہیں کہہ سکتا۔'' ساجن نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''تو پھر تفصیلی معائنہ تک اپنے فیصلے کو محفوظ کیوں نہیں رکھتے۔'' شیام نے چبھتا ہوا سوال کیا اور اس کا ہاتھ نقش کی طرف بڑھا جیسے اسے تھپیانا چاہتا ہو۔

ساجن نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر رتنا سے پوچھا۔ ''تمہاری اجازت ہے۔''

''کس بات کی.....'' وہ حیرت سے بولی۔

''صرف ایک ہی شخص جو ہر عہد کی پوری معلومات فراہم کر سکتا ہے اور وہ ہے سرگوپال..... میں ان سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''ابھی اور اسی وقت۔'' شیام نے بدستور شائستگی سے کہا۔ ''مسٹر ساجن! اس وقت بہت دیر ہوگئی ہے۔ ایسی جلدی کیا ہے۔ کل صبح دیکھ لیں۔''

''نہیں..... ابھی اور اسی وقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' ساجن نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''وہ اتنی جلدی سوتا نہیں ہے۔''

کمرے سے نکلتے وقت ساجن دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اس نے ان دونوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے اور وہ اس کی عدم موجودگی سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ ان کی پریشانی ان کا سکون اور اطمینان غارت کر دے گی۔

جیسا کہ اس کا خیال تھا..... گوپال ابھی تک جاگ رہا تھا بشرطیکہ اسے جاگنا سمجھا جائے۔ وہ لائبریری میں بیٹھا پی رہا تھا۔ اس کی صحت بہت گر گئی تھی۔ ساجن نے بغیر کسی تمہید کے بغیر نقش اس کے سامنے رکھ دیا اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ گوپال اسے نقش کے بارے میں کچھ بتانے کی بجائے اپنا دکھڑا رونے لگا۔

''میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے اس نقش کے بارے میں کچھ بتائیں۔'' ساجن نے اخلاق کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اسے شناخت کرلیں۔ اس کا تاریخی زمانہ اور اس کی اہمیت بتائیں۔''

گوپال نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نقش کو نظر جمع کر کے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اس نے کتابوں کے شیلف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہاں کوشش کر دیکھو..... تیسرے شیلف میں..... نہیں چوتھے میں بیرونی اور ایم ڈی برمن کی کتابیں دیکھو۔''

ساجن کتابیں کھنگالنے لگا۔ اس دوران میں گوپال نشے میں جوشی ٹاٹا' شنکر راؤ اور سری لنکن حکومت کو برا بھلا کہتا رہا جن کی وجہ سے نہ صرف اس کا مستقبل تباہ ہو گیا تھا بلکہ اس کی ساری زندگی کی جدوجہد خاک میں مل گئی تھی۔ کتابوں کی ورق

دانی سے ساجن کے کچھ پلے نہ پڑا۔ اس نے پھر گوپال سے التجا کی کہ وہ ہوش میں آئے اور اس کی مدد کرے۔ اس کے قابل رحم حالت دیکھ کر گوپال کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے نقش لینے کے لیے جان کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ میز پر رکھے ہوئے گلاس سے ٹکرا گیا اور گلاس ایک چھناکے سے فرش پر گر گیا۔

''اوہ..... تم بیڈ ھنگے شرابی بوڑھے۔'' ساجن کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تو گوپال دکھ اور حیرت سے اسے منہ کھولے دیکھنے لگا۔ ساجن کسمسا گیا۔ وہ اپنے مربی اور استاد سے معافی مانگنے ہی والا تھا کہ گوپال کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ڈھلک پڑے۔

''تو تم بھی اب میری کوئی عزت نہیں کرتے.....'' گوپال نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تو ساجن کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

''میں بے حد شرمندہ ہوں سر!'' ساجن نے بڑی ندامت سے کہا۔ ''میرے منہ سے یوں ہی نکل گیا تھا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔''

''شب بخیر۔'' گوپال اپنی طاقت جمع کر کے کرسی سے اٹھا۔ ''جب کام ختم کر لو گے تو باہر جانے کا راستہ تمہارا دیکھا بھالا ہے۔''

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔ ساجن دیر تک سناٹے میں رہا۔ اس کا دل ملامت کر رہا تھا۔ پھر اس نے میز پر رکھا ہوا محدب شیشہ اٹھایا اور اپنی سمجھ کے مطابق نقش کی پڑتال کرنے لگا۔

وہ سر جھکا کے اپنے کام میں منہمک تھا کہ اسے پشت پر قدموں کی ہلکی چاپ سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ وہ سر گھما کر دیکھتا..... اس کے سر پر ایک ضرب لگی اور وہ کرسی سمیت فرش پر لڑھک گیا۔

☆☆

نمائش کے افتتاح سے دس منٹ قبل شنکر راؤ پنڈال میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا جوشی ٹاٹا کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔ رتنا اور شیام ان سے قدرے فاصلے پر ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی باتوں کا انداز دیکھ کر رتنا نے شیام سے کہا کہ چل کر دیکھنا چاہیے کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان کے درمیان تناؤ سا پیدا ہو رہا ہے وہ اور شیام ان کے قریب پہنچ گئے۔

شنکر راؤ کہہ رہا تھا۔ ''ایک لاکھ چالیس ہزار برٹش پونڈ کی رقم کم نہیں ہوتی ہے مسٹر جوشی۔''

''یہ تو چوزوں کے لیے چارہ ہے! کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ ساری چیزیں جہاز پر لاد کر واپس چھوڑ آؤں۔'' جوشی ٹاٹا کے لہجے میں تمسخر تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''میری حکومت ٹرانسپورٹ کے تمام اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہے۔'' شنکر راؤ اصرار کر رہا تھا۔

''یہ تو اور بھی بچکانہ بات ہو گی.....'' جوشی ٹاٹا نے اس کا شانہ تھپ تھپایا۔ ''میں پورے ہندوستان میں اس کی پبلسٹی کرا چکا ہوں..... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے دیس کے لوگوں کو مایوس کروں..... تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ کتنی بے چینی سے اس کی نمائش کا انتظار کیا جا رہا ہے..... اس کے علاوہ امریکہ اور یوروپ میں بھی اس کی پبلسٹی ہو رہی ہے۔''

''میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ آپ میری حکومت کی پیش کش کو قبول کر لیں۔'' شنکر راؤ نے اضطراب سے کہا۔

''بہت خوب..... آپ کی حکومت کو اب ہوش آیا..... میں اس کی مد میں ایک معقول رقم کی ادائیگی کر چکا ہوں اور کیا چاہیے۔ جب تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو واپس نہیں آتا ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے کہا۔

''تو پھر تمام تر نتائج کی ذمے داری آپ پر ہو گی۔'' شنکر راؤ نے چیلنج دیتے ہوئے کہا تو جوشی ٹاٹا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف چلے جانے کو کہا۔

''بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ ایسے موقع پر ساجن

آنے کے بعد اسے بستر سے اٹھنے اور چلنے پھرنے سے منع کیا تھا لیکن مورتی کی چوری ہو جانے کی سنسنی خیز اور تحیر انگیز خبر سنتے ہی وہ رک نہ سکا۔ سر میں شدید درد اور کم زوری کے باوجود گھر سے نکل گیا تھا۔ راستے بھر اس کی حالت بڑی غیر رہی تھی۔

''مجھے مسٹر جوشی ٹاٹا سے بہت ضروری ملنا ہے۔'' اس نے پولیس والوں سے کہا۔ ''پلیز! مجھے اندر جانے سے نہ روکیں۔''

''اندر کوئی بھی نہیں ہے.....'' پولیس والے نے تیز لہجے میں کہا۔

''کیا..... مسٹر جوشی ٹاٹا اندر نہیں ہیں۔'' وہ حیرت سے بولا۔ ''مجھے کسی نے بتایا تھا کہ وہ پنڈال میں موجود ہیں۔'' مجبوراً پولیس والے کو اسے اندر جانے دیا۔ ساجن نے دیکھا کہ وہ چبوترے پر خالی تابوت کے پاس افسردہ بیٹھا تھا۔

''تو مورتی سچ مچ پراسرار طور پر غائب ہو چکی ہے۔'' اس نے جوشی ٹاٹا کے پاس آ کر کہا۔

''تم بستر سے کیوں اٹھے.....'' جوشی ٹاٹا نے اس کے چہرے کی زرد زرد رنگت دیکھ کر بولا۔

''میں جانتا ہوں یہ کیوں ہوا۔'' ساجن نے ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''کیا.....'' جوشی ٹاٹا حیرت سے اس کی بات کو سن کر اچھل پڑا۔

''میں نے نقش پر کندہ حروف کے معنی پا لیے ہیں اور رنجیت کمار کی طاقت کا راز بھی..... لیکن وہ حروف مجھ سے ہتھیا لیے گئے۔ نقش مجھ سے چھین لیا گیا۔'' ساجن نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

جوشی ٹاٹا ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اس نے محض دولت کمانے کے لیے یہ نمائش کرائی تھی۔ اس نے میڈیا کو مدعو کیا اور ان کی بڑی خاطر کی تھی تاکہ مفت کی پبلسٹی مل سکے۔ وہ محض ایک تماشا گر تھا جس کی ذہنی سطح موجودہ دور کے سوداگر کی سی تھی۔ اگر پسوؤں کے دام لگ سکتے تھے تو وہ ان کا بھی سرکس کھول کر بیٹھتا۔

''وہ مورتی اس لیے چرائی گئی ہے کہ خالص سونے کی بنی ہوئی تھی۔'' جوشی ٹاٹا نے کہا۔

''نہیں..... ہرگز یہ بات نہیں..... جس نے بھی چرائی ہے اس کا مقصد اسے دوبارہ زندہ کرنا ہو گا۔'' ساجن ہذیانی لہجے میں بولا۔

''تمہاری عقل ٹھکانے ہے ساجن!'' جوشی ٹاٹا نے بگڑ کر کہا۔ ''مورتی میں جان کیسے پڑ سکتی ہے۔ جو کوئی بھی اس میں جان ڈالے گا وہ بھگوان ہے۔''

''آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔'' ساجن تیز لہجے میں بولا۔

''اوہ..... تم فی الحقیقت بیمار ہو اس لیے ہذیان بک رہے ہو بالک.....! میں تمہارے لیے گاڑی منگواتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''کیا تم اس شریف اور بیمار آدمی کے لیے ٹیکسی منگوا دو گے۔'' جوشی ٹاٹا نے پولیس والے سے کہا اور اس کا بازو تھام کر اسے پنڈال سے باہر لے آیا۔

''اگر کوئی کسی سے انتقام لینا چاہے تو اس کے پاس مورتی کو ممی کی طرح دوبارہ کرنے کے سوا اور بہتر ہتھیار کیا ہو سکتا ہے۔'' ساجن کہتا رہا۔ ''مورتی..... کسی موومی ممی کی طرح انتقام لے گی۔ آپ یہ بات جان لیں۔''

''یقیناً اب چلو.....'' جوشی ٹاٹا نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس نے دل میں کہا۔ یہ احمق دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اس سائنسی دور میں یہ توہم پرستی..... ایک سونے کی مورتی میں کیسے جان پڑ سکتی ہے۔ چوں کہ سونے کی مورتی تھی اس لیے ایک سازش اور منصوبہ کے تحت اسے چرا لیا گیا ہے..... اس کی قیمت لاکھوں کی ہے پھر اس نے کہا۔ ''اصل بات کو چھپانے کے لیے ایک قدیم داستان پر الزام دینا کتنا بہتر طریقہ ہے..... اس بات کو چھوڑو۔ میں تم سے صبح اس موضوع پر بات کروں گا۔''

''آخر آپ میری سننا کیوں نہیں چاہتے ہیں۔ مسٹر جوشی! آپ میری پوری بات تو سن لیں۔''

''اس وقت نہیں..... میں یہ معلوم کرنا چاہ رہا ہوں کہ شنکر راؤ نے یہ حرکت کی کیسے.....'' جوشی ٹاٹا بولا۔

''شنکر راؤ.....'' ساجن کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

''وہی ہوسکتا ہے..... اسے ہونا چاہیے..... ایک ایسی بات کو عقل تسلیم کرتی ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے مشکوک لہجے میں کہا۔ آپ ہوتے تو اس کے چہرے اور آنکھوں سے اندازہ لگا لیتے کہ.....''

''کیا وہ آج یہاں تھا.....''

''ہاں..... مجھ سے مت پوچھو کہ اس نے یہ کیسے کیا..... البتہ پولیس نے اس کا پتا نوٹ کرلیا ہے۔ اگر ایک مرتبہ کسی نہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے یہ کام کیسے کیا۔ تو اسے منہ کے بل گرانا کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔''

پولیس والا جا کر ٹیکسی لے آیا تھا۔ ساجن نے سوار ہونے سے پہلے ایک اجنبی کو دیکھا۔ جوشی ٹاٹا نے کہا۔ ''تم کون ہو..... میں نہیں جانتا تم کون ہو..... یہاں کیسے آئے۔'' اس کا پارہ چڑھ گیا۔

وہ جسم دروازے کی چوکھٹ سے نکل کر آگے بڑھا اور سڑک کی مدھم روشنی اس پر پڑی تو جوشی ٹاٹا نے دیکھا کہ اس پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں..... ایک اسے احساس ہوا کہ یہ تو رنجیت کمار کی مورتی ہے..... جوشی ٹاٹا کو اب یقین نہیں آیا۔ وہ یہ سمجھا کہ کوئی مسخرہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ وہ کھوکھلا قہقہہ لگا کر بولا۔

''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس قسم کا بے ہودہ مذاق پسند.....''

اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ پٹیوں میں لپٹے ہوئے دو بازوؤں نے اسے کمر سے پکڑ کر اس طرح اوپر اٹھا لیا جیسے وہ کوئی پلاسٹک کا گڈا ہو.....

اب جوشی ٹاٹا کے نزدیک شک و شبہ والی بات نہ رہی کہ یہ رنجیت کمار کی مورتی ہے۔

مورتی نے اسے ہاتھوں پر گھمانا شروع کر دیا تو اس کی نظروں کے سامنے زمین آسمان گھومنے لگے۔ سوال، دروازہ..... پنڈال اور در و دیوار..... سڑک سب گردش میں تھے۔ پھر مورتی نے اسے فضا میں بہت بلند اچھال کر ایک سمت پھینک دیا۔ وہ فضا میں اڑتا چلا گیا..... لڑھکتا گیا پتنگ کی طرح..... پارک میں جو سوئمنگ پول تھا اس کے پتھر سے ٹکرایا اور بلے پر لگنے والی گیند کی طرح پلٹ کر سمندر میں جا گرا۔ اس کے منہ سے سسکی بھی نہ نکل سکی۔ وہ پانی کی تہہ میں چلا گیا۔

☆☆

''یہاں ایک پڑوسی ملک کا سیاح ٹھہرا ہوا ہے۔'' ساجن نے کہا۔

دروازہ کھولنے والے کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ اس نے ساجن کے چہرے اور سراپا پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

''تم یہ پوچھنے والے کون..... کیا ہم نے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔''

ساجن نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو اس میں نوٹ دبے ہوئے تھے۔ وہ انہیں اس کی نظروں کے سامنے لہرانے لگا۔ اس شخص کے عقب سے ایک عورت کا چہرہ ابھرا۔ وہ ساجن کے ہاتھوں میں نوٹ دیکھ کر اسے پیچھے ہٹا کر آگے آ گئی۔

''کیا آپ کسی سری لنکن شہری کو پوچھ رہے ہیں۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''تین چار باشندے مقیم ہیں۔''

''جی ہاں۔'' ساجن نے اثبات میں سر ہلایا اور شنکر راؤ کا حلیہ بتایا۔

''میں بتاتی ہوں.....'' اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو ساجن نے اس کے ہاتھ پر نوٹ رکھ دیے۔ ''وہ پہلی منزل پر سب سے آخر والے کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اسے دو دن سے اس

کمرے میں آتے جاتے دیکھ رہی ہوں۔''

''شکریہ۔'' ساجن نے اس کا شکریہ بڑے مہذبانہ انداز سے کیا۔

پھر وہ زینے کی طرف بڑھا جو قدرے تنگ تھا پیچھے سے اسے مرد اور عورت کی پیسوں پر لڑنے کی آواز آتی رہی۔ وہ پہلی منزل پر تنگ زینہ طے کر آیا اور آخری کمرے کی طرف بڑھا جو کونے میں تھا۔ پھر اس نے زینی پر تین مرتبہ وقفے وقفے سے دستک دی تو کوئی جواب نہ آیا۔ چوتھی مرتبہ دستک دیتے ہوئے وہ زور سے بولا۔ ''شنکر راؤ.....! دروازہ کھولو۔ میں ساجن ہوں۔''

پھر بھی کوئی جواب نہ ملا تو وہ دروازے کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس خستہ بلڈنگ کی طرح دروازے کا ہینڈل بھی گھسا اور زنگ آلود تھا۔ پہلے تو ساجن نے دروازے سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی شاید کوئی آہٹ سنائی دے۔ جب اسے زندگی کے آثار نظر نہ آئے تو اس نے زور لگا کر ہینڈل کو گھمایا۔ تھوڑی سی کوشش سے وہ اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ پھر وہ کمرے کا دروازہ کھلتے ہی اندر گھس گیا۔

☆☆

کمرا نہ صرف خالی تھا بلکہ تاریکی کی آغوش میں تھا۔ اس نے ماچس کی تیلی جلائی تو میز پر اسے گیس لیمپ نظر آیا۔ اس نے گیس لیمپ جلا دیا۔ اس کی روشنی میں کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ شنکر راؤ اپنے ساتھ بہت مختصر سامان لایا تھا۔ اس کے سوٹ کیس میں صرف تین جوڑے تھے اور اس کا ایک جوڑا وارڈ روب سے لٹک رہا تھا۔ بہت تھوڑا سا پرانا اور عامیانہ فرنیچر تھا جس میں کوئی چیز چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ ساجن بستر پر جھکا ہوا بستر پر بچھی ہوئی دری الٹ رہا تھا کہ اسے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شنکر راؤ ایک لمبے پھل کا کھلا چاقو لیے کھڑا تھا۔

''مسٹر ساجن.....! تمہیں جس چیز کی تلاش تھی کیا وہ مل گئی.....'' شنکر راؤ نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

ساجن سیدھا کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے سوالیہ نظروں سے شنکر راؤ کو دیکھا۔ ''کہاں ہے وہ۔''

شنکر راؤ چاقو لہراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ''بتاتا ہوں..... لیکن پتا تو چلے کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔''

''تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔'' ساجن نے جواب دیا۔ ''نقش کی۔''

اچانک شنکر راؤ نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اسے سینے میں دباتے ہوئے بولا۔ ''تو..... وہ موجود ہے۔''

''اسے تم نے مجھ سے چرایا ہے..... مجھے زخمی اور بے ہوش کر کے۔'' ساجن نے کہا۔

شنکر راؤ اسے چند ثانیوں تک اوپر سے نیچے تک گھورتا رہا۔ پھر اس نے چاقو اچھال کر ایک طرف پھینکا اور دروازہ بند کر آیا۔

''میں اور تم اسی ایک چیز کی بات کر رہے ہیں نا.....'' شنکر راؤ کہنے لگا۔ ''رنجیت کمار کا مقدس نقش..... جس پر اس کا بھائی..... جے..... قبضہ نہ کر سکا تھا۔ جے جس کے کرائے کے قاتلوں نے رنجیت کمار کا کام تمام کر دیا اور اس کے قتل ہونے کا ثبوت لائے تھے۔ لیکن انہیں رنجیت کی سب سے بڑی ملکیت کا کوئی علم نہ تھا۔''

''جیسا کہ مجھے شبہ تھا کہ تم اس نقش کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔'' ساجن نے کہا۔ ''تمہیں شروع ہی سے اس کے بارے میں اچھی طرح علم تھا..... اور جب ہی اس کی حقیقت کے قریب پہنچا تو تم.....''

''تم احمق ہو.....'' شنکر راؤ نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر میں مردوں اور مورتیوں کو زندہ کر سکتا اور ان میں کسی کی آتما سے جان ڈالنے کے علم سے واقف ہوتا تو کیا اس طرح احمقانہ طریقے استعمال

نا۔'' ساجن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی بات کے جواب میں کیا کہے..... واقعات کی ان کڑیوں کو مدنظر ساجن نے کہا۔

''جوشی نے بتایا ہے کہ تمہارے پاس شنکر راؤ کا پتا ہے۔ میں فوراً جا کر اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میرا پتا.....'' شنکر راؤ نے کہا۔ ''کیسے ملا تھا۔''

''پولیس والوں کے پاس تمہارا پتا تھا..... کیوں کہ جو لوگ جوشی کے جہاز میں نوادرات لے کر آئے تھے اور سری لنکا سے تعلق تھا امیگریشن کے محکمے نے ان کے پاسپورٹ اور ممبئی میں قیام کے پتے نوٹ کیے ہوئے ہیں۔ میں اس سے پتا لے کر یہاں آیا..... تم نقش سے لاعلمی ظاہر کر رہے ہو..... کیا تم حملہ آور نہیں تھے۔''

''نہیں.....'' شنکر راؤ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ایک غوطہ خور نے اسے یعنی جوشی ٹاٹا کو سوئمنگ پل سے نکال لیا تھا۔ وہ جلد ہی ہوش میں آ گیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر بعد بھیگے ہوئے کپڑوں کی حالت میں پنڈال کی طرف بڑھ گیا۔ چوں کہ اس کے سر پر چوٹ نہیں آئی تھی اس لیے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کل وہ پولیس ہیڈ کوارٹر جا کر پراسرار طور پر غائب ہونے اور پھر نمودار ہو کر اسے سوئمنگ پل میں پھینکنے والی مورتی کا سراغ لگانے کے لیے کہے گا۔ اس کا یہ خیال تھا کہ یہ کسی آدمی کی حرکت تھی جس نے مورتی کا بہروپ بھرا ہوا تھا۔ اسے بے ہوش کر کے سوئمنگ پل میں پھینک دیا تھا۔

جب وہ پنڈال کے دروازے پر آیا تو ایک سپاہی نے پوچھا۔ ''سر! آپ کیسے ہیں..... کیا گاڑی چاہیے۔''

''نہیں..... شکریہ..... ڈرائیور سے کہو وہ گاڑی لے جائے..... میں پیدل آ جاؤں گا۔'' جوشی نے جواب دیا۔

جوشی نے سوچا..... سنسان اور ویران سڑکوں پر سبک خرامی اس کی طبیعت کو بحال کر سکتی ہے۔ سکون کے لیے دماغ کا ٹھنڈا ہونا ضروری تھا۔ پھر وہ یہ فیصلہ کر کے پیدل چل پڑا۔

سڑک پر جو نیم اندھیرا سا تھا وہ گھروں کی دیواروں سے لپٹ رہا تھا۔ بجلی کے کھمبوں کے بلبوں کی روشنی نیم مردہ سی تھی۔ کہیں قریب جو گرجا تھا اس کے گھڑیال نے وقت بتایا۔ پھر اس کی آواز خاموشی میں ڈوب گئی۔

ایک عورت اپنے گھر کے دروازے سے نکل کر اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔ ''کیا بہت جلدی میں ہو۔''

''کیا مجھ سے کوئی کام ہے۔'' جوشی ٹاٹا نے سوال کیا۔

''میں نے تمہیں دیکھ کر سوچا شاید تم کسی ایسی عورت کو تلاش کر رہے ہو جو تمہاری سیوا کر سکے۔'' وہ بولی۔

''شکریہ..... مجھے کسی عورت اور اس کی سیوا کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

کوئی دس منٹ تک چلنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ راستہ بھٹک گیا ہے۔ اس کا دفتر دہلی' کولکتہ اور ممبئی میں ہے لیکن اس کا مرکزی دفتر دہلی میں تھا۔ وہ ممبئی کسی کام سے ہی آتا تھا۔ لیکن پھر وہ اس شہر سے خوب واقف تھا۔ مورتی کا تصور اس کے ذہن میں اس قدر چھایا ہوا تھا کہ اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کس سمت جا رہا ہے۔ اس نے سوچا۔ موتی مل گئی تو اس کی پبلسٹی اور زیادہ ہو گی۔ ہجوم اس پراسرار واقعہ کی وجہ سے نمائش پر ٹوٹ پڑے گا۔

اسے پولیس یا کسی کی بھی مدد سے مورتی کو ڈھونڈ نکالنا ہو گا۔ اس کے بغیر نمائش خاک ہو گی۔ اگر وہ مل گئی تو۔ اس نے قدم آگے بڑھایا۔ سڑک کا کہیں نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس نے سڑک پار کی اور ایک محرابی دروازے کے پاس جا نکلا جو شاید کسی

طویلے کا احاطہ تھا لیکن اچانک اس کے کانوں میں پانی بہنے کی آواز آئی۔ پھر کسی جہاز کا بھونپو بجا وہ ٹھٹک گیا۔ اسے احساس ہی نہ ہو سکا تھا وہ بے دھیانی میں لمبا فاصلہ طے کر کے ادھر آ نکلا ہے۔

ایک اور محرابی دروازہ ملگجے اندھیرے میں ڈھکا ہوا اس کا منتظر تھا..... دھندلاہٹ میں اس کا حجم بڑے بیڈھنگے پن سے گھٹتا بڑھتا دکھائی دیتا تھا۔ پھر دروازے کی چوکھٹ کے بیچ ایک ہیولا سا دکھائی دینے لگا۔

جوشی ٹاٹا نے قریب ہوتے ہوئے دیکھا کہ وہ پراسرار ہیولا نہیں تھا اور نہ ہی اندھیرے میں تحلیل ہوا تھا۔ وہ جامد نظر آتا تھا۔ اسے کوئی انسانی جسم معلوم دیا..... منجمد..... ساکن سا کھڑا جیسے اس کا انتظار کر رہا ہو۔

اس نے خوف زدہ سے لہجے میں کہا۔ ''میں راستہ بھول گیا ہوں..... یہ کون سی جگہ ہے۔''

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ پس منظر جانے بغیر اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ شنکر راؤ ہے یا کوئی اور..... دوسرے لمحے اور قریب ہونے پر اس نے دیکھا۔ وہ شنکر راؤ ہے۔ پھر اس نے اچانک سوال کیا۔

''کیا تم میرے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر تک چلنا پسند کرو گے۔''

''کیوں نہیں.....'' شنکر راؤ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں اپنے آپ کو قانونی کاروائیوں اور تباہی سے بچانے کے لیے پولیس اور آپ سے تعاون کروں گا۔''

دروازے پر پہنچ کر وہ یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس سارے اسرار کے پس پشت کس کا ہاتھ ہے۔''

''میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ پراسرار طاقتیں کام کر رہی ہیں۔'' شنکر راؤ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جنہیں آج کے اعلیٰ ترین سائنسی دماغ بھی زیر نہیں کر سکتے اور سائنس ان کے سامنے بے بس ہے۔''

☆☆

گوپال نے الماری سے وہسکی کی بوتل نکالی اور گلاس لینے کے لیے میز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر اس نے بوتل وہیں رکھ دی اور گلاس پرے رکھ دیا۔ اس وقت اس کے ذہن بالکل صاف ہونا چاہیے تھا۔ اسے بہت سارا کام انجام دینا تھا۔ اسے اس لمحے شروع کر دینا تھا جب ساجن اس سے ملنے آیا تھا اور اس نے اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا۔ وہ نوجوان صحیح سمت میں جا رہا تھا اور اب یہ متحرک آدمی کا کام تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلے خواہ کہیں پہنچ جائے۔

ساجن نے سر پر چوٹ کھاتے ہوئے میز پر چند کاغذات چھوڑے تھے۔ گوپال ان پر جھک کر ان کا مطالعہ کرنے لگا۔ ساجن نے جو پوائنٹ لکھے تھے وہ انہیں ایک دوسرے سے مربوط کر کے ان کا مطلب نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک جملہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ زندگی کے مقدس الفاظ..... وہ بڑی گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ پھر اسے وہسکی کی طلب کی شدت ستانے لگی تھی۔ لیکن اسے اس ترغیب کو دبانا تھا۔ وہ اپنے مخالفوں کو دکھانا چاہتا تھا وہ نہ صرف ہندوستان کے قدیم اسراروں بلکہ مصر سے لے کر افریقہ تک کے اسراروں کو سمجھ سکتا ہے..... وہ شاید دنیا میں ایک ایسا شخص ہے کہ ماضی کی ہر گتھی کو سلجھا سکتا تھا۔

وہ ساجن کے دیے اشاروں پر مبنی اپنا تجزیہ لکھنے میں منہمک تھا کہ دریچے کے شیشے ٹوٹنے کی آواز سے کمرا گونج اٹھا اور اس نے سر گھما کر دیکھا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دریچے کا چوکھٹ ٹوٹ چکا تھا اور مورتی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ میز کی اوپر کی دراز میں اس کا ریوالور رکھا تھا۔ اس نے اسے نکالا اور مورتی پر گولی چلا دی۔ پھر دوسری..... پھر تیسری..... مورتی لحہ بھر کو رکی..... وہ ممی کی طرح لگ رہی تھی۔ ریوالور کی تینوں گولیاں مورتی کے

م لے آر پار ہوئی تھیں۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اس کی طرف بڑھی اور اس نے گوپال کو ہاتھوں پر اٹھالیا تو گوپال کے منہ سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔

پھر مورتی نے میز پر غصے سے اسے اس طرح مارا جیسے پیپر ویٹ مارا ہو...... گوپال نے ایک چیخ ماری پھر دوسرے لمحے مورتی نے اس کے گلے کو گرفت میں لے لیا۔ پھر وہ اس کا گلا بڑی بے رحمی اور سفاکی سے دبانے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں باہر آنے لگیں۔ آخری بات جو اس نے دیکھی وہ یہ تھی کہ مورتی نے میز پر رکھی ہوئی چینی کی مٹی کی بل اٹھائی۔ گوپال کے ماتھے پر اس کی تین شدید ضربیں لگیں۔ تیسری ضرب پر وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

☆☆

شیام کے زانو پر ایک کتاب رکھی تھی اور وہ اس کے اشعار بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔ گاہے گاہے وہ رتنا پر بھی نگاہ ڈال لیتا تھا جو آنکھیں بند کئے ہوئے آرام دہ کرسی پر بیٹھی ہوئی اشعار کی موسیقیت اور شیام کی مترنم آواز سے بھی مسحور ہو رہی تھی۔ یہ رومانی اشعار تھے۔ وہ انہیں اس لیے پڑھ رہا تھا کہ اس کے پس پشت اظہار محبت اور ساجن سے دور کرنا تھا۔ وہ کوئی بچی نہ تھی جو وہ یہ نہ کہتی کہ شیام جو رومان اشعار سنا رہا ہے اس میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ اس نے ایک مصرعہ بار بار اور ایک ایک لفظ پر زور دے کر سنایا۔ ''میں تمہیں مرنے کے بعد بہتر طور پر پیار کروں گا۔''

''بہتر طور پر......'' وہ زیر لب بولا۔ ''موت کے بعد۔''

رتنا اس میں تمسخرانہ گرہ لگانا چاہتی تھی لیکن خاموش رہی کیوں کہ اب مذاق کا وقت نہیں رہا تھا۔ شیام بے حد سنجیدہ بھی تھا اور بے جوڑ سچائی کا وقت تھا۔

''مجھے ممبئی سے جانا پڑ رہا ہے۔'' شیام اچانک بول پڑا۔

''نہیں...... نہیں۔'' رتنا کے منہ سے احتجاجی سی آواز نکلی۔

''جب تک نمائش ہے...... میں تمہارے اور ساجن کے رہنے کا بندوبست کر جاؤں گا۔''

''کیا ہم تمہارے بغیر یہاں رہیں گے۔''

رتنا نے اپنی لانبی لانبی پلکیں جھکائیں۔

''یہاں میری غیر موجودگی میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کسی بات کی کمی اور ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔'' شیام بولا۔

''وہ تو ٹھیک ہے شیام!'' وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ ''لیکن میں تمہاری جدائی کیسے برداشت کروں گی۔''

شیام کتاب میز پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پاس آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ رتنا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تو شیام نے اسے شانوں سے تھام کر اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''رتنا!'' اس نے رتنا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم میری جدائی برداشت نہیں کر سکتی ہو تو میرے ساتھ چلو...... یہ میری خواہش ہے کہ تمہیں بھی ساتھ لے چلوں...... کیا میں یہ بات کہنے کی ہمت کر سکتا ہوں۔''

رتنا نے یہ نہیں پوچھا کہ کہاں اور کتنے عرصے کے لیے جانا ہے۔ کب واپسی ہوگی۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ ''کب۔''

''کل صبح سویرے......'' شیام نے جواب دیا۔ ''میں روانگی کا پروگرام بنا چکا ہوں۔''

''ہم ساجن کو کیسے بتائیں گے۔ کس طرح سے۔'' رتنا کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

رتنا اس بات کی پابند نہ تھی کہ...... وہ شیام اور ساجن کو اپنے حال اور مستقبل کے متعلق اچھی اپنے اعتماد میں لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی...... اس بات کا فیصلہ اس کی

ذہنی کش مکش کے بغیر ہی پوری گہرائی سے ہو چکا تھا وہ ساجن کے لیے نہیں ہے..... اب صرف ایک سوال یہ رہ گیا تھا کہ ساجن کو باخبر کرنے کے لیے ایسا کون سا طریقہ..... حیلہ بہانہ اور سب سے نرم اور مناسب سا جملہ رہ گیا تھا جو دل آزاری کا سبب نہ بنے..... سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

''شاید یہ تم نہیں چاہتی ہو کہ اسے بیماری کی حالت میں یہ خبر سنا کر پریشان کرو اور بدمزگی پیدا ہو جائے۔''

''ہاں..... یہی بات ہے۔'' رتنا نے سر ہلایا۔ ''میں یہ بات اس کے روبرو کہنے کی ہمت نہیں پاؤں گی۔''

''اس کے لیے ایک سیدھا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک تحریر چھوڑ جاؤ۔'' شیام کے لہجے میں سرگوشی اور تحکمانہ انداز بھی تھا۔

رتنا کو یوں محسوس ہوا کہ اس کی زندگی اس کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔ اسے اپنی کسی بات پر اختیار نہیں رہا ہے۔ شیام کے لہجے اور انداز گفتگو میں مستقلاً کا حکم تھا۔ پھر اسے اچانک دوسرا خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ وہ شیام کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتی ہے کہ اس کی دولت کیا ہے..... وسائل کیا ہیں..... اس کی آمدنی کا ایسا کون سا ذریعہ ہے جس سے وہ ایک شاہانہ زندگی بسر کر رہا ہے اور اس میں خودنمائی اور تکبر بھی ہے۔ وہ اپنی دولت کے زعم میں دوسروں کو اطاعت کرنے اور حکم چلاتے رہنے پر اپنے آپ کو عادی کر رکھا ہے۔

وہ غیر محسوس انداز سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر وہ ساجن کو الوداعی خط لکھنے بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے دیوار میں جو آئینہ نصب تھا اس میں اسے اپنا چہرہ نظر آیا تو تب اس کے دل کے کسی کونے میں شیام کے خلاف نفرت کی لہر اٹھی لیکن فوراً ہی معدوم بھی ہو گئی۔ شدید خواہش غالب ہو گئی کہ کب خط اختتام کو پہنچے اور وہ اس کے پاس جائے۔ خط کی آخری سطر اس نے بلند آواز سے پڑھی جیسے اپنے کسی جذبے کو سنا رہی ہو۔ ''کیا مجھے معاف کر دو گے۔''

جوں ہی اس کی زبان نے یہ آخری جملہ ادا کیا اس کے ساتھ ہی دھماکہ کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کوئی دو آدمی آپس میں کشتی لڑ رہے ہوں اور ایک دوسرے پر چیزیں پھینک رہے ہوں۔

رتنا فوراً ہی اٹھ کر کمرے سے نکلی اور زینے کے سرے پر جا کھڑی ہوئی اور اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی۔ نیچے ہال میں شیام اور مورتی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ مورتی کے جسم پر لپٹی ہوئی پٹیاں جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ گوشت پوست کی سی تھی۔ ایک ممی کی طرح..... اس کی انگلیاں شیام کے گلے پر تھیں اور شیام اس پر دیوانہ وار مکے برسا رہا تھا۔

رتنا کی بھیانک چیخ سن کر مورتی نے سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا اور ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ شیام اس کی گرفت سے نکل گیا تو مورتی نے اسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ فرش پر آ رہا۔ مورتی اسے پیروں سے کچلتی ہوئی زینے کی طرف بڑھی۔

اس نے زینے پر پہلا قدم رکھا تو رتنا سہم کر پیچھے ہٹی اور دیوار سے جا لگی۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے لگا کہ اس کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئی ہوں۔ اگر وہ خود کو کسی نہ کسی طرح کمرے میں جا کر بند بھی کر لیتی تو مورتی دروازہ توڑ دیتی۔ مکان سے نکلنے کے لیے کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ تھا تو اس کے علم میں نہیں تھا۔ اس کی ساری قوت ارادی اور طاقت دم توڑ گئی تھی۔ کیوں کہ مورتی اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اس کا سر چکرایا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ مورتی کی گرم گرم سانسیں جو انسانی سانسوں کی طرح تھیں اس کے چہرے کو جھلسانے لگیں لیکن ان میں ایک عجیب سی اور ناقابل یقین سی بات جو اس نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ ایک عجیب طرح کی فرحت سی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے درد کی

ہا ں گرم چیز یا پانی کی تھیلی سے سکائی کرنے سے ہوتی اور آرام ہوتی سے ہوتی ہے۔

اچانک نیچے سے شیام ہذیانی لہجے میں چیخنے لگا۔ ''شوم ...... دھوم ...... را...... راگھون ...... شوتم۔''

مورتی کے بڑھتے ہوئے قدم یک لخت رک گئے۔ جیسے ان الفاظ نے اسے روک دیا ہو۔

شیام لپک کر زینے پر چڑھ گیا۔ وہ پھر سابقہ لہجے میں چیخا۔ ''اوم ...... اوم ...... اشن ...... بھوسم۔''

رتنا نے پیچھے ہٹ کر کہیں چھپنے کی کوشش کی کیوں کہ فرار کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ اب صرف اپنے آپ کو کہیں چھپایا ہی جا سکتا تھا۔ اس کی اپنی جگہ سے جنبش مورتی نے دیکھ لی اور پکڑنے کے لیے برقی سرعت سے لپکی۔ رتنا دیوار کے سہارے کھڑے کھڑے پھسلتی ہوئی فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ زور زور سے سسکیاں لے رہی تھی اور اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اب وہ موت کے شکنجے سے نکل نہیں سکتی۔ اس کے سامنے موت کھڑی نہیں رہی تھی۔

مورتی یک لخت اس پر جھک گئی۔ رتنا کو یقین نہ آیا۔ وہ دیوی بن گئی تھی۔ جیسے مہربان ہوگئی تھی۔ اس کی دہشت پر حیرت غالب آ گئی ...... ہوا یہ تھا کہ مورتی جب اس پر جھکی تو وہ سمجھا کہ اس کا گلا گھونٹ گھونٹنے والا ہے۔ پھر اس نے رتنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما تو اس میں نہ صرف ملائمت تھی بلکہ معذرت کا سا انداز تھا اور آنکھوں میں محبت بھری تھی ...... چہرے پر درندگی تھی اور نہ سفاکی۔ رتنا کی سسکیاں تھم گئیں۔ وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

مورتی کی سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔ اب بھی سابقہ کیفیت برقرار تھی۔ شیام نیچے کھڑا کسی اجنبی نامانوس زبان میں چلا رہا تھا۔ مورتی پلٹی اور زینے پر اترنے لگی اور اس کی جسامت کے عقب میں شیام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ اس وقت نظر آیا جب مورتی کا ایک ہاتھ اس پر پڑا اور لڑھکتا ہوا دور جا گرا۔

اس وقت ایک شور بلند ہوا اور دروازہ زور زور سے پیٹنے ...... گھنٹی مسلسل بجنے اور لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آئیں ...... مورتی تیزی سے دریچے کی طرف بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہوگئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہال لوگوں سے بھر گیا اور ایک آدمی تیزی سے مہکتا زینے پر چڑھ کر اس کے قریب آیا۔ رتنا ساکت و جامد بت بنی دھندلائی دھندلائی نظروں سے سب دیکھتی رہی۔

''جانی ......! جانی ......! کیا ہوا۔'' کسی کی حیرت اور خوفزدہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

رتنا نے چونک کر دیکھا۔ آواز مانوس تھی۔ اس میں اپنائیت بھی بھری تھی۔ یہ ساجن تھا...... رتنا کو افسوس ہوا کہ یہ ساجن کیوں تھا...... کس لیے اس وقت یہاں آیا تھا۔ اسے آنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

''شیام کیسا ہے...... شیام۔'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''آپ ٹھیک ہیں سر!'' نیچے سے ایک بھاری آواز نے پوچھا۔

''شیام...... شیام۔'' رتنا نے اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔

''آپ کسی بات کی چنتا نہ کریں...... یہ ٹھیک ہیں مس!'' اسی بھاری آواز نے اسے دلاسا دیا۔

''او بھگوان...... تیری بڑی دیا ہے۔'' رتنا گہری سانس لے کر بولی اور ساجن کے سہارے زینہ طے کر کے ہال میں آ گئی۔

''آپ نے مجھے پہچانا مس...... میں انسپکٹر وشوانا تھ......'' بھاری آواز والے انسپکٹر نے کہا۔

''جی ہاں......'' رتنا نے رسمی انداز میں سر ہلا دیا۔ ''نمسکار۔''

''مس!'' انسپکٹر وشوانا تھ نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ ''کیا آپ مجھے بتائیں گی کہ کیا ہوا تھا۔''

''مورتی.....'' رتنا صرف رتنا ہی کہہ سکتی مورتی کے تصور نے اس کی زبان گنگ کر دی اور پھر موتی کی بھاپ جیسی عجیب اور فرحت بخش سانسیں.....اور پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا۔ ملائمت اور معذرت سے..... محبت بھری نظروں سے دیکھنا..... وہ یہ سب کبھی بھول نہیں سکتی تھی۔ ساجن نے اس کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔

''کیا.....کیا وہ یہاں آئی تھی.....'' یہ سوال شنکر راؤ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ رتنا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر سوچا..... یہ یہاں کیا لینے آیا ہے۔

''ہاں..... وہ یہاں آئی تھی۔'' رتنا اٹک اٹک کر بولی۔ ''مورتی زندہ ہو کر ممی کی طرح بن گئی ہے۔''

''کیا آپ نے اسے واقعی دیکھا.....'' انسپکٹر نے سوال کیا۔ ''کہیں یہ آپ کا واہمہ تو نہیں.....''

''جی ہاں..... دیکھا یہ حقیقت ہے میں نے اسے دیکھا۔ یہ واہمہ قطعی نہیں ہے۔'' رتنا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''اس نے مسٹر شیام پر حملہ بھی کیا تھا۔''

''کیا.....اس نے شیام پر حملہ کیا تھا.....'' ساجن نے جس لہجے میں یہ سوال کیا تھا اس سے رتنا نے اندازہ کیا کہ اس مورتی کے زندہ ہو جانے سے ساجن کو رتنا اچنبھا نہیں جتنا شیام پر اس کے حملہ کرنے سے..... اس نے اور شنکر راؤ نے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا۔ رتنا نے یہ دیکھ لیا تھا۔

''لیکن اس نے ایسا کیوں کیا.....'' ساجن نے انسپکٹر سے کہا۔ ''انسپکٹر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوتھیوری ہم نے آپ کو پیش کی وہ غلط ثابت ہوئی۔ میں حیران ہوں۔ ایسا ہوا کیوں۔''

''قدیموں کے ساتھ یہی مصیبت ہے۔'' انسپکٹر نے فکرمند لہجے میں کہا۔ ''وہ غلط بھی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق وثوق سے کہا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ موسم کی طرح بدلتی رہتی ہیں۔''

ہال کا بغلی دروازہ کھلا اور شیام کا ملازم جونت سراسیمہ اندر داخل ہوا۔ اس نے سب انسپکٹر اور دو سپاہیوں کی درد سے شیام کو اٹھایا اور اس کی خواب گاہ میں لے جا کر بستر پر لٹا دیا۔

''دیکھیے.....'' ساجن انسپکٹر سے مخاطب ہوا۔ ''کیا آپ ہمیں اپنی بات سچ ثابت کرنے کا ایک اور موقع دیں گے۔

''ایک پیشہ ور سراغ رساں کے مقابلے میں شوقیہ سراغ رسانی کرنے والے کو یہی تو ایک فائدہ رہتا ہے۔'' انسپکٹر مسکرا دیا..... دوسرا موقع..... اس کے لیے اجازت کی کیا ضرورت ہے۔''

ان کی گفتگو رتنا کے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔ مبہم اور غیر واضح تھی۔ فلسفہ بگھارا جا رہا تھا۔ وہ انہیں اپنی طرف متوجہ نہ پا کر غیر محسوس انداز سے وہاں سے کھسک لی۔ اسے شیام کی بڑی فکر اور تشویش تھی۔ مورتی نے شیام کو جو ہاتھ مارا تھا بڑا بھرپور اور آہنی سا تھا۔ وہ شیام کے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گئی۔ وہ اس حالت میں بھی بڑے باوقار انداز اور سکون سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے رتنا کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو جسونت اور سپاہیوں کو کمرے سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئے۔

جب وہ کمرے سے نکل گئے تو رتنا بستر پر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ شیام نے تکیوں کے سہارے نیم دراز ہونے کے بعد اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا ہے۔'' رتنا نے فکرمندی سے کہا۔ ''یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔''

''کون سی بات.....'' شیام نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''مورتی کا زندہ ہو کر آنا..... وہ کسی ممی کی طرح لگ رہی تھی..... کیا ایسا ممکن ہے یا پھر یہ پراسرار اور خوفناک واقعہ جسے سائنس کبھی تسلیم نہیں کرے گی۔'' رتنا کا چہرہ ابھی تک زرد تھا۔ اس کی آواز میں ارتعاش سا تھا۔

''سب کچھ جلد ہی سمجھ میں آجائے گا۔'' شیام نے جواب دیا۔ ''جب تمہیں حقیقت کا علم ہو گا تب ساری باتیں معقول لگیں گی۔''

''حقیقت..... کیسی حقیقت..... یہ تو بتاؤ کہ مورتی نے تم پر حملہ کیوں کیا..... اگر وہ قصے کہانیاں غلط نہیں ہیں تو اسے سادھی کھودنے والے کا پیچھا کرنا چاہیے۔ میری مراد گوپال' ساجن خود اپنے سے ہے.....'' رتنا یہ بات کہتے ہوئے لرز گئی لیکن تمہیں اس سے کیا سروکار..... تم تو ہمارے ساتھ شامل نہیں تھے..... کہیں تمہیں اس لیے تو نشانہ نہیں بنایا گیا کہ تم نے ہمیں لا کر ہماری میزبانی کی..... تمہیں۔'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

شیام پرسکون تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کی لہر نہ تھی۔ جیسے اس پر رتنا کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ شیام کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ مورتی کے قاتلانہ حملے سے ابھی تک دہشت سے لرز رہا ہوتا۔

رتنا کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ شیام کو ہر وقت تجسس رہتا تھا۔ ''کیا ہوا..... کیا ہونے والا ہے..... لگتا ہے کہ تمہارے ذہن میں کش مکش سی ہو رہی ہے اور تجسس اور خوف بھی بسا ہوا ہے۔'' شیام نے کہا۔

''ہاں.....'' رتنا نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ ''میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کیا اسرار تھا۔''

''جب نیچے والے سب چلے جائیں گے تو میں تمہیں ساری بات بتا دوں گا۔'' شیام نے سرسری لہجے میں کہا۔

''وہ لوگ جانے والوں میں سے نہیں ہیں.....'' رتنا بولی۔ ''کیوں کہ وہ دھرنا مار کر بیٹھ گئے ہیں۔''

''نہیں..... یہ بات نہیں ہے۔'' شیام نے اس کے ہاتھ کی پشت تھپتھپائی۔

اس لمحے جیسے اس کی تصدیق کرنے کے لیے دروازے پر دستک ہوئی۔ دوسرے لمحے ساجن کمرے میں داخل ہوا۔ شیام کا ہاتھ رتنا کے ہاتھوں میں دیکھ کر ٹھٹکا۔ پھر یہ ظاہر لاتعلقی سے آگے بڑھا۔

''ہمیں اس راز کو ہر قیمت پر بے نقاب کرنا ہوگا۔'' ساجن نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''وہ کس طرح سے کیا جا سکتا ہے۔'' رتنا نے شیام کا ہاتھ چھوڑ کر پوچھا۔ وہ اندر ہی اندر نادم سی ہو رہی تھی۔

''سرگوپال کو اس کام پر آمادہ کرنا ہوگا..... اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمیں انہیں شامل کر لیں۔'' وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

''گویا آپ نے بالکل تہیہ کر رکھا ہے۔'' شیام نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ہاں.....'' ساجن نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ''میں نے کر رکھا ہے..... جب تم مکمل طور پر صحت یاب ہو جاؤ۔'' ساجن کا لہجہ طنزیہ ہو گیا جس سے رتنا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ وہ اور حسین دکھائی دینے لگی۔

''اور آپ کو پولیس کے سامنے بیان بھی دینا ہوگا۔'' ساجن نے کہا۔ ''جب تک بیان نہیں دے دیتے پولیس کا پہرہ آپ کے گھر پر رہے گا۔ کیوں کہ پولیس اس پراسرار واقعے سے بری طرح الجھ گئی ہے۔ ان کی عقل اس واقعہ کو تسلیم نہیں کر رہی ہے..... ان کے خیال میں پس پشت کوئی اور ہی بات ہے۔''

رتنا..... ساجن کی بات میں دھمکی صاف محسوس کر رہی تھی۔ لیکن شیام پر کوئی اثر نہ ہوا۔

''اس وقت شیام کو آرام کی اشد ضرورت

ہے۔'' رتنا بولی۔ ''یہ باتیں بعد میں بھی تو کی جا سکتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے..... تم انہیں آرام پہنچاؤ..... ان کا ہر طرح سے خیال رکھو۔'' ساجن کا لہجہ طنز سے بھرا تھا۔

وہ رتنا کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ انہیں زینے پر اس کے قدموں کی آواز دور ہوتی سنائی دی..... اور پھر بیرونی دروازہ زور سے بند ہوا۔ جیسے غصے سے بند کیا گیا ہو۔

☆☆

ساجن کے جانے کے بعد ان کے درمیان دیر تک سکوت سا چھایا رہا۔ آخر کار اس سکوت کو شیام نے توڑا۔

''اگر پولیس یہ سمجھتی ہے کہ میں خود اپنے گھر میں سے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نہیں نکل سکتا تو یہ ان کی بے وقوفی ہے۔ مجھے اس بات پر حیرت اور غصہ ہے کہ اس پراسرار واقعہ کو پولیس آخر اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہے..... ایسا لگ رہا ہے کہ میں قانون کی نظروں میں مجرم ہوں۔ کتنی عجیب سی بات ہے۔''

''تو کیا.....'' رتنا بے صبری سے بولی۔ ''ہم پروگرام کے مطابق کیا یہاں سے صبح روانہ نہیں ہوں گے۔''

''پہلے تمہیں حقیقت کا علم ہونا چاہیے.....'' شیام کہنے لگا۔ ''تاکہ تم اندھیرے میں نہ رہو۔ ایک ایک بات جان جاؤ۔ ان باتوں کا جاننا تمہارے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس لیے میری بات غور سے سنو۔''

اتنا کہہ کر شیام نے اپنا چہرہ اس کی طرف کر دیا جو دیوار کی طرف تھا جس کا ایک رخ رتنا کی نظروں سے اوجھل تھا۔ جب اس نے پہلی بار شیام کو دیکھا تھا تو اس کا چہرہ' قامت اور وجاہت اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس طرح اتر گئی تھی۔ جیسے وہ اس کے من کے دیوتا ہو..... لیکن اب یہ وہ چہرہ نہ تھا۔ پہلی بار شیام کا ایسا چہرہ وہ دیکھ رہی تھی جس نے اس کے سارے جسم میں کپکپی دوڑا دی اور اس کی رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا تھا..... اس کی سحر زدہ خوب صورت آنکھوں جن میں ڈوب کر وہ خود کو فراموش کر دیتی تھی اب کسی ویران کھنڈر کی طرح لگ رہی تھیں۔ یہ پہلا شیام نہیں تھا۔ اس کا دیکھا بھالا جس پر وہ فدا تھی اور دو ایک مرتبہ اسے بڑے جذباتی سے چاہا تھا۔ اس کی من مانی پر کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ دور جانے تک تیار تھی..... اس کا دل چاہا کہ اب اس کے پاس سے بھاگ جائے۔ کیوں کہ اس پر کسی بدروح کا گمان ہو رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکے۔ اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ اسے سحر زدہ کر کے جیسے بے بس کر دیا گیا ہو۔

''تم تھک گئے ہو.....'' رتنا نے بہ دقت تمام حواس پر قابو پا کر کہا۔ اس کی آواز میں لرزش سی تھی۔ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ وہ اس کا چہرہ اور آنکھیں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ ''تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ میں بھی اب چل کر آرام کر لوں..... صبح ملاقات ہوگی۔''

''مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے.....'' شیام نے تکرار کے انداز میں کہا۔ ''میری بات سنو..... میرے آرام کی فکر نہ کرو۔''

''میں کوئی بھاگی جا رہی ہوں شیام!'' رتنا جبر و زیادتی سے مسکرائی۔ ''تم سو جاؤ۔ میں اس کمرے میں رہوں گی۔''

''رتنا! جانے کی ضد نہ کرو اور میری بات سنو۔'' شیام اس کی بات کسی صورت میں ماننے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ ''سب سے اپنا ذہن رنجیت کمار سے منسوب داستان کی طرف لے جاؤ۔ تم میں سے کوئی بھی اس کی تحریر تک پہنچ نہ سکا جو سادھی پر کندہ تھی..... نہ پہنچ بھی سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی

اس پر جو لکھا ہوا تھا وہ بھی نامکمل تھا...... درمیان کی اہم کڑیاں غائب تھیں۔ دانستہ ان لائنوں کو مٹا دیا گیا تھا۔''

''ایسا کیوں اور کس لیے کیا گیا تھا......'' رتنا سوال کیے بغیر رہ نہ سکی تھی۔ اسے تجسس سا ہوا تھا۔

''اس لیے کہ راز...... راز ہی رہے۔'' وہ کہنے لگا۔ ''تمہارے باپ کی نشان دہی پر جب اس جگہ کی کھدائی شروع ہوئی تو اس بات میں شک و شبہے کی گنجائش نہ رہی کہ سمادھی برآمد ہو جائے گی۔ تمہارے باپ کو اس لیے موت کی نیند سلا دیا گیا تھا کہ کہیں وہ تحریر نہ پڑھ لے۔ اہم کڑیاں غائب کرنے کے باوجود تمہارا باپ اسے پڑھ لیتا۔ اگر تمہارے ساتھی ان گم شدہ کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرتے تو کوئی بعید نہ تھا کہ یہ اسرار ان پر منکشف ہو جاتا۔

سنو...... اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ جب مہاراجا رمیش نے اپنے چہیتے بیٹے رنجیت کے مرنے کی خبر سنی تو اس پر جیسے آسمانی بجلی گر پڑی۔ اسے اتنا گہرا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ تین دن تک بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس صدمے نے اس کی جان لے لی تھی۔ لیکن مرتے مرتے اس نے حکم دیا تھا کہ اس کی سمادھی کی عمارت بہت شان دار ہو۔ اس عمارت میں اس کی سمادھی قبر کی صورت میں بنائی جائے۔ اس کی سونے کی مورتی بنائی جائے۔ پورے شاہانہ وقار سے اس کی آخری رسومات ادا کی جائے۔ آخر اس مورتی کو سمادھی میں دفن کر دیا گیا...... یہاں تک معاملے کا سب کو علم ہے...... لیکن اس راز اور بات کا کسی کو علم نہیں ہے کہ جب مہاراجا رمیش بستر مرگ پر تھا اس شخص کو بلا بھیجا جو اس کے پیارے بیٹے کی موت کا ذمہ دار تھا۔ جس کے ہاتھوں رنجیت کی موت واقع ہوئی تھی۔ رمیش نے اسے بد دعائیں دیں۔ یہ بد دعائیں دائمی تھیں اور ایسی تھیں کہ وہ خود بھی اپنے بھائی کی آتما کے ہاتھ ہلاک ہو...... اس کی موت اتنی ہی دردناک ہو جتنی اس کے عزیز از جان بیٹے کی ہوئی تھی۔''

اس نے سانس لینے کے لیے توقف کیا تو رتنا جو کسی مورتی کی طرح بنی بیٹھی تھی اس نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

''لیکن تمہیں...... یہ ساری باتیں اور کس طرح سے معلوم ہوئیں۔'' رتنا نے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔ ''جب کہ تمہارا تعلق سائنس اور فنون لطیفہ سے ہے۔ تم نے کبھی آثار قدیمہ کے متعلق کوئی معلومات نہیں رکھتے ہو۔''

''کیوں کہ...... وہ شخص میں ہوں۔'' شیام نے جواب دیا۔

''کون شخص......'' رتنا کی سمجھ میں خاک نہیں آیا۔ ''میں سمجھا نہیں۔''

شیام یک لخت بستر سے چھلانگ لگا کر اٹھا اور کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ وہ سر نخوت سے بلند کر کے اور سینہ تان کر رتنا کو ایک ٹک دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں رتنا کے جسم سے آر پار ہو کر کہیں اور دیکھ رہی تھیں۔

''میں جے ہوں......'' اس کی آواز جیسے خلاؤں سے آئی۔ ''مہاراجا رمیش کا چھوٹا بیٹا...... اب سمجھیں......'' مکان پر ایک ہول ناک سناٹا مسلط تھا۔ کمرے کی دیواریں رتنا کو زہریلے پھنکارتے سانپوں کی طرح اسے اپنے حلقے میں تنگ کرتی محسوس ہو رہی تھیں...... وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ ایک پاگل کی باتیں سن رہی ہے...... ایک نفسیاتی مریض کی...... لیکن ساتھ ہی یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتی۔ اس دنیا میں کیا کچھ ممکن نہیں ہے، وہ ان اسرار کو جھٹلا نہیں سکی تھی اور نہ سکتی تھی جواب تک پیش آچکے تھے۔ شیام نے اس سے سچ سچ کہنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسے پوری سچائی سے پورا کر رہا تھا۔

''مجھے اس سنسار کے ختم ہونے تک بھٹکنے کی بد دعا لگی ہے۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''مجھے کبھی موت نہیں آئے گی..... وہ واحد شخص مجھے اس بددعا سے نجات دلا سکتا تھا۔ جوان لوگوں کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا ہے۔ جنہیں میں نے آپ کے بھائی کے قتل کے لیے معاوضہ دیا تھا..... میرے باپ نے سوچ سمجھ کر مجھے اس عذاب میں مبتلا کرادیا تھا..... میرے لیے اب اس کے سوا اور کوئی راہ نجات نہیں ہے کہ اس شخص کے ہاتھوں مارا جاؤں جو خود مر چکا ہے..... اور ایک ناقابل یقین..... ناممکن سی بات ہے..... لیکن یہ سب کچھ حالات پر منحصر ہے۔''

شیام کی آواز جو مترنم اور کانوں میں رس گھولنے والی سی تھی۔ جب وہ بات کرتا تھا تو رتنا کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کئی سمندر سر بیک وقت بول رہے ہوں۔ وہ مسحور سی ہو جایا کرتی تھی۔ اس آواز کے سحر نے تو اسے شیام کا اسیر بنا دیا تھا..... لیکن اب اس کی آواز بڑی بھیانک اور صدیوں پر محیط لگ رہی تھی جس میں ہزاروں برسوں کی بازگشت تھی۔

بالآخر اس نے کہا۔ ''میں نے ابھی ابھی کہا تا کہ لیکن یہ سب کچھ حالات پر منحصر ہے..... مگر وہ وقت آ پہنچا ہے۔''

☆☆

گوپال کی لاش اس طرح لائبریری میں پڑی تھی۔ اس کی ہلاکت کی کسی کو خبر نہ ہوئی تھی۔ ایک ملازم نے دو تین مرتبہ آ کر دروازے پر دستک دی۔ دروازہ نہ کھلنے پر وہ یہ سمجھا کہ کہیں گوپال گہری نیند نہ سو رہا ہو۔ جب اس نے آخری مرتبہ دروازہ زور سے کھٹ کھٹایا۔ پھر بھی اندر سے جواب آیا اور نہ دروازہ کھلا تو اسے تشویش سی ہوئی کہ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے..... اتفاق سے اس وقت رتنا' شنکر راؤ' ساجن اور انسپکٹر اس کے کمرے پر آ گئے تھے۔ پھر ساجن نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ پھر وہ تینوں اندر داخل ہوئے۔ رتنا نے گوپال کی لاش دیکھی تو غش کھا گئی۔ ساجن اسے فوراً نہ سنبھالتا تو وہ فرش پر گر پڑتی..... انسپکٹر نے فوراً ہی ملازم کو دوڑایا کہ وہ سپاہیوں کو بلا لائے۔

جب ساجن..... شنکر راؤ کے ساتھ کتابوں کے انبار کو کھنگال رہا تھا..... پولیس والے لاش' فرش اور کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کے معائنے میں مصروف تھے' آخر لاش کو کمرے سے پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال لے جایا گیا۔ انسپکٹر اور افسران بالا جو موقع واردات پر آئے ہوئے تھے خود کوئی رائے قائم کرتے لیکن انہیں ساجن اور شنکر راؤ کی باتوں پر یقین آ گیا تھا۔ یہ واقعہ ایسا پراسرار تھا کہ انہیں یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ ان کی مجبوری تھی۔

''کھڑکی کو اسی طرح کھلا رہنے دیں۔'' انسپکٹر نے انہیں ہدایت کی اور دو سپاہیوں کو وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔

ساجن اور شنکر راؤ کو کتابوں سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ خالی برتن ثابت ہوئے۔ البتہ ساجن کو ان میں وہی ملا جس کی وہ توقع کر رہا تھا..... جس سے کم از کم ساجن اور شنکر راؤ کو ان کے شبہے کی کسی حد تک تقویت ہوئی تھی۔

''میرے خیال میں کتابوں میں جو بد دعائیں درج ہیں ان سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔'' ساجن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''وہ کیا.....'' شنکر راؤ نے تجسس سے دریافت کیا۔

''صرف ان ہی لوگوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے جو سادھی کو کھولنے میں براہ راست ملوث تھے۔'' ساجن نے جواب دیا۔

شنکر راؤ نے ساجن کی اس بات سے اتفاق کیا..... دونوں اس بات پر متفق تھے کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی بات ضرور ہے جو کتابوں میں درج نہیں ہے..... اس لیے ان دونوں کو بہت محتاط اور ہشیار رہنے کی ضرورت ہوگی۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ

مورتی..... دوبارہ زندگی یا کرمی کا بہروپ بھر کر اندھی قاتل بن جائے گی لیکن وہ کب تک لوگوں کو ہلاک کرتی رہے گی..... یہ بات وہ شخص کیسے جان سکتا تھا کہ جو خود خطرے میں تھا اور کسی بھی لمحے شکار بن سکتا تھا..... ساجن سوچ رہا تھا کہ آج رات اسے اس جان لیوا صورت حال سے سابقہ پڑنے والا ہے..... اگر کچھ ہونا ہی ہے تو ہو جائے..... اب وہ اور شنکر راؤ دونوں ہی رہ گئے تھے جو سمادھی کی کھدائی میں شریک رہے تھے اور اب دونوں یہیں موجود بھی تھے..... مورتی کو ان دونوں تک پہنچنے میں کیا دشواری پیش آسکتی تھی۔

ساجن نے غلط نہیں کہا تھا..... چند لمحے بھی انہیں بیتے تھے کہ کھڑکی کے پردے میں سرسراہٹ ہوئی جیسے تیز ہوا چلنے سے ہوتی ہے۔ پھر وہ جس طرح ذرا سا آہستہ سے اٹھا تھا اور اس طرح آہستہ سے گر گیا تھا۔ شنکر راؤ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیا کوئی بات.....'' ساجن نے پوچھا۔

''نہیں.....'' شنکر راؤ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

دوسرے لمحے پردہ پھر سرسرایا..... پھر تھوڑا سا ہٹا..... ساجن کا رخ اسی طرف تھا۔ اس نے پٹیوں میں لپٹا ہوا ایک ہاتھ دیکھا۔ شنکر راؤ نے ساجن کے چہرے پر نظر ڈالی۔ زردی دیکھ کر شنکر راؤ نے خطرے کی بو محسوس کر لی۔ پھر اس نے فوراً ہی کرسی کھسکا کر میز کے قریب کر لی۔ وہ مستعد اور چوکنا تھا۔

اچانک کھڑکی کی چوکھٹ پر مورتی کا جسم نظر آیا..... وہ کسی ایسے شخص کی طرح زور زور سے سانس لے رہی تھی جو بہت دور سے دوڑتا ہوا آنے سے سانس پھولنے لگتی ہے۔ اس کی حرکت یوں عیاں تھا جیسے اسے اندر گھسنے میں بڑی محنت کرنی پڑی ہو۔ ساجن نے جلدی سے لپک کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور اسے کھول کر دہلیز سے باہر نکل کر چلایا۔

''انسپکٹر! مورتی.....''

باہر انسپکٹر وشوانا تھ کے دوڑنے کی آواز آئی..... اور پھر چند لمحوں میں دو سپاہیوں کے ساتھ وہ کمرے میں موجود تھا۔ اس کے آدمیوں نے ایک جال اٹھا رکھا تھا۔ اس نے مورتی کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا لیکن اسے اس اسرار کا یقین کرنا پڑا تھا۔ اس کے آدمی بھی مورتی کو اس طرح سے دیکھ رہے تھے جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہوں۔

''اس پر جال پھینک دو.....'' انسپکٹر وشوانا تھ چلایا۔ ''جلدی کرو۔ اسے جانے نہ دینا۔''

اس وقت مورتی کمرے کے وسط میں تھی۔ انہوں نے جال اچھال کر مورتی پر پھینکا جس میں مورتی کا سر اور شانے پھنس گئے..... انسپکٹر وشوانا تھ جلدی جلدی پھندا تنگ کرنے لگا..... مورتی اس میں پھنستی چلی گئی۔ اس نے خود کو چھڑانے کی بڑی جدوجہد کی۔ لیکن پولیس والوں نے جال کو ایک جھٹکا دیا۔ وہ فرش پر گر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔

شنکر راؤ اس کے قریب گیا۔ مورتی کی بے بسی دیکھ کر دفعتاً اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ ''بس کرو۔'' وہ چیخ کر بولا۔

انسپکٹر وشوانا تھ نے شنکر راؤ کو حیرت سے دیکھا اور ساجن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا..... لیکن وہ گھٹنوں کے بل وہ جھکتا جھکتا مورتی کے پاس دوزانو ہو گیا۔

''او..... مہاراجا..... رنجیت کمار۔'' شنکر راؤ نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

مورتی نے جیسے شنکر راؤ کی آواز سنی اس نے ایک دم سے ہاتھ پاؤں چلانا چھوڑ دیا۔ پھر اچانک ساکت و جامد ہو گئی۔ اس کی تیز تیز سانسیں بھی رک گئیں۔ وہ اب زندہ مورتی نہیں رہی تھی۔ یہ وہی مورتی تھی جسے پٹیوں میں لپیٹ کر تابوت میں رکھا گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا۔ وہ زندگی سے محروم ہو چکی ہے۔

''اسے سری لنکا کے باوقار اور پرشکوہ مہاراجا..... مہاراجوں کے عظیم بیٹے..... اپنے حقیر ترین غلاموں کے حقیر ترین غلام کی طرف دیکھ..... جو حالات کے بندھن میں جکڑا میرے چرنوں میں سر جھکائے بیٹھا ہے۔''

''شنکر راؤ!'' ساجن نے اس کا بازو پکڑ کر لیکن جیسے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا..... کسی بے نام..... نادیدہ اور طاقت ور شے نے..... کوئی ایسی عظیم قوت جو انصاف میں توازن کی داعی ہو..... اس کے سارے جسم میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اس میں بازو چھڑانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

''میں تجھ سے پرارتنا کرتا ہوں کہ میرے اجداد کا تصور تیرے ذہن سے نکل جائے..... شما کرو۔'' وہ گڑگڑا کر کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ''تیرے دل میں صرف میری حقیر ذات کا خیال رہ جائے..... میں' میں جس نے ناقابل معافی پاپ کیا ہے اور خود کو پاپیوں میں شامل کر کے تیری سادھی اور مورتی کی بے حرمتی کی ہے..... تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے جسم کو نہایت بے دردی اور سفاکی اور بے رحمی سے ملیامیٹ کر دے..... روند دے..... تاکہ میری آتما تا ابد تک میرے گناہوں کا خمیازہ بھگتتی رہے گی۔''

مورتی میں جیسے سانس پھر سے چلنے لگی۔ شاید نادیدہ قوت نے اس میں آتما پھونک دی تھی۔ اس میں تواتر اور تیزی آتی گئی۔ اس میں جیسے توانائی بھی جنم لینے لگی۔ پولیس والوں نے جال کو جو بڑے مضبوطی سے تھام رکھا تھا وہ ڈھیلا پڑتا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے سنبھالتے اور مضبوطی سے تھام لیتے مورتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جال سے نکال کر پھیلا دیے۔ جال اس کے سینے پر کڑکڑایا اور پھر ٹوٹ کر بکھر گیا۔ ایک سایہ بگٹٹ بھاگ کھڑا ہوا۔

پھر مورتی شنکر راؤ کی طرف بڑھی۔

شنکر راؤ کا سر فرش پر ٹکا ہوا تھا۔ مورتی نے ایک پاؤں اس طرح سے آہستہ اٹھایا اور اس کے پاس لے گئی جیسے فاصلہ ناپ رہی ہو..... اور پھر اس کا پاؤں دوبارہ اٹھا اور نیچے گرا۔

شنکر راؤ کے منہ سے ایک ایسی عجیب سی آواز نکلی جس میں نہ تو ہیبت تھی اور نہ ہی التجا..... مورتی اپنا ایک وزنی پیر بار بار اس کے سر پر پٹخنے لگی۔ پھر شنکر راؤ کا سر پھٹ کر خون میں لتھڑ گیا..... اس کا مغز باہر نکل آیا۔

ساجن کو اپنی موت صاف نظر آنے لگی۔ وہ جانتا تھا کہ اس آسیبی مورتی سے اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ مقابلہ نہیں کر سکتا..... اس پر نہ تو گولی اثر کر سکتی ہے اور نہ ہی مہلک سے مہلک آتشیں اسلحہ..... اب اس کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو شنکر راؤ کا ہوا..... ایسی کوئی تدبیر نہیں تھی اس کے ہاتھوں سے مرنے سے بچا جائے اور نہ ہی ایسی کوئی طاقت مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ ایک پراسرار بلا تھی۔ وہ موت کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔

مورتی اس کی طرف متوجہ ہو کر بڑھی۔ وشوانا تھ انسپکٹر..... اور اس کے مسلح ساتھی بڑی جرات مندی سے اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ جال کا سرا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر بکھر گیا..... پھر انہوں نے اپنے بندوقوں کی زد پر مورتی کو لے لیا۔ انسپکٹر وشوانا تھ بھی اپنا ریوالور ہولسٹر سے نکال چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ فائر کھولتے..... مورتی نے ایک لمحے سب کو گھور کر دیکھا۔ پھر وہ یک لخت سرعت سے مڑ کر کھڑکی کی طرف لپکی۔ پھر کھڑکی کے راستے باہر کود گئی۔

انسپکٹر وشوانا تھ فوری طور پر اپنے آدمیوں کو احکامات صادر کیے۔ پھر اس نے بلند آواز سے کہا۔

''جلدی سے سب انسپکٹر نرنجن کو بلا لو اور اس کا پیچھا کرو..... لیکن ایک بات یاد رکھنا..... تم لوگ اس کے درمیان فاصلہ ضرور قائم رکھنا..... جب اس کے قریب ہو جاؤ یا وہ تم پر حملہ آور ہوتی اس پر

ڈال دینا۔'' اس نے توقف کر کے شنکر راؤ
... پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس نے ساجن کی
... دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ کو اس بات اندازہ ہے کہ مورتی
... طرف جائے گی۔''

''اس کا شکار وہی لوگ بن رہے ہیں جن سے
... تکلیف پہنچی ہے۔'' ساجن نے جواب دیا۔ ''یہ
اب شکار کی تلاش میں جارہی ہے تاکہ اسے موت کی
بھینٹ اتار دے...... یہی میرا قیاس ہے۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب آپ اور مس
رتنا ہی رہ جاتے ہیں۔'' انسپکٹر وشوناتھ نے کہا۔

''وہ تو آپ کی کسی مصلحت کی بنا پر چھوڑ گئی
ہے......'' انسپکٹر وشوناتھ کا واضح اشارہ رینا کی
طرف تھا۔

''میں سب انسپکٹر کے ساتھ جارہا ہوں۔''
ساجن دروازے کی طرف لپکتے ہوئے بولا۔

''آپ اکیلے مت جائیں......'' انسپکٹر
وشوناتھ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ ''میں بھی ساتھ
چلوں گا۔''

☆☆

تہ خانہ...... رتنا کو مکان سے بھی بڑا لگ رہا
تھا...... وہ نیم تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی حیرت کی وجہ
صرف اور محض جگہ کی کشادگی نہیں تھی...... بلکہ اسے
جس طرح سے بھرا گیا تھا وہ اس کی حیرانی کا باعث
تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ کسی خالی جگہ کو اس
طرح سے بھرا جاتا ہے کہ وہ کباڑ خانہ معلوم ہو۔

سیڑھیوں کے قریب ہی بھیڑیا......
او بھگوان...... بھیڑیا پر نگاہ پڑتے ہی اس کی زبان
سے بے ساختہ نکلا تھا...... سارنگا کا مجسمہ جو سری لنکا
کا ابلیس راجہ تھا جس سے لوگ عاجز تھے......جن
کی آنکھیں اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں تو
ایسا لگتا تھا کہ وہ زندہ ہے...... اس کی آنکھوں میں
شیطنیت بھری تھی۔ اس کے بارے میں جو قصہ
کہانیاں چلی آرہی تھیں وہ یہ تھی کہ اس کی رعایا
میں جو لڑکی بھی سیانی ہوتی تھی وہ کسی چڑیل کی
طرح ان کا خون پی جاتا تھا۔ اس ابلیس راجہ کے
طویل القامت مجسمے کے قدموں میں کسی انتہائی
بدصورت آدمی کا مجسمہ رکھا تھا۔

چاروں دیواروں پر شیلف تھے جن پر بڑی
بیش بہا اور نادر اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان میں
سے بہت ساری اشیاء کو نہ صرف پہچانتی تھی بلکہ ان
کے بارے میں اس کی معلومات بھی تھیں البتہ اس
نے ان ساری چیزوں کو یک جا اس نے پہلی بار
دیکھا تھا۔ وہ کسی میوزیم کی طرح معلوم دیتا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ تم ان نوادرات کو دیکھ
کر کیا محسوس کر رہی ہو۔'' شیام نے سوالیہ نظروں
سے دیکھا۔

''مجھے...... مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ
رہا ہے...... ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں کوئی سپنا
دیکھ رہی ہوں۔'' وہ بہ مشکل کہہ پائی۔ ''ساری کی
ساری چیزیں اتنی اچھی حالت میں ہیں کہ اس نے
خوب صورتی میں اضافہ کردیا ہے۔''

چلتے چلتے فرش پر نگاہ پڑی تو وہ ٹھٹک کر رکی۔
ایک سکہ پڑا ہوا تھا جو چمک رہا تھا۔ اسے اٹھالیا۔
اس پر کسی دیوی کا چہرہ تھا۔ اسے الٹ پلٹ کر
دیکھتی ہوئی خود کلامی کے انداز میں بولی۔ ''یہ مصر
کے کسی فرعون کے عہد کا ہے۔''

''شروع سے میں نے اسے سنبھال کر رکھا
ہوا ہے۔'' عقب سے شیام نے کہا۔ ''معلوم نہیں
فرش پر کیسے گر گیا۔''

رتنا نے وہ سکہ شیلف میں رکھ دیا۔ پھر مڑ کر
اس کے روبرو ہوئی تو اس کے سارے جسم میں سن
سناہٹ دوڑ گئی۔ کیا اس وقت یہ واقعی جے
ہے......۔ رتنا نے خوف کی سی کیفیت میں سوچا۔

جانے کیوں اسے ایسا لگا کہ وہ کسی جال
میں پھنس گئی ہے۔ اسے یہاں آکر وحشت سی ہو
رہی تھی۔

''کیا ہونے والا ہے.....'' رتنا دہشت زدہ سی ہوکر بولی۔ ''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ کچھ ہونے والا ہے..... تم اور میں..... آخر یہ سب کیا ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جان من! میں اب مرنے والا ہوں۔'' شیام نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''میری موت میرے سامنے کھڑی ہوئی ہنس رہی ہے..... کہہ رہی ہے..... اب تم بچ نہیں سکتے ہو۔''

''شیام!'' رتنا اس کا نام لیتے ہوئے کپکپا سی گئی۔

یہ ایک انسان کا نام تھا۔ اس کے عہد اور اس کی دنیا کا باسی تھا اور اس سے چھین لیا گیا۔ اس نے کتنا چاہا تھا۔ اب وہ شیام نہیں رہا تھا۔ حال کا نہیں ماضی کا آدمی تھا۔

''جب تمہارے باپ نے میرے بھائی کی سمادھی دریافت کی تو اس نے میرے مرنے کے ذرائع مہیا کر دیے..... لیکن یہ ذرائع اس وقت بے جان، بے وقعت اور بے اثر تھے..... یہ تم پر چھوڑ دیا گیا تھا..... صرف تم پر میری جان رتنا..... ان ذرائع کو الفاظ کو زبان دو..... تاکہ یہ اب تک کے لیے جان دار ہو جائیں۔''

''مجھ پر.....؟'' وہ بھونچکی سی ہوگئی۔ رتنا کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ وہ ایک لک اسے گھورنے لگی۔

''ہاں تم پر.....'' شیام کا لہجہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

شیام نے جیب سے نقش نکالا تو رتنا نے حیرت سے دیکھا..... اس سے پہلے کہ وہ پوچھتی یہ تمہارے پاس کیسے آیا..... شیام نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔

''جب تک میرا بھائی دشمن ہے اور اس کا ہاتھ موجود ہے..... مجھے اسے استعمال کرتے رہنا چاہیے..... اس کے بعد میں اور تم ایک ہو جائیں گے جیسا کہ میں چاہتا تھا..... تم اور میں..... رتنا! ہم ایک ہو جائیں گے..... تم نے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو گی..... نہیں کہا تھا۔'' شیام اس کا چہرہ نظروں کی گرفت میں لے کر بولا۔

''اب۔''

وہ رتنا کا خوب صورت اور مرمریں ہاتھ تھام کر اسے تہ خانہ کے وسط میں لے گیا جہاں ان پر شیلف پر رکھے ہوئے سروں کی نظریں پڑ رہی تھیں..... رتنا کو اس جگہ پر کھلونوں کی دکان کا گمان ہو رہا تھا۔

اتنے میں شیام گھٹنوں کے بل تعظیم کے انداز میں جھک گیا..... اور اس نے رتنا سے بھی ایسا ہی کرنے کے لیے کہا۔ رتنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس نے محسوس کیا کہ کوئی نادیدہ طاقت اسے شیام کی بات ماننے پر مجبور کر رہی ہے۔ لہٰذا اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پیروی کی۔

''میں جو جو کہتا جاؤں اسے دہراتے جاؤ۔'' شیام نے کہا۔ ''تم تیار ہو۔''

''ہاں..... میں تیار ہوں۔'' وہ بولی۔

''جاگ..... اے خاموش شے..... جو سو رہی ہے۔'' شیام نے سحر زدہ سی آواز میں کہا۔

لیکن رتنا نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

''ظاہر ہو جا..... شیام نے کہا۔ اس کا لہجہ انکساری لیا ہوا تھا اور تحکمانہ بھی..... یہ تو ان لوگوں کو سزا دینے میں ہر طرح سے حق بجانب ہے..... جنہوں نے تجھے اذیت پہنچائی..... تیری دائمی آرام گاہ کو نقصان پہنچایا۔''

''ظاہر ہو جاؤ.....'' رتنا نے یہ الفاظ دہرانے چاہے تو اس کی آواز حلق میں گولے کی طرح پھنس گئی۔

رتنا نے دیکھا کہ تہ خانے کے دیوار ایک جگہ سے پھٹ گئی اور شگاف میں مورتی کا ہیولا کھڑا تھا۔ پھر اس نے قدم شگاف سے باہر رکھا تو رتنا دہشت زدہ سی ہوگئی۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

شیام نے جو یوجا کے انداز میں ہاتھ جوڑے ہوئے تھا..... سر اٹھا کر دیکھا اور پھر مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

''اوہ..... کنگارام سب کے باپ..... اپنے اس حقیر غلام کو وہ چیز دان کر جو انڈے میں بند پرندے کو دیتا ہے..... اسے زندگی اور موت کی ازوال طاقتیں دے۔''

پھر اس نے اپنے ہاتھ مورتی کی طرف پھیلا دیے۔ ''کنگارام! اب وہ وقت لے آ کہ یہ آگے بڑھے اور تیری تعریف میں آواز بلند کرے..... تیری آورش کو پورا کرے..... مجھے نجات دلائے..... جاگ..... جاگ رنجیت میرے بھائی! جاگ! سری لنکا کے عظیم مہاراجا رمیش کے بیٹے..... راج کمار'' مورتی آہستہ آہستہ اس کی طرف قدم بڑھانے لگی۔

شیام اٹھ کھڑا ہوا..... پھر اس نے کہا۔ ''خوش آمدید..... میرے بھائی! اب وقت اور غیر معمولی طاقت تیرے قدموں میں ہے..... تیری مٹھی میں ہے کہ دنیا کو تسخیر کرے اور دنیاوی کام پورا کر..... ابد تک سکون سے آرام کر سکے..... میں تجھ سے دیا کا..... کرپا کا طالب علم ہوں اور مجھ سے پہلے۔''

پھر اس نے رتنا کی طرف دیکھے بغیر اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

''میں نہایت عاجزی سے تجھے اس چیز کا نذرانہ پیش کرتا ہوں جس کا تو ہمیشہ طلب گار رہا۔ اس سادھی کی بے حرمتی کرنے والی کو تباہ کر دے..... میں اس کے باپ کو تباہ کر چکا ہوں۔''

رتنا نے ایک زوردار چیخ مار کر خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی..... لیکن وہ اسے مضبوطی سے تھامے فاتحانہ انداز اور تکبر سے ہنستا رہا۔

مورتی نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ اوپر اٹھایا تو شیام نے فوراً ہی رتنا کو آگے کر دیا۔

''اس سے پہلے کہ ہم دونوں بھائی فنا کے سائے بن جائیں..... اس مخلوق کو نیست و نابود کر دے..... یہ اس قابل نہیں ہے کہ ہمارے انجام کو دیکھے..... ہمارے درمیان کوئی انسانی وجود نہ رہے۔'' اسی وقت تہ خانہ سے باہر انسپکٹر وشوانا تھ کی گرج دار آواز گونجی۔ وہ تحکمانہ لہجے برس رہا تھا۔

''اچھی طرح تلاشی لو..... چپہ چپہ..... کمرا کمرا..... چھان مارو..... کوئی جگہ نہ رہ جائے۔''

انسپکٹر وشوانا تھ کی آواز سن کر اپنی موجودگی کے بارے میں بتانے کے لیے رتنا نے ایک فلک شگاف چیخ ماری۔ شیام نے گھبرا کر جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ اس کے بازوؤں کے حلقے میں کسمسا رہی تھی۔ مچل رہی تھی لیکن اس کی ہر کوشش بے سود اور ناکام ہو رہی تھی۔

مورتی نے اسے اس طرح سے اٹھا لیا جیسے وہ کوئی چھوٹی اور نازک سی بچی ہو۔ پھر وہ شگاف میں داخل ہو گئی۔

''شیام!'' اس نے اپنے عقب میں ساجن کی آواز سنی۔ ''رتنا کہاں ہے.....؟''

رتنا مزید کچھ سن نہ سکی۔ اس کے سامنے اور دائیں بائیں گھپ اندھیرا تھا جو کسی عفریت کی طرح گھور رہا تھا۔ مورتی بھی تو کسی عفریت سے کم نہیں تھی۔ اس نے کیا اس کے کسی ساتھی نے سوچا نہیں تھا اور نہ ہی کسی کے وہم و گمان میں یہ بات تھی کہ مورتی میں جان پڑ سکتی ہے۔ رنجیت کمار کی آتما اس میں سما کر مورتی کو زندہ کر دے گی..... اس نے ایک پل کے ہزارویں حصے میں سوچا تھا۔ اب وہ مورتی کے رحم و کرم پر تھی اور اسے کوئی بچا نہیں سکتا تھا۔ پراسرار اور نادیدہ قوتوں کا سائنس اور جدید ترین اسلحہ ناکارہ تھا۔

رتنا کو اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ مورتی اسے اٹھا کر کہاں لے جا رہی ہے..... اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ لیکن

اس بات کا علم ضرور ہو گیا تھا کہ وہ قدم بہ قدم زمین کی تہ کی طرف لے جا رہی ہے۔ جیسے جیسے مورتی آگے بڑھتی جا رہی تھی ویسے ویسے راستہ تنگ ہوتا جا رہا تھا..... اور پھر پانی بہنے کی سرسراہٹ سنائی دی۔ شاید دریا یا سمندر ہو گا۔ مورتی اسے ہاتھوں پر اٹھائے اس سرنگ کے سرے پر پہنچی ہی تھی کہ..... پیچھے سے طاقت ور ٹارچوں کی روشنی سرنگ کو جگ مگانے لگی اور رتنا نے آگے آگے شیام کو اور اس کے پیچھے ساجن کو دیکھا۔ ان کے پیچھے انسپکٹر وشوانا تھ سپاہیوں کے ساتھ ٹارچوں کی روشنی کے سیلاب میں بہتا چلا آ رہا تھا۔

پھر رتنا نے دیکھا کہ ساجن نے شیام کو دبوچ لیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس عرصے میں مورتی ان کی پروا کیے بغیر چلتی رہی۔ شیام نے ساجن کی گرفت سے نکل کر اسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا گرا۔ پھر شیام مورتی سے آملا۔

پھر وہ دونوں تیز رفتاری سے ایک کشادہ تہ خانے میں نکل آئے۔ مورتی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہاں.....'' شیام نے ہاتھ سے ایک سمت کی طرف اشارہ کیا۔

مورتی نے رتنا کو دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا۔ رتنا کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ سینے میں وہ ہچکولے کھا رہی تھیں۔ شیام اور مورتی تہ خانے کے منہ پر کھڑے ہو گئے۔ پھر مورتی پلٹ کر رتنا کی طرف آہستہ آہستہ بڑھی۔

''شیام.....! پلیز..... پلیز! شیام!'' رتنا درد بھرے لہجے میں اس سے التجا کرنے لگی۔ ''اسے روکو..... بھگوان کے لیے روکو..... وہ میری جان لینے آ رہی ہے۔ مجھے اس سے بچاؤ' بچاؤ۔'' وہ سسک پڑی۔

''موت سے مت ڈرو میری جان!'' شیام نے ہمیشہ کی طرح ٹھہری ہوئی آواز میں اور پرسکون انداز سے اسے دلاسا دیا۔ ''تمہیں موت کو گلے لگانا ہو گا۔ موت سے زیادہ پیاری چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''میری موت سے کیا حاصل ہو گا۔ تمہیں کیا ملے گا.....'' رتنا پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

''موت سے میں تمہیں ملوں گا..... ہم دونوں ابد تک کے لیے ایک ہو جائیں گے اور ہماری محبت تابندہ رہے گی۔'' شیام نے کہا۔ ''موت سے بزدل' بے وقوف اور ڈرپوک لوگ ڈرتے ہیں۔ بہادر نہیں..... تم تو ایک بہادر ناری ہو۔''

''نہیں..... نہیں میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے زندہ رہنے دو..... میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔'' رتنا گڑگڑائی۔

''تمہارا دوسرا جنم کتنا سندر ہو گا تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔'' شیام کہنے لگا۔ ''وہاں تمہارے پتا جی..... سرگوپال اور مخلص ساتھی شنکر راؤ بھی ہو گا..... وہ بڑی انوکھی' انمول اور پیاری دنیا ہوتی ہے..... وہاں پاپ نہیں ہوتے ہیں..... تم اس لیے شاید ڈر رہی ہو کہ موت بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتی ہے..... نہیں تمہیں مرتے وقت ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہو گی..... موت آسانی سے ہو جائے گی..... مورتی کے ہاتھوں مرتے سمے تم ایک عجیب سی راحت اور لذت محسوس کرو گی۔ یہ اس درد کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہو گی جو میں نے تین ہزار برس بھٹکتے گزارا ہے..... طاعون..... قحط..... وبائیں اور جنگیں..... اور انسان کا انسان سے روزمرہ غیر انسانی سلوک..... آدمی' آدمی کا دشمن ہے..... یہ دنیا وحشی اور خونخوار درندوں کی دنیا ہے..... یہاں انسان بڑی اذیت اور درد سے مرتا ہے۔ ایک ایسی اذیت جس سے موت ہوتی ہے..... اس سے زیادہ عذاب کوئی نہیں ہے کیا ہم دائمی زندگی کی خواہش نہ کریں..... رتنا! تم بہت خوش نصیب ہو میری

بان ..... دنیا کی خوش نصیب ترین ہستی۔''

''نہیں..... نہیں۔'' رتنا کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

شیام نے مورتی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''اب رنجیت..... اب اسے موت کی خوب صورت بھینٹ چڑھادو۔''

مورتی کا ہاتھ اس کے گلے کی طرف بڑھا..... اس میں اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑتی' مزاحمت کرتی اور پیچھے ہٹ جاتی..... اس نے اپنے گلے پر مورتی کی انگلیاں محسوس کیں..... جو برف کی طرح یخ تھیں..... ریشم کی طرح نرم نرم..... مورتی اس کی آنکھوں میں محبت بھری نظروں سے جھانکتی بھی جا رہی تھی..... اچانک اس کی انگلیاں رتنا کے گلے میں پڑے ہوئے نقش سے چھو گئیں اور وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی۔ نقش اس کے ہاتھ میں تھا۔

''اسے مار ڈالو.....'' شیام ہذیانی لہجے میں چیخا۔

مورتی ساکت کھڑی تھی۔

بالکل ساکت..... جیسے اس میں زندگی نہ رہی ہو۔

''تم نے سنا نہیں..... میں کیا کہہ رہا ہوں.....'' وہ تڑختے لہجے میں بولا اور پیچ و تاب کھاتا ہوا رتنا کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبے پھل دار چاقو تھا۔ جس کی دھار چمک رہی تھی۔

لیکن مورتی اس طرح کھڑی رہی جیسے اس کی بات نہ سنی ہو۔ وہ بہری ہوگئی ہو۔

''رنجیت!'' شیام پھر دہاڑا۔ ''کیا یہ کام مجھے خود کرنا پڑے گا۔ میرے بے چارے حسن پرست بھائی..... یہ مر جائے گی تو نیا جنم اور نیا جیون شروع کرے گی..... ایسی حسین ناری وہاں کہاں ہوگی..... تم اس کے ساتھ دائمی سندر زندگی گزارو گے..... یہ صرف اور صرف تمہاری ہو گی۔''

مورتی نے پھر بھی حرکت نہیں کی..... شیام نے چاقو بلند کیا لیکن اس کا ہاتھ نیچے نہیں آیا۔ اسے مورتی نے وہیں پکڑ لیا۔ مورتی کی انگلیوں کو گرفت میں اس کی کلائی تھی۔ مورتی نے اسے لٹو کی طرح گھما دیا اور گہرے پانی میں دھکیل دیا۔ چند ثانیے تک اس کا ہاتھ سطح پر ہلتا ہوا نظر آیا۔ پھر جسم کے ساتھ پانی میں غائب ہوگیا۔

مورتی نے سیدھا تن کر رتنا کی طرف دیکھا..... رتنا تھر تھر کانپتی ہوئی..... دائیں بائیں دیکھتی ہوئی ایک جانب تیزی سے سرکنے لگی لیکن مورتی اس کی راہ میں حائل تھی۔ پھر وہ خود ہی ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ چند لمحوں تک نقش کو دیکھتی رہی۔ پھر اس کے ہاتھ چھت کی طرف بڑھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چھت کو اٹھانا شروع کیا..... پہلے چھت کا پلستر گرنا شروع ہوا۔ پھر بلاک ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ ایک بلاک اس کے شانے پر گر کر زمین پر آرہا..... لیکن وہ اسی طرح چھت کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرتی رہی..... اور بلاک ٹوٹ پھوٹ کر اس پر اور اس کے اطراف میں گرتے رہے۔

رتنا وہاں سے نکل کر بھاگنا چاہتی تھی لیکن اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کس سمت کا رخ کرے۔

''وہ رہی.....'' انسپکٹر وشوانا تھ کی آواز سرنگ میں گونجی۔

''انجام ہوگیا..... میرے رمیش پتا جی..... میں نے جے سے انتقام لے لیا..... اب سکون سے رہو تمہاری آتما بھی سکون سے رہے گی..... میں بھی' میں آرہا ہوں۔''

انسپکٹر وشوانا تھ اور سب نے دیکھا۔ مورتی اب سونے کی بجائے مٹی کی تھی۔ یہ مٹی ملبے میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔

◆.....◆.....◆

سولہویں قسط

سحر زادی

سبحان راشد

بعض اوقات انسان کی زندگی ایسے ایسے موڑ اختیار کرتی ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ ایک ایسے نوجوان کا قصہ جو ابھی تعلیم حاصل کر کے اپنی اور اپنے لوگوں کے لیے کچھ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا کہ اچانک ہی اس کے خواب مسمار کردیئے گئے...... اور خواب اس کے اپنوں نے ہی چکنا چور کیے تھے۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ خوابوں کی تعبیر کے لیے سخت جدوجہد کرے گا۔ اس نے جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو حالات اس کے سامنے عجیب رخ اختیار کر گئے مگر اس نے اپنے حوصلوں کو جوان رکھا۔

زندگی کی جدو جہد کے لیے کوشاں ایک حوصلہ مند نوجوان کی داستان

میرے تربیت یافتہ گھوڑے نے اسے شدید زخمی کر دیا۔ اس کے ٹاپوں نے اس شخص کا بھیجا نکال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں خاموشی سے اپنی جگہ پہنچ گیا لیکن اس کا نتیجہ یہ بہتر نہیں نکلا۔ مرنے والے کی موت کے بارے میں سوال کیا گیا اور جب میرے والد کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو ان لوگوں نے خونریزی شروع کر دی۔

میرے باپ کو گولی ماردی گئی اور اس کے بعد وہاں ہر شخص کو گولی ماردی گئی۔ میں سرائے کے پچھلے حصے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس طرح میری جان بچ گئی لیکن باقی سارے لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ سرائے کو تباہ کر کے آگ لگا دی گئی۔ وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔

اب میں تنہا رہ گیا تھا لیکن میرے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی آخر کار میں وہاں سے چل پڑا۔ سرائے میں رہنا بیکار تھا۔ اب سرائے کے ملبے کے سوائے کچھ وہاں نہیں رہ گیا تھا۔ میں یہاں رہ کر کیا کرتا۔ چنانچہ میں نے اسی بستی میں وقت گزارنا شروع کر دیا اور وہاں میں نے طویل عرصہ گزارہ لیکن اس دوران میری نگاہیں اپنے دشمنوں کو تلاش کرتی رہی تھیں۔ مجھے جب بھی موقع ملتا میں آس پاس گھومتا رہتا تھا۔ کبھی ایک بستی اور کبھی دوسری بستی میں آخر کار ایک دن مجھے موقع مل گیا۔ یہ شخص وشال کسی سے دشمنی رکھتا تھا۔ ایک دن ویرانے میں اس کے کسی دشمن نے اسے گولی مار کر زخمی کر دیا۔ یہ لنگڑاتا ہوا پہاڑی چٹانوں میں پناہ تلاش کرنے لگا۔

پھر یہ اس چٹان کے عقب میں پہنچ گیا۔ جہاں میں پناہ گزین تھا اور اس نے مجھ سے مدد کی درخواست کی کیونکہ اس کا خطرناک دشمن اس کا تعاقب کرتا چلا آرہا تھا۔ زخمی آدمی کی مدد کرنے کے لیے میں نے اس شخص کو روکنا چاہا لیکن اس نے اندھا دھند مجھ پر گولیاں برسا دیں۔ اتفاق تھا کہ اس کے پاس گولیاں ختم ہو گئیں۔ تب وہ جسمانی مقابلے پر اتر آیا۔ میں ایک جفاکش نوجوان ہونے کی وجہ سے اس کے آگے کمزور نہ پڑا۔ وہ میرے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔ اس طرح وشال نے میرا احسان مانا۔ میں نے اس کی ٹانگ کے زخم کو کس دیا اور پنڈلی سے گولی نکال دی۔

اس کے بعد میں نے اسے اپنے گھوڑے پر ڈال کر اس کی بستی یعنی سلاویہ میں لے آیا۔ وشال نے مجھے اپنا مہمان رکھا اور مجھ سے میرے بارے میں تفصیلات پوچھیں۔ میں نے مختصر طور پر بتایا کہ میں آوارہ گردھوں اور کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ کام کی تلاش میں ہوں۔

چنانچہ وشال نے مجھے اپنا ساتھی بنالیا۔ میں وشال کے ساتھ ایک ماہ تک رہتا رہا اور پھر مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ وشال اصل میں مہران کا نائب ہے۔ مہران سلاویہ میں تو نہیں رہتا تھا لیکن سلاویہ میں وہ کبھی کبھی آجاتا ہے۔ وشال اس کے مفادات کے لیے کام کرتا ہے۔

اس دن میں نے ساری رات جاگ کر گزاری اور ایک فیصلہ کیا۔ میں جانتا تھا کہ مہران وہی ہے۔ جس کے باپ نے میرے باپ کو ہلاک کیا تھا۔ یقینی طور پر اس کا باپ بھی اس کے ساتھ ہی موجود ہوگا۔ چنانچہ کیوں نہ وشال سے دوستی کر کے مہران تک رسائی حاصل کی جائے۔ کوئی جذباتی لغزش کیے بغیر میں اس فیصلے پر اٹل ہو گیا لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مہران کا باپ بھی مر چکا ہے اور اب مہران ہی ان علاقوں کا بے تاج بادشاہ ہے۔ میرے دل میں دبی چنگاریاں سرد نہ پڑیں۔ میں وقت کا انتظار کرنے لگا اور اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ صرف میں یا میرا خاندان نہیں بے شمار گھرانے مہران کے ظلم کا شکار ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ انتقام کی خواہش دل میں رکھتے ہیں لیکن دل مسوس کر رہ جاتے ہیں اس لیے کہ مہران بہت مضبوط ہے اور کچھ عرصے کے بعد مہران کے حفاظتی خول کا اندازہ مجھے بھی ہو گیا۔

میں نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن مہران تک نہیں پہنچ سکا۔ وشال کو بھی آج تک نہیں معلوم کہ میں درحقیقت کون ہوں لیکن میں نے مہران کے خلاف کچھ کیا تھا۔ اس کی تھوڑی سی معلومات اس شخص کو حاصل تھیں۔ جس کا نام گنگا تھا یہ جانتا تھا کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں جو مہران کے دشمن ہیں اور ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس چالاک آدمی نے اس مرحلے پر خاص طور سے میرا انتخاب کیا ہے اور آخر کار مجھے یہاں تک لے آیا۔'' فرزال کو یہ کہانی دلچسپ لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گنگا تو بہت ہی حیرت انگیز شخصیت ثابت ہو رہا تھا۔ اس کی ذہانت کا اندازہ اس کی باتوں سے ہو جاتا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے مسکراتی نگاہوں سے گنگا اور عش کو دیکھا اور بولا۔

''تو تمہاری خواہش ہے کہ میں مہران کے خلاف ڈٹ جاؤں اور اس علاقے سے اس کا اختیار ختم کر دوں۔''

''ہاں۔ ہم لوگ حالات سے اس قدر بددل ہو چکے ہیں کہ اب صرف خواب دیکھتے ہیں۔ شاید گنگا نے بھی تم سے اس کا تذکرہ کیا ہو کہ سلاویہ والے ہمیشہ کسی بیرونی قوت کا انتظار کرتے رہے ہیں جو باہر سے آئے گی وہ سلاویہ پہنچ کر یہاں کے باشندوں کو مہران سے نجات دلا دے گی۔ ہم بے شک نہیں جانتے کہ مہران کی موت کے بعد یہاں کسی حکمرانی دی جائے گی۔''

''حکمرانی اصل مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ مہران کے ظلم و ستم سے ان لوگوں کو نجات دلا دی جائے اور جیسا کہ حالات سے کچھ واضح ہوا ہے کہ تم مہران کے خلاف ہو جاؤ معاوضے کے طور پر تم جو کچھ طلب کرو گے تمہیں دے دیا جائے گا۔''

''لیکن تمہارے لیے اس سے بڑا معاوضہ وہ دعائیں ہوں گی جو سلاویہ کے لوگ تمہیں دیں گے۔ وہاں چونکہ ہم لوگوں پر ہر لحہ نظر رکھی جاتی ہے اور ہماری ہر جنبش ان لوگوں کی نظروں میں آ جاتی ہے۔ اس لیے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بہت سے لوگ دشمنوں کے قبرستان میں دفن ہیں اور یہ وہی ہیں جنہوں نے کسی طور مہران کے خلاف کوئی قدم اٹھایا۔ بولو۔ تم اس سلسلے میں ہماری مدد کرو گے۔''

فرزال کچھ لمحے سوچتا رہا۔ پھر بے اختیار ہنس پڑا۔

وہ دونوں چونک کر اس کی ہنسی کو دیکھنے لگے تھے۔ تب فرزال نے کہا۔

''لیکن میں تو مر چکا ہوں۔ میری تو تدفین بھی ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں تمہاری بستی میں میرا کیا مقام ہو سکتا ہے اور مجھے زندہ دیکھ کر وشال اور اس کا آقا مہران کیا سوچے گا۔''

''یہ بڑی دلچسپ بات ہے اور میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مہران بہت توہم پرست ہے۔ وہ بھوتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس کا نائب وشال بھی۔ وہ لوگ ان بڑے لوگوں سے خوفزدہ رہتے ہیں لیکن ان کے سینوں میں چور ہے۔ اگر تم تھوڑی سی چالاکی سے کام لے کر ان لوگوں کو یقین دلانے میں کامیاب ہو جاؤ کہ تم زندہ انسان نہیں بلکہ فرزال کی روح ہو تو وہ پاگل ہو جائیں گے اور اس سلسلے میں ہم سب تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ یہ تو بہت ہی اچھا اندازہ ہوگا۔ واہ! اگر اس طرح سے کام ہو جائے تو سمجھ لو کہ ایک دلچسپ عمل شروع ہو جائے گا۔ دلچسپ ہی نہیں بلکہ بہت ہی دلچسپ جس میں لطف آ جائے گا۔'' یہ باتیں کرتے ہوئے عش خود بھی ہنس پڑا تھا اور گنگا بھی مسکرا رہا تھا۔ گنگا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس بار تو واقعی ان پر تقدیر کا بڑا فیصلہ نازل ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ لازمی امر ہے کہ ایک بھوت کا تصور کر کے آدھے تو ویسے ہی مر جائیں گے۔ وہ لوگ اور باقی ہمارا عمل ہمارے سے میری مراد ہمارے دوست فرزال کا ہے۔''

''ہاں۔ میں خود بھی اس بات سے لطف لے رہا ہوں۔ یہ بڑی سنگین صورتحال ہوگی ان لوگوں کے لیے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہمارا دوست اس

کے لیے مکمل طور سے تیار ہو جائے۔'' فرزال نے کسی قدر افسوس بھری آواز میں کہا۔

''آہ۔ کاش شیراز بھی میرے ساتھ ہوتا۔ وہ ایک ایسی انوکھی شخصیت ہے کہ بہت سے بھوت اور آسیب اس کے سامنے بے مقصد ہو جاتے ہیں۔ تم جس بستی کو چاہو اس کے ذریعے آسیب زدہ بنا دو۔ نہ جانے کہاں کم بخت مر گیا ہے کون سے پتھر کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔''

''گنگا مجھے اس کے بارے میں تھوڑی بہت بات بتا چکا ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم اس کی تلاش میں بھی پوری پوری محنت کریں گے۔ ویسے میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ مہران یا وشال کے ہاتھ نہیں لگا۔ ورنہ میرے علم میں یہ بات ضرور ہوئی۔ نہ ہی کسی اور آدمی کے ذریعے اسے نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جو نقصان اٹھاتے ہیں ان کا اندراج ہمارے پاس ضرور ہوتا ہے۔''

یہ الفاظ سن کر فرزال خوشی سے اچھل پڑا۔

''تمہارے خیال میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے ابھی تک۔''

''میرے اندازے کے مطابق ایسا ہی ہے۔ ہاں۔ اگر وہ کسی ایسے ویسے کام میں پھنس چکا ہے۔ ایک اور بات میں تمہیں بتا دوں کہ سلاویہ اور اس کے گرد و نواح کی حسینائیں بڑی پرکشش ہوتی ہیں۔ اگر وہ کسی حسینہ کے سیاہ بالوں کی چھاؤں میں پڑ چکا ہے۔ تو پھر سمجھ لو کہ وہ گہری نیند سو رہا ہوگا۔ گہری اور پرسکون نیند۔''

''ہرگز نہیں اسے حسینوں کے بالوں کی چھاؤں راس نہیں آتی۔ وہ عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے۔ اگر اسے کسی حسینہ کے بال پسند آ جائیں تو وہ صرف اس بات میں دلچسپی لے گا کہ اسے گنجا کر دے اس کے علاوہ اسے کسی بات سے دلچسپی نہیں ہوگی۔''

''تب تو وہ تم سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ بہر حال ہم اسے تلاش کریں گے۔''

''تو بات یہ طے ہوئی کہ اب مجھے بھوت بن جانا چاہیے۔''

''ہاں۔ سلاویہ۔ میں تم ایک بھوت کی حیثیت سے نظر آؤ گے تو لطف ہی دوبالا ہو جائے گا اور اس رنگ کو برقرار رکھنے کے لیے میں اور بلکہ میرے چند اہم ساتھی بھی تمہاری مدد کریں گے۔ تم دیکھنا۔''

''کیا یہ غار محفوظ ہے۔ میرا مطلب ہے عارضی قیام گاہ کے لیے۔''

''سو فیصدی..... اس وقت تک یہ غار محفوظ ہے۔ جب تک تمہاری زندگی کا ثبوت ان لوگوں کو نہ مل جائے۔ یا پھر وہ کسی شبہے کا شکار نہ ہو جائیں۔ یہ علاقہ بالکل محفوظ ہے اور پھر ہم ہر طرح تمہارے معاون رہیں گے۔ زندگی میں پہلی بار ہم نے بھی کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے تم بالکل اطمینان رکھو اور جہاں تک تمہارے ساتھی کا معاملہ ہے تو تم بھروسہ کر لو۔ ہماری ذات پر کہ ہم اسے اسی طرح تلاش کریں گے جیسے تم اور اسے تم تک پہنچا دیں گے۔ اس دوران یہ لڑکی تمہاری خدمت گزار کی حیثیت سے رہے گی اور وہ ہماری ساتھی ہے اور کسی طور پر ہم سے الگ نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔''

فرزال نے جواب دیا اور ان لوگوں کے چہروں کی خوشی صاف طور سے نظر آنے لگی۔ پھر وہ دیر تک فرزال کے ساتھ بیٹھے رہے اور فرزال سے باتیں کرتے رہے۔ فرزال نے ان سے کہہ دیا کہ اسے کسی شے کی ضرورت ہوئی تو وہ ان سے ضرور رابطہ قائم کرے گا۔ آخر کار وہ رخصت ہو گئے اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ تو فرزال غار کے دہانے سے اندر داخل ہوا۔ چند ہی قدم چلا تھا کہ فرعونہ اسے ایک سمت بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ وہ اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

''ارے تم جاگ رہی ہو۔''

''ہاں۔ میں جاگ گئی تھی اور میں نے تمہاری گفتگو بھی سنی ہے لیکن میں نے تمہاری باتوں میں مداخلت کرنا پسند نہیں کیا۔''

''خوب۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔''

''پوچھو۔''

''ویسے فرعونہ یہ تو اچھا ہوا کہ تم سب کچھ جان گئیں۔ میں نے پوچھنا یہ ہے کہ کیا تم اس شخص عشق کو جانتی ہو۔''

''ہاں۔ نہ صرف عش بلکہ تمہیں سلاویہ کے گردو نواح میں ایسے بے شمار افراد ملیں گے جن کی زندگی کی صرف یہ ہی آرزو ہے کہ وہ مہران سے نجات حاصل کرلیں لیکن وہ تمہیں بے بس نظر آئیں گے۔ مہران سلاویہ والوں کو سلاویہ سے باہر نہیں جانے دیتا کہ وہ اس کے ظلم کی داستانیں سلاویہ سے باہر جائیں۔ بڑا مشکل وقت ڈال رکھا ہے اس نے سلاویہ پر۔ بے شمار لوگ اس کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں لیکن خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ انہیں آج تک کوئی ایسا سہارا نظر نہیں آیا جو ان کی مدد کرے۔''

''بس بہت سی باتیں سن چکا ہوں۔ اس کے بارے میں' اب یہ میرا فرض ہے کہ تم سب کو اس سے نجات دلاؤں یا خود موت کی آغوش میں چلا جاؤں۔ تم نہیں جانتی کہ یہ فرض کہاں سے مجھ پر عائد کیا گیا ہے۔''

فرعونہ عقیدت کی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے بعد فرزال اسی غار میں وقت گزارنے لگا۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی آرزو تھی کہ شیراز اسے مل جائے۔

درحقیقت شیراز اس کے لیے بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ بذات خود ایک شاندار لڑاکا تھا۔ بہترین ذہنی فیصلے کیا کرتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات فرزال دماغی طور پر بہت زیادہ گرم ہوجاتا تھا اور کئی بار غلط فیصلے بھی کرچکا تھا لیکن شیراز اسے فوراً سنبھال لیا کرتا تھا اور کسی بھی طور اسے کوئی غلط کام نہیں کرنے دیتا تھا۔ پتہ نہیں کس چکر میں پڑ گیا ہے وہ۔ بہرطور یہ سارے معاملات اپنی طرف سے پریشانی کے حامل تھے۔

ادھر یہ لڑکی خاموش نگاہوں سے اس سے بہت کچھ کہتی رہتی تھی اور بعض اوقات فرزال کو اس پر غصہ آجاتا تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ اسے دھکے دے کر غار سے باہر نکال دے۔ وہ اس قسم کے معاملات میں ذرا دلچسپی نہیں لیتا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پہلے بھی بہت سی حسینائیں اس کی جانب راغب ہوئی تھیں تو وہ کبھی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا اس کا تو اپنا مسئلہ ہی بالکل الگ تھا۔ اس کے اندر تو ایک مشن پل رہا تھا۔ جس کی تکمیل کے لیے اس نے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔

بہرحال اب وہ اس سلسلے میں گہرے انداز میں سوچ رہا تھا۔ اس نے بہت سے فیصلے کیے تھے اور انہی میں ایک انوکھا فیصلہ بھی تھا۔ اسے اپنا وہ گھوڑا یاد آیا تھا۔ جو اس کے لیے بڑی حیثیت رکھتا تھا وہ اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا۔ اس سارے مسئلے میں اس کا گھوڑا اس سے جدا ہوگیا تھا لیکن بہرحال سب سے پہلے اس گھوڑے ہی کو تلاش کرنا پڑے گا اور اس کے لیے گنگا ایک اچھا ساتھی ثابت ہوسکتا تھا۔

بہرحال پھر اس نے کچھ فیصلے کیے اور ایک رات وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔ فرعونہ گہری نیند سو رہی تھی اور اس نے اسے جاگنے نہیں دیا۔ غار کی بلندیوں سے نیچے اتر کر وہ بستی کی جانب چل پڑا۔

بہت دور نگاہ کی آخری حد پر بستی کی روشنیاں نظر آرہی تھیں اور یہ فاصلہ فرزال کو پیدل ہی طے کرنا تھا۔ بہرحال وہ تیزی سے اس طرف چلتا گیا۔ مدھم اور ملگجی روشنیاں آہستہ آہستہ اجالے کی آمد کے خوف سے سفید پڑتی جارہی تھیں لیکن ابھی صبح نہیں ہوئی تھی اور صبح ہونے سے پہلے فرزال بستی کے قریب پہنچ گیا۔ بستی میں آہستہ آہستہ زندگی جاگنے لگی تھی۔ مویشیوں کے باڑے سے ان کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

بھینسیں گوالوں کو پکار رہی تھیں اور ان کے تھنوں میں بھرا ہوا دودھ باہر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ مرغے اذان دے رہے تھے۔ درختوں پر پرندے شور مچانا شروع کر چکے تھے لیکن ابھی انہوں نے درختوں کی ٹہنیاں نہیں چھوڑی تھیں۔ فرزال لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اس سمت چل پڑا۔ جہاں سے گنگا کے مکان کی طرف جا سکتا تھا۔ یہ اس کی خوش بختی ہی تھی کہ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنی۔ کوئی گھوڑے سوار اس طرف آ رہا تھا۔

لیکن یہ بھی فرزال کی سماعت کا کمال تھا کہ گھوڑے کی چاپ اسے شناسا معلوم ہوئی۔ وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑنے لگا لیکن گھڑسوار کی آمد کی سمت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا اسے لیکن فرزال کو یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ یہ گھوڑا اس کا ہے۔ پھر کچھ اور کوشش کی جا سکتی ہے اور یہی ہوا۔

فرزال کے ہونٹوں سے سیٹی کی آواز نکلی۔ ایک بار' دوسری بار' تیسری بار' اس کے ساتھ ہی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز تیز ہو گئی۔ پھر ایک دلچسپ منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ یہ وہی آدمی تھا۔ جس کی مرمت فرزال نے اچھی طرح کی تھی اور اس کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔ یہ شخص بڑا ہی شیطان صفت نکلا۔ اس کا نام جوزن تھا۔ زخمی ہو کر وہ کئی دن بستر پر رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے عمل کا دوبارہ آغاز کر دیا تھا۔

اس وقت وہی گھوڑے پر سوار تھا اور شاید ہوا خوری کے لیے نکلا تھا یا کسی اور کام کے لیے۔ کہیں جا رہا تھا کہ گھوڑے کی فطرت بدل گئی۔ اس نے جوزن کو گرانے کی کوشش کی لیکن جوزن نے اسے سنبھال لیا تھا۔ گھوڑا تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا فرزال کے سامنے آ کھڑا ہوا اور پھر ایک دم دونوں پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ جوزن ایک دم سے نیچے گر پڑا۔

گھوڑے کا اچانک بھڑک پڑنا اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ پہلے تو وہ سیدھے سیدھے چلا آ رہا تھا اور گھوڑا مکمل طور پر اس کے قابو میں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے سیٹی کی آواز بھی نہیں سنی تھی لیکن اس نے دفعتاً گھوڑے کو بدکتے ہوئے دیکھا اور پھر جب گھوڑا سرپٹ ہوا تو جوزن کے لیے اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ حالانکہ وہ شاندار سوار تھا لیکن زخمی ہونے کی وجہ سے اس کی اپنی صلاحیتیں فی الحال دبی ہوئی تھیں۔

گھوڑے نے اچانک ہی یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور اچانک ہی اسے گرا دیا تھا لیکن یہ شخص کون ہے۔ جوزن نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ مدھم تاریکی اور دھندلائیں اب کسی حد تک کم ہو گئی تھیں کہ کسی کے نقوش کو پہچاننے میں کسی کو دقت پیش نہ آئے لیکن جس شخص کو اس نے اپنے سامنے دیکھا۔ اسے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں شاید صحیح طریقے سے کام نہیں کر رہی ہیں۔ حالانکہ تاریکی زیادہ نہیں ہے لیکن ضرور ان آنکھوں پر دھندلاہٹ طاری ہو گئی ہے۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا۔

زمین پر لیٹے لیٹے اس نے دونوں آنکھوں کو مسلا اور اسے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے چھیر کر سامنے کھڑے ہوئے خاکے کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے خدوخال کو یقینی طور پر محسوس کر کے اس کے حلق سے ایک دہشت بھری دہاڑ نکل گئی۔ خوف دہشت کی یہ چیخ اتنی زوردار تھی جو دور دور تک سنی گئی ہو گی۔ وہ اپنے زخمی ہاتھوں سے زمین پر گھستا ہوا کئی قدم پیچھے سیٹ گیا۔ اس کا دل سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

حالانکہ عام حالت میں وہ بے حد مضبوط انسان تھا لیکن وہ بہت کم ہی کسی سے خوفزدہ ہوا تھا لیکن وہ انسانوں کی بات تھی سامنے کھڑا ہوا انسان تو یقینی طور پر کوئی بھوت تھا۔ ورنہ اس شخص کو تو اس نے اپنی آنکھوں سے مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یقینی طور پر اس کی زبان باہر نکلی ہونا چاہیے تھی۔

آنکھوں کے حلقے بھی اپنے حلقوں سے کئی کئی انچ باہر نکلے نظر آنے چاہئے تھے لیکن اس وقت تو

ب کچھ ٹھیک تھا اور بڑے اطمینان سے اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ بھوت۔ بھوت۔ آہ سو فیصدی۔ بھوت اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر اس کی دہشت بھری آواز کپکپاتی ہوئی نکلی۔

''کک۔کون۔ کک کون' کک کون ہو تم' کون ہو تم۔'' وہ اٹھنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ اس کا وزن نہیں سنبھال پا رہے تھے۔ تب فرزال نے آگے بڑھ کر جوزن کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

''ارے مر گیا۔ ارے مار ڈالا۔ دیوتاؤں کی قسم چھوڑ دو مجھے۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں کہتا ہوں پیچھے ہٹ جاؤ۔ تمہیں۔ تمہیں دیوتاؤں کا واسطہ۔'' جوزن کا بدن بے انتہا کانپ رہا تھا۔

فرزال نے اسے آدھا اٹھایا ہوا تھا۔ اچانک اس نے اسے چھوڑ دیا اور جوزن ایک بار پھر دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

''بب۔ بچاؤ۔ بو۔ بھوت' بو بھوت۔'' جوزن نے دو تین بار کہا اور پھر اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی۔

وہ فرزال کی زندگی کو برداشت نہیں کر سکا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ فرزال کا بھوت اس کے سامنے ہے۔ چنانچہ اس وقت بہترین عمل تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اب وہ زمین پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ فرزال نے جھک کر اسے دیکھا اور پھر حقارت سے اس کے بدن پر کئی ٹھوکریں ماریں اور اس کے بعد اپنے وفادار گھوڑے کے قریب پہنچ گیا۔ گھوڑا خود بخود اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے شانے سے منہ رگڑنے لگا۔ وہ اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار کر رہا تھا۔ فرزال نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر آرام سے اس کی پشت پر سوار ہو کر بولا۔

''اتفاق کی بات ہے کہ میں تیرے لیے ہی غار سے باہر آیا تھا اور تو مجھے مل گیا۔ اب دوسرے مسئلے تو بعد ہی میں ہوں گے۔ مجھے تیری تلاش تھی اور تیرا مل جانا میرے لیے ایک اچھا شگون ہے۔ مجھے امید ہے کہ شیراز بھی مجھے اسی طرح کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ بعد کے حالات بعد میں دیکھیں گے اور ہم واپس غار کی طرف چلیں۔ پھر تیرے لیے بھی کوئی مناسب جگہ تلاش کرنی ہے۔'' یہ کہہ کر فرزال گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑھ لگا دی۔

گھوڑا اس کے اشارے پر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑوں میں غار کے پاس پہنچ گئے۔ فرزال نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ فرعونہ جاگ گئی تھی اور ایک پتھر پر چڑھی ہوئی دور سے آتے ہوئے گھوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے اور یوں لگتا تھا۔ جیسے سورج کی چمک نے کرنوں کی شکل میں جمع ہو کر انسانی شکل اختیار کر لی ہو۔ ساری رات کا خوابیدہ چہرہ ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ فرزال کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ ایک الھڑ لڑکی کی طرح پتھر سے نیچے کود آئی۔

''کہاں۔ چلے گئے تھے تم صبح ہی صبح۔'' اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ فرزال نے اسے دیکھا لیکن اس کی بات کا جواب دینا اس کے شایان شان نہیں تھا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور اس کی لگام پکڑ کر غار کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔

اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں گھوڑے کو باندھا جا سکے اور وہ دھوپ سے بھی محفوظ رہ سکے اور عام نگاہوں سے بھی۔ فرعونہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ اس نے فرزال کی خاموشی کا کوئی خاص اثر نہیں لیا تھا۔

آخر کار' فرزال کو ایک ایسا پہاڑی کٹاؤ مل گیا۔ جہاں اس نے گھوڑے کو ایک چٹان کے سائبان کے نیچے باندھ دیا۔ واپس پلٹا تو فرعونہ اپنی پتلی سی کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ تم نے جواب نہیں دیا۔'' فرزال نے

اسے تلخ نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

''فرعونہ میں صرف اپنی پسند کے سوالوں کا جواب دیتا ہوں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کھانے پینے کے لیے کیا انتظام کیا ہے تم نے۔'' فرعونہ یکدم سنبھل گئی۔

کچھ لمحے وہ کھڑی اسے غصیلی نظروں سے گھورتی رہی اور پھر اچانک ہی اس کے اندر سستی پیدا ہوگئی۔ اب اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

''تو میں نے کب کہا تھا کہ تم میرے سوال کا جواب دے ہی دو۔ ناراض ہونے کی کیا بات ہے کھانے کے لیے سب کچھ موجود ہے۔ ہاں۔ اگر تمہاری پسند کی کوئی چیز ہو تو مجھے بتا دو۔''

''مجھے ہر وہ چیز پسند ہے۔ جو شکم پُری کردے۔ چنانچہ جو کچھ بھی ہے مجھے دو۔ گھوڑے کی سواری نے میرے پیٹ کا ایک ایک گوشہ خالی کر دیا ہے اور بھوک برداشت کرنا میرے لیے سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔'' فرعونہ نے ذرا سی دیر میں فرزال کے سامنے ناشتے کے برتن سجا دیئے۔

فرزال نے محتاط رہنے کے لیے اسے دعوت دینا پسند نہیں کیا تھا۔ اگر وہ ذرا بھی اس لڑکی سے لگاوٹ کا اظہار کرتا تو آنے والے وقت میں اسے مشکلات پیش آسکتی تھیں۔

یہ لڑکی اگر صرف دوست ہی رہے تو زیادہ اچھا ہے۔ چنانچہ ناشتے کے بعد بھی اس نے یہ نہیں پوچھا کہ فرعونہ نے اپنے ناشتے کا بندوبست کیا ہے یا نہیں' وہ آرام سے پھر کی ایک چٹان سے ٹیک لگا کر دراز ہوگیا۔ وقت گزرتا رہا۔ فرعونہ برتن اٹھا کر چلی گئی تھی۔ نہ جانے سورج کتنا چڑھ آیا تھا کہ دفعتاً ہی فرزال کو اپنے گھوڑے کی ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یقیناً گھوڑا اسے کسی خطرے سے آگاہ کر رہا تھا۔ فرزال کسی پھرتیلے بندر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھا اور غار کے دہانے کے باہر چھلانگ لگا دی۔

پھر وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک بلند چٹان کی طرف جا رہا تھا۔ پھر اس نے پھرتی سے چٹان پر چڑھ کر چھلانگ لگا دی۔ سامنے ہی ایک پتلی سی پگڈنڈی پر پانچ گھوڑے سوار رائفلوں سے مسلح اسی سمت آرہے تھے۔ دور سے ان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ کون ہیں لیکن لباس اور قد و قامت سے وہ مقامی باشندے ہی معلوم ہوتے تھے۔

فرزال نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر نہایت پھرتی سے اس چٹان سے نیچے کودا اور اپنے گھوڑے کے قریب پہنچ کر اس کی باگیں کھولنے لگا۔ اس کے چہرے پر خطرناک ارادے نظر آرہے تھے اور یقینی طور پر وہ کوئی خوفناک کھیل کھیلنے کا فیصلہ کر چکا تھا گھوڑا آہستہ آہستہ چٹانوں میں ہوتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ اس کا رخ بھی اسی سمت تھا۔ جدھر سے وہ سوار آرہے تھے۔

لیکن فرزال اس طرح بچ کر چل رہا تھا کہ اسے دور سے نہ دیکھا جاسکے اور آہستہ آہستہ سواروں اور اس کے درمیان فاصلہ کم ہوجاتا رہا تھا لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ابھی تک سوار اسے دیکھ نہیں سکے۔ فرزال آہستہ آہستہ بلندیاں اتر رہا تھا۔ اس نے آخری حد یہ ہی کوشش کی تھی کہ اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سواروں کے کانوں تک نہ پہنچے۔ گھوڑا ابھی بڑی احتیاط سے اس طرح آگے بڑھا جا رہا تھا۔ جیسے پانی میں اتر گیا ہو۔

پھر فرزال اس درے کی ایک چٹان کے کٹاؤ میں جا کر رک گیا۔ جس میں وہ سوار آرہے تھے۔ فرزال انتظار کرتا رہا اور جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچے۔ فرزال انہیں مہلت دیئے بغیر اچانک اپنا گھوڑا دوڑا کر سکے سامنے آگیا۔

پانچوں سوار اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے۔ بالکل ان کی کیفیت ایسی ہوگئی تھی۔ جیسے وہ خوف سے دیوانے ہوگئے ہوں۔ حالانکہ اس کا خیال تھا کہ وہ اس سے جنگ کر کے اسے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں۔ یا پھر شاید وہ گرفتار کرنا چاہتے ہوں۔ اسے لیکن صورتحال بالکل مختلف تھی انہوں نے وحشت زدہ ہو کر گھوڑوں کی باگیں کھینچیں اور

انتہائی دہشت بھری آواز میں باگیں کھینچیں اور انتہائی دہشت بھری آواز میں چیخنے لگے۔

''بھاگو۔ بھاگو' بھوت بھوت۔'' اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر بھاگے تھے۔ گھبراہٹ میں وہ سمت کا تعین بھی نہیں کر سکے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے۔ جدھر جس کا منہ اٹھا تھا۔ جان بچا کر بھاگا تھا۔ ان میں سے ایک دوڑتا ہوا۔ درے کی چٹان سے ٹکرایا اور زخمی ہو کر گر پڑا۔ باقی چار افراد کسی نہ کسی طرح اس کی دسترس سے نکل گئے تھے۔ زخمی ہونے والا شخص بے ہوش ہو گیا تھا۔ فرزال کو اس صورتحال کی امید نہیں تھی۔ کچھ لمحے تک تو وہ خود بھی حیران رہا تھا۔ یہ سوچتا رہا کہ ہوا کیا ہے لیکن پھر ان کے الفاظ اس کی سمجھ میں آ گئے اور اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

وہ لوگ بھی اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے اور یہ بڑا دلکش اور دلچسپ چکر تھا۔

بہر حال فرزال نے ان کے تعاقب میں دوڑنا کسی طور مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ ان کی بدحواسی سے محفوظ ہوتا رہا۔ تو ہم پرست لوگ اسے بھوت تصور کر رہے تھے۔ یہ صورتحال ان کے لیے کافی عہدہ رہی تھی۔ اب یقیناً کوئی اس کے مقابلے میں آنے کو تیار نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی جا سکے گی۔

یہ نادان تو ہم پرست لوگ بھوت کو ہلاک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چٹان سے نیچے گرنے والا زمین پر چت پڑا ہوا تھا اور اس کا گھوڑا بھی کسی قدر زخمی ہو گیا تھا لیکن یہ گھوڑے ہی کی خوبی ہے کہ وہ اپنے مالک کا آخری دم تک ساتھ دیتا ہے۔ چنانچہ گھوڑا فرار نہیں ہوا تھا۔

فرزال کو یقین تھا کہ مفرور افراد اب واپس آنے کا تصور بھی نہیں کریں گے۔ اب یہ ہی زخمی کچھ کام آ سکتا تھا۔ اس وقت فرزال نے زخمی کی طرف قدم بڑھا دیئے اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ زخمی بے ہوش تھا اور اس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔

فرزال اس کے قریب ہی درے پر بیٹھ گیا۔ سوار کی پیٹی میں دونوں جانب پستول نظر آ رہے تھے۔ ایک بندوق بھی اس کے پاس تھی جو اس کی ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔

اسلحہ فرزال کی زندگی کا بہترین ساتھی تھا اور اس وقت دنیا کی بہترین شے اس کے لیے یہ اسلحہ ہی تھا۔ کیونکہ پھانسی گھر جاتے ہوئے وہ نہتا کیا جا چکا تھا کہ اب تک خود کو غیر مسلح محسوس کر کے وہ بہت پریشان رہ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی کارتوس کی پیٹی زخمی کی کمر سے الگ کی اور اپنی کمر سے باندھ لی۔ گولیاں کافی مقدار میں موجود تھیں۔ بندوق بھی اتار کر اس نے کندھے پر لٹکا لی اور مسلح ہو گیا۔ کم از کم ان لوگوں کی آمد سے اسے یہ تو فائدہ ہوا تھا۔ اس کے بعد فرزال نے بے ہوش آدمی کے لباس کی تلاشی لینا شروع کر دی۔

اس کی توقع کے مطابق اس کے لباس میں ایک تیز دھار چاقو بھی موجود تھا۔ فرزال نے اس پر بھی قبضہ جما لیا۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''اب یہ بتاؤ۔ مجھے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ تم نے بے ہوش ہو کر میرے لیے بہت سی قیمتی چیزیں فراہم کر دی ہیں۔ اطمینان رکھو۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ویسے بھی بے ہوش آدمی کو ہلاک کرنا میری فطرت کے خلاف ہے۔'' پھر اس نے گھوڑے کی طرف رخ کیا۔ سیدھا سادھا گھوڑا تھا۔ دو چار چکاریوں میں رام ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک فرزال اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ گھوڑا اس کے حکم کی تعمیل کر سکتا ہے۔ تو وہ اس کی لگام تھام کر اس کے پاس آیا۔ زخمی کو دیکھ کر نہ صرف گھوڑا ہنہنایا بلکہ اس نے زمین پر بھی دو چار پاؤں مار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا لیکن زخمی بدستور بیہوش تھا۔

فرزال نے البتہ زخمی آدمی کو گھوڑے کی پشت پر اوندھا لٹا دیا کہ وہ گر نہ سکے۔ اس کے بعد اس نے گھوڑے کے رخ درے کی طرف موڑا۔ اسے

آہستہ سے چھلی دی۔ گھوڑا اس کا مطلب سمجھتے ہوئے آہستہ آہستہ قدموں سے اپنے جانے پہچانے راستے پر چل پڑا۔

فرزال کو یقین تھا کہ اب گھوڑا اپنے زخمی سوار کو اپنی منزل تک لے جائے گا۔ فرعونہ اب بھی ایک اونچی پہاڑی کے ایک پتھر پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی گو کہ فاصلہ یہاں سے کافی تھا اور شاید فرعونہ اس کی کاروائی نہیں دیکھ سکی تھی۔ کیونکہ جس جگہ وہ کھڑی تھی۔ وہاں سے وہ درہ نظر نہیں آتا تھا۔ جہاں فرزال نے اپنا عمل کیا تھا آخر کار فرزال اس کے قریب پہنچ گیا تو فرعونہ سپاٹ نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔ ''کتنے تھے۔''

''پانچ۔'' فرزال نے اس کے غیر متوقع سوال پر حیران ہو کر کہا۔

''لاشیں کہاں چھوڑ دیں ان کی۔'' فرعونہ بولی تو فرزال چونک پڑا پھر اس نے کہا۔

''کیا مطلب۔؟''

''کیا ان کی لاشیں وہیں پھینک آئے ہو تم۔'' فرزال نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ لڑکی کا لہجہ اسے پسند نہیں آیا تھا۔ وہ جواب دیئے بغیر گھوڑے کی لگامیں تھامے آگے بڑھ آیا۔ فرعونہ پھر اس کے پاس پہنچ گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے تم میری کسی بات کا برا مان جاتے ہو۔ میں تو صرف معلومات کی غرض سے پوچھ رہی تھی کہ تم نے ان کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دیں یا گھسیٹ کر سڑک پر ڈال آئے ہو۔''

''میں بلا ضرورت کشت خون پسند نہیں کرتا۔ جن لوگوں سے میری دشمنی ہے۔ بس انہی سے ہے اور وہ بھی ایک اصولی دشمنی ہے۔ حالانکہ ابھی تک ان لوگوں نے میرے خلاف کچھ نہیں کیا۔ البتہ وہ درویش میرے ہاتھوں ضرور مارا گیا تھا لیکن اس کی حرکتیں ایسی تھیں کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اور بعد میں مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ درویش کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ کہ وہ مجھے غصہ دلائے اور میں قیس میں آ کر اسے قتل کر دوں۔''

''یہ باقاعدہ ایک سازش ہے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مجھے اس لڑکی کے قاتلوں کی تلاش ہے اور میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ قاتلوں کو کیفر کردار تک ضرور پہنچاؤں گا۔ یہ بات میرے علم میں آ چکی ہے کہ وہ قاتل مہران اور اسکے ساتھی ہیں۔ یہ میرا عہد ہے کہ مہران کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور اس کا نائب وشال میرے ہاتھوں ہی مارا جائے گا۔ اس طرح تمہاری بستی ان زہریلے سانپوں سے پاک ہو جائے گی۔ بس اس کے علاوہ میری کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ میں اپنا کام کر کے اپنے راستے پر چل پڑوں گا۔'' فرزال نے فرعونہ کے سوال کا طویل ترین جواب دے کر اسے گھور کر دیکھا لیکن اس کا دوسرا سوال بڑا عجیب تھا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ تعجب بھرے لہجے میں بولی اور فرزال عقیلی نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔

''اگر تم نہیں سمجھیں تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ان پانچوں سواروں میں سے میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔''

''تو کیا وہ نکل گئے۔''

''ہاں۔ وہ بھاگ گئے۔'' فرزال نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''ان میں سے صرف ایک زخمی ہوا ہے اور وہ بھی اپنی بیوقوفی کی بناء پر.....''

''تم نے زخمی کو وہیں چھوڑ دیا۔'' فرعونہ بے تابی سے بولی۔

''نہیں۔ میں نے اسے گھوڑے کی پشت پر ڈال کر اسے بھی اس کے ساتھیوں کے پیچھے روانہ کر دیا ہے۔'' فرزال اپنا گھوڑا اسی جگہ باندھنے کے لیے چل پڑا اور اس کے بعد غار میں داخل ہو گیا۔ فرعونہ کے پیچھے پیچھے اندر آ گئی تھی۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔'' فرعونہ کا چہرہ بدل گیا۔

''مطلب۔'' فرزال غرایا۔

''اب وہ لوگ بستی میں جائیں گے اور لوگوں کو یہ کہانی سنائیں گے کہ پھانسی پانے والا زندہ

لاقات ہے۔ وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات وشال کے کانوں تک پہنچ جائے اور وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان پہاڑیوں کی طرف رخ کریں۔ اب کے وہ بہت سارے لوگوں کے ساتھ آئے گا۔''

''ایک مشورہ مانو گی میرا۔'' فرزال نے کہا۔

''ہاں۔ ہاں ضرور بولو۔''

''اب تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ تم اپنی بستی اور اسی جگہ سے غائب ہو جہاں نظر آتی ہو۔ لوگ تمہارے بارے میں کچھ سوچنے نہ لگیں۔ اس طرح تمہاری اپنی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔''

فرعونہ نے اسے عجیب سی نگاہوں دیکھا اور بولی۔

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے اور اس کے بعد مجھ بے سہارا لڑکی کو سلاویہ کی خوفناک فضاء سے کر لے جاؤ۔ کیا تم مجھے وہاں نہیں لے جا سکتے جہاں خود رہتے ہو۔ توہین کرو۔ میں اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں چاہوں گی کہ بس مجھے سلاویہ سے نجات دلا دو۔ یہ کام صرف تم کر سکتے ہو۔ اس کے بعد میں تمہارے لیے دل میں یہ احساس لے کر زندہ رہوں گی کہ تم صرف سلاویہ ہی کے نہیں بلکہ میرے بھی نجات دہندہ ہو اور نجات دہندہ کا تصور معمولی نہیں ہوتا فرزال! کیا تم مجھے اپنی تعظیم کا حق بخشو گے۔''

فرعونہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

لیکن فرزال پتھرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''دیکھو لڑکی! میں ان تمام باتوں کو نہیں جانتا۔ محبت میری زندگی میں کہیں دور دور تک نہیں ہے اور نہ ہی ابھی صدیوں تک اس کی گنجائش ہے۔ تم میرے سلسلے میں کوئی ایسی بات سوچ رہی ہو تو میں ایک اچھے دوست کی طرح یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ ایسا نہ سوچو۔ اگر ہم لوگ اپنی کوششوں سے سلاویہ کو مہران کے چنگل سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو تم اپنی صاف ستھری فطرت کے مطابق اپنی پسند کے کسی آدمی کو منتخب کر لینا جو تمہاری زندگی بھر کی تشنگی کو سیراب کر دے۔ میرے ساتھ تمہیں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کیونکہ میرا مقصد اور میری زندگی مسئلہ ہی بالکل مختلف ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں صرف ایک شخص سے محبت ہے اور وہ میرا ساتھی۔ میرا دوست شیراز ہے۔''

''میں نہیں جانتا کہ وہ زمین کے کس حصے میں پوشیدہ ہے۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اگر زندہ ہوگا۔ تو مجھے ضرور آ کر مل جائے گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ موت اسے آسانی سے نہیں چاٹ سکتی۔ وہ اتنا بہادر ہے کہ موت بھی اس سے دامن بچا کر چلتی ہے۔ میں اس کے لیے بہت دکھی ہوں اور جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں۔ تم اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ انسان کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ اگر اس کی زندگی میں بہت سے مقاصد یکجا ہو جائیں تو پھر میرے خیال میں وہ اپنی زندگی کے کسی بھی مقصد سے مخلص نہیں رہ سکتا۔'' فرعونہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ کچھ لمحے تک ڈبڈبائی آنکھوں سے فرزال کو دیکھتی رہی پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔

''واقعی تم نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ فرزال! انسان کے اندر خود غرضی اسی طرح پلتی ہے۔ جیسے یہ اس کے وجود ہی کا ایک حصہ ہو لیکن تم کتنے عظیم انسان ہو۔ تم نے مجھے خواب سے جگا دیا۔ تم تو نجانے کون کون سی بستیوں کے نجات دہندہ ہو اور ایک عورت تمہیں قید کر لینا چاہتی ہے جو میں ہوں۔''

''تمہیں فرزال تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں میں تمہاری شکر گزار ہوں وہ میں نہیں ہو سکتی۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گی غلطی کر رہی تھی میں تم سچے دل سے میرے بارے میں سوچ لو۔ کہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی ایک انسان کی مانند اور وہ انسان ہی کیا جو غلطی نہ کرے۔ اب میرے دل میں صرف تمہاری عقیدت ہے۔ واقعی میرے دل میں تمہارے لیے عقیدت ہے۔'' فرزال خاموشی سے

اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ پھر بولی۔

''میں نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی کہ تم سے ڈر کر فرار ہونے والے سوار بستی میں جا کر لوگوں کو تمہارے بھوت بن جانے کی کہانی سنائیں گے۔ پھر یہ کہانی زبانوں پر سفر کرتی ہوئی وشال کے کانوں تک پہنچ جائے گی اور اس کے بعد حالات تمہارے حق میں نہیں جاتے۔ تم اس وقت کیا کرو گے۔''

''فکر مت کرو۔ کوئی بھی مناسب پناہ گاہ تلاش کرلوں گا لیکن جہاں تک فرعونہ میرا خیال ہے۔ اب تمہارا چلا جانا بہتر ہے۔ یوں بھی یہ چٹانیں ابھی اتنی سنگدل نہیں کہ ایک انسان کو پناہ نہ دے سکیں۔ تم اپنی سرائے میں جاؤ اور وہاں سے اپنا کام باقاعدہ آغاز کرو۔ بلکہ یہ بہت اچھا رہے گا۔ کیونکہ عش اور گنگا تم سے ملاقات کر کے صورتحال تم سے معلوم کرلیں گے۔ ویسے ان سے یہ بات بھی کہنا کہ میں خود ہی ان سے ملاقات بھی کروں گا اور ہم آئندہ کے معاملات طے کریں گے۔''

''میرا جانا ضروری ہے۔''

''ہاں۔ تم جاؤ گی تو مجھے صورتحال کا اندازہ ہوتا رہے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسے تم کہو۔''

''ویسے تمہیں عام راستوں سے بچ کر جانا چاہیے اور اگر تمہارے خیال کے مطابق گھڑ سوار بستی میں پہنچ گئے اور وشال کو اس بات کی اطلاع مل گئی ہے تو ممکن ہے۔ وہ لوگ پہاڑوں کی جانب چل پڑے ہوں۔ تمہیں ان کی نگاہوں سے بچنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسے تم کہو۔ فرعونہ تیار ہوگی۔''

اور اس کے بعد اس نے فرزال کو ایک نگاہ دیکھا اور اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔ فرزال اسے اس وقت تک دیکھتا رہا۔ جب تک وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ پھر اس نے اپنی بندوق کو جانچا پھر واپس اپنے گھوڑے کی جانب چل پڑا۔

اس کے حسین چہرے پر اس وقت سوچ کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں کہ کسی کی پرواہ نہیں تھی اسے۔ رہ رہ کر وہ شیراز کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ماضی کی تمام باتیں اسے یاد آرہی تھیں۔ جب سے انہوں نے یہاں تک سفر کیا تھا۔ شیراز ہر جگہ ایک زیرک ذہین آدمی ثابت ہوا تھا۔ پھر وہ کون سا مسئلہ ہے۔ جس نے اسے اتنا دور کردیا ہے اس وقت اس کی سوچ کے دھارے صرف شیراز کے گرد گھوم رہے تھے۔

بستی میں واپس لوٹنے کے لیے سورج کے چھپنے کا انتظار کرنا بھی ضروری تھا اور اس وقت گنجان درختوں کی جانب چلا جارہا تھا۔ ایسے درخت وہاں موجود تھے جو کسی ایک انسان کو اس طرح چھپا سکتے تھے۔ جیسے آنکھ میں آنسو۔ گھنے درختوں کے نیچے لمبی کودرو گھاس مخمل کے بستر کی مانند بچھی ہوئی تھی موسم کی تیزی بھی درختوں کی چوٹیوں میں اٹک کر رہ جاتی تھی اور نیچے کے ماحول تک اس کے اثرات نہیں پہنچتے تھے۔ اس جگہ پہنچ کر گھوڑا بھی شاید موسم کی خوشگواری کا شکار ہوگیا۔ کیونکہ وہ بھی بڑی سست چال چل رہا تھا۔

فرزال نے تھوڑی دیر کچھ سوچا اور اس کے بعد وہ گھوڑے کی پشت سے اتر گیا اور اس نے گھوڑے کی گردن سے لگامیں نکال دیں۔ گھوڑا اپنے مالک کا شکر گزار ہو کر آگے بڑھ گیا۔ وہ اس کی ایک ایک فیس کا مطلب سمجھتا تھا۔ کافی دیر تک فرزال اس پر فضاء مقام پر وقت گزارتا رہا اور جب اسے احساس ہوگیا کہ اب سورج کی تپش تقریباً ختم ہوگئی ہے تو وہ اپنے لباس سے تنکے جھاڑتا ہوا درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے علاقے میں آگیا۔ اس کا ذہن اب تیزی سے آنے والے وقت اور حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا اسے کوئی لائحہ عمل طے کرنا تھا۔

کافی غور و خوض کرنے کے بعد اس نے کچھ فیصلے کیے اور پھر اس کے اندر ایک اطمینان سا ہوگیا۔ عش اور گنگا کے بارے میں اس نے سوچا

بے شک وہ ابھی تک اس کے پاس نہیں پہنچے ہیں لیکن فرزال کے بارے میں اس نے سوچا تھا کہ بے شک وہ ابھی تک اس کے پاس نہیں پہنچے ہیں لیکن فرزال کی مضبوط قوت ارادی بھی دوسروں پر انحصار نہیں کرتی تھی۔

آخر کار اس نے بستی کی جانب رخ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بستی کی حد میں داخل ہو چکا تھا۔ پھر اس کی توقع کے مطابق ہی ہوا۔ بستی کے پہلے آدمی نے اسے دیکھا اور اپنی جگہ پر تھرا کر رہ گیا۔ وہ کنوئیں سے پانی نکال دیا تھا۔ اس کی نظر فرزال پر پڑی اور پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر واپس کنوئیں میں جا گرا۔ فرزال نے یہ عمل دیکھ لیا تھا لیکن وہ اس کی طرف توجہ کئے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ گو ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن وہ جب بستی میں جس طرح سے بھی گزرتا۔ وہ جگہ لمحوں میں سنسان ہو جاتی موجودہ صورتحال خاصی سنسنی خیز تھی اور اب لوگ دروازوں سے جھانک کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔ اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو یوں لگتا جیسے کسی نے بچے کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

فرزال کو یقین ہو گیا کہ درے کے راستے بھاگ کر آنے والے سواروں نے آگ کی طرح بستی میں اس کی موجودگی کی خبر پھیلا دی ہے۔ یقیناً ہوزن اور باقی افراد بھی اس کی موجودگی سے بے خبر نہیں ہوں گے۔ مہران کو ضرور اس کا پتہ چل گیا ہوگا۔ فرزال نے بڑی ہمت سے بستی کی گلیوں کے چکر لگائے اور آخر وہ فرعونہ کے قہوہ خانے کی جانب چل پڑا۔

فرعونہ کے قہوہ خانہ تک یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ سلادیہ کا اجنبی جسے پھانسی دی جا چکی ہے۔ بھوت بن کر پہاڑوں میں بھٹک رہا ہے۔ یہ اطلاع ابھی تک عام نہیں ہوئی تھی کہ وہ بستی میں داخل ہو گیا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی فرزال نے فرعونہ کے قہوہ خانہ میں قدم رکھا۔ اندر جو چند افراد موجود تھے۔ دہشت بھری آوازیں نکالتے ہوئے اپنی اپنی میزیں چھوڑ کر بھاگے اور پھر جسے بھی موقع ملا ایک دوسرے پر گرتا پڑتا قہوہ خانے سے نکل بھاگا۔ فرعونہ سرائے کے بوڑھے مالک کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ یہ شخص جسے فرزال نے پہلے فرعونہ کا باپ سمجھا تھا۔ فرزال آہستہ آہستہ چلتا ہوا۔ ان دونوں کے پاس پہنچ گیا بوڑھے کے بدن میں خوف کی تھرتھراہٹ تھی لیکن فرعونہ کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک تھی۔ اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے لیے خوفزدہ نہیں ہوں۔ بلکہ تمہاری موت پر افسردہ ہوں کوئی کیا کرسکتا تھا۔ موت جبکہ تمہارا مقدر بن چکی تھی۔'' فرزال نے فرعونہ کی طرف دیکھا اور پھر ایک مخصوص بھیانک آواز حلق سے نکالتا ہوا بولا۔

''اور تم یہ بھی دیکھو کہ موت بھی مجھے سلادیہ سے نہیں نکال سکی۔ کیا تمہیں میرا یہ مقدر نظر نہیں آیا۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں لیکن سلادیہ اجنبی لوگوں کا قبرستان ہے۔ یہاں کی کہانیاں کوئی زندہ انسان اپنے ساتھ لے کر واپس نہیں لوٹ سکتا یہ صرف تمہاری بدنصیبی ہے کہ تم نے یہاں سے نکل جانے کے بجائے موت کو اپنایا۔ جاؤ۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ اپنی قبر میں جا کر سو جاؤ۔''

''میں تمہارے مشورے پر ضرور عمل کرتا مگر مجھے ابھی کچھ کام ہے۔ اصل میں کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں بس وہ چند افراد میرے ساتھ چل پڑیں اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' ابھی فرزال نے اپنی بات پوری ہی کی تھی کہ اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ آنے والوں میں سب سے آگے وشال تھا جو ہاتھ میں پستول پکڑے ہوئے تھا اور اس کے پیچھے کچھ لوگ اور بھی تھے لیکن شاید ابھی تک اس امید کا شکار تھے کہ کوئی بھوت یہاں تک نہیں آیا تھا اور وہ صرف ایک کہانی سن رہے ہوں لیکن اب یہاں آنے کے بعد انہوں نے اپنی آنکھوں سے فرزال کو دیکھ لیا تھا۔ ان

کے چہروں پر بے شک خوف کے آثار تھے لیکن فرزال نے محسوس کیا کہ وشال کی آنکھوں میں صرف سنجیدگی ہے۔ وہ فرزال کو گھور رہا تھا پھر اس نے اپنے پستول کو گردش دیتے ہوئے کہا۔

''لوگوں کا خیال ہے کہ تم ایک چالاک اور دلیر انسان ہو لیکن میری رائے اس سے مختلف ہے۔ تم مکمل گدھے ہو۔ اگر تم چالاک ہوتے تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بستی سے بھاگ جاتے۔ یہ بستی صرف تمہاری موت کی بستی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سلاویہ والوں کو اتنی آسانی سے بیوقوف بنا سکتے ہو۔ تم نے یہ تاخیر دینے کی کوشش کی کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گئے ہو لیکن وشال حیران کا ساتھی ہے اور مہران وہ ہے جو زمین کی گہرائیوں اور آسمان کی بلندیوں تک کی خبر رکھتا ہے۔''

''میں نہیں جانتا کہ تمہاری تدفین کے سلسلے میں یا پھانسی کے بارے میں کیوں کس نے سازش کی لیکن تم نے اپنی اس خالی قبر کے بارے میں کیوں نہ سوچا جیسے کھول کر دیکھا جا سکتا ہے۔ کیا مہران اتنا ہی بیوقوف ہے کہ تمہاری نئی زندگی کی خبر سن کے سب سے پہلے تمہاری خالی قبر تلاش نہ کرتا۔ البتہ یہ بات تم سے نہیں پوچھی جائے گی کہ پھانسی دیتے ہوئے جلاد نے تمہارے ساتھ کیا رعایت کی یا پھر اگر یہ جلاد کی سازش نہیں تھی۔ تو وہ کون ہے جس نے تمہیں بچانے کی جدوجہد کی اور سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تمہیں بچا لے گیا۔''

''تمہارا وہ انجانا دوست بستی کا رہنے والا ہے یا بستی سے باہر کا لیکن مہران کے آدمی اتنے احمق نہیں ہیں کہ کسی بات کا کھوج نہ لگا سکیں۔ تاہم میں تم سے صرف تمہارے بارے میں یہ کہنے آیا ہوں کہ تم خود کو چالاک آدمی سمجھتے ہو اگر نہیں تو تمہارے یہاں واپس آنے کا مقصد کیا ہے کیا ہم نے تمہاری قبر میں بھرے ہوئے پتھر دیکھے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ تم اس قبر میں دفن ہی نہیں ہوئے۔''

فرزال انتہائی سکون سے یہ تقریر سنتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''ہاں۔ اچھا کیا تم نے اس قبر سے پتھر نکال لیے۔ وشال اس قبر کو خالی نہیں رہنا چاہئے۔ اگر تم میری واپسی کا مقصد جاننا چاہتے ہو تو سنو میں اس لیے واپس آیا ہوں کہ اس خالی قبر میں مہران اور اس کے ساتھیوں کو دفن کر دوں۔'' فرزال کی آواز میں بڑی سفاکی تھی لیکن وشال نے اس کی بات کی پرواہ نہ کی اور ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔

''کیا یہ کام تمہارے لیے اتنا آسان ہوگا۔ سلاویہ اور اس کے گرد و نواح کے لاتعداد لوگوں نے یہ حماقت کرنے کی کوشش کی مگر کیا ہوا۔ ان کی قبریں تو تم نے دشمنوں کے قبرستان میں پھیلی ہوئی دیکھ لی ہوں گی۔ سینکڑوں دلوں میں آج بھی یہ خواہش موجود ہے کہ مہران کو ختم کر دیں لیکن کسی کی حسرت پوری نہیں ہو سکی۔ مہران اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے دشمنوں کے درمیان زندہ ہے۔ وہ زندہ رہنے کا فن جانتا ہے۔''

''اور میں بھی اس فن سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں۔ وشال اور مہران کو اس فن پر آزمانا چاہتا ہوں۔''

''تب میں اسے تمہاری بیوقوفی کے علاوہ کوئی نام نہیں دے سکتا۔ آہ کتنا اچھا۔ تمہارے لیے کہ اگر تم کسی طرح بچ گئے تھے تو یہاں سے زندہ نکل جاتے لیکن بدنصیبی اسی کو کہتے ہیں۔ تمہاری موت سلاویہ ہی میں ہوگی۔ یہ تمہارا مقدر ہے۔'' پھر اس نے اپنے عقب میں کھڑے لوگوں کو دیکھا۔ پھر گرج کر بولا۔

''چلو اسے گرفتار کر لو۔ مہران اس جیسے ضدی آدمی.....'' ابھی اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ دو فائر ہوئے اور وشال بال بال بچ گیا۔

لیکن اس کے پیچھے کھڑے ہوئے لوگ نہیں بچ سکے تھے۔ اس کے دو آدمیوں کے سینوں میں سوراخ ہو گئے تھے اور یہ کام ان دو لمحوں میں ہوا تھا کہ جب اس کے آدمیوں کی طرف رخ کر کے

انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا۔ فرزال کے لیے وہی چند لمحے قیمتی ثابت ہوئے تھے۔ دوسرے ہی لمحے وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح اڑتا ہوا۔ وشال پر آ پڑا۔

اس نے وشال کی گردن دبوچ لی اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اس کا پستول نیچے پھینک دیا پھر اس نے اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول وشال کی کنپٹی پر رکھ دیا' یہ سب کچھ اتنی برق رفتاری سے ہوا تھا کہ وشال کے آدمی اس کا دفاع بھی نہیں کر سکے تھے۔ فرزال نے پستول کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔

''اپنے ان آدمیوں سے کہو کہ باہر نکل جائیں۔ ورنہ زندگی نہیں بچ سکے گی۔'' وشال کی پھرتی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔ اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ صورتحال کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے میں فرزال کتنا ماہر ہے۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے فرزال کو دیکھا اور پھر پلٹ کر اپنے ساتھیوں کو' جو ہاتھوں میں بندوقیں لیے اس سے زیادہ حیران کھڑے تھے۔ وہ فرزال پر گولی بھی نہیں چلا سکتے تھے۔ ورنہ ساتھ میں وشال کا بھی جسم چھلنی ہو جاتا جن کے سینوں میں گولیاں لگی تھیں ان کے جسم چھلنی ہو چکے تھے۔

''جاؤ۔ جاؤ باہر جاؤ۔ چلو جلدی جاؤ۔'' وشال نے کہا اور وہ لوگ چھلانگیں لگاتے ہوئے وہاں سے نکل بھاگے۔ ان کے جانے کے بعد فرزال نے وشال کی کنپٹی پر سے نال ہٹائی اور اس کو بالوں سے پکڑ لیا۔

''تم میرے ساتھ باہر نکلو۔ باہر نکلنے سے پہلے چیخ کر سب کو اطلاع دو کہ وہ اپنے ہتھیار پھینک دیں۔'' وشال بری طرح نروس ہو گیا تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا مد مقابل کسی معمولی شخصیت کا مالک نہیں ہے وہ دشمنی کرنا چاہتا ہے اسی میں عافیت ہے کہ اس وقت وہ جو کچھ بھی کہے اس کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ باہر نکل آیا اور باہر نکل کر اس نے چیختے ہوئے کہا۔

''خبردار' خبردار' تم سب اپنے ہتھیار پھینک دو۔ میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔'' باہر کھڑے ہوئے تقریباً تمام ہی آدمیوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ وہ اب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس زندہ مردے کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جس کی موت انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور جس کے بارے میں مشہور تھا کہ ایک خطرناک آدمی نے ایک درویش کو ہلاک کر دیا ہے۔

بہرحال فرزال اپنے گھوڑے تک آیا اور وشال کے بال اس نے ابھی تک اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ پھر اس نے وشال کے ایک ٹھوکر ماری اور اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ریوالور سے سامنے کھڑے ہوئے چار گھوڑوں کے پیروں پر گولی ماری۔ گھوڑوں نے زخمی ہو کر اچھلنا شروع کر دیا اور بہت سے لوگ ان کی زد میں آ کر زخمی ہو گئے۔ اس دوران فرزال نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برق رفتاری سے وہاں سے نکل بھاگا۔ اس نے بستی کے ویران حصے کی طرف رخ کیا تھا۔

یہ بات شاید بستی والوں میں پوری طرح نہیں پھیلی تھی اس لیے نسبتاً کم گنجان علاقے میں اسے چند ہی لوگوں نے دیکھا اور انہوں نے بھی اسے دیکھتے ہی چھپنے کی کوشش کی تھی۔

اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر فرزال با آسانی بستی سے نکل گیا اور اونچے اونچے ٹیلوں کے درمیان وہ ایک مخصوص راستے پر چلتا رہا۔ وہ کافی دور نکل آیا تھا۔ راستے میں ایک چھوٹی سی ندی نظر آئی۔ اس کے بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم تھا لیکن اس نے اس ندی کے کنارے کنارے گھوڑا دوڑانا شروع کر دیا۔

تقدیر پر بھروسہ کیے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ آخر کار وہ ایک ایسی عمارت کے پاس پہنچا جو کسی زمانے میں عمارت ضرور رہی ہو گی لیکن اب

وہ کھنڈارت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس کھنڈر نے اچھا خاصا علاقہ گھیر رکھا تھا۔ اس کے آس پاس میں انسانی قد سے زیادہ بلند جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں' فرزال نے وہاں گھوڑے کی رفتار سست کی اور پھر گھوڑا روک کر کھڑا ہوا اور عمارت کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ یہ عمارت اس کے لیے اس وقت بڑی اچھی حیثیت کی حامل ہے۔

وہ ایک ایسی عمارت تھی۔ جس میں وہ داخل ہو کر پوری طرح اپنا دفاع کر سکتا تھا۔ اس کے پاس کافی مقدار میں اسلحہ موجود تھا۔ ایک بار پھر اسے شیراز کا خیال آ گیا۔ اب تو شیراز ایک حسرت بن چکا تھا اور فرزال کے دل کے گوشوں میں نہ جانے کیوں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ شاید فرزال اسے دوبارہ نہیں مل سکے گا۔ اس خیال کے تحت اس کی موجودگی کے بغیر اپنے مقصد کی تکمیل کرنے کے بارے میں فرزال کے خیالات خراب ہونے لگے تھے۔ وہ اکثر بزرگ راہنما کے بارے میں سوچتا یہ روحانی دیوتا۔ یہ روحانی بزرگ یہ زندہ پیر جھوٹا تو نہیں ہو سکتا۔ فرزال نے تو اپنی زندگی کے بیشتر حصے میں مقدس راہنما کے بارے میں بہت سی کہانیاں سنی تھیں۔

جن سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ مقدس راہنما ایک روحانی آدمی ہے۔ بہت کم بدلتا ہے بہت کم کچھ کہتا ہے لیکن جو کچھ کہتا ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔

بہر حال گھوڑے کو چھوڑ کر وہ عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ایک شکستہ ستون پر چڑھ کر دور دور تک کے علاقے کا جائزہ لیا۔ نگاہوں کی حد تک خاموشی اور ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

کسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ یہ بات اطمینان بخش تھی۔ چنانچہ وہ ستون سے اتر آیا اور اس کے بعد اس نے پوری عمارت کا جائزہ لے لیا۔ عمارت زیادہ تر ٹوٹی پھوٹی تھی لیکن اس کی کشادگی بے مثال تھی۔ جو حصے باقی بچے تھے ان میں بھی جالے لگے ہوئے تھے اور جگہ جگہ چمگادڑوں کے گھر نظر آ رہے تھے۔

بہر حال یہ ایک اچھا خاصا آسیب زدہ محل معلوم ہوتا تھا۔ فرش اس قدر گرد آلود تھا کہ اصل زمین کے رنگ کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔

فرزال کو ایسی ہی جگہ کی تلاش تھی جو اس کے لیے پناہ گاہ بن سکے ایک بار پھر وہ ہنگامہ آرائی کر کے آیا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وشال کے آدمی خوفزدہ ہو گئے تھے اور وہ ان کے نرغے سے نکل آیا تھا لیکن یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ زیادہ دیر تک وہ خوفزدہ نہیں رہیں گے اور ایک بار پھر اس کی تلاش میں تیزی آ جائے گی۔ اس طرح عشق اور گنگا کے کارناموں میں دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔

بہر حال فرزال کو ان حالات کی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔ نہ ہی اس نے اپنے ذہن میں کوئی منصوبہ ترتیب دیا تھا۔ اصل میں شیراز کی گمشدگی نے اس سے اس کی صلاحیتیں چھین لی تھیں اور وہ خطرات میں گھرا ہونے کے باوجود بھی بستی سلاویہ کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

آخر کار وہ کئی لمبی راہداریوں میں سے گزرتا ہوا اوپری منزل کے اس ٹوٹے ہوئے دریچے کے اوپر پہنچ گیا جس کے اوپر چھت موجود تھی دریچے میں تین صحراب بنے ہوئے تھے۔ اس جگہ کو اٹھنے بیٹھنے کے لیے صاف کیا جا سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ دریچے سے وہ دور سے بستی سے آنے والے راستوں کو بھی نظر میں رکھ سکتا تھا۔

چنانچہ اس نے دریچے کو صاف کیا اور اپنے سفری تھیلے سے ضرورت کا سامان نکالا اور دریچے میں بچھے ہوئے ایک بڑے سے پتھر پر دراز ہو گیا۔ اس وقت تو اپنے آپ کو بڑا تھکا تھکا محسوس کر رہا تھا لیکن وہ سونا نہیں چاہتا تھا' تازہ زخم لگا کر آیا تھا اور وشال کے آدمی کتوں کی طرح اس سونگھتے پھر رہے ہوں گے' دریچے سے اس نے اپنے گھوڑے کو دیکھا جو اتنی دور نکل گیا تھا کہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ گھوڑے نے اپنے آپ کو اونچی نیچی

پہاڑیوں میں چھپا لیا ہو۔
بہر حال وہ اس وقت نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆☆

اسے لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ بہت سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سماعت سے ٹکرائیں اور فرزال چونک کر اٹھ کھڑا ہوا' گھڑ سوار عمارت کی طرف نہیں آئے تھے۔ بلکہ مختلف سمت نکل گئے تھے فرزال بہت دیر تک ادھر نگاہیں جمائے رہا۔ جدھر گھڑ سوار گئے تھے اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا کر پتھر پر دراز ہو گیا۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کھنڈر کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا۔ بہت دیر تک وہ وہاں لیٹا رہا۔ پھر لیٹتے لیٹتے اکتا گیا تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ عمارت کا ایک اور چکر لگانے کے خیال سے نیچے آیا وہ گھڑ سوار جو ابھی کچھ دیر پہلے یہاں سے گزرے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ فرزال کو عمارت کے بائیں طرف ایک جگہ نظر آئی۔ جس کا رخ ندی کی طرف تھا۔ ادھر سے ہی خنک ہوائیں آ رہی تھیں اور ان کی وجہ سے موسم بہت بہتر ہو گیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ شام ہو گئی اور سورج مغرب کی جانب پہاڑیوں کے پیچھے گم ہونے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی رات ہو جانے والی تھی۔ فرزال کو شب بھر کے قیام کے لیے مناسب جگہ منتخب کرنا تھی جو اس سے اچھی جگہ اور کوئی ہو نہیں سکتی تھی۔ تاریکی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اس وقت نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا کہ گھوڑوں کی ٹاپیں پھر سنائی دیں۔ یہ آوازیں بتدریج قریب آتی جا رہی تھیں۔

فرزال کو اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کا رخ عمارت ہی کی جانب ہے۔ چنانچہ وہ کسی سانپ کے طرح چوکنا ہو گیا۔ گویا ان کا رخ اب اس کی جانب ہو ہی گیا ہے۔ اس نے اپنے دونوں ریوالور پیٹی سے نکال کر ہاتھوں میں لے لیے اور ایک ایسی جگہ رینگ گیا۔

جس کا انتخاب وہ پہلے کر چکا تھا۔ اگر اسے جنگ کرنا پڑتی تو یہاں سے آنے والوں پر بہترین طریقے سے گولیاں چلا سکتا تھا اور یہ جگہ اس کے لیے ایک بہترین پناہ گاہ بھی تھی۔

اگر کوئی عین اس جگہ آ جائے اور اسے نشانہ بنانے کی کوشش کرے تو پھر دوسری بات ہے لیکن اس امکان کے لیے بھی اسے تیار رہنا چاہیے تھا۔ آنے والے اسی دریچے کے نیچے رکے تھے۔ جس کی ایک پوشیدہ جگہ وہ چھپا ہوا تھا اور ان لوگوں کو دیکھ سکتا تھا۔ تاروں کی مدھم روشنی میں آنے والوں کی شکلیں اسے نظر آ رہی تھیں۔ یہ دونوں جوان تھے۔ جن کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ البتہ تیسری ایک عمر رسیدہ عورت معلوم ہوتی تھی۔

فرزال نے حیرانی سے ان تینوں کو دیکھا۔ اس وقت ایسی کسی شخصیتوں کا یہاں آنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال وہ دم روکے انہیں دیکھتا رہا۔ آنے والوں نے گھوڑوں سے اتر کر چوکنے انداز میں چاروں طرف دیکھا پھر عورت کی آواز ابھری۔

''ماحول پرسکون ہے۔''

''کیا اسے اتاریں گھوڑے سے۔'' ایک نوجوان کی آواز آئی تھی۔

''ہاں جلدی کرو بیٹے۔ وقت کی لگامیں تھامے رکھنی چاہئیں بیٹے! جس شخص نے وقت کو ضائع کیا تو سمجھ لو اس نے اپنی زندگی ضائع کردی۔'' رات کے سناٹے میں عورت کی آواز پروقار انداز میں ابھری۔

دونوں نوجوان کوئی چیز اتارنے لگے۔ پھر انہوں نے دریچوں کے عقب میں ایک ایک چھوٹی سی جگہ کی مٹی ہٹانا شروع کر دی۔ فرزال کی حیرت آسمان کو پہنچ رہی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ مٹی ہٹانے کے بعد انہوں نے موٹے سے تختے کو صندوق کی مانند اٹھایا اور پھر محدود روشنی کر کے تختے کے نیچے سے برآمد ہونے

والے خلاء میں اتر گئے۔

فرزال آنکھیں حیرت سے پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔ محدود روشنی جس سے وہاں ہونے والے ہر عمل کو دیکھا جاسکتا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ شاید وہاں کوئی پر اسرار تہہ خانہ ہے۔ دونوں نوجوان کچھ دیر تہہ خانے میں رہے پھر ان میں سے ایک باہر نکل آیا۔ اس دوران عورت باہر کھڑی رہی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے گھوڑے کی پشت سے اتارا ہوا سامان تہہ خانے میں موجود دوسرے نوجوان کو منتقل کرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئے پھر انہوں نے تہہ خانے کے دہانے پر پہلے کی طرح تختہ رکھا اور اس پر مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ جلد ہی وہ اپنے اس کام سے بھی فارغ ہو گئے۔

فرزال کی کھوپڑی تو آسمان میں اڑ رہی تھی۔ وہ حیرت اور دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا' ان لوگوں کے تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کوئی اجنبی ان کی یہ تمام حرکتیں دیکھ رہا ہے۔ فرزال پہلے وہ یہی سمجھا تھا کہ اس کے دشمن اس کی تلاش میں صحیح جگہ پر آ پہنچے ہیں مگر یہ تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ دونوں نوجوان لڑکوں نے گھوڑے پیچھے ہٹا لیے تھے۔

بوڑھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک شکستہ دیوار کی طرف بڑھ گئی جس کے پہلو میں ایک قبر نما مٹی کا ڈھیر سا دکھائی دے رہا تھا اور عورت کی آواز رات کی خاموش فضاء میں ابھری۔

''میرے مظلوم بچے! تری ماں تیرے خون کا انتقام لیے بغیر قبر میں نہیں اتر سکتی۔ میں نے موت سے زندگی مانگی ہے اور مجھے یقین ہے۔ موت نے مجھے زندگی دے دی ہے۔ بہت جلد ہی تیری روح کو سکون پہنچاؤں گی۔ یہ دیکھ لے تیرے بیٹے اب جوان ہو گئے ہیں تیری اولاد اب تیرا مشن پورا کرے گی۔ آہ تیری اولاد تیرا مشن پورا کرے گی۔ میرے بچے۔'' عورت کی آواز لرز رہی تھی۔ وہ بے شک رو نہیں رہی تھی لیکن آواز آنسوؤں سے ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر وہ مڑی اور دونوں لڑکوں سے بولی۔

''میرے [illegible] بچو آؤ' واپس چلیں مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کی روح سکون محسوس کرے گی۔''

دونوں لڑکے بوڑھی عورت کے پاس پہنچ گئے تھے اور گردن جھکا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

چند لمحے اسی طرح خاموشی طاری رہی۔ پھر وہ پلٹ کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ سہارا دے کر انہوں نے بوڑھی عورت کو بھی گھوڑے پر سوار کرا دیا تھا اور فرزال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ تو کوئی بالکل ہی نئی اور انوکھی داستان ہے۔ اس نے سوچا۔ دل میں تجسس بے دار ہو چکا تھا۔ یہ عورت کون تھی۔ ویسے تو اس علاقے کے باشندے لگتے تھے۔ ان کی بول چال سے یہ ہی اندازہ ہوا تھا۔ وہ کیا چیز تھی جو اس نے زمین کی گہرائیوں میں پہنچائی تھی۔

تجسس نے فرزال کو باز نہ رہنے دیا۔ وہ اپنی جگہ سے نکلا اور وہاں پہنچ گیا۔ جہاں ان لوگوں نے وہ چیز چھپائی تھی۔ پھر اس نے جھک کر وہی تمام کام کیے جو وہ نوجوان کر چکے تھے۔ مٹی ہٹانے کے بعد اس نے تختہ اٹھا لیا۔ جس کے درمیان لوہے کا کنڈا لگا ہوا تھا۔ تختے کے ہٹتے ہی ایک خلاء نمودار اور فرزال اس میں اتر گیا۔ اندر گہرائی زیادہ نہیں تھی۔ تہہ خانہ بھی زیادہ لمبا چوڑا نہیں تھا لیکن اس کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ اس مختصر سے تہہ خانے میں اس نے اسلحہ کے ڈھیر لگے ہوئے دیکھے تھے۔ بندوقیں گولیوں کے توڑے، چاقو غرض یہ تمام چیزیں بہت بڑی مقدار میں موجود تھیں۔

فرزال حیرانی سے ان چیزوں کو دیکھتا رہا۔ رات کی تاریکی میں باقی اندازے لگانا دشوار تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ عورت اور اس کے دو نوجوان ساتھ کون تھے لیکن انجانے میں فرزال ایک بہت بڑے راز سے واقف ہو چکا تھا۔ یہاں اسلحہ جمع کرنے کا کوئی خاص۔ بوڑھی عورت کی باتوں سے تو یہ ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا

ا ا و ں سے انتقام لینا چاہتے تھے اور شاید اسی لیے
ا ا ا سلحے کو جمع کر رہے تھے۔

بہت دیر تک وہ اسلحہ کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے واپسی کے لیے قدم آگے بڑھا دیئے اور پھر نکلنے کے بعد اس نے اسی طرح لورکھا سے مٹی سے پاٹ دیا اور اپنی پناہ گاہ کے طرف بڑا۔

''آہ...... کاش شیراز ساتھ ہوتا تو کسی بھی موضوع پر گفتگو ہوسکتی تھی اب تو میں تنہا ہوں۔ صرف اپنی ذات میں مگن اور حالات دلچسپ سے دلچسپ کروٹیں بدلتے جارہے ہیں۔ کھنڈرات میں رات گزارنا ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ کسی خوف سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا تو انتہائی مشکل کام ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ یہاں تک کہ طبیعت کی اکتاہٹ نے ایک بار پھر عقل کا ساتھ دینا چھوڑ دیا اور وہ اپنے گھوڑے کو آواز دینے لگا۔

گھوڑا ہی کمال کا تھا۔ ایسے چھپا تھا کہ اس کا نام ونشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ جیسے اسے پورا پورا احساس ہو کہ اس کا مالک اس کی وجہ سے دشمن کی نگاہوں میں آسکتا ہے لیکن فرزال کی ایک سیٹی پر وہ دوڑا چلا آیا تھا اور پھر فرزال اس پر سوار ہو کر چل پڑا۔

ویران راستوں پر سفر کرتا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بستی میں داخل ہوگیا۔ نیند میں ڈوبی ہوئی خاموش بستی میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں روشنی نظر آجاتی تھی تو احساس ہوتا تھا کہ یہ آبادی ہے۔ ویرانہ نہیں۔ فرزال کی کوشش تھی کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ کوئی بھولا بھٹکا راہگیر اگر اسے مل جائے تو اسی کے لیے پریشانی پیدا نہ کرسکے۔

چنانچہ پوری احتیاط سے راستے طے کرتا ہوا آخر کار گنگا کے دروازے پر پہنچ گیا۔ بستی میں داخل ہوتے ہوئے۔ اس کی منزل یہ ہی گھر ہوسکتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر اپنا گھوڑا ایک مناسب جگہ باندھا اور پھر دروازہ بجانے کے بجائے احاطے کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوگیا لیکن یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ گنگا دالان میں ہی بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ حالانکہ اس وقت پوری بستی ہی سوتی ہوئی نظر آتی تھی۔

قدموں کی چاپ پر گنگا نے گردن اٹھائی اور فرزال کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ بجلی کی سی پھرتی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا پھر اس کے منہ سے بمشکل تمام آواز نکلی۔

''آہ دیکھو! لوگ کہتے ہیں گنگا بے وقوف ہے' ناکارہ ہے' احمق ہے' دیوانہ ہے' لیکن کیا تم اس بات کی تائید نہیں کرو گے کہ گنگا کو احمق، پاگل' دیوانہ' سمجھنے والے خود پاگل' احمق' دیوانے ہیں۔''

''کیوں خیریت کیا بات ہوئی۔''

''میں ٹھیک کہ ایک لمحہ تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ تم آج آؤ گے کیونکہ کوئی رکاوٹ تمہیں میرے پاس آنے سے روک نہیں سکتی۔''

''کیا تمہیں علم تھا کہ میں بستی میں داخل ہوچکا ہوں۔''

''دیکھو عظیم دوست! گنگا اتنا بے خبر انسان نہیں۔ اگر بے خبر ہوتا تو جان گنوا چکا ہوتا۔ کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ میں نے خود تمہیں تلاش کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ اب میں لوگوں کی نگاہوں میں مشکوک ہوچکا ہوں۔''

''اوہ...... کیسے۔؟''

''جو واقعہ گزرا ہے اس پر کم از کم حیران اور وشال کے آدمیوں کو تشویش ہونا لازمی امر ہے۔ وہ اب بھی تمہارے بھوت بن جانے پر یقین نہیں رکھتے بلکہ انہیں یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ سلاویہ بستی میں تمہارے ایسے زبردست حامی کون ہوسکتے تھے جو تمہیں پھانسی سے بچا کر قبر تک لے گئے اور پھر قبر سے نکال لائے۔ وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ایک اجنبی کے مددگار بستی کے باشندے نہیں ہوسکتے۔''

''عام باشندوں میں ممکن ہے۔ اب بھی بہت سے تم سے ہمدردی رکھتے ہوں اور تمہارے مقصد کی

تکمیل کے لیے دعائیں بھی کرتے ہوں لیکن کوئی بھی کھلم کھلا تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ اس لیے کہ تم درویش کے قاتل بن چکے ہو۔ وشال کو اپنی حماقت کا شدید احساس ہو گیا ہے۔ اس نے تمہیں درویش کا قاتل بنا کر تمہاری صحیح نگرانی نہیں کی' تمہیں ایسی موت ملنی چاہیے تھی جس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی اور اب اس نے بستی کے ایک ایک فرد کو گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک سے پاگلوں کی طرح پوچھتا پھر رہا ہے کہ اس شخص کا مددگار کون ہے۔''

''تمہاری موت تو غلط ثابت ہو چکی ہے کم بخت وشال نے تمہاری قبر بھی کھدوا کر دیکھ لی تھی خالی قبر دیکھنے کے بعد بھلا وہ تمہاری موت پر کیسے یقین کر سکتا تھا۔ مصیبت اس بے چارے جلاد کی آئی ہوئی ہے۔ جس نے تمہیں پھانسی دی تھی۔ اگر جلاد اس بات کا اعتراف کر لیتا کہ پھندہ تمہاری گردن کے بجائے بغل میں سے گزرا تھا تو اب تک تو اس کے پورے خاندان کو موت کی نیند سلایا جا چکا ہوتا۔ وہ بے چارہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور وہ اپنے مکان کی کوٹھری میں بند ہوا پڑا ہے۔'' ایک بار پھر فرزال چونک پڑا تھا اس نے حیرت سے کہا۔

''کیا مطلب۔؟''

''مطلب یہ کہ تمہیں پھانسی دینے والا اصل میں جلاد تھا ہی نہیں۔ وہ میرا آدمی تھا۔ ورنہ اب تک قبر میں گھلنے لگے ہوتے۔ بات یہ ہے دوست! کہ تمہارا یہ خادم دوست بڑا سازشی دماغ رکھتا ہے لیکن افسوس پوری زندگی سلاویہ میں گزر گئی۔ کسی نے میری قدر ہی نہیں کی۔ اگر میں اپنا سازشی دماغ لے کر مہران کے پاس جاؤں اور اس کا غلام بن جاؤں تو جانتے ہو اس کا ردعمل کیا ہوگا۔''

''بھلا کیا ہوگا۔'' فرزاص نے پرشوق لہجے میں پوچھا۔

''وہ مجھے قبر تک پہنچا دے گا۔ میں اس کی فطرت سے واقف ہوں۔ وہ کتے کی طرح ایک ایک کو سونگھتا پھر رہا ہے اور اپنی دانست میں وہ اس کالی بھیڑ کو ڈھونڈ نکالنا چاہتا ہے۔ جس نے مہران کے حکم کی نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ اس سے بغاوت کی۔ کون ہے جو اس الزام کو اپنے سر لے کر قبرستان تک پہنچ جائے۔ پوچھ گچھ مجھ سے بھی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ آج بھی مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو مجھے احمق سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے شبہات کا مذاق اڑاتے ہیں تو عظیم دوست! تمہارا یہ بے وقوف دوست ابھی اتنا احمق نہیں کہ وشال کے آدمی اس کی گردن پر ہاتھ ڈال دیں۔ کیا مجھے.....'' گنگا نے عیاری کی نگاہوں سے فرزال کو دیکھا پھر بولا۔

''کھڑے کیوں ہو' بیٹھو مگر نہیں چلو اندر چلتے ہیں۔ کمرے کے پچھلی طرف بھی چھوٹا سا صحن موجود ہے اور ادھر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے۔ جہاں سے کسی کی مداخلت کا اندیشہ ہو۔ نہ کوئی ہمیں باہر دیکھ سکتا ہے۔ یوں کہہ لو کہ یہ جگہ ہر طرح سے محفوظ ہے آؤ یہ بتاؤ کہ کھانے کے لیے کیا پیش کروں۔ بھوکے معلوم ہوتے ہو۔'' گنگا اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر کی جانب چل پڑا اور فرزال اس کے ساتھ اندرونی کمرے سے گزر کر دروازے سے باہر نکل آیا۔

اس طرف بھی واقعی کھلی جگہ تھی اور ایک بہت بڑا درخت پورے حصے کو گھیرے ہوئے تھا۔ درخت کے نیچے چار پائیاں پڑی تھیں۔ فرزال ایک چار پائی پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

''اگر کچھ لمبے صبر کر سکو تو بہت رہوہ پیش کر سکتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی بھنا ہوا گوشت۔ کیا خیال ہے۔''

''صبر کرنا میری فطرت تو نہیں ہے لیکن خیر تمہارے ہاتھ کے بنے ہوئے قہوے کا انتظار کر لوں گا۔ گوشت بھی گرم ہو تو بہتر ہے۔ رات بھر کی تھکن دور کرنے کے لیے قہوہ ایک اچھی چیز ہے۔''

''ابھی لاتا ہوں۔'' گنگا نے کہا اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ رات ختم ہوتی جا رہی تھی صبح کے لمحات نمودار ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ فرزال اس وقت بھی سیراز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ابھی تک

اس کے زندہ یا مردہ ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کی تلاش کی کوشش اور بھی ناکام ہوگئی تھی اور اب دشوار بھی کیوں کہ چاروں طرف دشمنوں کا گھیرا بڑھتا جارہا تھا۔ فرزال کے ذہن میں اچانک ایک خیال ابھرا۔

اگر وہ شیراز کو تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے تو شیراز اگر اسے تلاش کرے تو کہاں تلاش کرسکتا ہے۔ یہ بھی ایک مشکل سوال تھا۔ جس کا کوئی جواب ممکن نہیں تھا۔ پھر گنگا قہوہ بنا کر لے آیا۔ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کیا ہی لذت بخش لگ رہے تھے۔ فرزال نے کئی پیالے قہوہ پیا اور گنگا اس کا ساتھ دیتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''ہاں عظیم دوست! اب سناؤ ان دنوں تم بڑی ہنگامہ آرائی کرتے پھر رہے ہو۔ ایک بار پھر جوزن کی زبانی یہ اطلاع ملی کہ تم زندہ ہو۔ تو وشال کا شیطانی دماغ دوبارہ تمہیں مار ڈالنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ دراصل یہ بات انہوں نے پھیلائی ہے کہ تم بھوت بن کر بستی کے گرد منڈلا رہے ہو۔ جن کو تم نے درے کے اندر دھکیل دیا تھا یا وہ خود فرار ہوگئے تھے۔ رہی سہی کسر اس زخمی نے پوری کردی' جس کو تم نے گھوڑے پر لاد کر بستی کی طرف بھیجا تھا۔ بھوت کو بھلا اسلحے سے کیا سروکار تمہارے پاس جو اسلحہ نظر آرہا ہے۔ وہ غالباً اس زخمی کا ہے۔ ورنہ تم تو خالی قبر میں دفنا دیئے گئے تھے۔'' گنگا نے گلا صاف کرکے کہا۔ پھر بولا۔

''بہرحال سارے حالات عش کو معلوم ہوچکے تھے اور پھر فرعونہ بھی واپس آگئی تھی۔ ہر چند کہ میں نے ابھی تک اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی لیکن یہ بات میں جانتا ہوں کہ وہ تمہاری مرضی سے واپس آئی ہوگی۔ اچھا یہ بتاؤ کیا اس دوران اور بھی کچھ واقعات ہوئے ہیں۔'' فرزال نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''پہلے تم مجھے ایک سوال کا جواب دو گنگا۔''

''ہاں..... ہاں پوچھو۔''

''کیا سلاویہ میں کوئی ایسی عورت تمہاری شناسا ہے۔ جس کی عمر تو ساٹھ سال سے اوپر ہو اور اس کے ساتھ سترہ اٹھارہ سال کے دو نوجوان ہوں اور وہ کسی ویران کھنڈر میں ایک قبر کے سرہانے جاکر یہ کہے کہ میرے بچے۔ میرے بیٹے تمہاری موت کا انتظام لینے کا وقت آگیا ہے اور بہت جلد مہران کو تمہارے خون کا حساب دینا ہوگا۔'' گنگا جو نیم دراز کیفیت میں تھا اس طرح اچھل کر بیٹھا جیسے بندر درخت سے چھلانگ لگا دیتا ہے اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرزال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آیا..... آیا..... آگے میں بتاتا ہوں۔ میں تمہیں وہ عورت ندی کے کنارے ملی ہوگی۔ جس قبر کا تم ذکر کررہے ہو۔ وہ اسی کھنڈر میں واقع ہے اور ہاں اس کے بیٹے کی قبر ہے سمجھ رہے ہو نا۔ وہ قبر اس کے بیٹے کی ہے۔''

''خوب واقعی۔ تم ایک باخبر آدمی ہو اور خوب کام کرتے ہو۔ ویسے تو میں تمہیں بہت سی بار دل ہی دل میں تمہاری ذہانت کی داد دے چکا ہوں لیکن اس وقت تو تم نے کمال ہی کردیا۔ اچھا یہ بتاؤ وہ عورت کون ہے۔''

''صرف اور صرف شہروز یہ۔'' گنگا نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ ''اور وہ دونوں نوجوان لڑکے اس کے پوتے۔''

''کیا یہ ان کی کہانی ہے۔''

''یہ کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ مہران نے بے شمار کہانیوں کو جنم دیا ہے۔ بوڑھی شہروز یہ ایک زمین دار عورت ہے اور اس کے پاس بہت سے مویشی بھی ہیں اس کا بیٹا نہایت شریف آدمی تھا۔ مہران کو جب بھی مویشیوں کی ضرورت ہوئی وہ خرید نے کے بجائے اس کے باڑے سے زبردستی مویشی لے جاتا۔ تب ایک دن بوڑھی کا بیٹا ان مویشیوں کے پیچھے چل پڑا۔

وہ مہران کے اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے احتجاج کے جواب میں ایک

گھوڑے پر اس کی لاش واپس آئی۔ جس کے پورے جسم کو چاقوؤں سے گود گیا تھا اور یہ کام صرف اور صرف مہران کا تھا۔

مہران نے اس بات کو تسلیم بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ مویشیوں کے پیچھے دوڑے چلے آنا مہران جیسے عظیم شخص کی شان میں گستاخی تھی۔ وہ اس گستاخی کو برداشت نہیں کر سکا اور اسے سزا دے دی گئی اور آئندہ بھی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جہاں بھی مہران کسی عمل میں مصروف نظر آئے۔ کوئی اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرے۔

بہر حال اس وقت اس بڑھیا کے دونوں پوتے چھوٹے تھے۔ اس نے کچھ لوگوں کی مدد سے اس کھنڈر میں اپنے بیٹے کی لاش کو دفن کرا دیا تھا۔ دشمنوں کے قبرستان میں اسے اس لیے دفن نہیں کیا تھا کہ اس نے کوئی دشمنی نہیں کی تھی بلکہ صرف احتجاج کیا تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کے بعد بوڑھی کے دل میں اپنے بیٹے کے انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اکثر اسے اپنے پوتوں کے ساتھ ان کھنڈرات میں جاتے دیکھا گیا ہے۔ یہ بات اس لیے باعث اعتراض نہیں تھی کہ لوگوں کا یہ سوچنا تھا کہ بوڑھی اپنے بیٹے کی قبر پر جاتی ہے اور مہران نے بھی اس کے بعد اس طرف توجہ نہیں دی۔

بہر حال ہر فرد کسی نہ کسی انداز میں مہران کا شکار ہو چکا ہے اور وہ سب ایک دوسرے سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں۔ بس عظیم دوست اس قسم کے حالات ہیں۔ مگر میں بوڑھی شہروزیہ کی شخصیت سے واقف ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج تک اس کے ذہن کی یہ بات کسی کے سامنے نہیں آئی لیکن تم یہ بتاؤ کہ اس بارے میں سوال کیوں کر رہے ہو۔'' فرزال گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''کیا اس بوڑھی سے ملاقات کی جا سکتی ہے۔''

''بالکل یہ کوئی مشکل کام نہیں لیکن کیوں آخر کیوں۔''

''اس سے ملاقات کیسے کی جا سکتی ہے۔'' فرزال نے گنگا کے سوال کے جواب دیئے بغیر کہا۔

''میرے مکان سے بالکل سیدھے چلے جاؤ۔ اس جگہ جہاں مکانات کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ جب تم دائیں سمت مڑو گے تو تمہیں ایک بڑا مکان نظر آئے گا۔ جس کا احاطہ بڑا وسیع ہے اور اس کے بغلی حصے سے جانوروں کی بو آتی ہے۔ یہی مکان شہروزیہ کی ملکیت ہے اور ہاں وہ اپنے پوتوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے پوتے کاشت کرتے ہیں' مویشی اور یہ زمین داری ان کے معاشی مسائل کو پورا کرتی ہیں۔ گھوڑا گاڑی بھی ہے ان کے پاس اور گھوڑے بھی میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بیٹے کے مرجانے کے بعد بھی بوڑھی شہروزیہ بستی کے کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ اس نے اپنے بیٹے کی موت سے اب تک کا عرصہ بڑے سکون سے گزارہ ہے۔ اس لیے سب اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''

''یہ بات بس گنگا جیسے چند لوگوں کے علم میں ہے کہ اس کے سینے میں انتقام کی آگ کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہے اور اس آگ کو اس نے اپنے پوتوں کے سینوں میں بھی دہکایا ہے۔ البتہ یہ بات گنگا آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ یہ انتقام کس طرح لے سکے گی۔ صرف دو پوتے ہیں اس کے صرف دو پوتے ہیں کوئی فوج نہیں ہے۔ اس کے پاس۔'' فرزال نے گنگا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نے اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔''

''تم نے اس کا تعاقب کیا ہے۔''

''بس عظیم دوست! اب سارے جہاں کا درد میں نے اپنے جگر میں ہی تو نہیں پال رکھا۔'' پھر بولا ''ایسا لگتا ہے، جیسے کوئی تم کو یقین کرباتے ہیں اس کی تلاش میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ گ تمہارے علم میں آئی ہے بھلا تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔''

''بس بہت سی خاص باتیں میرے ذہن میں آتی رہتی ہیں۔ میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے۔''

''کک...... کہاں۔'' گنگا کی حالت خراب ہونے لگی۔

''شہروزیہ کے گھر۔''

''مم...... میں عظیم دوست! کیوں تم اس ہڈیوں کے پنجر کو زندگی سے محروم کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم کچھ روز اور مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہو تو تھوڑی سی احتیاط کرلو۔ ورنہ تمہاری مرضی۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں گنگا۔''

''تمہارا یہ خادم جیسا کہ تمہیں بتا چکا ہے کہ لوگوں کی نگاہوں میں مشکوک ہو چکا ہے۔ کسی نے اگر غلطی سے بھی مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو اس کے بعد تم کیا سمجھتے ہو ارے مہران جیسے آدمی کے لیے بھلا ایسے آدمی کی موت کیسے مشکل ہو سکتی ہے جو کہ خود ہی نیم مردہ شخصیت کا مالک ہو۔'' فرزال کو ہنسی آ گئی پیشتر مواقع پر اس بے گنگا کو گردن بچا کر پیچھے ہٹتے دیکھا تھا۔

لیکن بہرحال سب سے بڑا کارنامہ تو گنگا انجام دے چکا تھا یعنی اس کی جان بچانے کا کارنامہ تو فرزال نے اس سے کہا۔

''تم سچ مچ لومڑی کی طرح چالاک ہو گنگا۔ بہر طور میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ یہاں میرے واحد دوست اور ہمدرد ہو عش بھی پور طریقے سے میرا ساتھ نہیں دے سکے گا۔ کیونکہ وہ بھی سلاویہ کا ایک جانا پہچانا اور معزز آدمی ہے۔ خیر میں تم دونوں کی زندگی خطرے میں ڈال کر تمہیں کھونا نہیں چاہتا لیے جو پتا تم نے بتایا ہے۔ کیا وہ بالکل درست ہے۔''

''یقیناً بھلا غلط پتا بتانے کا کیا تصور ہے جس نے پر یقین لہجے میں کہا اور فرزال خاموش ہو گیا اسے اپنے آگے کے منصوبوں پر عمل کرنا تھا۔ خوشبو دار ہوائیں فضاء میں گردش کرتی پھر رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی خنکی نے ماحول کو اس قدر مسرور کن بنا دیا تھا کہ انسان سوچ بھی نہ سکے۔

رات کا آخری پہر تھا اور یہ وقت کسی کے گھر جانے کا قطعی مناسب نہیں ہوتا لیکن فرزال کے اصول کے مطابق اس سے زیادہ مناسب کوئی دوسرا وقت نہیں ہوتا۔ اس نے بوڑھی عورت کی نیند کا خیال کیے بغیر اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا اور گنگا کے پاس سے اٹھتا ہوا بولا۔

''اب مجھے اجازت دو۔''

''کہاں جاؤ گے۔'' گنگا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو خاتون شہروزیہ سے ملنے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد اپنے لیے کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کروں گا۔ اصل میں مجھے اپنے ساتھی کی تلاش ہے۔ تم نے بھی اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔''

''کیا بتاؤں عظیم دوست! تمہارا ساتھی اگر زندہ ہے تو اس نے مجھے بھی بے بس کر دیا ہے۔ ابھی تک اس کے بارے میں کہیں سے معلومات حاصل نہیں ہوئی۔ خیر میں کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ اگر وہ اس بستی میں پوشیدہ ہے تو میری نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکے گا۔'' گنگا نے کہا۔

❖......❖......❖

یہ داستان ابھی جاری ہے

❖......❖......❖

ممی

محمد صدیق طاہر

"ٹھیک ہے۔" کارٹر نے بلا سوچے سمجھے سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھوں میں حرص کی چمک نمایاں تھی اور وہ ممی کی سر سے پیر تک ہر چیز کا پر شوق نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے خود کو تصور میں اپنے عجائب گھر میں دیکھا جہاں اس کے نوادرات میں ممی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب اکثر راتوں کو وہ اس طرح تنہائی میں اس ممی کا نظارہ کیا کرے گا۔

اس شمارے کے لیے..... دیار غیر سے انتخاب

کارٹر کو مصر آنے کے بعد خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ یہ ملک اس کی توقع کے برخلاف کہیں زیادہ غیر مہذب ثابت ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے تہذیب بس چھو کر گزر گئی ہو لیکن اس کی قاہرہ آمد کا مقصد تہذیب و تمدن کا مطالعہ نہیں تھا۔ اسے غیر معمولی اور نادر اشیا جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ذاتی عجائب گھر قائم کر رکھا تھا جسمیں تبت کی برفانی مخلوق، مٹی کی کھوپڑی، نیو گیانا کے قبائلیوں کے سکڑے ہوئے سر، افریقہ کے آدم خور قبیلوں کے وہ زیورات جو وہ انسانی ہڈیوں سے بناتے ہیں اور ان کے نیزے، بھالے اور تیر کمان اور اسی قسم کی لاتعداد غیر معمول اشیا سجی ہوئی تھیں۔

اس نے اپنا یہ عجائب گھر صرف ذاتی تسکین کے لیے قائم کر رکھا تھا اور اس کمرے کو جس میں یہ اشیا سجی ہوئی تھیں، ہمیشہ تالا لگائے رکھتا تھا۔ کسی بھی شخص کو ان نوادرات کو دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ تمام اشیاء صرف اس کی ذات تک محدود تھیں۔ وہ اکثر راتوں کو ان اشیا کا دیدار کرتا اور پر شوق نگاہوں سے دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو جاتا تھا لیکن ان نوادرات میں اسے ایک شے کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ وہ نادر اور غیر معمولی شے 'ممی' تھی۔

وہ اپنے عجائب گھر کی اس کمی کو پورا کرنا چاہتا تھا اور اسی مقصد کے لیے قاہرہ آیا تھا۔ وہ بہ مشکل تمام ایک ایسے شخص کا پتا حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں فراعنہ مصر کے کسی مقبرے سے حاصل کردہ ممی فروخت کر سکتا ہے۔

اس وقت وہ اسی شخص کی تلاش میں قاہرہ کے غیر معروف علاقے کی سڑکیں ناپ رہا تھا۔ اس نے چلتے چلتے ایک نگاہ اپنے یونیفارم پر دوڑائی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ ممی کے خریدار کی حیثیت سے مناسب ہے یا نہیں۔ وہ خود کو مغرب بوگارڈ اور سڈنی گرین اسٹریٹ کی فلموں کا مفرور کردار محسوس کر رہا تھا۔

قاہرہ دنیا میں بازاروں کے شہر کی حیثیت

سے مشہور تھا لیکن کارٹر یہاں کے بازاروں سے بیحد جھنجلا گیا تھا۔ ایک تو قدم قدم پر خوانچہ فروش راہ روک لیتے تھے' پھر ان سے جان بچا کر آگے بڑھنے پر بھکاریوں سے مڈبھیڑ ہو جاتی۔ یہاں کے بھکاری بھی اپنے فن میں طاق تھے۔

اس وقت وہ جان بوجھ کر ایسی سڑکوں سے گزر رہا تھا کہ جہاں پر بھیڑ کم تھی۔ وہ بھکاریوں نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ یہ بھکاری اچانک سامنے آ گیا تھا۔ اس نے کارٹر کے رکتے ہی اپنی آنکھ کا ڈھیلا' حلقے سے باہر نکال لیا۔ اس کی بے جان آنکھ حلقے سے نکل کر گالوں پر لٹکنے لگی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی گندی ہتھیلی کارٹر کے سامنے پھیلا دی۔

کارٹر کو بھکاری کی اس حرکت پر ترس کے بجائے غصہ آ گیا لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ اس نے جھنجلاہٹ کے عالم میں جیب سے ایک سکہ نکال کر بھکاری کی ہتھیلی پر ڈال دیا۔ بھکاری نے سکہ ملتے ہی اسے اپنی جیب میں ڈالا اور لٹکی ہوئی آنکھ دوبارہ حلقے میں فٹ کر دی۔

کارٹر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اسے جس شخص کا پتا بتایا گیا تھا' اس کی دکان بڑی سڑک سے ہٹ کر ایک گلی میں تھی۔ کارٹر' اس گلی میں داخل ہو گیا۔ گلی تاریک تھی اور دونوں جانب کئی منزلہ عمارتیں تھیں جن کے مہیب سایوں نے گلی کی تاریکی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ گلی میں داخل ہوتے ہی کارٹر کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ عمارتیں بھوکے سیاہ عفریت ہیں جو منہ پھاڑے اسے نگلنے کے لیے بے چین ہیں۔ اسے خوف محسوس ہونے لگا لیکن وہ ممی حاصل کرنے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ خوفزدہ ہونے کے باوجود تاریک گلی میں آگے بڑھتا گیا۔

اس نے گلی میں داخل ہوتے ہی دائیں سمت کے دروازے شمار کرنا شروع کر دیئے تھے۔ پندرہویں دروازے پر پہنچ کر اس کا خوف یکلخت ختم ہو گیا اور وہ بے تابی سے اس تاریک سی دکان میں داخل ہو گیا' جس میں عجیب سی بو رچی ہوئی

تھی۔ وہ کسی عطار کی دکان دکھائی دے رہی تھی کیونکہ اس میں بے شمار چھوٹے بڑے مرتبان اور بوریاں رکھی ہوئی تھی۔

کارٹر کے دکان میں قدم رکھتے ہی ایک کونے سے ایک پستہ قد آدمی نکل کر آگے بڑھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے اور اس کی گردن ایک جانب جھکی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھریاں نمایاں تھیں۔ وہ شخص یا تو بہت عمر رسیدہ تھا یا پھر کسی بیماری نے اس کی یہ حالت بنا دی تھی۔ اس شخص کی کھال خشک لکڑی کے مانند تھی۔ اس شخص کو چلنے میں خاصی دقت پیش آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگیں اکڑی ہوئی ہیں یا پھر اس کی ہڈیوں میں جان نہیں رہی تھی۔

اس پستہ قد بوڑھے نے کارٹر کو دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ وہ امریکی ہے۔ وہ شائستہ انگریزی بولا۔ ''میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں' جناب۔''

کارٹر کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ آواز کسی گہرے کنوئیں سے سنائی دی ہو۔ وہ بوکھلا سا گیا۔ ''مجھے..... جوہر نامی شخص نے بتایا ہے کہ اس جگہ وہ شے مل سکتی ہے۔ جو میں خریدنا چاہتا ہوں۔'' کارٹر نے گڑبڑا کر کہا۔

''یہ درست ہے۔'' بوڑھے نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''رقم کے بدلے ہر چیز مل سکتی ہے۔''

''مجھے اپنے عجائب گھر کے لیے ایک ممی چاہیے۔'' کارٹر نے اس انداز سے سرگوشی کی جیسے کیسی غیر قانونی شے کا سودا کر رہا ہے۔ اب وہ اپنی گھبراہٹ پر کسی حد تک قابو پا چکا تھا۔

''یقیناً مل جائے گی۔'' پستہ قد نے جواب دیا۔ ''لیکن قیمت امریکن ڈالرز میں ادا کرنا ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔'' کارٹر نے جواب دیا۔

''قیمت کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' بوڑھے نے پوچھا۔

''میں مناسب قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں' لیکن یاد رکھو' دھوکے بازی نہیں چلے گی۔'' کارٹر نے تنبیہی لہجے میں کہا۔ اب اس کا حوصلہ بڑھ چکا تھا۔

''دھوکے بازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' بوڑھے نے پریقین لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم جانتے ہوگے کہ ممی' آج کل کے دور میں ایک نایاب شے ہے۔ بس چند ممیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اکثر فرعنہ کے مقبروں سے ممیوں کو چرا لیا گیا ہے۔''

''کیا تمہارے پاس فروخت کرنے کے لیے فی الوقت کوئی ممی نہیں۔'' کارٹر نے تیزی سے پوچھا۔

''ممی موجود ہے۔'' بوڑھے نے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''قیمت کی بات کرنے سے پہلے میں ایک نظر ممی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کارٹر نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' بوڑھے نے کہا اور کارٹر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے دکان کے عقبی دروازے کی جانب چل پڑا۔ اس دروازے پر ایک دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک تنگ سی راہداری سے ہوتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے۔ اس کمرے میں دیوار کے سہارے پتھے تابوت رکھے ہوئے تھے۔ تمام تابوتوں کے ڈھکن بند تھے۔ تابوتوں پر نگاہ پڑتے ہی کارٹر بے ساختہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

پستہ قد بوڑھے نے آگے بڑھ کر ایک تابوت کا ڈھکن کھولا اور کارٹر سے مخاطب ہوکر بولا۔ ''اس ممی کو اچھی طرح دیکھ لو لیکن ہاتھ مت لگانا۔ یہ بے حد نازک ہیں۔ انہیں بے حد احتیاط

ے رکھنا پڑتا ہے۔''

کارٹر نے کچھ کہنا چاہا' لیکن ممی پر نگاہ پڑتے ہی وہ اتنا جذباتی ہوگیا کہ اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ وہ صرف اس بات کے جواب میں سر ہلا کر رہ گیا پھر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا تابوت کے نزدیک پہنچا اور کپڑے کی دھجیوں میں لپٹی ہوئی ممی کا جائزہ لینے میں مگن ہوگیا۔ ممی جس کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی وہ جگہ جگہ سے پیلا پڑ چکا تھا۔ بعض جگہ تو کپڑے کا رنگ سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔

''اگر اسے یونہی کھلا چھوڑ دیا جائے تو ہوا لگنے سے یہ سب کچھ ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائے گا۔'' کارٹر کو اپنے عقب سے بوڑھے کی آواز سنائی دی۔ ''اس لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اسے کسی قسم کے شیشے کے کیس میں بند رکھا جائے اور ہلانے جلانے یا ہاتھ لگانے سے پرہیز کیا جائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' کارٹر نے بلا سوچے سمجھے سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھوں میں حرص کی چمک نمایاں تھی اور وہ ممی کی سر سے پیر تک ہر چیز کا پرشوق نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے خود کو تصور میں اپنے عجائب گھر میں دیکھا جہاں اس کے نوادرات میں ممی کا اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب اکثر راتوں کو وہ اس طرح تنہائی میں اس ممی کا نظارہ کیا کرے گا۔ وہ ممی کی ایک ایک چیز کو اسی طرح غور سے دیکھا کرے گا جیسے کہ اب دیکھ رہا ہے۔

لیکن یہ کیا ہے' کارٹر نے سوچا۔ اس کی نگاہ ممی کے بائیں ہاتھ پر جم کر رہ گئی۔ ممی کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ بایاں ہاتھ' داہنے ہاتھ کے اوپر تھا۔ بائیں ہاتھ کا کپڑا ہتھیلی کے مقام پر سے ہٹا ہوا تھا اور انگشتری والی انگلی کے مقام پر ہلکا سا ابھار دکھائی دے رہا تھا۔ کارٹر نے پٹ کر بوڑھے کی جانب دیکھا بوڑھا پرسکون انداز میں اس کی جانب متوجہ ہوگیا پھر کارٹر کے چہرے پر چھائی پریشانی بھانپتے ہوئے بولا۔ ''تم شاید تنہائی کے خواہشمند ہو۔''

''ہاں..... ہاں..... اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔'' کارٹر نے تیزی سے کہا۔

''بھلا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' پستہ قد بوڑھے نے کہا اور تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی جانب چل پڑا۔

کارٹر جب کمرے میں تنہا رہ گیا تو اس نے ایک بار پھر اپنی تمام تر توجہ اس ابھر پر مبذول کردی جو ممی کی انگشتری کی انگلی کے مقام پر نمایاں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی قسمت یقیناً اس پر مہربان ہو رہی ہے۔ وہ ابھار یقیناً کسی انگوٹھی کا تھا۔ وہ انگوٹھی سونے کی اور جواہرات سے مزین بھی ہوسکتی ہے اور صدیوں قبل کی انگوٹھی خود اپنی جگہ ایک نادر شے کی حیثیت رکھتی ہے اگر اس دکان کے مالک کو ممی کی انگلی میں موجود انگوٹھی کا علم ہوگیا تو وہ اس کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچا دے گا لیکن اگر وہ دکان کے مالک کے علم میں لائے بغیر یہ ممی خریدے تو پھر یہ سودا کسی صورت مہنگا نہیں پڑے گا۔ وہ ممی کو اپنے عجائب گھر کی زینت بنا دے گا اور انگوٹھی کو منہ مانگے داموں فروخت کر ڈالے گا۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے محتاط انداز میں ہاتھ بڑھا کر اس مقام کو چھوا جہاں ابھار دکھائی دے رہا تھا۔ ابھار خاصا سخت تھا۔ البتہ اس مقام پر جہاں کپڑا ہٹا ہوا تھا ہلکی سی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ شے انگوٹھی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی۔ اس نے ایک بار پھر آگے جھک کر اس مقام کو غور سے دیکھا جہاں سے کپڑا کھسکا ہوا تھا۔ چمک بدستور دکھائی دے رہی تھی لیکن اس کا دل مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے محتاط انداز میں انگلی کے مقام پر سے کپڑے کو کھرچنا شروع کردیا۔ چند لمحوں بعد انگوٹھیاس کی

نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ انگوٹھی کا جائزہ لینے کے لیے مزید آگے کی جانب جھک گیا۔

''لیکن یہ کیا.....'' وہ چونک پڑا۔ ''نہیں' ایسا نہیں ہوسکتا۔'' وہ بڑبڑایا' لیکن حقیقت اس کے سامنے تھی۔ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک انگوٹھی ہی تھی لیکن کارٹر کی نگاہیں ان الفاظ پر جمی ہوئی تھیں جو انگوٹھی کی چوڑی سطح پر کندہ تھے۔

''جارج سینئر' ۶۹۔ آکسفورڈ یونیورسٹی۔''

کارٹر آنکھیں پھاڑے حیرت سے ان الفاظ کو گھورتا رہا پھر اچانک اسے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ تیزی سے پلٹا لیکن اسے دیر ہوچکی تھی۔ اس کی نگاہوں نے پستہ قد بوڑھے کا ہاتھ بلند ہوتے اور چھوٹے دستے کی کلہاڑی کو برق رفتاری سے نیچے آتا دیکھنے کی جھلک سی محسوس کی اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

☆☆

کارٹر کا جسم ایک بڑے سے حوض میں پڑا ہوا تھا اور اسے کیمیائی محلولوں کی بھاپ سے غسل دیا جارہا تھا۔ جب غسل کا مرحلہ مکمل ہوگیا تو ایک کبڑے نے آگے بڑھ کر ایک بڑے سے ہک کی مدد سے کارٹر کی لاش کو حوض سے گھسیٹ کر ایک بڑے سے سلیب پر لٹا دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ کبڑا اس قسم کے کاموں میں خاصی مہارت رکھتا ہے۔ اس نے ایک الماری میں سے دھجیوں کا گولا نکالا اور لاش کے گرد لپٹنے کے لیے سلیب کے نزدیک پہنچ گیا۔ ابھی اس نے دھجیاں لپیٹنے کا آغاز ہی کیا تھا کہ پستہ قد بوڑھا کمرے میں داخل ہوا۔ کبڑے نے فوراً اپنے ہاتھ روک لیے اور سر جھکا دیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار نمایاں تھے۔

''مجھے امید ہے کہ تم نے اس کا اچھی طرح معائنہ کرلیا ہوگا۔'' پستہ قد بوڑھے نے کارٹر کی لاش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کوئی انگوٹھی یا گھڑی وغیرہ باقی نہیں رہنی چاہیے۔ تم اپنا کام آنکھیں کھول کر انجام دیا کرو۔ یاد ہے کہ ایک مرتبہ تم ایک لاش کی عینک اتارنا بھول گئے تھے اور اسی طرح لپیٹ دیا تھا۔ آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔ اگر ہمیں یہ کاروبار جاری رکھنا ہے تو ہر طریقے سے محتاط رہنا پڑے گا اگر تمہاری اس قسم کی احمقانہ غلطیاں جاری رہیں تو مجھے ممیوں کا کاروبار ترک کرنا پڑے گا۔ کیونکہ گاہک آنا بند ہوجائیں گے پھر ہم ممیاں کن لوگوں کی بنائیں گے۔''

''میں اپنی غلطیوں پر نادم ہوں' آقا۔'' کبڑے نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اگر میں اس امریکی گاہک پر کڑی نگاہ نہ رکھتا تو میری توجہ بھی اس ابھار پر اور انگوٹھی پر کبھی نہ پڑتی اگر میں بروقت اس امریکی سے نہ نمٹتا تو معاملہ پولیس تک پہنچ سکتا تھا۔ قبر سے چوری کیے گئے مردوں کی ممیاں بنانا اتنا سنگین جرم نہیں جتنا کہ اپنے گاہکوں کی ممیاں بنانا! تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔''

''ہاں' آقا مجھے معاف کردیں۔ میں آئندہ پوری احتیاط برتوں گا۔'' کبڑے نے شرمسار لہجے میں کہا۔

''آج کل اچھے مددگار ملنا بھی مشکل ہیں۔'' بوڑھے نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر دکان کے بیرونی حصے کی جانب چل پڑا۔ اس نے دور ہی سے اندازہ لگالیا کہ گلی میں داخل ہونے والا شخص اپنے حلیے سے ممی کا خریدار لگتا ہے۔ وہ ایک کونے میں دبک گیا اور گاہک کا انتظار کرنے لگا۔

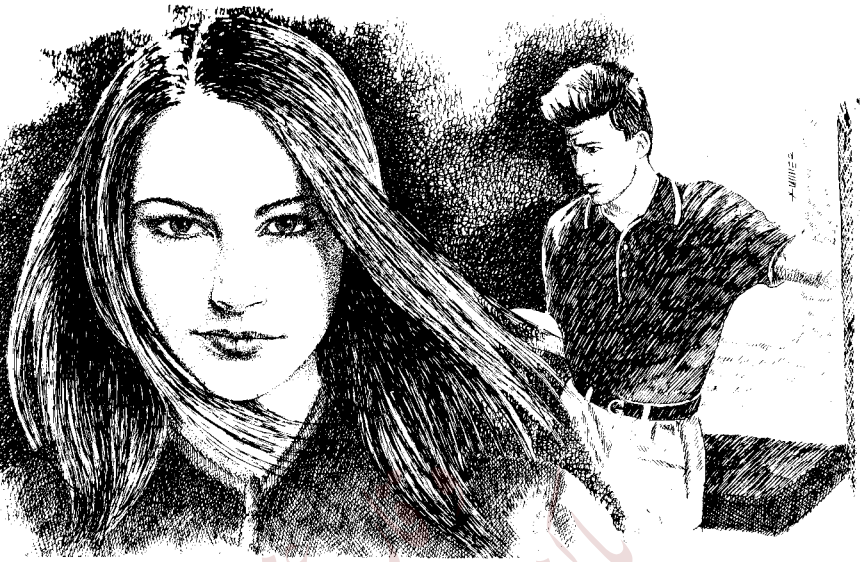

اوریجنل

محمد سلیم اختر

لڑکی نے میری طرف اس طرح دیکھا۔ جیسے میں پاگل ہوں۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سی پھیل گئی اور حیرت کی بات بھی تھی۔ بھلا یہ بھی کوئی پیشکش تھی۔ وہ چند لمحے اپنی حیرت بھری خواب ناک آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس شمارے کے لیے ایک فکر انگیز تحریر

سکندر جانی..... پلے بوائے کے طور پر مشہور تھا۔ اس کے دوستوں کو اس پر یہ شک آتا تھا۔ اس کا دوست فاروق دل ہی دل میں اس جلتا تھا۔ کیونکہ جانی آئے دن ایک نئی اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ نظر آتا تھا۔ پھر ہر شام کو دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر وہ مزے لے لے کر اپنے معاشقوں کی داستانیں سناتا۔

اس شام بھی حسب معمول جانی اپنے نئے معاشقوں کے واقعات سنا رہا تھا اور لڑکیوں کی نفسیات پر لیکچر دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"لڑکی۔ ہر لڑکی نفسیاتی طور پر کسی نہ کسی کمپلیکس میں مبتلا ہوتی ہے اور اسے پھانسنا معمول

کی بات ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ میں اس لڑکی کی نفسیات سمجھنے کی صلاحیت ہو۔ عام طور پر لڑکیوں کو قابو کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کو اسے سرپرائز کردیں۔ عورت 'حیرت انگیز' آدمی پر جان دیتی ہے۔ آپ اسے اپنی کسی حرکت سے یا اپنی باتوں سے حیران کردیجیے اور وہ آپ کی آغوش میں پکے ہوئے پھل کی طرح آ گرے گی۔"

ایک لمحے کے لیے رک کر جانی نے سگریٹ سلگایا۔ اپنے گلاس سے شراب کا بڑا سا گھونٹ لیا۔ پھر گلاس میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"مثال کے طور پر میں اپنی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔ یہ چند سال پہلے کی بات ہے۔ میں نے نیا کلب جوائن کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں پر دو چار گرل فرینڈز ضرور ملیں گی۔ اس لیے میں نے کسی کو خاص طور پر اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ یوں بھی مجھے اپنے اوپر ہمیشہ اعتماد رہا ہے۔ کسی بھی محفل میں کسی بھی لڑکی کو دوست بنانے میں مجھے مہارت حاصل ہے۔

اتفاق ہے کہ اس روز کلب میں مجھے جان پہچان کی کوئی لڑکی نظر نہ آئی اور یہ بھی اتفاق ہے کہ اس رات ہر لڑکی کے ساتھ اس کا بوائے فرینڈ موجود تھا۔ محفل شباب پر تھی۔ نیم تاریک ہال کی فضا میں میوزک کی لہروں پر نوجوان سریلے قہقہے تھرتھرا رہے تھے۔ جوڑے رقص کر رہے تھے۔ سرگوشیاں ابھر رہی تھیں۔ لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کی پیار بھری نظروں میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے ذرا مایوسی اور بے بسی سے پورے ہال پر نظر ڈالی۔ پچیس چھبیس سال کی ایک لڑکی اکیلی ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ میں نے سوچا شاید اس کا ساتھی باتھ روم گیا ہوگا یا ممکن ہے اسے بھی اپنے بوائے فرینڈ کا انتظار ہو۔ پھر بھی میں نے قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اس کے قریب جا کر رقص کی درخواست کی۔ لڑکی نے اپنی لمبی لمبی پلکوں کی چلمن سے مجھے متجسس نظروں سے دیکھا۔ مجھے اس کے انداز سے محسوس ہوا کہ وہ انکار کرنے والی ہے لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے ارادہ بدل دیا۔ جواب میں کوئی لفظ کہے بغیر اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

ہم نے تین ڈانس کیے، وہ بڑی بہترین ڈانسر تھی۔ اس کا جسم مرمریں مجسمے کی طرح سڈول تھا۔ اس کے جسم کی بھینی بھینی خوشبو مجھے دیوانہ کیے جا رہی تھی۔ میرا دل اس کو حاصل کرنے کے لیے ضدی بچے کی طرح مچل رہا تھا۔ ہال کے ایک کونے میں بوفے ڈنر کے لیے میزیں سجی ہوئی تھیں۔ ایک میز پر گلاب کے سرخ پھولوں کا گلدستہ رکھا تھا۔

اچانک مجھے شرارت سوجھی۔ میں نے رقص کرتے کرتے لڑکی سے کہا۔ "وہ سامنے میز پر گلاب کے پھولوں کا گلدستہ دیکھ رہی ہو۔"

"ہوں۔" لڑکی نے ایک نظر گلدستے پر ڈال کر کہا۔

"اگر تم یہ رات میرے ساتھ گزارنے کا وعدہ کرو تو میں اس گلدستے سے ایک پھول چرا کر تمہارے بالوں میں سجا سکتا ہوں۔"

لڑکی نے میری طرف اس طرح دیکھا۔ جیسے میں پاگل ہوں۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سی پھیل گئی اور حیرت کی بات بھی تھی۔ بھلا یہ بھی کوئی پیشکش تھی۔ وہ چند لمحے اپنی حیرت بھری خواب ناک آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اچھا سجا دو۔" اس نے جواب دیا۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے اسی وقت پھول لے کر اس کے جوڑے میں لگا دیا اور وہ پہلی بار خود سپردگی کے انداز میں میرے بازوؤں میں سما گئی۔

"تو دوستو! اس واقعے سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی لڑکی کو جیتنے کا راز صرف سرپرائز ہے۔"

جانی کے بیان کیے ہوئے اس نئے نکتے پر سب دوست اس کی ذہانت کی تعریف کرنے لگے لیکن فاروق کے دل میں حسد کی آگ اور بھی تیز

ہوئی۔ آج تک وہ بیسیوں لڑکیوں پر وہ تمام ترکیبیں آزما چکا تھا جو جانی دوستوں کی محفل میں بتاتا رہتا تھا۔ لیکن کسی بھی لڑکی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو جانی جھوٹ بولتا تھا یا اس میں کوئی خاص کشش بھی جو فاروق میں نہ تھی۔

☆☆

ایک 'چیریٹی شو' کا دعوت نامہ فاروق کو ملا تو اس کے ذہن میں جانی کا بیان کیا ہوا پورا واقعہ گھوم گیا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اس فنکشن میں ضرور شریک ہوگا۔ اس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی۔ پھر بھی اس شام اس نے اپنا بہترین سوٹ نکال کر پہنا اور عمدہ قسم کا سینٹ استعمال کیا۔

خوشبوؤں اور خواہشوں سے بھرا ہوا وہ کلب کے ہال میں داخل ہوا۔ منظر بالکل ویسا ہی تھا۔ ہال کی نیم تاریک فضا میں موسیقی کی لہروں پر جوان رسیلے قہقہے تھرتھرا رہے تھے۔ جوڑے ایک دوسرے میں سمٹے ہوئے ناچ رہے تھے اور سرگوشیاں کررہے تھے' وہسکی کی بو میں مختلف سنیوں کی خوشبو مل کر ہوا میں رچ گئی تھی۔

دروازے میں رک کر اس نے پورے ہال کا جائزہ لیا۔ پورا مجمع جوڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ پھر اچانک اس کی نظر ایک اکیلی لڑکی پر پڑی' بوفے ڈنر کی میزوں کے قریب سلک کی ساڑھی میں ملبوس ایک لڑکی بیٹھی خلا کو گھورے جارہی تھی۔

فاروق نے سوچا۔ شاید اسے کسی کا انتظار ہے یا پھر اس کا ساتھی کسی کام سے گیا ہوگا۔ پھر اسے جانی کی بات یاد آئی اور اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''مجھے بھی ہمت سے کام لینا چاہیے۔''

چنانچہ اس لڑکی کے قریب گیا اور سر کو خم کرکے بڑے مہذب لہجے میں بولا۔

''کیا آپ میرے ساتھ رقص کرنا پسند فرمائیں گی۔'' لڑکی نے اس کی طرف تجسس بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی پیشانی پر دو شکنیں ابھریں' فاروق کا دل اچھلا وہ سمجھ گیا کہ انکار ہونے والا ہے۔ لیکن پھر لڑکی نے اچانک ارادہ بدل دیا اور کچھ کہے بغیر اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔

اس بار فاروق کا دل پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھڑکا۔ کیونکہ یہ اس کی زندگی کی پہلی کامیابی تھی۔

ڈانس فلور پر لڑکی کے جسم کی قربت فاروق کو دیوانہ بنائے دے رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی رگوں میں لہو کی بجائے کھولتا ہوا لاوا دوڑ رہا ہو' اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ لڑکی کے انگارہ ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر ان کی ساری حرارت اپنے جسم میں اتار لے۔ اچانک اس کی نظر ٹیبل پر رکھے ہوئے گل دستے پر پڑی۔ جس میں پھول سجے ہوئے تھے۔ اس کو جانی کی بات یاد آ گئی۔

''لڑکی کو سرپرائز کردو اور وہ تمہاری ہے۔''

ایک بار پھر اس نے ساری ہمت سمیٹی اور لڑکی سے کہا۔

''وہ سامنے میز پر پھولوں کا گلدستہ دیکھ رہی ہو۔''

''ہوں۔'' لڑکی نے گل دستے پر ایک نظر ڈال کر سر ہلایا۔

''اگر تم آج کی رات میرے ساتھ گزارنے کا وعدہ کرو تو میں اس میں سے ایک پھول چرا کر تمہارے بالوں میں لگا سکتا ہوں۔''

لڑکی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ فاروق کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔

لیکن لڑکی نے اچانک اس کی آغوش سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

''مسٹر! میں صرف اور بجنل چیزیں پسند کرتی ہوں۔ نقل کرنے والے لوگ مجھے کبھی پسند نہیں آتے۔''

یہ کہہ کر وہ لہراتی ہوئی بھیڑ میں جا کر غائب ہوگئی۔

کھیل

حسن علی خان

ڈیفر شمنٹ روم میں انہیں ایک کونے کی میز مل گئی اور وہ بیٹھ گئے۔ لیکس نے کوڈ کی کتاب کھول کی اور سڈنی کے ارسال کردہ ٹیلی گرام کو ڈی کوڈ کرنے لگا۔ وہ ٹیلی گرام بھی نائس سے بھیجا گیا تھا۔ پیغام یہ تھا۔ "بے حد مبارکباد اور معذرت اٹینڈنٹ محض شریک جرم تھا۔ اس نے اقبال جرم کرلیا ہے' قتل کا ارتکاب امریکہ کے چالاک ترین مجرم گرین لا نے کیا ہے جو ایک نوجوان عورت کے ہمراہ ہنی مونر کے بھیس میں سفر کررہا ہے۔

اس شمارے کے لیے دیار غیر سے درآمد

مسٹر جان لیکس، مسٹر فاریسٹ اینڈرسن اور سڈنی ونگ' ٹومون کے پلیٹ فارم پر ایک ساتھ کھڑے تھے لیکس اپنے ایک انتہائی پراسرار موڈ میں تھا اور سڈنی جو سفر کے دوران ہمیشہ ایک ہرکارہ کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہتا تھا۔ پریشان اور جھلایا ہوا نظر آرہا تھا۔ لیکس نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ انہیں جانا کہاں ہے۔

"یہ واقعی قسمت ہی ہے۔" سڈنی بولا۔

"کہ مارسیلے اور پیرس جانے والی ٹرین کا انجن نائس میں خراب ہوگیا اور یہ بھی قسمت ہی ہے کہ جب ڈی لکس یہاں پہنچے گی تو اسے بیس منٹ انتظار کرنا پڑے گا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قلی یہ جاننا چاہتا ہے کہ ہم اپنا سامان کہاں کے لیے بک کرانا چاہتے ہیں۔"

لیکس نے مفلر گلے میں لپیٹ لیا۔ "یہ ٹومون اسٹیشن" وہ گویا ہوا۔ "یورپ کا سرد ترین اسٹیشن ہے۔ میں جب بھی یہاں چند منٹ گزارتا ہوں مجھے یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ سردی لگ جائے گی۔ ابھی سے میرے گلے میں کچھ کچھ شروع ہوگئی ہے۔ اینڈرسن تمہارے پاس اس کی گولیاں تو ہوں گی۔"

اینڈرسن نے اپنی جیب سے گولیوں کی ایک بوتل نکالی اور اسے دو گولیاں دے دیں لیکس نے دونوں گولیاں منہ میں رکھ لیں اور چوسنے لگا۔

"آخر ہمیں جانا کہاں ہے۔ لندن' پیرس یا مونٹے کارلو۔" سڈنی بے چین ہو کر ایک بار پھر پوچھ بیٹھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" لیکس نے الٹا سوال داغ دیا۔ "ہر جگہ ایڈونچر ہی ایڈونچر ہے۔ حتیٰ کہ یہاں ٹومون میں بھی۔ آؤ پٹری پار کر کے پیرس سے آنے والی ٹرین دیکھتے ہیں۔ ہمیں شاید کوئی ایسا مسافر مل جائے جو یہ بتا سکے کہ لندن میں بارش ہورہی ہے۔ یا نہیں۔ تم تمہارے پورٹر کو پون گھنٹے میں بتائیں گے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"

سڈنی نے جاکر پورٹر کو یہ بتادیا کہ اس کا چیف' لندن سے آنے والے کسی مسافر سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہی اسے سامان کے سلسلے میں ہدایات مل جائیں گی۔ پورٹر کی تسلی ہوگئی اور تینوں نے پٹری پار کرلی۔ پیرس سے آنے والی ڈی لکس ٹرین اسی وقت چیختی' چنگھاڑتی ہوئی اسٹیشن میں داخل ہوئی تھی۔ اگرچہ ابھی بہت سویرا تھا۔ مسافروں کی خاصی تعداد ٹرین سے اتری تھی لیکن یہ سارے مسافر کافی سگریٹ یا پھول وغیرہ خریدنے میں مصروف ہونے کے بجائے یا تو ایک دوسرے یا پھر ریلوے حکام سے باتیں کرنے میں مشغول ہوگئے تھے۔ کمپارٹمنٹ میں رہ جانے والے مسافر کھڑکیوں کے شٹر اٹھا اٹھا کر باہر جھانک رہے تھے۔ ریلوے کے کئی خدام اسٹیشن ماسٹر سے یا ریلوے آفیسروں سے باتیں کرنے لگے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کے چار اہلکار ایک انسپکٹر کی سربراہی میں ٹرین کے ایک مخصوص کمپارٹمنٹ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہوگیا ہے۔'' اینڈرسن نے کہا۔

''ایک مسافر کا قتل ہوگیا ہے۔'' لیکس بڑے غور سے انسپکٹر کو دیکھ رہا تھا۔

''میں جاکر ٹکٹ لیتا ہوں اور سامان مونٹے کار کے لیے بک کرالیتا ہوں۔'' سڈنی جلدی سے بول پڑا۔

انسپکٹر وہیں پلیٹ فارم پر ہی مسافروں سے پوچھ گچھ کرنے لگا تھا۔ پھر وہ اس کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد ایک کھڑکی سے صرف اس کا سر نمودار ہوا اور اس نے اپنے چاروں ماتحتوں کو اشارہ کیا۔ وہ چاروں ماتحت بھی کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد لیکس نے بھی ان کی تقلید کی اور جب دوبارہ نمودار ہوا تو قدرے برہم نظر آرہا تھا۔ اینڈرسن نے جو اس وقت کافی پی رہا تھا' نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس دوران ٹرین کی ساری کھڑکیوں کے شٹر اٹھ گئے تھے اور تمام مسافر باہر جھانک رہے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر دو یا تین مسافروں کے ٹکٹ چیک کررہا تھا جو ٹرین سے اترے تھے۔

''لندن میں دھواں دھار بارش ہورہی

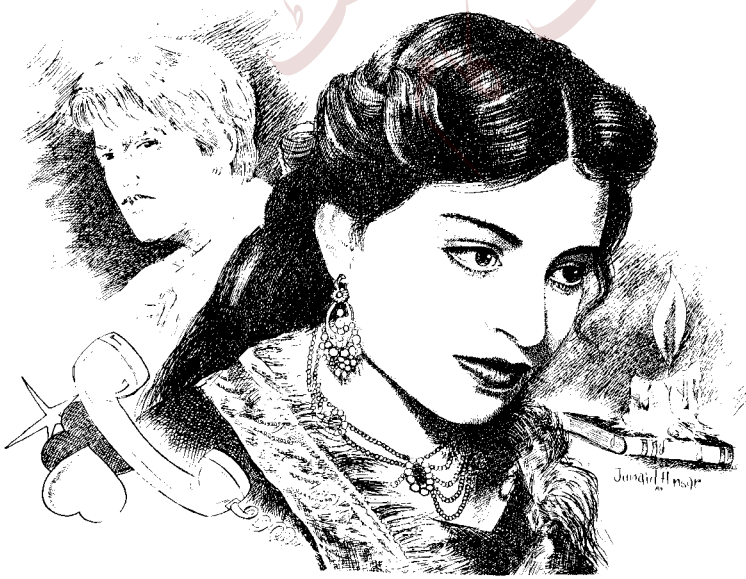

ہے۔'' لیکس نے اداسی سے کہا۔ ''گہری دھند بھی ہے۔ مجھے ایک اور گولی دو۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کوئی فرق پڑتا ہے۔'' اینڈرسن اپنی بوتل نکالتا ہوا خوشگوار لہجے میں بولا۔ ''مونٹے کارلو میں موسم خوشگوار ہوگا۔''

''فرق پڑتا ہے۔'' لیکس نے جواب دیا۔ ''کیونکہ ہم لندن جارہے ہیں۔''

''گویا اس معاملے میں دلچسپی لینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''مجھے اس معاملے سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔''

''آخر ہوا کیا ہے۔''

''ایک رئیس مسافر کو جو تنہا سفر کررہا تھا۔ نیند میں کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کرنے کے بعد گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا گیا۔ کوئی آواز نہیں سنی گئی۔ کار کے دونوں طرف خدام رات بھر آرام سے سوتے رہے۔ سلیپنگ برتھ کے نیچے خالی پرس پڑا ہوا ملا تھا۔ مقتول کا نام سائمن ہے۔ انگریز ہے۔ کبوتروں کا شکار کرنے مونٹے کارلو جارہا تھا۔''

''کیا یہ معلوم ہوا کہ اس کے پاس کتنی رقم تھی۔''

''کسی کو بھی معلوم نہیں۔'' لیکس نے جواب دیا۔

''تو اب یہ فرانسیسی پولیس کیا کررہی ہے۔''

''ٹرین کے نائس پہنچنے تک ملحقہ کمپارٹمنٹ کے خدام اور مسافروں کی نگہبانی کریں گے۔ پھر نائس کے حکام یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔''

''اور جو مسافر یہاں اترے ہیں ان کا کیا بنے گا۔''

''صرف دو ہیں۔'' لیکس نے جواب دیا۔ ''تم انہیں دیکھ سکتے ہو۔ وہ رہا۔ نوجوان نوبیاہتا جوڑا جو ہائر یز ٹرین کا انتظار کررہا ہے۔'' انسپکٹر نے ان کے ٹکٹ چیک کئے اور ان سے چند سوالات کیے۔ بظاہر وہ ان میں دلچسپی لیتا نظر نہیں آرہا۔

اینڈرسن نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ ''یہ نوبیاہتا جوڑا آہنی مون منانے جارہا ہے۔ نئے ملبوسات نیا سامان' دلہا ایک بوکھلایا ہوا گدھا لگ رہا ہے۔ دلہن کے چہرے پر دبیز نقاب ہے۔ دیکھو دلہا اس کے لیے پھول خرید رہا ہے۔ اس کا ہاتھ دبا رہا ہے۔ دیکھا۔''

''ذرا نمائشی ہے۔'' لیکس نے ناقدانہ تبصرہ کیا۔ ''لیکن برا نہیں۔ وہ ٹیلی گرام ایک اچھا ٹیسٹ ثابت ہوگا۔''

''کیسا ٹیلی گرام۔''

''اس نے ایک ٹیلی گرام کا انتظام کیا ہے جو اسے واپس لندن طلب کرے۔ وہ ٹیلی گرام چند منٹ کے اندر اسے مل جائے گا۔'' لیکس نے جواب دیا۔ ''وہ بہت بے چینی سے اس ٹیلی گرام کے پہنچنے کا انتظار کررہا ہے۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ دونوں اس قتل میں ملوث ہیں۔'' اینڈرسن نے یکا یک چونکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''بالکل ملوث ہیں۔'' لیکس نے قدرے چڑچڑے پن سے جواب دیا۔ ''ورنہ میں تمہیں ان کی نشاندہی کیوں کرتا۔ چلو ذرا ٹہلتے ہوئے ان کے قریب سے گزرتے ہیں۔''

دونوں ٹہلنے کے انداز میں اس نوبیاہتا جوڑے کے قریب سے گزر گئے۔ تھوڑی دور جاکر لیکس رک گیا۔ ''اب چلو واپس چلتے ہیں۔ دلہا کو غور سے دیکھو۔ تمہیں تو نفسیات سے بہت دلچسپی ہے۔ ایسا موقع پر بھی نہیں آئے گا۔ ایک ایسے شخص کے رویے اور سبھاؤ پر غور کرو جس نے اب سے چند گھنٹہ قبل ایک شخص کا سفاکانہ قتل کیا ہے۔ ایک عام تماشائی کی نگاہ میں وہ کٹھور اور بے پروا لگتا ہے۔ نہیں لگتا۔ لیکن حقیقت میں وہ

محض شکوک وشبہات اور گھبراہٹ کا ایک لرزتا ہوا مجموعہ ہے۔ تم دیکھ رہے ہو اس کے چہرے کے عضلات کس طرح پھڑک رہے ہیں۔''

وہ اس جوڑے سے چند فٹ کے فاصلے سے گزرے۔ دلہا بالکل جوان تھا۔ قد درمیانہ سے کچھ نکلتا ہوا۔ شانے چوڑے' بھوری مونچھیں' رنگت سرخ وسفید۔ اس کی دلہن دبلی پتلی اور بوٹے سے قد کی تھی لیکن اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ خطوط واضح طور پر نظر آرہے تھے۔ وہ بہت شرمیلی اور گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے شوہر کے ہاتھ میں تھا اور وہ اس کے کانوں میں سرگوشیاں کررہی تھی۔ ان کے ملبوسات نفیس تھے اور نئے ہونے کے باعث بہت واضح تھے۔ قریب سے جائزہ لینے پر ان کا رویہ مشکوک لگتا تھا۔ دلہن کی گھبراہٹ میں تصنع نہیں تھا لیکن بظاہر اس کا کوئی سبب بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اینڈرسن بڑی دلچسپی سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ ''کیا تم نے ایک بات نوٹ کی۔'' اس نے ان کے قریب سے گزرنے کے بعد سرگوشی کی۔ ''دلہا کا ہاتھ کس طرح کانپ رہا تھا اور وہ سگریٹ کب کی بجھ چکی تھی جس کے وہ کش لگاتا نظر آرہا تھا۔''

لیکس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اناڑی مجرم۔'' وہ بولا۔ ''اسے یقین ہے کہ وہ جلد ہی پکڑا جائے گا۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کتنی جلدی۔''

اس وقت سڈنی بھاگتا ہوا ٹکٹ لے آیا۔ ''تم ان میں سے ایک ٹکٹ اپنے پاس رکھو۔'' لیکس نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ''اور نائس تک کا سفر کرو۔ وہاں سے تم ہمیں اس واقعہ کے متعلق لیومنز اور چیئرنگ کراس اسٹیشن کے ویٹنگ روم کے پتے پر ٹیلی گرام کردینا۔ میں اور اینڈرسن واپس لندن جارہے ہیں۔''

سڈنی کو حیرت ہوئی لیکن اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ خاموشی سے دو ٹکٹ لیکس کے حوالے کردیے۔ ''کیا میں نائس پہنچ کر انتظار کروں۔''

''اپنی عقل استعمال کرو۔ میرے خیال میں تمہیں لندن لوٹنا ہوگا۔'' لیکس نے کہا۔

سڈنی اپنی سیٹ حاصل کرنے کے لیے ٹرین کی طرف لپکا۔ ایک یا دو منٹ کے اندر ٹرین روانہ ہوگئی۔ ''بے چارہ۔'' اینڈرسن نے افسوس سے کہا۔ ''تعطیل منانے نکلا تھا۔ کسی کی جان لے لینا کس قدر ظالمانہ حرکت ہے۔''

''تم ایک شخص کی پریشانی کا اندازہ کرو جو قتل کا مرتکب ہوگیا ہو اور جسے گرفتاری کا خوف ہو۔ جب وہ قتل کا منصوبہ بناتا ہے تو اس وقت یہ کام بہت آسان لگتا ہے۔ گرفتاری کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ قاتل سمجھتا ہے کہ وہ بڑے فائدے میں رہا۔ اس کے بعد اصل کھیل شروع ہوتا ہے۔ فضا سرگوشیوں سے لبریز لگتی ہے۔ خوف اور دہشت دل و دماغ کو جکڑ لیتے ہیں۔ ہر شخص سے خوف آنے لگتا ہے۔ وہ نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ اب وہ مٹی کے اس ڈھیر کو نائس لے جارہے ہیں۔ مجھے اس جوان سے ہمدردی محسوس ہورہی ہے جو اپنی دلہن کے ہمراہ لندن جارہا ہے۔ اس کی بوکھلاہٹ کا نظارہ کرو۔ اب چلو ذرا ادھر چلتے ہیں۔''

''لیکن کیا تمہیں یہ خوف لاحق نہیں ہے کہ یہ لوگ راستے میں کہیں اتر جائیں گے۔ یہ لوگ لندن کیوں جانے لگے۔'' اینڈرسن اس کے ساتھ واپس جاتا ہوا بولا۔

''اس لیے کہ پورے یورپ میں لندن ہی مجرموں کی بہترین پناہ گاہ ہے۔'' لیکس نے جواب دیا۔ ''مزید یہ کہ میں نے اسے اپنی دلہن سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ وہ کل رات تک لندن پہنچ جائیں گے۔''

انہیں قدرے مشکل سے ٹرین میں نشستیں مل گئیں۔ راستے میں کوسٹا ببلی کے اسٹیشن پر ان کا

کمپارٹمنٹ بالکل خالی ہوگیا اور وہ آرام سے پھیل کر بیٹھ گئے۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ وہ نویاہتا جوڑا کہاں ہے۔'' اینڈرسن نے کہا۔

لیکس جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ ملحقہ ڈبے سے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر اچانک ہی وہ نوجوان دلہا دہلیز پر نمودار ہوا۔ ''جناب کیا یہ دونوں نشستیں پر ہیں۔'' اس نے لیکس سے پوچھا۔

''نہیں' خالی ہیں۔'' لیکس نے جواب دیا۔

وہ نوجوان غائب ہوگیا اور دوبارہ اپنی دلہن کے ساتھ نمودار ہوا۔ پھر اپنا سامان رکھنے لگا۔ ''جناب مجھے امید ہے کہ ہم آپ کے آرام میں مخل نہیں ہوں گے۔'' وہ بولا۔

''دراصل ملحقہ ڈبہ بھرا ہوا ہے اور کھڑکی کھولنے پر راضی نہیں۔'' وہ اپنی کیپ اتار کر ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگا۔

''کچھ لوگ بہت ضدی واقع ہوتے ہیں۔'' لیکس نے کہا۔ ''ڈبا پرہجوم ہو تو کھڑکی کھول دینی چاہیے۔ کیا آپ کی دلہن کھڑکی کے قریب میری سیٹ پر تشریف رکھنا پسند کریں گی۔''

''اوہ پلیز نہیں۔'' دلہن بول پڑی۔ ''میں یہاں بہت آرام سے ہوں۔ ملحقہ ڈبے میں سارے فرانسیسی ہیں۔ شکر ہے ان کی بک بک سے نجات مل گئی۔ ہم ان کی زبان سمجھتے نہیں۔ مجھے تو بہت الجھن ہو رہی تھی۔''

دونوں ان کے سامنے کوریڈور کی طرف کی سیٹوں پر بیٹھ گئے اور سر جوڑ کر آپس میں ضروری باتیں کرنے لگے۔ وہ گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ جو ٹومون کے پلیٹ فارم پر ان کے انداز سے ہویدا تھی اب وہ بالکل غائب ہوگئی تھی۔ نوجوان دیہات سے تعلق رکھنے والا کوئی مینوفیکچر یا پیشہ ور لگتا تھا۔ لڑکی اب ہیٹ کے غیر بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اس نے اپنا رول ڈھونڈنے کے لیے پرس کھولا اور چاول کے چند دانے فرش پر گر گئے۔ دلہن شرما کر ہنس پڑی۔ دلہا نے جھینپ کر لیکس اور اینڈرسن کی سمت دیکھا۔ لیکس مسکرا دیا اور اگلے چند ہی منٹ کے بعد چاروں میں گپ شپ شروع ہوگئی۔

نویاہتا جوڑے کے مطابق وہ مسٹر اور مسز ہیری سن تھے ان کی شادی کو صرف چار دن ہوئے تھے۔ دلہن بالہام کی تھی اور دلہا مانچسٹر کا رہنے والا تھا۔ مارسیلے گزرنے تک وہ آپس میں اس طرح کھل مل گئے کہ لیکس نے اس نویاہتا جوڑے کی صحت کا جام تجویز کرنے کے لیے شراب کی ایک بوتل اور بسکٹ منگوا لیے۔ ''برسبیل تذکرہ.....'' اس نے کہا۔ ''میں نے اور میرے دوست نے تم دونوں کو پارٹریز ٹرین کا انتظار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔''

دونوں ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گئے اور پھر مسکرانے لگے پھر نوجوان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''ہم پارٹریز جا رہے تھے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن آپ کو سچ بات بتاؤں۔ میری ساس ایک عجیب ہی مخلوق ہے۔ ہم اسے اپنے ساتھ ہنی مون پر روانہ ہونے سے روکنے کے لیے یہی کر سکتے تھے۔ ایک گھنٹہ پہلے ہی ہمیں اس کا ایک ٹیلی گرام موصول ہوا تھا جس کے مطابق وہ پارٹریز جا چکی ہے اور وہیں ہمارا انتظار کر رہی ہے لیکن ہم یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ہمیں ٹیلی گرام ملا ہی نہیں اور ہم اپنا باقی وقت پیرس میں گزارنے کے لیے وہاں واپس جا رہے ہیں۔''

وہسکی کا دور چلتا رہا۔ بوتل تقریباً خالی ہوگئی لیکس اونگھنے لگا۔ نویاہتا جوڑا لنچ کے لیے بوفے کار میں چلا گیا۔ وہ لوگ اپنا سامان وہیں چھوڑ گئے تھے۔ اینڈرسن نے مشکوک نظروں سے اپنے چیف کی طرف دیکھا۔ لیکس کی طرف سے اتنی بھیانک غلطی کا تصور ہی محال تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ ''بہت چالاک نوجوان ترین جوڑا ہے۔'' لیکس بولا۔ ''یا پھر۔'' وہ کھانسا۔ ''مجھ

سے غلطی سرزد ہوگئی ہے۔''
اینڈرسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں نے جا کر خاموشی سے لنچ کیا اور جب اپنے ڈبے میں لوٹے تو نوبیاہتا جوڑے کو بوکھلا دیا۔ دلہن جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ ایک میگزین میں چھپالیا۔ دلہا بے شرمی سے مسکرانے لگا۔ لیکس خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
''لی اونز میں۔'' اینڈرسن نے سرگوشی کی۔ ''ہمیں ٹیلی گرام موصول ہوگا۔''
لیکس محض سرہلا کر رہ گیا۔ باقی سفر خاموشی سے کٹا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا۔ لی اونز میں ٹیلی گرام پہنچ گیا۔ اس نے لفافہ چاک کیا۔ ٹیلی گرام ایک گھنٹہ پہلے نائس سے بھیجا گیا تھا۔ لکھا تھا۔ ''ٹرین کا ایک ملازم گرفتار کرلیا گیا۔ مقتول سے لوٹی ہوئی رقم کا ایک حصہ اس کے پاس سے برآمد ہوا۔ ایک عام سا کیس۔ سڈنی۔''
اینڈرسن نے ٹیلی گرام پڑھ کر لیکس کو واپس کردیا۔ ''سر، بہتر ہوگا کہ آپ ہمارے ساتھ پیرس اتر جائیں۔'' نوجوان نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ ''آپ اور آپ کے دوست بھی۔ ہم گرینڈ ہوٹل میں ٹھہریں گے۔ وہاں آپ ہمارے ساتھ ڈنر کریں گے تو ہمارے عزت افزائی ہوگی۔ آپ ہمارے پہلے مہمان ہوں گے۔ ہے نا ایڈتھ۔''
دلہن دلکشی سے مسکرائی۔ ''ہمیں واقعی بڑی خوشی ہوگی۔'' وہ بولی۔ ''انہیں دوستوں کی صحبت بہت پسند ہے۔ خود مجھے بھی۔''
''مجھے افسوس ہے۔'' لیکس نے معذرت خواہانہ انداز میں سرہلایا۔ ''ہم لندن کا سفر کر رہے ہیں اور وہاں ہمیں ایک بہت ضروری کام ہے۔''
''ہماری بدقسمتی ہے۔'' نوجوان بولا۔ ''بہر حال یہ رہا میرا کارڈ۔'' اس نے ایک کارڈ بڑھا دیا۔ ''میں نے مانچسٹر کے قریب ہی لیکنگ ہائٹس میں ایک مکان لے لیا ہے۔ بہت پرفضا مقام ہے۔ قریب ہی ایک گولف کلب بھی ہے۔ اگر کبھی ادھر سے گزر ہو تو ضرور تشریف لایئے گا۔''
''بڑی خوشی ہے۔'' لیکس نے یقین دلایا۔
''یہ رہا میرا کارڈ۔ یوں تو میں زیادہ تر سفر میں رہتا ہوں لیکن جب لندن میں ہوتا ہوں تو میرے کلب سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔''
''میں خود بھی ایک کلب کا ممبر ہوں۔'' نوجوان نے کہا۔
''مجھ جیسے دیہاتی کے لیے بھی شہر میں کلب کا ہونا فائدہ مند ہوتا ہے۔''
ٹرین پیرس کے پلیٹ فارم میں داخل ہو رہی تھی۔ ان سب نے مصافحہ کیا لیکس نے اخلاقاً ڈبے سے اتر کر انہیں الوداع کہا اور انہیں ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر روانہ ہوتے ہوئے دیکھتا رہا پھر واپس اپنے ڈبے میں آ گیا۔ ''میرے دوست۔'' وہ اپنی سیٹ پر بیٹھتا ہوا اینڈرسن سے بولا۔ ''اب میں سونے جارہا ہوں۔ صبح میں ہم اس ننھے سے واقعہ کو بھولنے کی کوشش کریں گے۔''
''میں خود بھی سونے جارہا ہوں۔'' اینڈرسن نے کہا اور دونوں خاموشی سے دراز ہوگئے۔

☆☆

اگلی صبح سامان سنبھالنے کے بعد اینڈرسن چیئرنگ کراس کے ویٹنگ روم میں پہنچ گیا وہاں دو ٹیلی گرام لے کر لیکس کے پاس لوٹ آیا پھر پہلا ٹیلی گرام جو اس نے کھولا وہ خاصا طویل تھا۔
''یہ ہمارے مخصوص کوڈ میں ہے۔'' وہ بولا۔ ''اسے ڈی کوڈ کرنا پڑے گا۔''
''کوڈ کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔'' لیکس نے کہا۔
''چلو چل کر ریفرشمنٹ روم میں اطمینان سے بیٹھتے ہیں۔ وہیں اسے ڈی کوڈ کرلیں گے۔''
ریفرشمنٹ روم میں انہیں ایک کونے کی میز

مل گئی اور وہ بیٹ گئے۔ لیکس نے کوڈ کی کتاب کھول کی اور سڈنی کے ارسال کردہ ٹیلی گرام کو ڈی کوڈ کرنے لگا۔ وہ ٹیلی گرام بھی نائس سے بھیجا گیا تا۔ پیغام یہ تھا۔ ''بے حد مبارکباد اور معذرت اٹینڈنٹ محض شریک جرم تھا۔ اس نے اقبال جرم کرلیا ہے' قتل کا ارتکاب امریکہ کے چالاک ترین مجرم گرین لاء نے کیا ہے جو ایک نوجوان عورت کے ہمراہ ہنی مون کے بھیس میں سفر کررہا ہے۔ گرین لاء کی گرفتاری ایک ناقبول یقین فتح ہے۔ میری طرف سے ایک بار پھر ہزار ہا مبارکباد۔ سڈنی۔''

لیکس ہکا بکا' اینڈرسن کو تکنے لگا۔ اینڈرسن کی قوت گویائی بھی گویا سلب ہوگئی تھی۔ ''چوٹ ہوگئی۔'' کچھ دیر بعد لیکس نے دھیرے سے کہا۔ ''میں نے ایک موقع پر اس سے پوچھا تھا کہ کیا اس نے کبھی امریکہ کا سفر کیا ہے کیونکہ مجھے اس کے لب و لہجے پر شبہ ہوا تھا۔ دوسرے ٹیلی گرام میں کیا ہے۔''

اینڈرسن دوسرے ٹیلی گرام کو بھلا بیٹھا تھا۔ اس نے جلدی سے اس کا لفافہ چاک کیا اور دونوں سر جوڑ کر پڑھنے لگے۔ یہ ٹیلی گرام صبح کے اولین پہر میں پیرس سے ارسال کیا گیا تھا۔ لکھا تھا۔ ''ابھی ابھی کھانے پر آپ کی صحت کا جام تجویز کیا۔ مسٹر اینڈ مسز ہیری سن۔''

''میرے خیال میں۔'' لیکس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اب ہمیں ہوٹل چلنا چاہیے۔ میں ایک گھنٹہ آرام کرنا چاہتا ہوں بہت تھکن ہوگئی ہے۔''

☆☆

اگلے چند روز تک لیکس نے اپنا بیشتر وقت تجسس آمیز انہماک میں گزرا۔ وہ ہوٹل میلان کے اپنے سوئٹ سے ہلا تک نہیں جو اس کے لیے ریزرو تھا۔ اینڈرسن اس کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ سہ پہر میں برج کھیلنے کلب چلا گیا ورشام میں تھیٹر کی راہ لی۔ تیسرے دن سڈنی پہنچ گیا۔ اینڈرسن اسٹیشن پر اس سے ملا اور اسے صورت حال بتائی۔ دونوں افسردگی سے اس پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

''ہمارے چیف پر یز مردگی کی سی کیفیت طاری تھی۔'' اینڈرسن نے ہوٹل جاتے ہوئے راستے میں کہا۔ ''یہ پہلا موقع ہے کہ اسے ایسی چوٹ ہوئی ہے۔''

''کاش میں بھی اس ٹرین میں تم چاروں کو ایک ساتھ سفر کرتے ہوئے دیکھ سکتا۔'' سڈنی بولا۔

اینڈرسن پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔ ''میں نے آج تک اتنی شاندار اداکاری نہیں دیکھی تھی۔ پچھلے چند دنوں کے دوران جب تک ساری تفصیل اخبارات میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ یہ سارا معاملہ میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی ہونٹوں کی زبان سمجھتا ہے۔''

''ساتھ ہی دیگر بہت سی چالیں بھی۔'' سڈنی بول پڑا۔ ''کہتے ہیں کہ بھیس بدلنے میں پوری دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اس کا اصل حلیہ آج تک کسی کو بھی معلوم نہیں ہوسکا ہے۔''

''میں اس کا صحیح حلیہ بتا سکتا ہوں۔'' اینڈرسن غرایا۔ ''میں تقریباً بارہ گھنٹے تک اس سے دو گز کے فاصلے پر بیٹھا سفر کرتا رہا تھا۔''

''یہاں کے سراغ رسانوں کے مطابق بھیس بدلنے میں اسے حیرت انگیز مہارت حاصل ہے۔'' سڈنی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اور کب اس کی ہمراہی کی شناخت ہوسکی۔'' اینڈرسن نے پوچھا۔

سڈنی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ عورتوں کا رسیا ہے اور اس کی یہی خصلت ایک دن اسے لے ڈوبے گی۔'' وہ بولا۔ ''سنا ہے کہ اسے اس آخری مہم جوئی سے دس ہزار پونڈ کا فائدہ ہوا ہے۔''

اسی وقت ان کی ٹیکسی ہوٹل میلان کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی۔ ''میں وثوق سے نہیں

لہ سکتا۔'' اینڈرسن نے کہا۔ ''چیف تم سے ملنا چاہے گا یا نہیں۔ ہمیں بہر حال اسے یہ بتا دینا چاہیے کہ تم آ گئے ہو۔''

انہوں نے زینہ طے کر کے لیکس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کھول لیا۔ لیکس اپنے ارائنگ روم میں میز پر بیٹا ہوا تھا اور میز پر ابارات اور نوٹس کا انبار تھا۔ ایک ملاقاتی جو ہر پہلو سے ایک سراغ رساں لگتا تھا وہاں سے رخصت ہو رہا تھا۔ لیکس نے بڑے پتال سے ان دونوں کا استقبال کیا۔ ''سڈنی بیٹھو۔'' وہ بولا۔ ''میرے پاس تمیں سوالوں کی ایک فہرست ہے جو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے ایک یا دو گھنٹے کے لیے تنہائی درکار ہوگی۔ مجھے تمہارے پچھلے چار دنوں کے ایک ایک لمحے کی تفصیل چاہیے۔''

''مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی سر۔'' سڈنی خوشگوار لہجے میں بولا اور پھر لمحے لمحے کی روداد بیان کرنے لگا۔

لیکس غور سے سنتا رہا۔ اس دوران اس نے بعض نکتے نوٹ کیے اور پھر ہاتھ ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔ ''مجھے ذاتی نوعیت کا کچھ کام کرنا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تم دونوں چھے بجے میرے پاس آنا اور اینڈرسن تم سفر کی تیاری کرو۔ تمہیں پیرس جانا ہے۔''

''تو آپ گرین لاء کے پیچھے جا رہے ہیں۔'' اینڈرسن نے پوچھا۔

''ہم بے شک اس نام کے مجرم کی گرفتاری میں فرانسیسی پولیس سے تعاون کریں گے۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اینڈرسن اسی رات بذریعہ ٹرین پیرس روانہ ہو گیا۔ اس کی جیب میں ایک سربمہر لفافہ تھا جو اسے پیرس پہنچنے سے پہلے نہیں کھولنا تھا۔ رات کے تقریباً نو بجے لیکس نے سڈنی کو طلب کیا۔ وہ پہنچا تو لیکس میز پر اپنے سامنے ایک خط کھولے بیٹھا تھا۔

''آؤ سڈنی اور دروازہ بند کر دو۔'' وہ بولا۔ ''اینڈرسن روانہ ہو گیا۔''

''وہ نو بجے کی ٹرین سے روانہ ہو گیا ہے سر۔'' سڈنی نے جواب دیا۔

لیکس نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ ''جیسا کہ تم نے اندازہ لگایا ہوگا۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''ہم گرین لاء نامی اس شاطر مجرم کے کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ تم نے میری زبان سے جان مارلین کا ذکر سنا ہوگا۔ وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ میں ڈپٹی انسپکٹر ہے۔''

''مجھے وہ اچھی طرح یاد ہے۔ سر۔'' سڈنی نے اتفاق کیا۔

لیکس نے اپنی میز پر پڑے ہوئے چند نوٹس اٹھائے۔ ''لگتا ہے اسکاٹ لینڈ یارڈ پچھلے تین سالوں سے اس مجرم کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور پچھلے تقریباً ایک سال سے نیویارک کا ایک سراغ رساں اسے یہاں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ اس بدنام زمانہ مجرم کی صلاحیتوں سے انکار ممکن نہیں لیکن کامیابیوں نے اسے حد سے زیادہ پر اعتماد کر دیا ہے۔ اب اس شیخی کا کیا جواز ہے۔ یہ سراغ رساں مارلن کو اسکاٹ لینڈ یارڈ کے پتے پر ارسال کیا گیا تھا۔ وہ اسے لے کر چند ہی گھنٹے قبل میرے پاس آیا تھا۔'' وہ اپنے سامنے پڑا ہوا ایک خط اٹھا کر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔ ''میرے عزیز دوست۔ تم لوگوں نے مجھے تھکا دیا ہے۔ اب اس بھاگ دوڑ میں کوئی مزا نہیں رہا۔ میں اب گھر بیٹھ جاؤں گا اور بہت جلد..... تم لوگ پچھلے تین سالوں سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ تم لوگوں نے مجھ پر قتل کے سات مقدمے بنا رکھے ہیں لیکن تم لوگ نیویارک کے اس کند ذہن سراغ رساں کی طرح سست رفتار ہو جو نہ جانے کب سے میری تلاش میں ہے۔ اب میں تم لوگوں سے تھوڑا سا کھیل کھیلنا چاہتا ہوں اور تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ لندن

میں میری تھوڑی سی رقم پڑی ہوئی ہے۔ میں وہ رقم لینے پندرہ مئی کو خود لندن پہنچ رہا ہوں۔ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ کسی ٹرین سے پہنچوں گا اور کہاں ٹھہروں گا لیکن اتنا ضرور بتانا چاہوں گا کہ میرا قیام لندن کے کسی بہترین ہوٹل میں ہوگا۔ اب تم اپنی آخری کوشش کر دیکھو۔ تم سے بالمشافہ مل کر اور تمہاری آنکھوں میں شبہ کی پرچھائیں دیکھ کر مجھے سچ مچ زبردست سنسنی محسوس ہوگی۔ آؤ کیوں نہ ہم ایک ساتھ ڈرنک لیں۔ میں ڈنر سے پہلے ایک گلاس مادھ لینے کا بڑا شائق ہوں۔ میں ہر شام چھے اور سات بجے کے درمیان لندن میں ہوں گا۔ میں یا تو ہوٹل میلان' میٹروپولی ٹین باریا فزہنری کے بار میں ہوں گا۔ کیا تم سے ملاقات ہوگی۔ تمہارا۔ ڈبن گریلاء۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔'' سڈنی نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

لیکس نے ایک لمحہ تک کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں غرق لگتا تھا۔ ''خود مارلن کو اس خط کے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں ہے۔'' آخر کار اس نے کہا۔ ''وہ اسے محض ایک مذاق سمجھتا ہے لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ اس میں مزاح کی حس سراسر مفقود ہے اور یہ میری تھیوری ہے کہ جس میں حس مزاح نہ ہو وہ اپنے پیشے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

''اور سر' آپ۔ کیا آپ کو یقین ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ آئے گا۔'' لیکس نے پرزور لہجے میں کہا۔ ''میں نے اس پرست اچھی طرح غور کیا ہے اور میں ایک خاص نتیجے پر پہنچا ہوں۔ میں غلطی پر بھی ہو سکتا ہوں لیکن اگر میں غلطی پر نہ ہوا جس کا مجھے یقین ہے تو اس سے مجھے ایک طرح کی تسکین حاصل ہوگی۔ میں اس سفر کو اتنی آسانی سے نہیں بھول سکتا۔''

''اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' سڈنی نے پوچھا۔

''کل منگل ۱۵ مئی ہے۔ مارلن ٹرینوں کھنگالنے کا پروگرام بنا رہا ہوگا۔ لیکن میرے خ میں' اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ گرین لاء اگر آیا تو کسی گمنام پورٹ سے بذریعہ کار آئے گا ہوٹل میلان کو چھوڑ کر ان تمام ہوٹلوں کے لگاتے رہو جن کا اس نے ذکر کیا ہے۔ میلان میں خود دیکھوں گا۔''

''اس کا کوئی حلیہ بھی ہے۔'' سڈنی پوچھا۔ ''مجھے اس کے قد کا علم ہے' جسے وہ بد نہیں سکتا۔ وہ پورے چھے فٹ لمبا ہے۔ اور ہے چوڑا بھی ہے۔ رنگت سرخ وسفید ہے۔''

لیکس نے اپنی میز پر پڑے ہوئے کاغذا کے ڈھیر کو چھوا۔ یہاں اسکاٹ لینڈ یارڈ سے ا کے سترہ مختلف حلئے ملے ہیں۔'' وہ بولا۔'' تھوڑے سے فرق کے ساتھ' کم وبیش ایک ج ہیں۔ اس کی حیرت انگیز خود اعتمادی کا سبب بھی ہے جس کا وہ مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔''

''گویا آپ کو یقین نہیں ہے کہ یہ درست ہیں۔'' سڈنی نے پوچھا۔

''میرا اپنا ایک آئیڈیا ہے۔'' لیکس نے خیال انداز میں کہا۔ ''میں نے مارلن کو بتایا لیکن وہ ہنسنے لگا۔ اب اس کے سوا کوئی چارا رہ جاتا کہ میں اپنے اس آئیڈیے کو خود آزماؤں۔''

''سر میرے لیے کوئی اور ہدایت نہ ہے۔''

''آج شام کے لیے نہیں ہے۔'' لیکس جواب دیا۔ ''لیکن کل مجھے تمہاری ضرور ہوگی۔ ہم ان مار کے چکر لگائیں گے۔ آج جلد ہی سو جاؤں گا۔''

☆☆

اگلے دن شام میں لیکس نے فزہنر میٹروپولیٹن اور میلان کے بارے کے چکر لگا اور ہر بار میں رک کر ڈرنک لیا لیکن اس کا

نتیجہ نہیں نکلا۔ اس نے تنہا کھانا کھایا اور پھر سونے چلا گیا۔ اگلی صبح اسے ایک خط موصول ہوا۔ ''مائی ڈیئر۔ تو تم بھی اس کھیل میں شریک ہو۔ آج شام مجھے ان بار کے چکر لگاتے اور ہر اجنبی چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پا کر بہت افسوس ہوا۔ تین مختلف ڈرنک تمہارے ہاضمے کو خراب کر سکتے ہیں۔ اب ہم صرف فزہنری اور میلان بار میں جائیں گے۔ ممکن ہے ہم دونوں ایک ہی میز بیٹھے کاک ٹیل پی رہے ہوں۔ فقط تمہارا گرین لاء۔''

لیکس کی آنکھیں کسی خیال سے چمکنے لگیں۔

اس نے وہ خط اسکاٹ لینڈ یارڈ کے متعدد دوستوں کو دکھایا۔ سڈنی کو بھی' اسکاٹ لینڈ یارڈ کے سراغ رسانوں نے اس خط کے نتیجے میں اپنی ساری توجہ میٹرو پولیٹن بار پر مرکوز کر دی اور شام کے چھ بجے سے ساڑھے سات بجے تک کاک ٹیل اور شیری پینے والے ہر مہمان کو چیک کرنے لگے جبکہ لیکس سب سے پہلے فزہنری پہنچا اور وہاں آدھا گھنٹا رکنے کے بعد ڈرائیو کر کے میلان ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کے اسموک روم سے شیشے کے دروازے سے امریکن بار میں جھانکا جا سکتا تھا۔

اس نے بار میں جھانکا اور ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ کوتاہ قد کا ایک نوجوان جو ریڈانڈین کی نسل کا لگتا تھا اپنے سامنے کاک ٹیل کا گلاس رکھے کاؤنٹر پر جھکا ہوا تھا۔ لیکس' سڈنی کی طرف مڑا جو اس کے پہلو میں کھڑا تھا۔

''سڈنی۔'' وہ بولا۔ ''کھیل ختم ہو گیا تمہیں اسموک روم کے گوشے میں دو آدمی نظر آ رہے ہیں۔'' اس نے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا جہاں دو بے ضرر نظر آنے والے آدمی ایک صوفے پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

سڈنی نے ان کی طرف دیکھا۔ اسی وقت ان میں سے ایک نے ان کی طرف نگاہ اٹھائی اور اس نے اسے اشارہ کیا۔ دونوں فوراً آ گئے۔

''تم دونوں یہاں جم کر کھڑے ہو جاؤ۔'' لیکس نے انہیں مدھم لہجے میں ہدایت کی۔ ''ہمیں جس شخص کی تلاش تھی وہ اندر ہے۔''

''سر میں بھی آپ کے ساتھ اندر جاؤں گا۔'' سڈنی بولا۔ ''بہتر ہے۔'' لیکس بار میں داخل ہو گیا۔ کاؤنٹر پر جھکا ہوا وہ نوجوان نہایت فیشن ایبل کپڑوں میں تھا۔ اس کے سر پر چمکیلا ریشمی ہیٹ تھا۔ قمیض بے داغ تھی۔ وہ سرخ و سفید بھی نہیں تھا۔ اس نے قدرے گستاخانہ نظروں سے لیکس اور سڈنی کی طرف دیکھا اور پھر اپنی کاک ٹیل کی جانب متوجہ ہو گیا۔

لیکس اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ ''کیا تم مجھے ایک کاک ٹیل دو گے۔ ویسا ہی جیسا تم نے ان حضرت کو دیا ہے۔'' اس نے بارٹینڈر سے کہا۔

لڑکی خاموشی سے کاک ٹیل مکس کرنے لگی۔

وہ تینوں خاموشی سے کھڑے تھے کہ وہ نوجوان آہستہ سے کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ گیا۔ اسی وقت لیکس اچانک اس کی جانب مڑا۔ ''میرے دوست۔'' وہ بولا۔ ''ڈین گرے یا مسٹر ہیری سن۔ آج شام تم جو کہلوانا پسند کرو۔ میں تمہاری دعوت پر تم سے ملنے آیا ہوں۔ باہر میرے دوست انتظار کر سکتے ہیں۔ مجھے تم سے بہت سے سوالات کرنے ہیں' دلچسپ سوالات!'' وہ بالکل تیار تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو چاروں خانے فرش پر چت پایا۔

وہ نوجوان دروازے کی طرف لپکا وہاں دو مسٹنڈوں کو اپنا منتظر پا کر جھجکا۔ یہی جھجک اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی۔ سڈنی نے پیچھے سے اپنا بازو اس کے گلے میں حمائل کر دیا۔ اس کے باوجود وہ کسی جنگل بلی کی طرح جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن تینوں نے مل کر اسے دبوچ لیا۔ اسی وقت مارگن وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ان کے قیدی کو دیکھ کر مشکوک انداز میں سر ہلایا۔ ''یہ گرین لا نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

لیکس مسکرایا۔ ''تم اسے لے جاؤ۔'' اس

نے ہدایت کی۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب یہ کل مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوگا تو میں یہ ایک درجن مرتبہ ثابت کردوں گا کہ یہ گرین لاء ہے۔''

☆☆

اسی رات لیکس' اینڈرسن اور سڈنی کے ہمراہ ایک کیفے میں کھانا کھا رہا تھا اور بڑے خوشگوار موڈ میں تھا۔ ''میری سمجھ میں اب بھی یہ نہیں آرہا ہے کہ آپ نے حقیقت کا اندازہ کیسے لگالیا'' اینڈرسن نے کہا۔

لیکس نے اپنی وہسکی کی ایک چسکی لی۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ وہ شخص پچھلے تین سال سے مطلوب تھا اور آج تک کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس کا ہر حلیہ یکساں تھا۔ تب میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس کے حلئے میں تو کوئی گڑبڑ نہیں۔ میں نے اس کے متعلق سارے نوٹس پڑھے جو اسکاٹ لینڈ یارڈ نے اکٹھے کئے تھے۔ میں نے غور کیا کہ اگرچہ اس کی بے شمار لڑکیوں سے دوستی تھی لیکن وہ ہمیشہ ایک سانولی رنگ کی دبلی پتلی لڑکی کے ہمراہ نظر آتا تھا۔ تب میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ درحقیقت خود اس لڑکی کے بھیس میں رہتا ہو تاکہ اپنی شناخت چھپا سکے۔ وہ اس سفر کے دوران مسز ہیری سن کے روپ تھا۔ اس کا وہ روپ حیرت انگیز تھا۔ لیکن مجھے ایک دو باتوں سے اس پر شبہ ہوگیا تھا اور پھر جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ میرا اندازہ درست ہے۔ مارلن اور اس کے آدمی ہر جگہ کسی لمبے تڑنگے شخص کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ جبکہ میں کسی بھی روپ میں موجود سانولے رنگ کے چھوٹے سے قد کے اصلی گرین لاء کی تلاش میں تھا جسے اس کے اصلی روپ میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس کی وہ آخری چیخ اس کے گلے کا پھندا بن گئی۔''

اسی وقت ایک پورٹر ان کے پاس آیا۔ ''جناب میں معذرت چاہتا ہوں۔'' بولا ''چیئرنگ کراس اسپتال سے آپ کے فون پر ایک بے حد اہم پیغام ہے۔''

لیکس خاموشی سے اٹھا اور اس شخص کے پیچھے چلتا ہوا کیفے سے باہر نکل گیا۔ پھر ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا اور اس نے ریسور اٹھالیا۔ ''ہیلو میں لیکس بول رہا ہوں۔'' وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔

''میں چیئرنگ کراس اسپتال سے ڈاکٹر ویندل بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''مجھ سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ میں ایک شخص مارلن کی طرف سے آپ کو ایک پیغام دے دوں جو بہت زخمی حالت میں یہاں لایا گیا ہے۔''

''مارلن اور زخمی۔'' لیکس کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی۔ ''ہوا کیا ہے۔''

''مسٹر مارلن آپ کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ گرین لاء فرار ہوگیا ہے اس نے ایک پولیس مین کو چھرا گونپ دیا اور مسٹر مارلن کو بری طرح زخمی کرکے لیکس سے فرار ہوگیا اور وہ لوگ اب تک اسے دوبارہ پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ مسٹر مارلن آپ کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ آپ حد سے زیادہ محتاط رہیں کیونکہ یہ شخص گرین لاء آپ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ مجھے معاف کیجئے گا۔ میں ذرا جلدی میں ہوں۔''

لیکس نے آہستہ سے ریسیور رکھ دیا اور واپس اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا مارلن کو ثبوت مل گیا کہ وہ گرین لاء تھا یا کوئی اور لیکن اب جبکہ اس کا اصلی حلیہ سب کو معلوم ہوگیا تھا تو وہ اب زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکتا۔

آپریشن

دانش کمال

ایک شوہر کا قصہ عجیب جس کی بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ہر قسم کے احساس سے محروم ہے۔ اس کی روح مردہ ہوچکی ہے' اس کی بیوی اس کے سامنے دوسروں کے ساتھ گل چھرے اڑا رہی تھی اور وہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی مثال بنا ہوا تھا لیکن ایک شخص ایسا تھا جو اس بے حسی کے لیے ایک نہایت مناسب تاویل رکھتا تھا۔ یہ تاویل کس حد تک درست تھی۔ کیا واقعی دنیا میں ایسی لوگ ہوسکتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کا ایک عبرت انگیز افسانہ

ڈگلس اسٹون اور بدنام زمانہ لیڈی سینوکس کے درمیان جو تعلقات پیدا ہو چکے تھے' وہ فیشن ایبل حلقے میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ لیڈی سینوکس اس حلقے کی روح رواں تھی۔ یہ بات ان حلقوں میں اب کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے دیوانے تھے اور اپنی تنہائیوں کو رنگین بنانے کی کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ یہ خبر اسی لیے بڑی حیرت سے سنی گئی کہ لیڈی سینوکس نے ہمیشہ کے لیے پردے میں رہنے کا عہد کرلیا ہے اور اب وہ کبھی کسی کے سامنے نہیں آئے گی۔ اسی دن لوگوں نے یہ بھی سنا کہ ڈگلس اسٹون کے بٹلر نے صبح جب اپنے صاحب کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا تو انہیں بستر کے

کونے میں کچھ اس طرح سکڑا سکڑایا پایا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔ ڈگلس اسٹون کے دونوں پیر پتلون کے ایک ہی پائنچے میں گھسے ہوئے تھے۔ ان کا سر گھٹنوں سے لگا ہوا تھا' آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ہونٹ کچھ اس انداز میں پھیلے ہوئے تھے جیسے وہ دنیا کی بے ثباتی پر مسکرا رہے ہوں۔

ڈگلس اسٹون اپنے زمانے میں انگلینڈ کے مشہور ترین آدمیوں میں سے ایک تھا مگر اس نے زمانہ دیکھا ہی کب تھا! اس واقعے کے وقت اس کی عمر صرف انتیس سال تھی۔ اس کے جاننے والے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ایک سرجن کی حیثیت سے مشہور ہونے کے باوجود بھی وہ ایک ایسا ہمہ اوصاف آدمی تھا کہ درجنوں دوسرے پیشوں میں بھی انتہائی کامیاب ہوسکتا تھا۔

وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے اعصاب' اس کا مشاہدہ' اس کا وجدان' فوق الفطرت سا تھا۔ اس کا نشتر زندگی سے ہمکنار کردیتا تھا۔ ایسے میں اس کے نائبین زرد چہرے اور حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے اس کی فن کاری دیکھتے رہتے تھے۔ دیگر اوصاف کی طرح اس کی آواز میں بھی ایک عجیب طرح کی شیرینی' ایک حیرت انگیز سی دل کشی تھی مگر اس کی بے حساب آمدنی بھی جو لندن کے سارے پیشہ وروں میں تیسرے نمبر پر تھی' اس کی شاہ خرچیوں اور عیاشیوں کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کی پیچیدہ فطرت کی گہرائیوں میں نفس پرستی بھری ہوئی تھی۔ اس کھیل میں وہ اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ دولت کے علاوہ اپنی شہرت اور جان کی بازی بھی لگانے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں' کان' لمس اور زبان کا غلام ہوکر رہ گیا تھا۔ پرانی شراب کی شان دار دعوتیں' جسم و روح کو معطر کرنے والی خوشبویات' یورپ کے نازک اور نفیس ترین برتن اور حسینان نازک بدن' یہ تھیں دو چیزیں جن کی طرف اس نے سونے کے بہتے چشمے کی طرح اپنی آمدنی کا رخ موڑ رکھا تھا۔ اچانک ہی ایک دعوت میں اس کا سامنا لیڈی سینوکس سے ہوگیا۔ لیڈی سینوکس کی جھیل جیسی گہری نیلی آنکھیں اور خمار آلودہ سی مترنم آواز ڈگلس کے لیے ایک کھلا ہوا چیلنج بن گئی۔ وہ لیڈی سینوکس کا دیوانہ ہوگیا۔ اس وقت لیڈی سینوکس کا شمار لندن کی حسین ترین خواتین میں ہوتا تھا۔ ڈگلس کے لیے تو وہ دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔ ڈگلس بھی لندن کا خوب صورت اور وجیہہ ترین مرد تھا مگر لیڈی سینوکس کے لیے وہ تنہا ہی نہیں تھا۔ وہ نئے نئے تجربات کی عادی تھی اور اپنے حسن کی خیرات لٹانے میں ذرا بھی بخل سے کام نہ لیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لارڈ سینوکس چھتیس سال میں ہی پچاس سالہ بڈھا نظر آنے لگا تھا۔

لارڈ سینوکس انتہائی کم گو' خاموش طبع اور غیر جانب دار قسم کا آدمی تھا۔ اس کے ہونٹ پتلے اور بھوئیں گھنی تھیں۔ اس کا زیادہ تر وقت باغ بانی اور دیگر گھریلو قسم کی مصروفیات میں گزرتا تھا۔ ایک زمانے میں وہ اداکاری کا شوقین بھی رہ چکا تھا اور لندن کا ایک تھیٹر بھی کرائے پر حاصل کرلیا تھا۔ اسی تھیٹر کے اسٹیج پر اس نے پہلی بار مس میرئن ڈاؤسن کو دیکھا اور پھر اسے اپنے ہاتھ کے علاوہ اپنا خطاب اور جاگیر کا تیسرا حصہ بھی پیش کردیا۔ شادی کے بعد ہی اداکاری سے اس کا دل اچاٹ ہوگیا پھر پرائیویٹ تھیٹریکل کمپنیاں بھی اسے اس فن کا اپنے اسٹیجوں پر مظاہرہ کرنے پر راغب نہ کرسکیں جس کا لوہا وہ اپنے اسٹیج پر منوا چکا تھا۔ وہ اپنی عالی شان حویلی اور اس کے گرد پھیلے ہوئے وسیع باغ میں مسرور اور مگن تھا جہاں گل داؤدی کے پودے جھومتے تھے۔

پھر لوگوں کو ایک بڑا دلچسپ موضوع مل گیا۔ کیا لارڈ سینوکس احساس سے بالکل ہی محروم تھا یا اس کی روح مردہ ہوچکی تھی! کیا وہ اپنی بیوی کے کرتوتوں سے واقف تھا اور انہیں نظر انداز کررہا تھا یا وہ کوئی گونگا اور بہرا بے وقوف تھا۔ ڈرائنگ رومز میں چائے کے سامنے بیٹھے یا کلبوں میں کھڑکیوں کے سامنے سگار منہ میں دبائے ہوئے لوگ اس موضوع پر بحث کرتے نظر آتے۔ گفتگو کے دوران میں وہ لارڈ سینوکس کے بارے میں بڑی تلخ باتیں کہہ جایا

کرتے تھے۔ صرف ایک آدمی تھا جو اب بھی لارڈ سینوکس کے بارے میں اچھے خیالات رکھتا تھا اور وہ آدمی اسموکنگ روم کا خاموش ترین ممبر تھا۔ اس نے لارڈ کو ایک مرتبہ یونیورسٹی میں' گھڑ دوڑ کے دوران گھوڑے کی پیٹھ سے گرتے دیکھا تھا۔ لگتا تھا جیسے اس حادثے نے لارڈ کے ذہن کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ وہ لارڈ سینوکس کی بے حسی کو اسی حادثے کا اثر سمجھتا تھا۔

پھر جب ڈگلس اسٹون اور لیڈی سینوکس کا معاشقہ شروع ہوا تو لوگوں کے ذہنوں میں اپنی بیویوں کی سرگرمیوں سے متعلق لارڈ کے علم یا لاعلمی کے بارے میں سارے شکوک ہمیشہ کے لیے دفن ہوکر رہ گئے۔ ڈگلس کے معاشقے کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ خود ڈگلس نے بھی اپنی جنوں خیزی اور سیر مستی کی وجہ سے ہر قسم کی احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔ جلد ہی یہ اسکینڈل زبان زد عام ہوگیا۔ ایک سائنسی باڈی نے اسے خبردار کیا کہ وہ اپنی ان ناشائستہ حرکتوں سے باز نہ آیا تو وہ اس کا نام وائس پریذیڈنٹ کی فہرست سے کاٹ دیں گے۔ اس کے دو مخلص دوستوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے معزز پیشے ہی کا تھوڑا بہت بھرم رکھ لے اور اس بے حیائی سے باز آجائے۔ ڈگلس نے ان تینوں پر لعنت بھیجی اور اسی وقت چالیس گنی کا ایک جڑاؤ کنگن لے کر لیڈی سینوکس کے گھر پہنچ گیا۔ یہ اس کا معمول بن چکا تھا۔ ہر سہ پہر کو وہ اس کے گھر پہنچ جاتا اور رات ہوتے ہی لیڈی سینوکس اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر تفریح کے لیے نکل جاتی۔ دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ان تعلقات کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کررہا تھا مگر آخر ایک واقعہ ایسا ہو ہی گیا جو ان کی ملاقاتوں میں رخنہ ڈال گیا۔

سردیوں کی وہ ایک اداس رات تھی۔ سرد ہواؤں کے جھکڑ کانوں میں سیٹیاں بجا رہے تھے اور کھڑکیوں کے شیشے کھڑکھڑا رہے تھے۔ ہر جھونکے کے ساتھ پھوار کی ایک تہ شیشے پر جم جاتی جو فوراً ہی ایک لکیر کی صورت میں نیچے سرک جاتی۔ ڈگلس ڈنر ختم کرکے اپنی اسٹڈی میں آتش دان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے خوب صورت سی میز پر نفیس پورٹ سے بھرا ہوا ایک گلاس رکھا تھا۔ اس نے گلاس ہونٹوں سے لگانے کو اٹھایا مگر پھر روشنی کے سامنے روک دیا۔ گلاس میں بھری ہوئی سرخ شراب کو وہ بڑے پیار سے دیکھنے لگا۔ آگ کی روشنی اس کے بھرے بھرے خوب صورت چہرے کو چمکا رہی تھی۔ وہ اپنی کھلی کھلی بھوری آنکھوں اور گدز ہونٹوں کی وجہ سے کوئی رومن مجسمہ ساز کا شاہکار نظر آرہا تھا اس کے چہرے پر حیوانی قوت رقص کررہی تھی۔ اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا وہ وقتاً فوقتاً مسکرا بھی رہا تھا۔ بلاشبہ اسے اتنا مسرور ہونے کا حق تھا کیوں کہ آج دن میں اس نے اپنے چھے ہم پیشہ ساتھیوں کی رائے کے خلاف ایک ایسا آپریشن کیا تھا جو ناممکن نظر آرہا تھا اور اس کا یہ آپریشن توقع سے کہیں زیادہ کامیاب رہا تھا۔ لندن میں اس کے سوا ایک بھی ایسا ڈاکٹر یا سرجن نہیں تھا جس میں اس کا سا حوصلہ' مہارت اور جرات ہوتی۔ وہ واقعی اپنے میدان کا ہیرو تھا۔

اس نے لیڈی سینوکس سے شام کو ملنے کا وعدہ کیا تھا اور اب رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ اس نے گاڑی تیار کرنے کا حکم دینے کی خاطر ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ باہر کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ ذرا دیر بعد ہال میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

''کنسلٹنگ روم میں ایک ملاقاتی آپ سے ملنا چاہتا ہے جناب!'' بٹلر نے بتایا۔

''کیا وہ خود بیمار ہے۔''

''نہیں جناب! میرے خیال میں وہ آپ کو کہیں لے جانا چاہتا ہے۔''

''بہت دیر ہوچکی ہے۔'' ڈگلس منہ بناتا ہوا بولا۔ ''اس سے کہہ دو کہ میں نہیں جاسکتا۔''

''یہ اس کا کارڈ ہے جناب!'' بٹلر نے سونے

کی طشتری پر رکھا ہوا کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ طشتری اس کے مالک کو وزیراعظم کی بیوی نے تحفے میں دی تھی۔

"حامد علی سمرنا۔ میرے خیال میں یہ کوئی ترک ہے۔"

"ہاں الفاب کے حلیے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں باہر سے آیا ہے اور بہت پریشان ہے۔"

"چچ چچ۔ مجھے تو ایک جگہ جانا تھا۔ بہر حال اسے بھی دیکھ لیتا ہوں۔ اندر بلاؤ اسے۔"

چند لمحے بعد بٹلر نے پھر دروازہ کھولا اور ایک دبلا پتلا سا آدمی اندر آ گیا۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ آگے کی طرف نکلے ہوئے چہرے پر آنکھیں یوں سکڑی ہوئی تھیں جیسے اسے کم دکھائی دیتا ہو۔ اس کا رنگ سانولا تھا مگر سر اور داڑھی کے بال گہرے سیاہ تھے۔ اس نے ایک ہاتھ میں سرخ کناری والی سفید ریشم کی پگڑی پکڑی ہوئی تھی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا بیگ تھا۔

"گڈ مارننگ!" بٹلر کے دروازہ بند کر دینے کے بعد ڈگلس بولا۔ "میرے خیال میں تم انگریزی بول سکتے ہو۔"

"ہاں جناب، میں ایشیائے کوچک کا باشندہ ہوں۔ میں کسی قدر انگریزی بول لیتا ہوں۔"

"میرے خیال میں تم مجھے لے جانے آئے ہو۔"

"ہاں جناب! میری شدید خواہش ہے کہ آپ میری بیوی کو چل کر دیکھ لیں۔"

"میں صبح آ سکتا ہوں۔ آج کی رات میں نے ایک جگہ وقت دیا ہوا ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔"

ترک نے بڑا عجیب جواب دیا۔ اس نے اپنے چمڑے کے بیگ کا منہ کھولا اور اسے الٹ کر میز پر سونے کے سکوں کو ڈھیر کر دیا۔

"یہ ایک سو پاؤنڈ ہیں۔" وہ بولا۔ "اور میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ میری گاڑی دروازے پر تیار کھڑی ہے۔"

ڈگلس اسٹون نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ لیڈی سینوکس سے ایک گھنٹا دیر سے ملاقات کرنے میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ وہ اس کے یہاں اس سے بھی زیادہ دیر میں جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ فیس بھی اس کے تصور سے کہیں زیادہ تھی۔ اس پر کچھ قرض داروں کا دباؤ بھی بڑھتا جا رہا تھا اور وہ خاصا پریشان تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس مریضہ کو دیکھ ہی آئے۔

"کیا بیماری ہے۔ اس نے دریافت کیا۔"

"اوہ۔ بڑی پریشان کن بات ہے جناب! آپ نے کبھی المہندس کے خنجروں کے بارے میں سنا ہے۔"

"نہیں، کبھی نہیں سنا۔"

"یہ مشرقی خنجر انتہائی قدیم اور مخصوص شکل کے ہوتے ہیں۔ ان کے دستے رکاب کی طرح کے ہوتے ہیں۔ میں نوادرات کا تاجر ہوں اور اسی سلسلے میں سمرنا سے انگلینڈ آیا ہوں۔ پچھلے ہفتے میں پھر سمرنا گیا تھا اور وہاں سے بہت ساری چیزیں لے کر آیا تھا۔ بدقسمتی سے اسی سامان میں المہندس کا ایک خنجر بھی تھا۔"

"تمہیں شاید یاد نہیں رہا کہ مجھے کہیں جانا ہے۔" سرجن نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ بے چین سا ہو رہا تھا۔ لیڈی سینوکس اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مہربانی کر کے صرف ضروری باتیں ہی بتاؤ۔"

"میں صرف ضروری باتیں ہی آپ کو بتا رہا ہوں۔" ترک بولا۔ "آج میری بیوی میرے سامان کے کمرے میں گئی تھی۔ شاید کمزوری کی وجہ سے اسے چکر آ گئے۔ وہ اس سامان پر گر پڑی اور اسے آپ میری بدنصیبی ہی سمجھیں جناب کہ اس منحوس المہندس کے خنجر کی نوک اس کے نچلے ہونٹ میں گھس گئی۔"

"اوہ! میں سمجھا۔ تو تم چاہتے ہو کہ میں چل کر اس کی ڈریسنگ کر دوں۔"

"نہیں جناب! معاملہ اس سے بھی زیادہ خراب ہے۔"

"وہ کیا۔"

"یہ خنجر زہر میں بجھے ہوتے ہیں۔"

''زہر میں۔''

''ہاں اور مشرق اور مغرب میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہے جو بتا سکے کہ وہ زہر کون سا ہے اور اس کا تریاق کیا ہے۔ اس کے بارے میں جتنی بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں' ان کا مجھے علم ہے کیوں کہ مجھ سے پہلے میرے والد بھی یہی کاروبار کرتے تھے ہم لوگ اس وقت زیادہ تر ان زہریلے ہتھیاروں ہی کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔''

''اس کے آثار اور علامات کیا ہیں۔''

''گہری نیند اور تیس گھنٹے میں یقینی موت۔''

''اور تم کہتے ہو کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے پھر تم نے مجھے اتنی بھاری فیس کیوں دی ہے۔''

''کوئی دوا اس کا علاج نہیں ہے مگر چاقو سے ضرور اس کا علاج کیا جا سکتا ہے۔''

''کیسے۔''

''یہ زہر بہت دیر میں جذب ہونے کی خاصیت رکھتا ہے۔ پہلے کئی گھنٹوں تک یہ زخم ہی میں رہتا ہے۔''

''دھونے سے شاید یہ زہر صاف ہو جائے۔''

''سانپ کا کاٹا اگر دھونے سے ٹھیک ہو جائے تو ممکن ہے ایسا ہو جائے جناب! یہ زہر اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔''

''پھر تو زخم کی جگہ کو کاٹنا ہی پڑے گا۔''

''ہاں' بس یہی ایک صورت ہے۔ اگر انگلی پر اس کا زخم لگ جائے تو انگلی کاٹنا پڑتی ہے۔ میرے والد ہمیشہ یہی بات کہا کرتے تھے مگر جناب سوچیں تو' میری بیوی کو یہ زخم کہاں لگا ہے۔ اوہ' یہ کتنی خوف ناک بات ہے جناب۔''

ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے چیر پھاڑ کرنا ڈگلس کے لیے روز و شب کا معمول تھا۔ اس کے دل پر اس بات کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اس کے لیے تو یہ محض ایک آپریشن کیس تھا۔

وہ سرد مہری سے بولا۔ ''زندگی گنوانے سے بہتر ہے کہ ایک ہونٹ گنوا دیا جائے۔''

''اوہ ہاں' میں سمجھتا ہوں کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' یہ قسمت کی بات ہے جس سے فرار ناممکن نہیں۔ باہر میری گاڑی کھڑی ہے' آپ میرے ساتھ چلیں اور جو مناسب سمجھیں کر دیں۔''

ڈگلس نے دواؤں کا بکس اٹھایا پھر کچھ پٹیاں اور ایک شیشی کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اگر اسے لیڈی سینوکس سے ملنا تھا تو اب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ''میں تیار ہوں۔'' وہ اوور کوٹ اٹھاتا ہوا بولا۔ ''باہر بہت سردی ہے' کیا تم چلنے سے پہلے ایک جام پینا پسند کرو گے۔''

ترک ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور احتجاج میں اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ''آپ شاید بھول گئے ہیں کہ میں مسلمان ہوں اور ایک سچا مسلمان شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتا۔ خیر' آپ مجھے ایک بات بتائیں کہ اس چھوٹی سی ہری شیشی میں کیا ہی جسے آپ نے ابھی اپنی جیب میں رکھا ہے۔''

''اس میں کلوروفارم ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''آہ۔ یہ چیز بھی ہمارے لیے ممنوع ہے۔'' ترک بے چارگی سے بولا۔ ''اس میں اسپرٹ ہوتی ہے اور ہم اسپرٹ والی کوئی چیز بھی استعمال نہیں کر سکتے۔''

''کیا۔؟'' سرجن حیرت سے بولا۔ ''تم اپنی بیوی کا آپریشن اسے بے ہوش کیے بغیر کراؤ گے۔''

''وہ بے چاری ذرا بھی درد محسوس نہیں کرے گی۔ اس پر گہری نیند طاری ہے۔ اس زہر کا پہلا اثر یہی ہوتا ہے کہ اس کا شکار نیند میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اسے سمرنا کی افیون بھی دے دی ہے۔ آئیں جناب' ایک گھنٹا تو گزر چکا ہے۔''

جیسے ہی انہوں نے گھر سے باہر تاریکی میں قدم رکھا' بارش کی بوندیں ان کے چہروں پر پڑیں اور ہال میں سنگ مرمر کے اسٹینڈ پر لگا ہوا لیمپ مجھ گیا۔ بٹلر نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ دونوں بارش میں بھیگتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے جس پر زرد بتی جل رہی تھی۔ ذرا ہی دیر بعد وہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''کیا زیادہ دور ہے۔'' ڈگلس اسٹون نے پوچھا۔

''اوہ نہیں' ہمارا چھوٹا سا پرسکون مکان یوسٹن روڈ پر ہے۔'' سرجن نے پھر اپنی گھڑی دیکھی' سوا نو بج رہے تھے پھر دل ہی دل میں وہ تخمینہ لگانے لگا کہ مکان تک پہنچنے اور یہ چھوٹا سا آپریشن کرنے میں اسے کتنا وقت لگ سکتا تھا۔ اسے دس بجے تک لیڈی سینوکس کے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مکانوں کی کہر آلود کھڑکیوں میں سے گیس کی روشنی جھانک رہی تھی۔ اکا دکا دکان کے سامنی استادہ پول لائٹ اندھیرے سے جھگڑنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ بارش کی بوندوں نے گاڑی کی چمڑے کی چھت پر راگ سا چھیڑ رکھا تھا۔ اس کے پہیئے' پانی اور کیچڑ میں سے گھومتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ سرجن کے سامنے بیٹھے ہوئے ترک کا سفید صافہ گاڑی کی زرد روشنی میں عجیب سا لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے بکس کو زانو پر رکھ کر کھولا پھر چاقو اور بنڈل سنبھالنے لگا تاکہ وہاں پہنچتے ہی فوراً کام شروع کردے پھر اس نے بے صبری سے اپنے پیر گاڑی کے فرش پر بجانا شروع کردیے۔

آخر گاڑی آہستہ ہوئی اور پھر رک گئی۔ ڈاکٹر ڈگلس فوراً ہی باہر آ گیا۔ سمرنا کے سوداگر نے بھی اس کی تقلید کی۔

''تم انتظار کرو۔'' ترک نے ڈرائیور سے کہا۔

یہ ایک تنگ سی سڑک پر بوسیدہ سا مکان تھا۔ سرجن نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر اسے کوئی بھی قابل ذکر چیز نظر نہ آسکی۔ وہاں نہ دکانیں تھیں اور نہ ہی کوئی متنفس۔ بس دونوں طرف اسی قسم کے معمولی سے مکانوں کی قطاریں تھیں جن کے بھیگے ہوئے چھجے لیمپ لائٹ میں چمک رہے تھے۔ گٹروں میں پانی بڑے زور وشور سے بہ رہا تھا۔ جس دروازے کے سامنے وہ کھڑے تھے' وہ بہت پرانا اور بے رنگ تھا۔ اس کے اوپر لگی ہوئی لائٹ میں دروازے پر جمی ہوئی مٹی کی تہ نظر آرہی تھی۔ اوپر خواب گاہ کی کھڑکی میں مدھم سی زرد روشنی چمک رہی تھی۔ تاجر نے بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا پھر جیسے ہی اس نے مڑ کر سرجن کی طرف دیکھا تو سرجن کو اس کا چہرہ فکرو پریشانی سے سکڑا ہوا نظر آیا۔ اندر سے بولٹ کرنے کی آواز سنائی دی۔ دروازے پر ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی جس نے اپنے استخوانی ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی موم بتی پر سایہ کررکھا تھا۔

''کیا حال ہے۔'' تاجر نے بے چینی سے پوچھا۔

'ویسا ہی حال ہے جیسا آپ چھوڑ کر گئے تھے جناب۔''

'کیا اس نے زبان بھی نہیں ہلائی۔''

''نہیں۔ وہ گہری نیند میں ہیں جناب۔''

ڈگلس نے اندر آنے کے بعد تاجر نے دروازہ بند کردیا اور تنگ سی راہ داری میں بڑھ گیا۔ ڈگلس مشتبہ نظروں سے دیکھتا ہوا اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہاں نہ چٹائی تھی نہ کوئی قالین اور نہ ہی ہیٹ ریک۔ ہر طرف دیواروں پر گرد جمی ہوئی تھی اور مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے۔ سنسان مکان میں وہ عجوزت کے پیچھے سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔

خواب گاہ دوسری لینڈنگ پر تھی۔ بڑھیا کے ساتھ جو شاید نرس تھی' وہ دونوں بھی اس کے اندر داخل ہوگئے۔ کمرے میں بہر حال تھوڑا بہت فرنیچر موجود تھا مگر اس کی عجیب حالت ہورہی تھی۔ فرش پر جگہ جگہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں ترکی طرز کی الماریاں کھڑی تھیں۔ قریب ہی دو چار میزیں رکھی تھیں جن پر عجیب وغریب پائپ اور خوف ناک ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ دیوار کے ایک بریکٹ پر کمرے کا واحد لیمپ جل رہا تھا۔ ڈگلس نے لیمپ اتارا اور کمرے میں بکھرے ہوئے کاٹھ کباڑ سے بچتا ہوا دوسرے کونے میں پڑے بستر کی طرف بڑھا جس پر ترکی لباس پہنے ایک عورت لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے یاشمک اور نقاب بھی پہن رکھا تھا۔ اس کے چہرے کا نچلا حصہ کھلا ہوا تھا سرجن نے اس کے ہونٹ کے

باہری حصے پر ایک لمبا سا زخم کا نشان دیکھا۔

''یا شموک اور نقاب کے بارے میں' میں معذرت خواہ ہوں۔'' اس کے قریب کھڑا ہوا ترک ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''عورتوں کے بارے میں آپ ہم مشرقی لوگوں کے خیالات سے تو واقف ہوں گے۔ ہم پردے کے قائل ہیں۔''

مگر سرجن یا شموک یا نقاب کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ اس کے سامنے لیٹی ہوئی عورت اب عورت بھی نہیں رہی تھی۔ وہ محض ایک کیس تھی۔ اس نے جھک کر بڑی توجہ سے زخم کا معائنہ کیا۔

''زہر کی کوئی علامت مجھے نظر نہیں آ رہی۔'' وہ سیدھا ہو کر بولا۔ ''بہتر ہوگا کہ ہم آپریشن کو اس وقت تک ملتوی کر دیں جب تک کہ مکمل طور پر اثرات نہ ظاہر ہو جائیں۔''

ترک نے انتہائی بے چینی سے اپنے ہاتھ ملے۔ ''اوہ جناب..... جناب!'' وہ چلایا۔ ''آپ ذرا نہ ہچکچائیں۔ آپ کو معلوم نہیں' اس کی حالت بہت خراب ہے۔ یہ بڑا قاتل زہر ہے۔ میں جانتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسی وقت اس کا آپریشن بہت ضروری ہے۔ اسے صرف اب آپ کا نشتر ہی بچا سکتا ہے۔''

''لیکن پھر بھی میں انتظار کرنے پر اصرار کروں گا۔'' ڈگلس نے کہا۔

''بس جناب' رہنے دیں۔'' ترک اچانک خفگی سے سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ میں اپنی بیوی کو اپنی نظروں کے سامنے اس طرح مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ اب میں اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں کہ یہاں تک آنے کی زحمت پر آپ کا شکریہ ادا کروں اور اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے کسی دوسرے سرجن کو بلا لاؤں۔''

ڈگلس ہچکچایا۔ اتنی بڑی رقم لوٹانا کوئی خوش گوار بات نہیں تھی۔

''کیا تمہیں اس زہر کا ذاتی تجربہ ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں جناب۔''

''اور تم یقین سے کہہ رہے ہو کہ آپریشن انتہائی ضروری اور ناگزیر ہے۔''

''میں اپنی تمام مقدس چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جناب۔''

''تمہیں علم ہے کہ اس آپریشن کے بعد اس کی صورت کس قدر بھیانک ہو جائے گی۔''

''میں جانتا ہوں جناب! یہ بہت بدصورت معلوم ہوگی۔ انتہائی کریہہ اور قابل نفرت۔''

ڈگلس اسٹون نے غصے بھری نظروں سے ترک کی طرف دیکھا' اس نے بڑی بے رحمانہ اور وحشیانہ بات کہی تھی مگر شاید ترکوں کے بات کرنے اور سوچنے کے انداز اسی قسم کے ہوں۔ بحث میں الجھ کر وہ مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے باکس میں سے ایک ڈبا نکالا اور اسے کھول کر سرجری کا نشتر ہاتھ میں اٹھا لیا پھر اس نے شہادت کی انگلی اس پر پھیر کر دھار کر معاینہ کیا۔ اس نے لیمپ کو بستر کے مزید قریب کر لیا۔ دو گہری آنکھیں باریک یاشموک میں سے اس پر گڑی ہوئی تھیں مگر لگتا تھا جیسے وہ بے نور ہوں۔ انگی پتلیاں کسی قدر اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔

''تم نے شاید اسے ایتھون کا بھاری ڈوز دیا ہے۔''

''ہاں' بھاری ڈوز ہی اس کے لیے ضروری تھا۔'' ترک نے کہا۔

ڈاکٹر نے پھر آنکھوں کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ وہ قطعی بے جان لگ رہی تھیں مگر اچانک پتلیوں میں کچھ حرکت سی ہوئی اور ہونٹ لرزے۔ ''یہ بالکل ہی بے ہوش نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ فوراً ہی اپنا آپریشن کر لیں تاکہ اسے کم سے کم تکلیف ہو۔''

سرجن کے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا۔ اس نے چھوٹی سی چٹنی سے عورت کا ہونٹ پکڑا اور چاقو سے چوڑا سا دیشیپ کا ٹکڑا کاٹ لیا۔ عورت ایک درد ناک چیخ مار کر بستر پر اچھل پڑی۔ نقاب اس کے

چہرے سے اتر کر نیچے جا گرا۔ یہ چہرہ تو اس کا جانا پہچانا تھا۔ اوپر کے آگے کی طرف لٹکے ہوئے ہونٹ اور نچلے ہونٹ کی جگہ سے بہتے ہوئے خون کے باوجود وہ اس چہرے کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ اپنے کٹے ہوئے ہونٹ پر ہاتھ رکھے مسلسل چیخ رہی تھی۔

ڈگلس اسٹون نشتر اور چمٹی ہاتھ میں تھامے بستر کے پائنتی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہوں کے آگے پورا کمرا گھوم رہا تھا اور کان کے پیچھے سے کوئی چیز بہہ رہی تھی۔ کوئی اجنبی ایسے میں اس منظر کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ ہونٹ کٹے ہوئے چہرے سے ڈاکٹر کا چہرہ زیادہ خوف ناک لگ رہا تھا۔ خواب کی سی کیفیت میں یا جیسے وہ اسٹیج کے سامنے بیٹھا ہو اس نے دیکھا کہ ترک نے اپنے سر کے بال اور داڑھی اتار کر میز پر رکھی دی۔ ترک کی جگہ اب لارڈ سینوکس دیوار پر ایک ہاتھ ٹکائے خاموشی سے کھڑا ہوا ہنس رہا تھا۔ عورت کی چیخیں اب دم توڑ چکی تھیں اور اس کا سر پھر تکیے سے جا لگا تھا مگر ڈگلس اسٹون پتھر کے بت کی طرح اسی طرح ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ لارڈ سینوکس بہ دستور دیوار سے لگا ہوا ہنس رہا تھا۔

''میرین کے لیے یہ آپریشن بہت ضروری تھا۔'' وہ بولا۔

''جسمانی صحت کے لیے نہیں بلکہ اخلاقی صحت کے لیے! تم سمجھے اخلاق سدھارنے کے لیے۔''

ڈگلس اسٹون آگے کی طرف جھک کر بستر کی چادر سے کھیلنے لگا۔ اس کا نشتر فرش پر گر گیا تھا مگر چمٹی ابھی تک ہاتھ میں دبی ہوئی۔ تھی چمٹی میں کچھ اور بھی تھا۔

''میں طویل عرصے سے اسے یہ چھوٹا سا سبق دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' لارڈ سینوکس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارا بدھ کے دن والا پرچہ میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔ وہ اب بھی میری پاکٹ بک میں موجود ہے۔ مجھے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تھوڑی تکلیف برداشت کرنا پڑی ہے۔'' اس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا جو ابھی تک خاموشی کے ساتھ بستر کی چادر سے کھیل رہا تھا پھر اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے ریوالور نکال لیا۔ ''تم نے دیکھا تم وقت مقررہ پر ہی اپنا وعدہ وفا کرنے آ گئے تھے۔'' وہ ریوالور لہراتا ہوا بولا۔

اچانک ڈگلس اسٹون کے حلق سے قہقہہ پھوٹ نکلا۔ وہ بڑی زور زور سے دیر تک ہنستا رہا۔

لارڈ سینوکس بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے جسم میں خوف کی ایک لہر اتر گئی اور اس کے نقوش میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ وہ بچوں کے بل چلتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ بوڑھی خادمہ وہاں اس کی منتظر کھڑی تھی۔ ''جب تمہاری مالکہ کی حالت سدھر جائے تو اس کی دیکھ بھال کرنا۔'' لارڈ نے اسے حکم دیا۔

پھر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے سڑک پر آ گیا۔ گاڑی ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے اسے دیکھ کر ہیٹ تک اپنا ہاتھ اٹھایا۔

''جون!'' لارڈ نے اس سے کہا۔ ''تم پہلے ڈاکٹر کو اس کے گھر چھوڑ کر آؤ گے۔ میرے خیال میں اسے سیڑھیوں پر سے اترنے کے لیے سہارے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بٹلر کو بتا دینا کہ ایک کیس کے معاینے کے دوران ڈاکٹر کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔''

''بہت بہتر جناب!'' ڈرائیور نے ادب سے کہا۔

''پھر تم لیڈی سینوکس کو گھر لے جانا۔''

'اور آپ۔''

''اوہ' اگلے چند ماہ کے لیے میرا پتا ہوٹل ڈی روما' وینس ہوگا۔ تم مجھے اسی پتے پر ڈاک بھیجتے رہنا اور اسٹیونس سے کہہ دینا کہ اگلے پیر کو گل داؤدی کی نمائش ضرور کرے اور نتیجے سے مجھے مطلع کرے۔''

بَاطن

نوازش شاہین

محرومیاں ہزار رنگ ہوتی ہیں۔ یہ آدمی کے ظاہر پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں اور باطن پر بھی' وہ لڑکا بھی محرومیوں کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا اور کوشاں تھا کہ اپنے ظاہر سے اپنے باطن کو جھٹلا سکے۔ وہ اپنی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھنے پر مصر تھا جو موجود نہ تھا۔ موجود سے ناموجود کی طرف سفر کرتی ہوئی۔ خود قریبی کی ایک سفاک روداد ہمارے معاشرے میں زہر کی طرح گھلی سوچوں کا ایک عبرت انگیز افسانہ ایک تازیانہ۔

ہمارے معاشرے کا ایک عبرت انگیز افسانہ

تمام رات برف گرتی رہی صبح کاذب کے آثار سے چند لمحے قبل برف گرنا بند ہوگئی۔ اس وقت تک پورا میدان برف سے ڈھک چکا تھا۔ جب لوگ اپنے گھروں سے کام پر جانے کے لیے نکلنا شروع ہوئے تو اس وقت کہیں کہیں سے برف صاف ہوئی۔ برف باری کی وجہ سے درجہ انجماد میں اضافہ ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بادلوں کی اوٹ سے سورج کی کرنوں نے جھانکنا شروع کر دیا۔ سورج کی کرنیں جب برف پر پڑتیں تو آنکھیں چندھیا جاتیں۔ برف کے چھوٹے چھوٹے گالے ٹیلی فون کے تاروں پر لٹکے

ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دھاگے پر روئی کے گالے لپٹے ہیں۔ جب پرندے تاروں پر بیٹھ کر اڑنے کے لیے پر تولتے تو ان کے بوجھ سے برف کے گالے میدان میں گرتے۔ برف سے راستہ اتنا ڈھک چکا تھا کہ فٹ پاتھ اور سڑک میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ راہ گیروں کے چلنے سے برف پر ان کے قدموں کے نشان بن جاتے تھے۔

وہ نوجوان عورت جو زرد رنگ کے مکان میں مقیم تھی' اس وقت باورچی خانے کے اندر کام میں مصروف تھی۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے کمرے کا رخ کیا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے آتش دان کی طرف دیکھا۔ آگ اچھی طرح روشن تھی پھر اس نے مزید اور کوئلے آگ میں ڈال دیے اور اپنے دونوں ہاتھ گرم کرنے کے انداز میں رگڑنے لگی۔ جب ہاتھ کچھ گرم ہو چکے تو اس نے کھڑکی کے قریب کی کرسی سنبھال لی۔ کمرے کی حرارت سے کھڑکی پر لگی ہوئی برف آہستہ آہستہ پگھلنے لگی۔ باقی برف کو اس نے لوہے کی سلاخ سے کھرچنا شروع کر دیا۔

جب وہ تھک گئی تو اس نے اپنا سر کھڑکی سے ٹکا دیا اور باہر کا نظارہ کرنے لگی۔ باہر سورج کی روشنی میں برف چمک رہی تھی۔ راہ گیروں نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے تھے اور چہرے کو مفلر سے اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ پورے چہرے پر صرف آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اسکول جانے والے بچے برف کی سطح پر جوتوں کے نشانات چھوڑتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے۔

کوڑا کرکٹ اٹھانے والی گھوڑا گاڑی قریب ہی کھڑی تھی اور گھوڑے خاموشی سے کھڑے تھے۔ ان کے نتھنوں کے بالوں پر برف چمک رہی تھی۔ خاکروب سڑک پر جمی ہوئی برف صاف کر رہے تھے۔ ان کے گال اور ناک سردی کی شدت سے نیلے ہو رہے تھے۔ وہ سڑک پر جمی ہوئی برف اٹھا اٹھا کر گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے جہاں پہلے سے دو آدمی بیلچہ لیے ان کے منتظر تھے۔ اس شدت کی سردی کے باوجود انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ کوئی بہت خوش گوار موسم ہے کیوں کہ وہ دونوں سخت سردی سے قطع نظر ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

جو کوئلے اس نے آگ میں جھونکے تھے' انہوں نے کمرے کو خاصا گرم کر دیا تھا اور کمرے کا ماحول خوشگوار ہو چکا تھا۔ نوجوان عورت نے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر سکون کا سانس لیا اور تھوڑی دیر کے لیے وہ ان تمام باتوں کو بھول کر ماضی کی خوش گوار یادوں میں کھو گئی۔

شاید جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی تھی کہ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے ایک لڑکا باغ کے دروازے کے باہر کھڑا اسے ہاتھ ہلا کر اپنی جانب متوجہ کر رہا ہے۔ نوجوان عورت نے اپنا سر کرسی کی پشت سے کچھ اور اونچا کیا تاکہ وہ اس لڑکے کو اچھی طرح دیکھ سکے اور سمجھ سکے کہ وہ کیا چاہتا ہے لیکن یہ بات وہ لڑکا بھی بہ خوبی سمجھ سکتا تھا کہ اتنی دور سے وہ اپنی بات کا مفہوم نہیں سمجھا سکتا۔ اسی لیے وہ باغ سے گزر کر کھڑکی کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

وہ ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا تھا جس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر چھوٹی آستینوں والی قمیض تھی اور پتلون پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ پھٹے ہوئے کپڑوں سے اس کی سفید جلد چمک رہی تھی' گرد سے اس کے بال اٹے ہوئے تھے۔ دائیں پیر میں پھٹا ہوا جوتا اور بائیں میں صرف جوتے کا سول ایک پتلی ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ سردی کی شدت سے وہ کانپ رہا تھا اور سینے کو اس پتلی سی قمیض سے ڈھانپنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ نوجوان عورت نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور اس سے آنے کا مقصد پوچھا۔ وہ لڑکا' عورت کو رحم طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ کے یہاں کوئلے توڑنے کے لیے ہیں تو میں یہ خدمت انجام دے سکتا ہوں اور اگر دروازے کے سامنے جمی ہوئی برف کو صاف کروانا ہے تو وہ بھی کر سکتا ہوں۔ مجھے کھانے کے لیے کچھ

جیئے' میں بہت بھوکا ہوں۔'' پھر نگاہیں نیچی کرتے ہوئے اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''مجھے سردی بھی بہت لگ رہی ہے۔''

چند لمحے توقف کے بعد وہ اس لڑکے کو انکار کرنے والی تھی کیوں کہ اس کے پاس کوئلوں کا پورے دو ہفتے کے لیے اسٹاک موجود تھا لیکن لڑکے کی رحم طلب نظریں اور التجا کرتی ہوئی آواز دونوں نے نوجوان عورت کو بہت متاثر کیا تھا۔ خاص طور پر جب لڑکے نے سردی کی شکایت کی تو عورت نے اپنی جیکٹ کو اور مضبوطی سے اپنے اطراف لپیٹ لیا۔

''ٹھیک ہے لڑکے' تم پچھلے دروازے سے شیڈ کی جانب جاؤ میں ابھی چابیاں لے کر آتی ہوں۔''

لڑکے کے پپڑی جمے ہوئے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ وہ کوئلے کے شیڈ کی جانب بڑھا۔ لڑکا وہاں پہنچا تو عورت اس کے انتظار میں چابیاں لیے کھڑی تھی۔ عورت نے لڑکے کو کوئلوں کا سائز بتایا' پھر مڑی اور باورچی خانے کی جانب چل دی تاکہ لڑکے کے لیے کچھ کھانے کو تیار کر سکے۔

فریج سے وہ رات کا رکھا ہوا سوپ نکال کر گرم کرنے لگی جسے اب تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

سوپ گرم کرتے وقت یہ خیال اس کے لیے بہت خوش کن تھا کہ وہ کسی کے لیے اچھا کام کر رہی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر اسے جنت میں جانا ہے تو دنیا میں اچھے کام کرنے ہوں گے۔ خدا جانتا ہے کہ وہ لڑکا بھوکا ہے اور خدا ایسی باتوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ شاید لڑکے نے صبح کا ناشتا بھی نہیں کیا اور غالباً دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ وہ بے چارہ کس بری طرح سردی سے کانپ رہا تھا' یہ گرم بھاپ اڑاتا ہوا سوپ کا پیالہ اس کے لیے کافی ہوگا اور سردی کی شدت میں کچھ کمی تو کردے گا یہ خیال ہی کتنا اچھا ہے۔ ایک انسان کو اچھے دل کا مالک ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اچھے دل کا مالک ہے تو یہ بات اس کے چہرے سے عیاں ہو جاتی ہے۔

اس جذبے سے سرشار اس کے دل میں ایک شدید خواہش نے سر ابھارا کہ وہ اس لمحے خود کو دیکھے کہ نیک کام کرتے وقت وہ کیسی لگ رہی ہے۔ وہ ایسا کرنے سے خود کو نہ روک سکی اور باتھ روم میں لگے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اسے توقع تھی کہ اس وقت اس کے چہرے پر ایک رحم دلانہ مسکراہٹ ہوگی' لیکن آئینے کے سامنی کھڑے ہو کر اسے سخت مایوسی ہوئی کیوں کہ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔

تباور چی خانے میں واپس آنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ لڑکے کو جام نہیں دے گی کیوں کہ سوپ ہی اس کے لیے کافی ہوگا' لیکن جس وقت وہ سوپ نکال رہی تھی' اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ اس نے سوچا' وہ صرف ایک پیالہ سوپ سے جنت میں نہیں پہنچ سکتی۔ نہ جانے کتنے لوگوں نے اس بے چارے غریب کا چہرہ دیکھنے کے بعد بغیر کچھ جواب دیے دروازے بند کر دیے ہوں گے۔ ہر فرد تو اس کی طرح اچھے دل کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر میں وہ لڑکا خوش قسمت تھا کہ اس کے پاس آ گیا۔ شاید خدا اس لڑکے کو بھیج کر اس طرح میرا امتحان لینا چاہتا ہے۔ شاید خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اب بھی اچھائیوں کو پسند کرتی ہوں یا نہیں۔

نوجوان عورت نے شیلف میں جام کا ڈبا نکالا اور ایک بڑا چمچہ بھر کر پلیٹ میں نکالا' پھر چند ٹکڑے ڈبل روٹی کے لیے۔ یہ تمام چیزیں ٹرے میں رکھنے کے بعد وہ لڑکے کو دینے باہر کی جانب چل دی۔ جیسے ہی وہ لڑکے کے پاس پہنچی' لڑکے نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون سے صاف کیے۔

''کیا تمام کام ختم کر چکے۔'' عورت نے سوال کیا۔

''کچھ کام ابھی باقی ہے۔''

''ٹھیک ہے' پہلے کھانا کھالو' پھر باقی کام بھی کر لینا' لو یہ ٹرے سنبھالو۔ اس سے پہلے کہ یہ گرم سوپ ٹھنڈا ہو جائے' اسے پی لو یہ تمہیں کافی گرمی پہنچائے گا۔''

''خدا آپ کو اس کا اجر دے۔''

اس جملے نے نوجوان عورت کو کافی متاثر کیا کیوں کہ یہ ایک ایسا جملہ نہیں تھا جو عام طور پر پیشہ ور فقیر ادا کرتے ہیں بلکہ اس لڑکے کی دل کی آواز تھی جو سوپ دیکھنے کے بعد اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔

لڑکے نے ٹرے سنبھالی اور شیڈ کی جانب چل دیا۔ اس نے ٹرے کو اس طرح تھاما ہوا تھا کہ اس میں سے کوئی بھی چیز نہ گرے' نہ چھلکے' درحقیقت عورت کو اس بات کی توقع تھی کہ وہ لڑکا پھر اس کا شکریہ ادا کرے گا' لیکن ایسا نہیں ہوا پھر یہ سوچ کر کہ وہ ایک بار اس کا شکریہ ادا کر چکا ہے' وہ مطمئن ہوگئی۔ جب لڑکا ٹرے واپس لایا تو تمام برتن خالی تھے۔

لڑکے کی پھٹی ہوئی قمیض اس کا سینہ ڈھانپنے میں ناکام تھی۔ چند لمحے عورت اسے دیکھتی رہی' پھر بولی۔ ''کیا تمہیں سردی نہیں لگ رہی۔ اپنی قمیض کے بٹن کیوں نہیں لگا لیتے۔''

''ہاں' مجھے سردی تو لگ رہی ہے لیکن اس کے بٹن نہیں لگا سکتا کیوں کہ وہ ٹوٹے ہوئے ہیں۔'' لڑکے نے بے بسی سے جواب دیا۔

سب سے پہلے اس نے سوچا کہ لڑکے کو قمیض میں لگانے کے لیے بٹن دے دے لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے صندوق میں ایک سویٹر ہے جو اتنا تنگ ہو چکا ہے کہ اب اس کا شوہر اسے نہیں پہن سکتا۔ وہ فوراً اس صندوق کی جانب بڑھی۔ اب اسے بڑی بے صبری سے لڑکے کا کام ختم کرنے کا انتظار تھا کہ لڑکا کب کام ختم کرے اور وہ سویٹر اس کے حوالے کردے۔ آخر کار لڑکا کام ختم کرنے کے بعد ہاتھ میں شیڈ کی چابیاں سنبھالے ہوئے واپس آ گیا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی خدمت جو میں آپ کے لیے انجام دے سکوں۔''

نوجوان عورت نے نظر اٹھا کر تھوڑی دیر تک لڑکے کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ ''نہیں اس کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ یہ رہی تمہاری رقم! اور یہ دیکھو' میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں! یہ خوب صورت سویٹر جو میرے شوہر کا ہے۔ یہ تمہارے بالکل ٹھیک آئے گا۔'' پھر خاتون نے اسے سویٹر دکھانے کے لیے ہاتھ بلند کیے۔

لڑکے نے چند لمحوں میں سویٹر کو دیکھا اور اسے خاتون نے لے لیا۔ ''کیا واقعی یہ میرے لیے ہے۔''

نوجوان عورت نے جواب میں اپنا سر ہلایا۔ یقیناً تم اس سردی میں مرجاؤ گے۔ یہ سویٹر تمہیں کافی گرم رکھے گا۔''

لڑکے نے ہاتھ لگا کر سویٹر کے گرم ہونے کا یقین کیا۔

''اب تمہیں کس بات کا انتظار ہے۔'' خاتون نے سوال کیا۔ ''اسے پہن لو۔''

لڑکے نے سویٹر پھٹی ہوئی قمیض پر پہن لیا۔ اس کی آستینیں کچھ لمبی تھیں جنہیں اس نے موڑ لیا اور ہاتھ لگ کر اس کے گرم ہونے کا یقین کرنے لگا۔

''اوہ' یہ تم پر کتنا اچھا لگ رہا ہے! کیا تمہیں سویٹر پسند آیا۔''

''ہاں' یہ بہت اچھا ہے' خدا آپ کو اس کا اجر دے۔''

''اچھا خدا حافظ۔''

مڑنے سے پہلے لڑکا چند لمحے ہچکچایا' پھر اس نے خاتون سے کہا۔ ''مجھے بیلچہ دیجیے تاکہ میں یہ پھیلی ہوئی برف صاف کردوں۔''

خاتون نے سوچا کہ سویٹر کے عوض لڑکا اس کے لیے کچھ اور خدمت انجام دینا چاہتا ہے۔

''یہ ضروری نہیں ہے' تم اس برف کو پڑا رہنے دو' اس سویٹر کے لیے کچھ اور نہیں کرنا ہوگا۔''

لڑکے نے اصرار کیا۔ ''مجھے پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔''

بیلچہ دینے کے آدھے گھنٹے بعد لڑکے نے کام ختم کیا اور روانہ ہوگیا۔

جب دھوپ خاصی پھیل گئی تو خاتون نے سردی سے بچنے کے لیے لمبا اوور کوٹ پہنا' پھر چادر کو اپنے اطراف اچھی طرح لپیٹ لیا۔ اب صرف اس کی

آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ وہ خریداری کے لیے بازار کی طرف روانہ ہوگئی۔ گوشت خریدنے کے بعد سبزی فروش کی دکان پر جا کھڑی ہوئی جہاں اس کے کانوں سے ایک مانوس آواز ٹکرائی۔ کوئی سبزی فروش سے کہہ رہا تھا۔

''سویٹر مجھ پر کیسا لگا رہا ہے۔''

نوجوان عورت نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ وہی لڑکا تھا جسے اس نے اپنے شوہر کا سویٹر دیا تھا۔

''بہت عمدہ ہے یہ سویٹر!'' سبزی فروش نے تعریف کی' پھر بولا۔ ''مگر یہ سویٹر تمہارے پاس آیا کہاں سے۔''

وہ لڑکا عجیب سے انداز میں مسکرایا اور پھر بولا۔

''یہ سویٹر ایک حسین ملاقات کی یادگار ہے۔''

سبزی فروش' اس لڑکے کی باتوں میں اتنا محو تھا کہ اس نے نوجوان عورت کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ لڑکے سے مخاطب ہوا۔ ''کیا مطلب۔ حسین ملاقات سے کیا مراد ہے۔ کیا تم کسی حسین عورت سے ملے تھے۔ مگر اس سویٹر کا کیا معاملہ ہے۔''

''ہاں' وہ بہت حسین تھی۔'' لڑکا آنکھیں بند کر کے بولا جیسے اس حسینہ کے خیال میں گم ہوگیا ہو۔

''یہ سویٹر اس نے میری خدمت کے صلے میں مجھے دیا تھا۔ کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں نے کیا خدمت انجام دی ہوگی۔''

''تم بالکل ٹھیک سمجھے!'' لڑکے نے سبزی فروش کی تائید میں کہا' پھر بولا۔ ''وہ فاحشہ ضرور تھی مگر بہت حسین! اسے دیکھ کر سخت سردی میں بھی پسینا آنے لگتا ہے۔ اس کا قرب۔''

لڑکا نہ جانے کیا کیا کہتا رہا' مگر نوجوان عورت اب کچھ نہیں سن پا رہی تھی۔ اس کی سماعت میں جیسے کسی نے خنجر اتار دیا تھا۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ جیسے پتھر بن کر رہ گئی تھی۔

غزل

عماد عالم

یہی ہے میری اداسیوں کا حل
تو میری یادوں سے اب دور نکل

خود میں ایسا تنہا سا ہوں
جیسے اندھیری رات میں جنگل

یاد ہے دھندلی یادوں میں
اس کے گورے گال کا وہ تل

جب وہ مجھ سے بچھڑا تھا
ساتھ ساتھ رویا تھا بادل

وہ زلفیں پریشان کیے بیٹھا تھا
جو کہتا تھا مجھے 'پاگل پاگل'

یادوں کی تپتی دوپہروں میں
پھرتا ہوں صحرا صحرا جنگل جنگل

خود سے ایسا الجھ گیا ہوں
جیسے ہو سمجھ میں کوئی پاگل

عماد نئے رشتوں کی بات کرو
پرانی باتوں سے اب کیا حاصل

فریبی رات

ایس اے ہاشمی

جونہی میں فلورا کو تھامنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اس نے شدید دیوانگی کے عالم میں مجھے اس شدت سے دھکا دیا کہ میں پشت کے بل پتھریلی چٹانوں سے جا ٹکرایا اور خاصی دور تک نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ گرنے سے پہلے جو آخری منظر میری آنکھوں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ فلورا دیوانہ وار اس چٹانی سلسلے کی جانب بڑھ رہی تھی جس کی دوسری طرف موت بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔

اس شمارے کے لیے.....ایک دلچسپ وتحیر خیز تحریر

مہاگنی سے بنی شاندار موٹر بوٹ سمندر کا سینہ چیرتی لحہ بہ لحہ جزیرے سے قریب ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بوٹ ایک چٹان کے گرد چکر کاٹ کر ایک لمبوترے کٹاؤ میں داخل ہوگئی جو کشتی کو بوٹ ہاؤس تک لانے کے لیے خصوصی طور پر تیار کیا گیا تھا۔ کٹاؤ میں داخل ہوتے ہی میں نے انجن بند کر دیا۔ کشتی کنارے لگتے ہی میری بیوی فلورا چھلانگ لگا کر پلیٹ فارم پر اتری اور خوابناک انداز میں قدم بڑھاتے ہوئے ادھر ادھر یوں نظریں دوڑانے لگی جیسے اپنے خوابوں کی جنت میں پہنچ گئی ہے۔

بوٹ ہاؤس میں موٹر بوٹ مقفل کرنے کے بعد میں فلورا سے مخاطب ہوا۔

''کیسا لگا تمہیں موٹر بوٹ کا سفر۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔'' وہ ادائے ناز کے ساتھ اپنے لمبے گھنے سنہرے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے بولی اور دونوں بازو فضا میں پھیلا کر جیسے مجھ سے نہیں، سبزے میں گھرے ہوئے جزیرے سے مخاطب ہوئی۔ ''اتنا بڑا جزیرہ تمہاری ذاتی ملکیت ہے اور تم مجھے اب لے کر آرہے ہو۔''

''میری جان! اس میں خفا ہونے والی کونسی ایسی بات ہے۔ ہماری شادی کو چند ماہ ہی تو ہوئے ہیں، یوں بھی میں تمہیں حیران کرنا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا ہم یہاں اکیلے رہیں گے۔'' وہ بولی۔

''مجھے تو یہ سب کسی خواب سے کم نہیں لگ رہا۔''

''یوں تو دیکھ بھال کے لیے یہاں چھ سات پرانے ملازمین ہمہ وقت موجود رہتے ہیں مگر میں نے چند روز قبل ہی انہیں ایک ہفتے کی چھٹی دے دی ہے۔ تم جیسی حسین ساتھی کے ساتھ خوابوں کے اس جزیرے پر خلوت کے چند روز گزارنا میرے لیے کسی حسین خواب سے کم نہ ہوگا۔''

''مجھے تو یہ سب کچھ اب بھی ایک خواب ہی لگ رہا ہے۔'' فلورا سامنے پڑے بڑے سائز کے ایک چٹانی پتھر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''تم جیسے کروڑ پتی سے شادی..... میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میری زندگی

میں ایسا انقلاب بھی آئے گا۔''

''انقلاب تو اب میری زندگی میں آیا ہے جان من۔'' میں نے کہا۔ ''تم تو میرے سپنوں کی ملکہ ہو' میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے اپنی تصور سے بھی زیادہ حسین اور بے پناہ محبت کرنے والی شریک حیات ملے گی۔''

تھوڑی دیر تک ایسی ہی پیار بھری باتیں کرنے کے بعد ہم اس سبزہ زار کی جانب بڑھ گئے جس کے وسط میں رومی طرز تعمیر کا بلند و بالا اور پرشکوہ محل سر اٹھائے کھڑا تھا۔ محل کو دیکھ کر فلورا کی حالت ایک بار پھر ویسی ہی ہوگی جیسے جزیرے پر قدم رکھتے ہوئے تھی۔ وہ مجھ سے پھر شکوہ کرنے لگی کہ اب تک میں نے اسے اس عالیشان جزیرے کی موجودگی سے بے خبر کیوں رکھا تھا۔

''اس سہ منزلہ عمارت میں بیس کمرے' ضروریات زندگی کی ہر شے اور دیگر تمام ایسی آسائشیں موجود ہیں جن کے ہم عادی ہیں۔ بجلی کی ضرورت چار طاقتور جنریٹروں سے پوری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے تمہارے لیے مخصوص رہائشی حصے کی نئے سرے سے آرائش کروائی ہے' مجھے یقین ہے کہ یہ سب تمہیں پسند آئے گا۔'' میں نے اسے مختصراً بتایا۔ اس دوران ہم مرکزی دروازے سے محل میں داخل ہو چکے تھے اور ایک طویل و عریض لابی سے گزر رہے تھے جس کا سنگ مرمر کا پالش شدہ فرش آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔

''یہ نچلی منزل کا ڈرائنگ روم ہے۔'' میں نے لابی کے اختتام پر واقع کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ فلورا جھجکتے کے انداز میں کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس میں اعلیٰ درجے کے ڈرائنگ روم کے تمام لوازمات موجود تھے۔

''یہ منزل مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ ہے۔'' میں نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے تمام بتیاں روشن کرتے ہوئے اسے بتایا۔ ''اسے سرد طوفانی موسموں میں گرم رکھنے کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔'' میرا انداز اس شخص کا سا ہو گیا تھا جو اپنی کوئی نایاب قیمتی چیز فروخت کرنے لگا ہو اور اس کی خوبیاں گنوا رہا ہو۔ ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے کے بعد ہم بائیں ہاتھ راہداری میں مڑے جہاں فرش پر دبیز قالین پھیلا ہوا تھا۔

راہداری میں آمنے سامنے دو بہت وسیع بیڈ روم تھے جو لوازمات کے ساتھ ساتھ تعیشات سے بھی سجے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں بار بھی موجود تھا۔ کمرے کے وسط میں موجود بستر خاصا بڑا تھا اور اس کے دبیز گدے پر پھیلی ہوئی سنہری' بے داغ اور بے شکن چمکیلی چادر اس طرح روشنی میں جھلملا رہی تھی کہ اس سے بستر کے بجائے سنہرے پانی کے تالاب کا گمان ہوتا تھا۔

فلورا بالکل بچوں کے سے انداز میں قلانچیں بھرتی بستر تک پہنچی اور اس کے دبیز گدے پر قلابازیاں کھاتے ہوئے ناقابل فہم آوازیں نکالنے لگی۔ اسے اس طرح خوش دیکھ کر مجھے جو خوشی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ میں نے سوچا کہ عمارت کے بقیہ حصے اسے کل دکھاؤں گا مبادا وہ آج خوشی سے پاگل ہی ہو جائے۔

یہ سوچ کر میں بار کی طرف بڑھا اور مشروب کے گلاس لے کر فلورا کے پاس آیا تو وہ اپنی اوٹ پٹانگ حرکتیں بند کرتے ہوئے میرے پاس بستر پر آ بیٹھی اور میرے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں کم از کم ایک آدھ ملازم کو تو روک لینا چاہیے تھا۔'' اس کے انداز میں پیار بھرا شکوہ تھا۔

''ہمارے چھوٹے موٹے کام ہی کر دیا کرتا۔''

''دیکھو میں سونے کا چمچہ منہ میں لے کر ضرور پیدا ہوا ہوں مگر آج تک میں نے اپنے بیشتر کام اپنے ہاتھوں ہی سے کیے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یوں تو یہاں ضرورت کی ہر شے موجود ہے اشیائے خورد و نوش کا بھی خاصا انتظام ہے لیکن اس کے باوجود تمہیں کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو میں حاضر ہوں۔''

''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔'' وہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔ ''میرا مطلب تھا کہ یہاں یوں تنہا رہنا خطرناک بھی تو ہو سکتا ہے' کہیں تمہارا کوئی دشمن۔''

''میں نے اس مسئلے پر پہلے ہی سے سوچ رکھا ہے۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے میں بولا۔ ''اس وقت ہم اس جزیرے پر تو تنہا ہیں مگر اردگرد پانیوں میں میرے خاص الخاص کارندوں کی موٹر بوٹس غیر محسوس انداز میں جزیرے کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ جب تک ہم اس جزیرے پر موجود رہیں گے وہ جزیرے کے قرب و جوار کی نگرانی کرتی رہیں گے۔ اس کے علاوہ شاید تم یہ بھول رہی ہو کہ میں عام طرز کا آرام طلب کروڑ پتی نہیں ہوں' میری موجودگی میں تمہیں کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کرنا چاہیے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ خالی گلاس سرہانے تپائی پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔'' میں نے مسکرا کر گلاس تپائی پر رکھ دیا اور ریموٹ کے ذریعے بتیاں گل کر دیں۔

رات کو سوتے سوتے اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میرا جسم پسینے میں تر تھا اور زبان خشک ہو کر تالو سے چپکی جا رہی تھی۔ میں نے دیوار گیر کلاک کے ریڈیم ڈائل پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے سوتے میں جو خواب دیکھا تھا اس نے بیدار ہونے کے باوجود میرے اعصاب کو جکڑ رکھا تھا۔ میں جتنی دیر سویا تھا خواب میں فلورا کو دیکھتا رہا تھا جیسے وہ ننگی تلوار لیے میری جانب بڑھ رہی تھی۔

میرا ہاتھ بے اختیار سرہانے کی طرف گیا جہاں میں نے بتیاں جلانے بجھانے والا ریموٹ

رکھا تھا' لیکن ریموٹ وہاں نہیں تھا۔ میں نے ادھر ادھر ہاتھ مارا مگر وہ نہ ملا۔

''فلورا!'' میں نے آہستہ سے اسے پکارا اور محسوس کیا کہ میں بستر پر تنہا تھا' فلورا جانے کہاں چلی گئی تھی۔

یوں تو کمرے کی بتیاں ریموٹ سے کام کرتی تھیں مگر ضرورت پڑنے پر انہیں دیواروں میں نصب سوئچوں سے بھی روشن اور گل کیا جاسکتا تھا۔

میں عجلت میں بستر سے اٹھا اور چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ فرش پر آرہا۔ اگر فرش پر دبیز قالین نہ بچھا ہوتا تو شاید مجھے شدید چوٹیں آتیں۔ اب کی بار میں نے قدرے بلند آواز میں فلورا کو پکارا مگر اس کی طرف سے کوئی جواب تو درکنار ہلکی سی آہٹ تک نہ گونجی۔

میں نے محتاط انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بتیاں روشن کردیں۔ اگلے ہی لمحے میرے جسم میں سرتاپا خوف کی لہر دوڑ گئی۔ کمرے کی دیواروں پر جا بجا ایسے نشانات نظر آرہے تھے جیسے کسی نے خون میں لتھڑے ہوئے ہاتھ دیواروں پر صاف کیے ہوں۔

میں نے قریب جا کر غور سے ان نشانات کو دیکھا اور میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پھیلتی چلی گئی' وہ واقعی خون تھا۔ دیواروں کے علاوہ دروازے اور قالین پر بھی مجھے تازہ خون کے چھینٹے نظر آئے جس کے ساتھ ہی مجھے متلی ہونے لگی اور میں تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ ایک ایک کرکے میں نے راہداری اور لابی کی بتیاں بھی روشن کردیں اور پھر میری دہشت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ لابی اور راہداری کے فرش پر بھی جا بجا خون کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔ میں خون کے چھینٹوں سے بچ کر دوڑتا ہوا رہائشی حصے سے باہر آ گیا' اس دوران میں وقفے وقفے سے فلورا کو بھی پکارتا رہا۔

طویل و عریض برآمدے میں پہنچ کر میں رک گیا' باہر پورے چاند کی روشنی نے ماحول کو سحر ناک انداز میں منور کر رکھا تھا۔ اسی روشنی میں مجھے سبزہ زار کے عین وسط میں سفید کپڑوں کا ڈھیر سا نظر آیا۔

میں بھاگتا ہوا وہاں پہنچا۔ میرا دل گویا کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا' دور سے سفید کپڑوں کا ڈھیر نظر آنے والی دراصل شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لبادے میں ملبوس فلورا تھی جو سبزے پر اس انداز میں بے ہوش پڑی تھی کہ اس کا سر دونوں بازوؤں کے حلقے میں تھا' گویا بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

میں نے فوراً اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ خاصی دیر بعد میری کوششیں بار آور ہوئیں اور وہ میری آغوش میں کسمسا کر بڑبڑانے لگی۔

''چھوڑ دو..... چھوڑ دو مجھے..... میں تمہارے دیوتا کی بھینٹ نہیں چڑھوں گی۔''

''ہوش میں آؤ فلورا!'' میں نے اس کے گالوں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دیتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو یہ میں ہوں' ڈرو نہیں' شاباش آنکھیں کھولو۔''

اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور فوراً مجھ سے چمٹ گئی۔ پسینے میں تر اس کا وجود بری طرح کانپ رہا تھا۔

''تم یہاں کیسے آ گئیں۔'' میں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کی حالت دیکھ کر میں ان خون کے چھینٹوں کو بھی بھول گیا جو میں کچھ دیر قبل دیکھ چکا تھا۔ ''آنا ہی تھا تو کم از کم مجھے بتا کر یہاں آتیں۔''

''میں..... میں یہاں..... خود نہیں آئی۔''

وہ خوفزدہ انداز میں جھرجھری لے کر بولی۔

''رات کو کسی وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو بیڈ روم کے بجائے یہاں پڑے پایا۔ اف میرے خدا وہ منظر.....'' وہ ایک بار پھر مجھ سے چمٹ کر تھر تھر کانپنے لگی۔

''فلورا! خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔'' میں نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔ ''آخر ہوا کیا ہے۔''

''مم..... میں..... میں نے۔''

''ہاں ہاں شاباش بولو!'' میں نے اسے چمکارا۔

''میں نے یہاں..... ایک انسان دیکھا..... عجیب وغریب انسان..... اس کا سر بکری نما تھا۔''

''کیا بکواس ہے یہ۔'' میں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا۔

''یہ سچ ہے مائیکل۔'' وہ مزید دہشت زدہ ہوگئی۔

''اس کے ہاتھ میں تلوار بھی تھی اور وہ کسی عجیب وغریب زبان میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے میری جانب بڑھ رہا تھا۔''

یہ سن کر مجھے بیڈ روم اور راہداری میں پھیلے ہوئے تازہ خون کے چھینٹے یاد آگئے اور میں خود اندر ہی اندر خوف سے لرز گیا لیکن بظاہر میں نے اپنے حواس قابو میں رکھے۔ ''کیا میرے جزیرے پر کسی شیطانی قوت کا قبضہ ہوگیا ہے۔'' میرے دل کے کسی نامعلوم گوشے سے آواز ابھری۔

میں نے سر جھٹک کر اس خیال سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ میں شروع ہی سے جادو ٹونے اور بھوت پریت کو مذاق سمجھنے والوں میں شامل تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جزیرے پر پہلے سے طے شدہ سازش کے تحت ہم دونوں کو خوفزدہ کیا جا رہا ہے۔ میں نے فلورا کو خون کے چھینٹوں کے بارے میں بتا کر مزید خوفزدہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے اپنے ساتھ اٹھاتے ہوئے محل کی اس بالائی منزل کی طرف لے گیا جو میں نے خاص طور پر فلورا کے لیے سجائی تھی۔

میں اسے بیڈ روم میں پھیلے ہوئے خون کے چھینٹوں سے دور رکھنا چاہتا تھا ورنہ اس وقت محل کی بالائی منزل پر جانے کے لیے وقت قطعی مناسب نہ تھا۔

''خدا کے لیے مائیکل مجھے واپس لے چلو۔'' وہ التجائیہ انداز میں گڑگڑائی۔ ''جانے کیوں یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ پلیز مجھے یہاں سے لے چلو۔''

''یقین کرو یہ سب تمہارا وہم ہے۔'' میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ ''ہوسکتا ہے تم نیند میں چل کر یہاں تک آئی ہو اور وہ سب تمہارا خواب ہی ہو۔''

''نہیں' وہ خواب نہیں ہوسکتا۔'' وہ کانپ کر بولی۔

''خدا کے لیے مجھے واپس لے چلو ورنہ میں خود یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

''تم موبائل فون پر اپنے آدمیوں کو اطلاع کیوں نہیں کرتے۔'' فلورا نے مشورہ دیا۔

''موبائل فون!'' میں نے جیسے کسی خواب سے چونک کر کہا۔ ''وہ تو بیڈ روم میں پڑا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی مجھے وہ آٹومیٹک پستول بھی یاد آگیا جو میرے بیڈ روم کے خفیہ کیبنٹ میں ہر وقت موجود رہتا تھا۔ میں ہر وقت اسلحہ اپنی جان سے چمٹا کر رکھنا پسند نہیں کرتا تھا مگر میرے دفتر اور گھر میں مخصوص مقامات پر ہتھیار موجود رہتے تھے یوں بھی اس وقت مجھے کسی ہتھیار کی شدت سے کمی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم یہیں رکو' میں فون لے کر آتا ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''نہیں' یہاں کھلی فضا میں تمہاری طبیعت جلد سنبھل جائے گی۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے وہیں بٹھایا اور اندر کی جانب چل دیا۔ برآمدے اور پھر راہداری میں پہنچتے ہی میری اپنی حالت عجیب تر ہوتی چلی گئی۔ کیا میں بھی جاگتی آنکھوں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کئی بار اپنی کلائی پر چٹکیاں کاٹ ڈالیں مگر منظر نہ بدلا۔

برآمدے اور راہداری کا فرش برقی قمقموں میں آئینے کے مانند جھلملا رہا تھا۔ وہاں خون کا کوئی چھینٹا تو درکنار ہلکا سا داغ تک نہ تھا۔ بیڈ روم بھی

بالکل صاف ستھرا نظر آرہا تھا۔ میری متحیر نظریں بیڈ تک پہنچیں تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں ساکت آنکھوں سے اس کٹے ہوئے سر کو دیکھ رہا تھا جو بستر کے عین وسط میں رکھا ہوا تھا۔ وہ بکرے کا سر تھا۔ روشنی میں آبگینوں کے مانند چمکتی اس کی بڑی بڑی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

میں چند ثانیوں ساکت رہنے کے بعد آگے بڑھا تو میری آنکھیں بستر پوش پر سرخ رنگ سے لکھا گیا ایک لفظ دیکھ کر دہشت سے مزید پھیل گئیں۔ جلی حروف میں لفظ (Voodoo) تحریر تھا۔

''اوہ!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ووڈو اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں مجھے تھوڑی بہت معلومات حاصل تھیں۔

ووڈو کے پیروکاروں کو شیطان کے پجاری کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ووڈو کالے جادو کی ایک قسم ہے جو افریقہ کے تاریک جنگلوں سے نکل کر امریکہ کے سیاہ فاموں میں ایک عرصہ تک خاصا مقبول رہا ہے۔ اس کے پیروکار شیطانی عزائم کی تکمیل کے لیے جہاں جانوروں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں وہاں کبھی کبھار انسانوں کو بھی بھینٹ چڑھانے سے دریغ نہیں کرتے۔

اب تک ہمارے ساتھ جو واقعات پیش آئے تھے ان سے یہ بات مجھ پر واضح ہوگئی تھی کہ یہاں ووڈو کے پیروکار موجود ہیں۔ شاید انہیں کسی طرح علم ہوگیا تھا کہ ہم دونوں جزیرے پر تنہا وقت گزارنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ وقت ان کے شیطانی عزائم کی تکمیل کے لیے مناسب تھا۔

میں نے عجلت میں پستول اور موبائل فون تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ دونوں چیزیں اپنی جگہوں پر موجود نہ تھیں۔ مجھے پہلی بار شدید بے بسی کا احساس ہوا۔ حد سے زیادہ خود اعتمادی نے مجھے بہت بڑی مشکل سے دوچار کر دیا تھا۔

میں کمرے کو جوں کا توں چھوڑ کر بھاگتا ہوا فلورا کے پاس پہنچا۔

''فون نہیں ملا۔'' فلورا نے میری لب کشائی سے قبل ہی حقیقت بھانپتے ہوئے کہا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آخر ان پراسرار واقعات کا تسلسل کیا مقصد لیے ہوئے ہے۔ اگر جزیرے پر ووڈو کے پیروکار قابض تھے تو اب تک انہیں کھل کر سامنے آجانا چاہیے تھا۔ اس طرح ہمیں خوفزدہ کرنے کا آخر کیا مطلب ہوسکتا تھا۔

''کہیں وہ لوگ کسی خاص وقت کا انتظار تو نہیں کر رہے۔'' میرے اندر سے آواز ابھری اور میں یک بیک جھرجھری لے کر فلورا کو اپنے ساتھ لیے باہر کی طرف چل دیا۔ میں خود کو مزید خود فریبی میں مبتلا کر کے اپنی اور فلورا کی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس سے قبل کہ مزید دیر ہوجاتی اور وہ شیطانی چکر مکمل طور پر ہمیں اپنی گرفت میں لے لیتا، ہمیں وہاں سے فرار ہوجانا چاہیے تھا۔

''جلدی کرو۔'' میں نے فلورا کو اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔'' یہ سن کر فلورا میں جیسے زندگی عود کر آئی اور وہ میرے ساتھ تیز تیز قدم بڑھاتی باغیچے سے نکل آئی۔

تھوڑی دیر بعد ہم محل سے نکل کر محتاط انداز میں بوٹ ہاؤس کی جانب رواں دواں تھے۔ فلورا کی مجھے کچھ خبر نہ تھی البتہ مجھے اپنے پاؤں من من بھر کے محسوس ہو رہے تھے۔ محل سے بوٹ ہاؤس کا فاصلہ پچیس منٹ کا تھا جو ہم نے ایک گھنٹے میں طے کیا۔

میں نے جلدی سے پتلون کی جیب سے چابیاں نکالیں اور بوٹ ہاؤس کا دروازہ کھولنے کے لیے پلیٹ فارم پر جا چڑھا۔ دروازہ کھلتے ہی میرا وجود جیسے فالج زدہ ہوکر رہ گیا۔ فلورا ہلکی سی چیخ کے ساتھ مجھ سے چمٹ گئی۔ میرے دماغ میں ایک طوفان سا برپا تھا۔

بوٹ ہاؤس خالی تھا۔ کشتی کا دور دور تک نام و نشان تک نہ تھا۔ ہمارے لیے فرار کی اکلوتی راہ مسدود ہو چکی تھی۔ اب ہم مکمل طور پر اس شیطانی طاقت کے پجاریوں کے رحم و کرم پر تھے۔

اس سے قبل کہ میں کچھ کہتا' ہوا کے دوش پر کہیں دور سے ڈھول پیٹنے کی آوازیں ابھرتی سنائی دی۔ آواز ایک مخصوص تسلسل سے لحہ بہ لحہ بلند ہوتی گئی۔

وہ آواز سن کر میرے دل پر جیسے گھونسا سا لگا' ووڈو کے پیروکار اسی انداز میں ڈھول بجا کر اپنے شیطانی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ میں نے جھرجھری لے کر خود کو اس انجانے خوف کے تسلط سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور فلورا کا ہاتھ تھام کر ایک طرف دوڑ پڑا۔ فلورا نے میرے یوں اچانک دوڑنے پر حیرت کا اظہار نہ کیا اور نہ ہی کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شاید وہ بھی صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کر چکی تھی۔ ہمارا رخ محل کے بجائے جزیرے کے شمال میں پھیلے ہوئے جنگل کی طرف تھا۔ میرے خیال میں ہم صاف میدان کے بجائے جنگل میں اپنے نامعلوم دشمنوں کی نظروں سے زیادہ دیر تک اوجھل رہ سکتے تھے۔

جنگل میں داخل ہو کر کچھ دور تک ہم با آسانی دوڑتے رہے پھر جھاڑ جھنکار کا سلسلہ گھنا ہونے لگا' درختوں کی جھکی ہوئی شاخیں' خشک گھاس کے ڈھیر اور خودرو جھاڑیاں ہماری راہ میں حائل ہونے لگیں۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر فلورا بے دم ہو کر گر پڑی۔ میں نے اسے سہارا دے کر بٹھایا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ہماری سانس حد درجہ پھول چکی تھی اور ہم دونوں ہی میں کچھ کہنے کی سکت مفقود ہو چکی تھی۔

''میرے خیال میں ہمیں تیر کر میامی جانا ہوگا۔'' خاصی دیر بعد فلورا کی آواز ابھری۔

میں ٹک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا۔ ''جانتی ہو اس وقت پانی کتنا برفیلا ہوگا۔'' میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''سمندر کے اس حصے میں شارک مچھلیوں کی بھی بہتات ہے۔''

''میں کسی بھی قیمت پر یہاں مزید نہیں رک سکتی۔'' وہ لڑکھڑا کر اٹھتے ہوئے بولی۔ ڈھول پیٹنے کی آوازیں اس وقت تک دور ہوتے ہوتے معدوم ہو چکی تھیں۔

''مائیکل تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔ ''اس جزیرے پر یوں تنہا آ کر ہم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ یقیناً یہاں کسی آسیب کا قبضہ ہے۔''

اس سے قبل کہ میں جواب میں کچھ کہتا ہمارے آس پاس پتوں اور گھاس میں سرسراہٹ ہونے لگی' یوں لگ رہا تھا جیسے ہمارے چاروں طرف سینکڑوں سانپ ایک ساتھ پھنکارنے لگے ہوں۔ فلورا مجھ سے چمٹ گئی۔ سرسراہٹ لحہ بہ لحہ بلند ہو رہی تھی۔

ہم دونوں وحشت زدہ انداز میں ایک دوسرے کا سہارا لیتے ہوئے اٹھے اور سمت کا تعین کیے بغیر جدھر منہ تھا' دوڑ پڑے۔ خاصی دور تک دوڑنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ مہیب سرسراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود ہم حتی الامکان تیزی سے دوڑتے رہے اور آخر کار جنگل سے نکل کر ایک کھلی جگہ پہنچ گئے۔ کچھ دور چھوٹی چھوٹی اونچی نیچی چٹانوں کا بلند سلسلہ تھا جن کے عقب میں سمندر کی لہروں کا شور گونج رہا تھا۔ میں فلورا کو تقریباً زبردستی روکتے ہوئے خود بھی رک گیا۔ وہ چٹانی سلسلہ سطح سمندر سے خاصی بلندی پر واقع تھا اور اس کے دوسری طرف سنگلاخ چٹانوں کا ڈھلان نما سلسلہ تھا۔ اس مقام پر اندھی کھائیاں بھی تھیں' ذرا سی بے احتیاطی ہمیں موت کی آغوش میں پہنچا سکتی تھی۔

''اس سے آگے بڑھنا ٹھیک نہ ہوگا۔'' میں نے فلورا کو اس جانب بڑھتا دیکھ کر خبردار کیا۔

''اب کیا ہوگا مائیکل۔'' فلورا میرے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تو یہ سب کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ لگ رہا ہے۔ کسی طرح مجھے یہاں سے دور لے چلو۔''

''کاش یہ سب خواب ہی ہوتا۔'' میں نے اسے اپنے ساتھ ایک بڑے سے پتھر پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ہم تین چار روز تک ان لوگوں کو جل دیتے رہیں، جب میں اتنے دنوں تک اپنے آدمیوں سے رابطہ نہیں کروں گا تو وہ خود ہی ہماری تلاش میں ادھ آ نکلیں گے اور پھر ہم ان خبیثوں کا مقابلہ کرنے کے لیے یوں بے یارومددگار نہ ہوں گے۔''

''آخر کسی کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔'' اس کی آواز میں خوف کی آمیزش کم نہ ہوئی تھی۔ ''یہ ضرور کسی آسیب کا اثر ہے۔''

''دیکھو یہ سب خیالی باتیں ہیں۔'' میں نے قدرے نرم لہجے میں اسے سمجھانا چاہا۔ ''یہ سب شیطانی ذہن رکھنے والے کسی خبیث انسان کی کارستانی ہے۔ جلد ہی تم پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی۔''

میں نے اپنے الفاظ کا اثر دیکھنے کے لیے فلورا کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اپنا سر میرے سینے میں لگا کر بری طرح کانپنے لگی۔ اس سے قبل کہ میں کچھ اور کہتا ایک مکروہ اور بھیانک ہنسی کی صدائے بازگشت پرہول جنگل کے سناٹے میں یوں گونجی جیسے کسی خون آشام چڑیل کا قہقہہ ہر سمت سے سنائی دیتا ہے۔

ہم دونوں ہی کی حالت غیر ہونے لگی۔ ہمارے جسم تھرتھر کانپنے لگے اور لباس لحہ بہ لحہ پسینے سے تر ہونے لگا۔ اچانک فلورا نے خوف کی حالت میں میرا بازو پکڑ لیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''وہ..... دیکھو..... اف میرے خدا۔''

میری آنکھیں غیر ارادی طور پر اس جانب گھوم گئیں اور اگلے ہی لمحے میرے دل کی بے ربط دھڑکنیں اس قدر تیز ہو گئیں کہ ان کی آواز میرے اپنے کانوں میں صاف سنائی دینے لگیں۔ میں آج تک وہ منظر نہیں بھلا سکا۔

ہم سے کوئی بیس پچیس گز کے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں ایک بدہیئت ہیولا تیر رہا تھا۔ ذرا غور سے دیکھنے پر میری حالت مزید بگڑنے لگی۔ فضا میں تیرتی ہوئی وہ بدہیئت شے ایک پہاڑی بکرے کا کٹا ہوا سر تھا جس کی آبگینوں کے مانند چمکتی ہوئی لال بھبھوکا آنکھیں ہم دونوں پر مرتکز تھیں۔

''ووڈو کو تم دونوں میں سے ایک کی جان چاہیے۔'' ایک کرخت آواز چہار اطراف سے گونجتی ہوئی سنائی دی۔ اور پھر ڈھول پیٹنے کی مخصوص آواز بلند ہوتی چلی گئی۔

''نہیں..... نہیں میں کسی کی بھینٹ نہیں چڑھوں گی۔'' یہ کہہ کر فلورا نے اپنا ہاتھ میری گرفت سے آزاد کیا اور بار بار یہی جملہ دہراتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔

''رک جاؤ فلورا۔'' میں نے چیخ کر اسے خبردار کرنا چاہا۔ ''تم نیچے گر جاؤ گی، رک جاؤ۔''

جب وہ میرے کہنے پر بھی نہ رکی تو میں اسے پکڑنے کے لیے آگے بڑھا کیونکہ وہ خوف کی شدت کے باعث خطرناک حد تک اس چٹانی سلسلے کی جانب الٹے پاؤں بڑھ رہی تھی جو سطح سمندر سے خاصا بلند تھا۔ ان چٹانوں کی دوسری جانب سنگلاخ چٹانوں کی بے ہنگم ڈھلوان تھی۔ جہاں سے گرنے کی صورت میں موت یقینی تھی۔

جونہی میں فلورا کو تھامنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اس نے شدید دیوانگی کے عالم میں مجھے اس شدت سے دھکا دیا کہ میں پشت کے بل پتھریلی چٹانوں سے جا ٹکرایا اور خاصی دور تک نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ گرنے سے پہلے جو آخری منظر میری آنکھوں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ فلورا دیوانہ وار اس چٹانی سلسلے کی جانب بڑھ رہی تھی جس کی دوسری طرف موت بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔

میں نے خاصی تگ و دو کے بعد خود کو مزید لڑھکنے سے بچایا اور جسم کے مختلف حصوں پر لگنے والی ضربوں کی تکلیف ضبط کرتے ہوئے اٹھنے ہی والا تھا کہ فلورا کی تیز چیخ نے میرے اعصاب شل کر دیے۔

میں نے حتی الامکان تیزی کے ساتھ اٹھتے

ہوئے اس خطرناک چٹانی سلسلے کی جانب نظریں دوڑائیں اور میرا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ فلورا کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ بکرے کا سر غائب ہو چکا تھا۔ ڈھول کی آواز بھی سنائی نہ دے رہی تھی۔ فقط سمندر کی شوریدہ سر لہروں کا بے ربط شور تھا جس کی گونج میرے منتشر خیالات کو مزید بکھیر رہی تھی۔ ذہن میں عجیب توڑ پھوڑ سی مچی ہوئی تھی۔ فلورا کی اذیت ناک اور اچانک موت کے تصور نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر دی تھی۔ میں خاصی دیر تک اسی حالت میں ساکت کھڑا رہا اور ذہن کو کچھ سوچنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر میرا سر کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا جو یقیناً اس چوٹ کا نتیجہ تھا جو میں نے فلورا کا دیوانہ وار دھکا کھا کر سہی تھی۔

فلورا کا خیال ذہن میں ابھرتے ہی میں نے جھرجھری لی' مجھے اب بھی یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ یوں اچانک میری آغوش سے نکل کر موت کی بے رحم آغوش میں جا پہنچی تھی۔ یک لخت مجھے اپنے رخساروں پر نمی کا احساس ہوا اور میں بوجھل دل لیے اس چٹان کی جانب بڑھ گیا جس پر کچھ دیر قبل فلورا کھڑی تھی۔ میں اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے خطرناک حد تک آگے چلا گیا۔ چٹان کی چوٹی پر پہنچ کر میں نے نیچے جھانکا اور اپنے بدترین خدشات کی تصدیق ہوتے ہی قطعی غیر ارادی طور پر میری چیخ نکل گئی۔

اس کا لاشہ بہت نیچے نوکیلی چٹانوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ اس کا شب خوابی کا لبادہ' جو کچھ دیر قبل سفید تھا اب جا بجا خوں رنگ نظر آ رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک منہ زور لہر چٹانوں کی جانب بڑھی اور اس کی لاش اپنے ساتھ بہا لے گئی۔

میں لرزتی ٹانگوں کے ساتھ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ میں خود کو فلورا کا قاتل محسوس کر رہا تھا کیونکہ یوں تن تنہا اپنی نوبیاہتا بیوی کے ساتھ جزیرے پر وقت گزارنے کا منصوبہ میں نے ہی پیش کیا تھا۔ میں فلورا کے ساتھ چند محبت بھرے شب و روز اس انداز سے گزارنا چاہتا تھا کہ کوئی چاہتے ہوئے بھی ہمارے درمیان مخل نہ ہو پاتا مگر مجھے کیا خبر تھی کہ موت..... آہ! موت کا ظالم پنجہ میری محبوب ترین ہستی کو یوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے چھین لے جائے گا۔ کتنی حسرت کا مقام تھا کہ مجھے اس کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ سب سوچتے سوچتے میں پلٹنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے کسی نے پیچھے سے پوری قوت کے ساتھ آگے دھکیل دیا۔ میری حالت ایسی نہ تھی کہ میں خود کو سنبھال پاتا۔ میں نے کسی غیر مرئی سہارے کی تلاش میں اندھوں کی طرح دونوں ہاتھ فضا میں لہرائے' منظر میری نظروں میں چکرانے لگا۔ اگلے ہی لمحے میرا وجود کسی بے جان شے کی مانند نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔

پانی کے نیم مردہ تھپیڑے اور لہروں کا بے ہنگم شور آہستہ آہستہ مجھے ہوش و حواس کی دنیا میں واپس لانے لگا۔ سمندر کے پانی سے میرے زخموں میں شدید جلن ہو رہی تھی اور کنپٹیوں میں یوں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں جیسے ان پر کوئی ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ حواس بحال ہونے پر میں نے دیکھا کہ میں سنگلاخ چٹانوں کے درمیان زخموں سے چور پھنسا پڑا ہوں۔ میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں کوئی چھوٹی موٹی چوٹ نہ آئی ہو۔ میں جس بلندی سے ان سنگلاخ چٹانوں پر گرتا چلا آیا تھا اس سے میرے وجود کا پاش پاش ہو جانا یقینی تھا اور میرا زندہ بچ جانا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ جب لمحات رفتہ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے دوبارہ ابھری تو میرا معدہ جیسے اچھل کر منہ کو آ گیا اور میں نے بے اختیار جھکتے ہوئے قے کر دی۔

خاصی دیر بعد میں خود کو چٹانوں کے شکنجے سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ اس نشیب سے بلندی پر چڑھنا ناممکن ہی نہ تھا بلکہ ایسی کوشش مجھے دوبارہ موت کے منہ میں لے جا سکتی تھی' لہٰذا میں چٹانوں کا سہارا لیتے ہوئے خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر اس سلسلے کی

جانب بڑھنے لگا جہاں سے میں با آسانی کنارے پر چڑھ سکتا تھا۔ خاصی دیر بعد مجھے اپنی کوشش میں کامیابی نصیب ہوئی۔ اس وقت سورج کا سنہرا تھال مشرق سے ابھر رہا تھا۔ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر ایک طرف روانہ ہوگیا۔ میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ جسمانی اور ذہنی حالت ابتری کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور بھوک بھی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ میں بمشکل زخموں سے چور دکھتے وجود کو گھسیٹ رہا تھا۔ اگرچہ اب تک پیش آنے والے واقعات خاصے پراسرار اور ناقابل فہم تھے لیکن جانے کیوں میرا ذہن یہ تسلیم کرنے سے انکاری تھا کہ جزیرے پر مافوق الفطرت اور پراسرار قوتوں نے ڈیرے ڈال لیے ہیں۔ مجھے دیے جانے والے دھکے کے بعد سے مجھے یقین ہو چکا تھا کہ پیش آنے والے واقعات کی پشت پر کسی نہایت ذہین اور مکار دشمن کا ہاتھ ہے۔ لیکن مجھے اور میری بیوی کو یوں ڈرامائی انداز میں ہلاک کرنے کا مقصد کیا ہوسکتا تھا۔ اور اگر کسی کو ہمیں قتل کرنا ہی تھا تو اس کے لیے اسے اتنے جھنجٹ اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔

اندھا دھند محل کی طرف واپس جا کر میں اپنی یقینی موت کو دعوت نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ جزیرے پر موجود میرے نامعلوم دشمن مجھے یوں زندہ پا کر پہلے سے بھی زیادہ کاری وار کریں گے۔

زائل شدہ توانائی بحال کرنے کے لیے میں نے کچھ کچی سبزیاں اور جنگلی پھل توڑ کر کھائے جن کا ذائقہ شدید بھوک کے باعث مجھے خاصا اچھا لگا۔ سیر ہو کر پھل کھانے کے بعد میں نے چٹانوں سے نکلنے والے ایک چشمے کا پانی پیا اور جنگل کے اس حصے کی جانب چل دیا جہاں ہم نے گزشتہ رات بکرے کا سر فضا میں معلق دیکھا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد بکرے کا وہ سر ایک جھاڑی میں پڑا مل گیا۔ قریب سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ وہ اصلی نہیں بلکہ مصنوعی تھا۔

اس کی آنکھوں کی جگہ دو سرخ بلب نصب تھے جنہیں سر کے پچھلے حصے میں لگے بٹن کے ذریعے جلایا بجھایا جا سکتا تھا۔ یہی نہیں اس کے سینگوں کے ساتھ وہ باریک سیاہ ڈوریاں بھی بندھی تھیں جن کی مدد سے اسے درخت سے لٹکایا گیا تھا۔ ایسی اشیاء فلمی مناظر میں عام استعمال ہوتی ہیں۔

اس سے قبل کہ میں وہاں مزید ایسی کوئی چیز ڈھونڈتا' مجھے کسی کے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی اسی طرف آ رہا تھا۔ میں جلدی سے آہٹ پیدا کیے بغیر گھنی جھاڑیوں کے عقب میں چھپ کر اس جانب نگران ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد پانچ افراد آپس میں باتیں کرتے اس جانب آتے دکھائی دیے۔ ان میں سے چار افراد ایک ہی جیسی میلی کچیلی ڈانگریوں میں ملبوس تھے اور دیکھنے میں الیکٹریشن یا پلمبر معلوم ہو رہے تھے۔ پانچواں شخص دور ہی سے ان سب سے الگ نظر آ رہا تھا۔ نیلے رنگ کے نفیس سوٹ میں ملبوس وہ ایک خوب صورت دراز قد نوجوان تھا اور اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ٹھونسے نپے تلے انداز میں قدم بڑھاتا ان چاروں کے آگے آگے چل رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ نوجوان ہی ان چاروں کا سرغنہ ہے۔ مجھے انہیں دیکھتے ہی یقین ہوگیا کہ اب تک پیش آنے والے واقعات کی پشت پر انہی لوگوں کا شیطانی ذہن کارفرما تھا۔ میرے دماغ میں ان گنت سوالات کلبلانے لگے' آخر وہ لوگ ایسا کیوں کر رہے ہیں جبکہ میں ان کو زندگی میں پہلے بار دیکھ رہا تھا۔

وہ چلتے چلتے ان جھاڑیوں سے کچھ ہی دور رک گئے جن کے عقب میں' میں چھپا بیٹھا تھا۔ نوجوان کے سوا باقی چاروں افراد زمین پر یوں نظریں دوڑانے لگے جیسے انہیں کسی چیز کی تلاش ہو۔ نوجوان خاموشی سے ان کی کارروائی دیکھتے ہوئے اپنے طلائی لائیٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔

''خدا جانے کہاں غائب ہوگیا۔'' چاروں میں سے ایک دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر ادھر ادھر دیکھتے

ہوئے بولا۔

''میں نے اسے یہیں کہیں پھینکا تھا۔''

''میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ احتیاط کرنا۔'' نوجوان نے دھیمے مگر ترش لہجے میں کہا۔

''اب اگر وہ سر کسی کو یہاں مل گیا تو سارا کھیل بگڑ سکتا ہے۔''

میں سمجھ گیا کہ انہیں اس مصنوعی سر کی تلاش ہے جو اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے۔''

''ہوسکتا ہے کوئی چیل یا جانور اسے اصلی سمجھ کر اٹھا لے گیا ہو۔'' ایک نے کھسیانا ہو کر کہا۔

''جانور تمہاری طرح اندھے نہیں ہوتے۔''

اب کی بار نوجوان غضبناک انداز میں گرجا۔

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اگر پولیس اطلاع دینے میں مزید دیر کر دے گی تو سارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔''

''سر میرا خیال ہے بکر کا وہ سر ہمارے لیے کوئی مصیبت کھڑی نہیں کرے گا۔''

پہلا شخص بولا۔ ''آپ پریشان نہ ہوں سب کچھ آپ کے منصوبے کے مطابق ہوگا۔''

''اسپیکرز اور دوسرا سامان تو ہٹا لیا ہے نا۔''

نوجوان نے جیسے اچانک کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

چاروں نے کچھ کہنے کے بجائے اپنے سروں کو اثبات میں جنبش دی اور میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے ذہن کی تمام گرہیں یوں اچانک کھلتی چلی جائیں گی۔

''ٹھیک ہے تم لوگ اب واپس جاؤ۔'' نوجوان نے چٹکی بجا کر سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ ''اور احتیاط سے اردگرد کے پانیوں میں مائیکل کے آدمی موجود ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں سر۔'' پہلے شخص نے جواب دیا۔ ''کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں آئیں گے۔''

''نہیں میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔'' نوجوان نے سگریٹ ایک درخت کے تنے کے ساتھ مسل کر بجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے اطمینان تو کر لیا تھا ایسا نہ ہو وہ زندہ بچ جائے۔''

اس کا اشارہ یقیناً میری طرف تھا۔ ''نہیں باس!'' میں نے خود اسے چٹانوں پر سے دھکیلا تھا' اس کی تو لاش بھی ٹکڑوں میں بٹ چکی ہوگی۔''

بے شک اگر میں معجزانہ طور پر ایک مگر سے نہ اٹک جاتا تو میری لاش چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی' مگر قدرت کو ابھی میری زندگی مقصود تھی۔

تھوڑی دیر بعد نوجوان کی ہدایت کے مطابق چاروں آدمی وہاں سے روانہ ہوگئے اور وہ خود تنہا جزیرے کے وسطی حصے کی جانب چل دیا۔

جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ چاروں دور نکل چکے ہیں تو میں بڑی احتیاط سے نوجوان کا تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ میں اس کا اگلا اقدام دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ محل کی جانب جا رہا تھا۔ مجھے اس بات کا پکا یقین تھا کہ جزیرے پر اس کے وہی چار آدمی تھے جنہیں وہ بھیج چکا تھا۔

جب میں اس کے تعاقب میں محل کے صدر دروازے تک پہنچا تو وہ طویل و عریض باغیچہ عبور کرتے ہوئے رہائشی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ اس قدر مطمئن اور پراعتماد تھا کہ اس دوران اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا تھا۔ وہ اسی طرح چلتے ہوئے یوں بیڈروم میں گھس گیا جیسے ایک عرصے سے وہ بیڈروم اس کے زیر استعمال ہے۔

تھوڑی دیر بعد میں بھی دبے قدموں بیڈروم تک پہنچ گیا۔ اندر سے کسی عورت کی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔

میں دروازے سے کان لگا کر اندر ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگا۔

''تم واقعی شاطر اور بے حد ذہین انسان ہو۔'' ایک کھنک دار نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''وہ عام حالات میں کبھی بھی ان خطرناک چٹانوں کے قریب نہ جاتا۔ مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ

مر چکا ہے۔"

"بس تھوڑے ہی عرصے کی تو بات ہے۔" جوان کی آواز ابھری۔ "پھر ہم دونوں ہمیشہ ے لیے ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔"

"آہ! البرٹو میری جان!" ایک کھنک دار قہقہے ے ساتھ وہ نسوانی آواز دوبارہ ابھری اور مجھے یقین ا جیسے یک لخت میرے کانوں میں کھولتا ہوا سیسہ نڈیل دیا گیا ہے۔ وہ آواز میری بیوی فلورا کی تھی، ہی فلورا جو گزشتہ شب میری آنکھوں کے سامنے ھیانک موت سے دوچار ہوئی تھی۔ میں ایک پل یں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ میرے ذہن میں پنے تمام سوالوں کے جواب پا لینے کے باوجود جو خلا اقی رہ گیا تھا، وہ فلورا کی آواز سن کر اور اس کی باتوں کا فہوم سمجھ کر اچانک ہی پر ہو گیا تھا۔ انسانی نفسیات کی رو سے میری نس نس میں آگ لگ جانی چاہیے ھی۔ خون کو آتشیں سیال بن جانا چاہیے تھا اور رواں واں شعلہ بن جانا چاہیے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ میں رف کی سل بن کر رہ گیا۔ شاید وہ سب کچھ اتنا فسوسناک تھا کہ اس کے تصور ہی سے میری حسیات ردہ ہو گئی تھیں۔ خاصی دیر بعد رگوں میں منجمد لہو ایک ار پھر دھیرے دھیرے گردش کرنے لگا۔ میں نے خساروں پر ہاتھ پھیرا تو نمی محسوس ہوئی۔ فلورا، جسے یں نے اتنا چاہا، جس کی خاطر میں نے اپنا سب کچھ بھلا دیا، مجھے دھوکا دیتی رہی، میرے ساتھ محبت کا ھونگ رچاتی رہی، صرف اس لیے کہ میری دولت پر قابض ہو جائے۔

یہ خیالات ذہن میں آتے ہی میں پہلی کیفیت سے نکل آیا۔ میرے اعصاب دھیرے دھیرے خشک ٹہنیوں کی طرح جلنے لگے اور ہر مسام سے آگ سی پھوٹنے لگی۔ میرا جی چاہا کہ آتش فشاں کے لاوے کی طرح اٹھوں اور راہ میں آنے والی ہر شے کو خاکستر کر جاؤں۔

میں اسی کیفیت میں مبتلا وہاں سے واپس چل دیا۔ میرا رخ ان چٹانوں کی جانب تھا جہاں مجھے قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی۔ چٹانوں تک پہنچ کر میں چند ثانیوں کے لیے رکا اور پھر جیسے کسی تنویمی کیفیت کا شکار ہو کر اس خطرناک مقام پر جا کھڑا ہوا جہاں سے مجھے دھکا دیا گیا تھا۔ نیچے شوریدہ سر لہریں چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر جیسے میری بے بسی پر ماتم کر رہی تھیں۔ میرے ذہن میں گزشتہ شب پیش آنے والے واقعات کسی فلم کے مانند تسلسل کے ساتھ چلنے لگے۔ فلورا کا چہرہ تصور پر ابھرتے ہی میں چھلانگ لگانے کو تھا کہ پیچھے سے کھنک دار نسوانی آواز ابھری۔

"رک جاؤ! اگر تم خودکشی کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو فلورا سے شادی کے بعد تمہاری زندگی کی سب سے بڑی یہ غلطی ہوگی۔"

یہ سن کر میں اچانک اس تنویمی کیفیت سے نکل آیا اور آہستہ آہستہ سنسنی انداز میں آواز کی جانب پلٹ گیا۔

سیاہ جینز کی پتلون اور سرمئی رنگ کی ٹی شرٹ میں ملبوس ایک دراز قد لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال بوب کٹ تھے اور ناک پر نازک سی نظر کی عینک جمی تھی۔

"اگر تم نے خودکشی کر لی تو البرٹو کا خوفناک منصوبہ حقیقت کا روپ دھار لے گا۔" اس نے آہستہ آہستہ میرے قریب آ کر کہا۔ "قدرت نے تمہاری زندگی بچا کر تمہیں ایک برائی مٹانے کا موقع دیا ہے۔"

وہ جو کوئی بھی تھی، اس معاملے کے بارے میں خاصی معلومات رکھتی تھی اور یہی بات مجھے حیران کیے دے رہی تھی کہ آخر وہ کون تھی اور معاملے کے بارے میں اس حد تک کیسے جانتی تھی۔ میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

"تم سوچ رہے ہو گے کہ اچانک تمہارے جزیرے پر کس قسم کا کھیل شروع ہو گیا ہے۔" وہ بولی۔ "میرا نام لوکاٹا ہے اور میں تمہیں حقیقت بتانا چاہتی ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ تمہاری زندگی بچا کر قدرت نے ایک طرح سے میری بھی مدد کی ہے۔ اگر

تم میرے ساتھ تعاون کرو تو ہم البرٹو کی سازش کو ناکام بناتے ہوئے اسے کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہیں۔''

مزید کچھ کہنے کے بجائے اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور چٹانوں پر احتیاط سے قدم جماتے ہوئے نیچے اترنے لگی۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ہم سمندر پر جھکی ہوئی چٹانوں میں واقع ایک غار میں جا پہنچے۔ غار کا شگاف نما دہانہ اونچی نیچی چٹانوں کی اوٹ میں واقع تھا اور بادی النظر میں اس کا سراغ لگانا خاصا مشکل تھا۔

مزید کچھ کہنے کے بجائے اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور چٹانوں پر احتیاط سے قدم جماتے ہوئے نیچے اترنے لگی۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ہم سمندر پر جھکی ہوئی چٹانوں میں واقع ایک غار میں جا پہنچے۔ غار کا شگاف نما دہانہ اونچی نیچی چٹانوں کی اوٹ میں واقع تھا اور بادی النظر میں اس کا سراغ لگانا خاصا مشکل تھا۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ غار کے فرش پر نہ صرف دری بچھی ہوئی تھی بلکہ ایک کونے میں خشک بیٹری سے جلنے والے لیمپ کے پاس اخبارات و کاغذات بھی بکھرے ہوئے تھے۔ یہی نہیں وہاں ڈبوں میں بند اشیاء خورد و نوش بھی خاصی تعداد میں موجود تھیں۔ لوکاٹا نے ایک کین کھول کر میرے لیے گلاس میں بیئر انڈیلی۔

بیئر کے چند گھونٹ حلق سے اترتے ہی مجھے اپنی حالت قدرے بہتر محسوس ہوئی۔

''تم سوچ رہے ہو گے کہ آخر یہ سب کیا ہے۔'' اس نے مجھے غار میں موجود سامان کی جانب متوجہ پا کر کہا۔ ''اپنے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے بہتر ہوگا کہ میں تمہیں فلورا اور البرٹو کے بارے میں بتادوں۔ البرٹو میامی کے ایک بہت بڑے جوئے خانہ اور بدنام قحبہ خانوں کا مالک ہے۔ بظاہر یہی کیسینو اس کی آمدن کا ذریعہ ہے مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کا اصل کام نامور سماجی شخصیات عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جانے والے دولت مند افراد کو نوخیز حسیناؤں کے ذریعے بلیک میل کرنا ہے۔ اس کے شکار ایسے نامی گرامی لوگ ہوتے ہیں جو اپنی رنگین مزاجی کے باعث شوخ و چنچل حسیناؤں کے جال میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی بدنامی کے ڈر سے ان رنگین شب و روز کی پردہ پوشی کے لیے ہر جتن کر گزرتے ہیں۔ البرٹو ان لوگوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے میں حد درجہ مہارت رکھتا ہے۔ پہلے تو وہ اپنی گروہ کی کسی ماہر حسینہ کے ذریعہ اپنے شکار کو مکمل طور پر اس لڑکی کے حسن کا اسیر کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس لڑکی کے ذریعے اس شخص کی دولت بٹورنے لگتا ہے اور جب وہ شخص اس لڑکی سے جان چھڑانے کی فکر میں لگ جاتا ہے تو البرٹو پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت اس شخص کی اس لڑکی کے ساتھ خفیہ طور پر بنائی گئی فلموں اور تصویروں کے ذریعے اسے بلیک میل کرتا ہے۔ اس کے شکار عام طور پر ایسے معززین شہر ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے باکردار اور مثالی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے کیریئر کا دارومدار ہی اس بات پر ہوتا ہے کہ لوگ انہیں فرشتہ سمجھتے رہیں۔''

''تمہارے سلسلے میں البرٹو کو اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کرنا پڑی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تمہاری کوئی ایسی کمزوری بھی نہیں ہے جس کے ذریعے تمہیں بلیک میل کیا جا سکے' نہ تو تم کوئی بہت اعلیٰ درجے کی سماجی شخصیت ہو اور نہ ہی تمہیں بازاری قسم کی لڑکیوں سے راہ و رسم رکھنے کا شوق ہے لہٰذا اس نے تمہیں پھانسنے کے لیے تمہاری فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نہایت خوب صورت جال تیار کیا۔ اس نے اپنے گروہ کی کسی پیشہ ور لڑکی کے بجائے فلورا جیسی سیدھی سادی اور معصوم نظر آنے والی لڑکی کا انتخاب کیا۔ فلورا ایسی لڑکی اس کا آلہ کار کیسے بنی' یہ میں بعد میں بتاؤں

گی۔ فلورا سے تمہاری ملاقات اور پھر شادی اس مربوط سازش کا ایک حصہ تھی جس کے تحت فلورا نے تمہیں اس حد تک شیشے میں اتار لیا کہ تم اس کی محبت حاصل کر کے خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین شخص سمجھنے لگے۔ تم نے فوراً کے ساتھ اس جزیرے پر چند راتیں بسر کرنے کا پروگرام بنا کر اپنے دشمنوں کو وار کرنے کا موقع دے دیا مگر قدرت کو ابھی تمہاری زندگی مقصود تھی۔ البرٹو شاید تمہاری موت کو خودکشی قرار دینا چاہتا تھا یا پھر شاید حادثاتی موت کا رنگ دیا جاتا بہرحال مقصد ایک ہی تھا یعنی اتنی بڑی جائیداد کے اکلوتے وارث کو موت سے ہمکنار کر کے اس کی دولت کا حصول' لیکن شاید بدقسمت فلورا یہ نہیں جانتی کہ جائیداد حاصل کرنے کے بعد البرٹو اسے تم سے ملتے جلتے انجام سے دوچار کرنے والا تھا۔ اس کے لیے فلورا جیسی لڑکیاں شطرنج کے مہروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔''

وہ یہ کہہ کر خاموشی سے میرا منہ تکنے لگی شاید اسے اتنی لمبی چوڑی تمہید کے بعد میری جانب سے کوئی سوال پوچھے جانے کی توقع تھی مگر مجھے تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا بھی کر سکتا ہے۔ اگر میں اس سازش کا شکار ہو کر مر جاتا تو مجھے معلوم ہی نہ ہو پاتا کہ میری عزیز از جان بیوی بھی اس سازش میں برابر کی شریک تھی۔

''اصولاً تو تمہیں یہ پوچھنا چاہیے کہ میں سب کچھ کیسے جانتی ہوں' اس تمام معاملے سے میرا کیا تعلق ہے اور میں اس غار میں کیوں اور کب سے رہ رہی ہوں۔'' اس نے ایک ہی سانس میں وہ سب کہہ ڈالا جو میں چاہتے ہوئے بھی نہ پوچھ پا رہا تھا۔

میں فقط سر کو اثبات میں جنبش دے کر رہ گیا جو اس کی طرف سے اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ تھا۔

اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا اس کا لب لباب یہ ہے۔

لوکاٹا ٹریملر' ایک فوجی کی بیٹی تھی۔ اس کا باپ کرنل ٹریملر ایک ایسا آدمی تھا جسے کبھی ایک جگہ ٹک کر رہنا نصیب نہ ہوا۔ آج ایک شہر تو کل دوسرے شہر میں۔ کبھی فرانس جانا پڑا تو کبھی جاپان' کبھی اسرائیل۔ وہ جہاں بھی جاتا بیوی اور اکلوتی بچی بھی اس کے ساتھ ہوتی۔ لوکاٹا کی تعلیم بھی اسی طرح مختلف مقامات پر ہوتی رہی۔ اس کی ماں کو بار بار ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے کوفت ہوا کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کرنل کسی جگہ ٹک جائے تاکہ اس کا مختصر سا خاندان بھی ایک جمی ہوئی زندگی کے لطف سے آشنا ہو سکے۔ اس کے برعکس لوکاٹا اس زندگی سے بہت خوش تھی۔ اس کے لیے جگہ جگہ گھومنا اور نت نئے مقامات پر جانا ایک سنسنی خیز تجربے کی طرح تھا۔ جب وہ پندرہ برس کی ہوئی تو کرنل کی پوسٹنگ ایک دور افتادہ مقام پر ہو گئی۔

اس وقت لوکاٹا کی ماں نے شوہر کو اپنے فیصلے سے دوٹوک الفاظ میں آگاہ کر دیا۔ ''بس اب بہت ہو چکا۔ میں مزید تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی' اپنی ملازمت چھوڑ دو یا پھر مجھے آزاد کر دو۔''

کرنل ٹریملر اپنے پیشے سے عشق کرنے والا ایک پیشہ ور فوجی تھا۔ اس نے نہ صرف اپنی بیوی کو طلاق دے دی بلکہ کسی بھی قسم کے قانونی جھنجٹ میں پڑے بغیر لوکاٹا کو بھی ماں کے سپرد کر دیا۔

زندگی میں آنے والی اس اچانک تبدیلی نے لوکاٹا کو بہت پریشان اور نا امید کر دیا کیونکہ اب اسے اپنی ماں کے ساتھ کسی ایک جگہ رہنا تھا' ہر طرف آزادانہ گھومنے پھرنے کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔

''اب ہم کہاں رہیں گے۔'' اس نے اپنی ماں سے پوچھا تھا۔

''میامی میں۔'' اس کی ماں نے جواب دیا۔

''وہ میرا آبائی شہر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میامی اپنی تمام تر اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ تمہیں اچھا لگے گا۔''

بعد ازاں لوکاٹا کو اپنی ماں کی بات درست لگی۔ میامی میں اس کا تعلیمی سلسلہ ایک بار پھر شروع

ہوگیا۔ اس نے رفتہ رفتہ اپنے لیے نئی دلچسپیاں ڈھونڈ نکال لیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ اپنے اسکول کے میگزین کی ایڈیٹر بن گئی۔ یہ کام اس کے لیے خاصا پرجوش ثابت ہوا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ مستقبل میں صحافت کو ہی اپنا پیشہ بنائے گی۔ جب وہ انیس برس کی ہوئی تو شہر کے ایک ادارے سے اس نے صحافت کی ڈگری حاصل کرلی۔ جلد ہی اسے میامی کے ایک کثیر الاشاعت مفت روزہ 'میامی ورلڈ' میں کرائم رپورٹر کی حیثیت سے کام بھی مل گیا۔ مہم جوئی اس کی گھٹی میں شامل تھی لہٰذا اس نے عام طرز کی رپورٹنگ کے بجائے زیرزمین دنیا کی منظم تنظیموں کو بے نقاب کرنے کی ٹھان لی۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس میں ہاتھ ڈالنے سے بڑے بڑے جوان مردوں کی ٹانگیں کانپ اٹھتیں تھیں مگر لوکاٹا کو تو جیسے ڈرنا یا خوف کھانا آتا ہی نہ تھا۔ نتیجتہ بہت جلد بے باک صحافت میں اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔

کچھ ہی عرصہ بعد لوکاٹا کو البرٹو کے گروہ کی صورت میں ایک سنسنی خیز موضوع ہاتھ آ گیا اور وہ نتائج کی پروا کیے بغیر پنجے جھاڑ کر اس گروہ کے پیچھے پڑ گئی لیکن بدقسمتی سے اسے کوئی ایسا ٹھوس ثبوت ہاتھ نہ آسکا جو اس گروہ کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کرسکتا۔ اس دوران البرٹو کو بھی علم ہو چکا تھا کہ لوکاٹا اس کے کرتوتوں کو بے نقاب کرنا چاہتی ہے لہٰذا اس نے ہر طرح سے لوکاٹا کو حراساں کرنا چاہا مگر وہ باز آنے والوں میں سے نہیں تھی۔

جلد ہی لوکاٹا کو البرٹو کے نئے منصوبے کی بھنک مل گئی جس کے مطابق وہ فلورا کے ذریعے مجھے پھانسنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے لوکاٹا نے ایک بے داغ منصوبہ تشکیل دیا تھا۔ فلورا کا تعلق اس کے گروہ سے نہ تھا۔ وہ ملازمت کی تلاش میں اس کے کیسینو تک آئی تھی جہاں اس کا ارادہ ساقی گیری کا پیشہ اختیار کرنے کا تھا۔ مگر البرٹو کو وہ اپنے نئے منصوبے کے لیے موزوں نظر آئی۔ یہ ایک بدقسمت اتفاق تھا کہ وہاں ملازمت کے دوران ایک شرابی نے فلورا کی عزت پر حملہ کردیا اور فلورا کے ہاتھ غیر ارادی طور پر اس کا قتل ہوگیا۔ اس واقعے نے فلورا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس موقع پر البرٹو نے اس کی مدد کرتے ہوئے اسے قتل کے الزام سے بچا لیا تاہم اس نے اپنے پاس اس جرم کے ثبوت بھی کرلیے تھے اور ان ہی کی بنا پر اس نے فلورا کو اس سازش میں شامل ہونے پر مجبور کردیا اور اس سے یہ وعدہ بھی کیا کہ یہ زندگی کی آخری واردات ہوگی۔ البرٹو نے فلورا کو اپنی محبت کا یقین بھی دلا رکھا تھا اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس واردات کے بعد وہ سب کچھ چھوڑ کر فلورا سے شادی کرلے گا اور وہ دونوں باقی عمر جرائم سے پاک صاف زندگی گزاریں گے۔

اس دوران لوکاٹا مسلسل ان کی نگرانی کرتی رہی۔ فلورا سے میری شادی کے بعد لوکاٹا البرٹو کے اصل عزائم جان گئی اور اس نے البرٹو کے ساتھ ساتھ میرے شب و روز کے بارے میں بھی معلومات رکھنی شروع کردیں۔ جونہی اسے یہ معلوم ہوا کہ میں اپنی نوبیاہتا بیوی کے ساتھ اپنے آبائی جزیرے پر چند روز قیام کرنا چاہتا ہوں جبکہ وہاں ہمارے شب و روز میں مخل ہونے والے ملازمین بھی نہیں ہوں گے تو وہ ہماری یہاں آمد سے چند روز قبل اس جزیرے پر پہنچ گئی۔ اتفاق سے اسے چھپنے کے لیے یہ غار مل گیا جہاں اس نے اپنا ضروری ساز و سامان بھی منتقل کرلیا۔ جس رات میرے ساتھ وہ پراسرار واقعات پیش آئے وہ ہمارے تعاقب میں رہی۔ اس نے نہ صرف اس تمام واقعے کی فلم بنالی تھی بلکہ چند ایسے شواہد بھی اس کے ہاتھ لگے تھے جو البرٹو کو سخت ترین سزا دلوانے میں مددگار ثابت ہوسکتے تھے۔

☆☆

میں یہ سب سن کر خاصی دیر تک گم رہا۔ مجھے اب بھی یقین نہ آرہا تھا کہ یہ خونیں ڈراما میرے ساتھ ہوا تھا۔ مگر سب کچھ حقیقت پر مبنی تھا۔

''اب کیا ہوگا۔'' لوکاٹا دھیرے سے ہنس کر

بولی۔
''یہی سوچ رہے ہونا۔''
عجیب لڑکی تھی' خود ہی سوال کرتی تھی اور میرے لب کھولنے سے قبل ہی خود ہی جواب دے دیتی تھی' یوں لگتا تھا جیسے وہ میرا ذہن پڑھ رہی ہے۔ میں کچھ کہنے کے بجائے اس کے چہرے کو تکتا رہ گیا۔
''بھئی اب یہ کہانی اپنے منطقی انجام کو پہنچنے والی ہے مگر ذرا سے مختلف انداز میں۔'' اس نے گویا میری حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں قبل از وقت کچھ بتا کر......'' اچانک وہ چونک گئی اور باقیہ الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔
غار کے دہانے میں نمودار ہونے والے رائفل بردار کی رائفل ہم دونوں پر مرتکز تھی۔ کالی ٹی شرٹ اور گہری نیلی جینز میں ملبوس وہ ایک دراز قد شخص تھا۔
اس کے اندر داخل ہوتے ہی چار مزید مسلح افراد اندر آ گئے۔
''ہاتھ اوپر اٹھا کر باہر نکل آؤ۔'' ایک نے اپنی رائفل سے اشارہ کرتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔
لوکاٹا جیسی نڈر لڑکی کے چہرے پر بھی ان لوگوں کی آمد سے خوف کا سایہ سا لہرا گیا۔
غار سے باہر نکلتے ہی ہماری رہی سہی ہمت اور امید بھی جاتی نظر آئی۔ اردگرد کی چٹانوں پر ایک جیسے حلیے کے دس بارہ مسلح افراد کھڑے تھے۔ انہوں نے چاروں طرف سے اس مقام کو گھیرے میں لے رکھا تھا' وہ سب جینز کی سیاہ پتلونوں اور ٹی شرٹوں میں ملبوس تھے۔ ان کے ہاتھوں میں خودکار رائفلیں تھیں' سوائے ایک ادھیڑ عمر شخص کے جس نے جدید ساخت کا لمبی نال والا ریوالور کسی ہلکے پھلکے کھلونے کے مانند تھام رکھا تھا۔ اس کا لباس بھی دوسروں سے مختلف تھا' وہ باوقار شخصیت کے باعث ان سب کا سرغنہ لگ رہا تھا۔
بالآخر ہم دونوں غلط فہمی میں مارے گئے تھے۔ جزیرے پر یقیناً البرٹو کے کسی آدمی نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور اب ہم ان لوگوں کی قید میں تھے جن سے رحم کی توقع بے معنی تھی۔
''کون ہو تم سب۔'' میری بجائے لوکاٹا بپھری ہوئی شیرنی کے مانند گرجی۔ شاید اس کی فطری بے خوفی لوٹ آئی تھی۔
''چھوکری بڑی جی دار ہے لڑکو!'' ادھیڑ عمر شخص نے زندگی سے بھرپور قہقہے کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ ''کون ہو تم دونوں اور یہاں چھپ کر کیا کر رہے تھے۔'' اس نے یک لخت سنجیدہ ہو کر کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔
''تمہیں یہ سب اچھی طرح سے معلوم ہونا چاہیے۔'' میں نے دھیمے مگر زہریلے لہجے میں جواب دیا۔
اس سے قبل کہ وہ میری بات کے جواب میں کچھ کہتا' میں نے عجیب منظر دیکھا۔ دو رائفل بردار البرٹو اور فلورا کو اپنے نرغے میں لیے اسی جانب آ رہے تھے۔ ان کے قریب آتے ہی میری الجھن میں مزید اضافہ ہو گیا' البرٹو کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اسے رائفلوں کے بٹ مارے گئے تھے۔ اس کا لباس بے ترتیب ہو رہا تھا اور پھٹے ہوئے ہونٹوں کے گوشوں سے خون رس رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ان دونوں خصوصاً فلورا کی حالت مزید ابتر ہوتی نظر آنے لگی۔
''سر' اس عمارت میں ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔'' ان دونوں کو لانے والوں میں سے ایک ادھیڑ عمر سرغنہ سے مخاطب ہوا۔ ''اس کے علاوہ ہم نے اچھی طرح سے اطمینان کر لیا ہے' جزیرے پر ان چاروں کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں ہے۔''
یہ سن کر میری کیفیت عجیب ہونے لگی۔ یہ سب سننے کے بعد مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہ لگی کہ ان سب کا البرٹو کے گروہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔
شاید البرٹو اور فلورا ان سب کو میرے آدمی سمجھ رہے تھے اس لیے ان کی حالت ہم سے بھی زیادہ غیر ہو رہی تھی۔

''تم دونوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ان دونوں کے ستے ہوئے چہروں پر نظریں گاڑتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔ ''میں تو اس وقت خود تمہاری طرح ان لوگوں کی قید میں ہوں۔''

اس پر پستول بردار بولا۔ ''لگتا ہے پہلے مجھے اپنے آپ کو واضح کرنا ہوگا۔'' اس نے پستول سے کھیلتے ہوئے کہا۔ ''ہم قانون کے مجرم ہیں اور پناہ لینے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ یہ جزیرہ بہت دنوں سے ہماری نگاہوں میں تھا۔'' وہ ایک پل کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''لیکن تم لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہو۔'' اس نے پستول ہماری جانب لہرا کر کہا۔ ''بتاؤ یہ کیا چکر ہے۔''

میں نے شروع سے لے کر آخر تک اسے اپنی روداد سنا ڈالی۔ میں نے زیادہ تمہید باندھنے کے بجائے مختصر الفاظ میں صورت حال اس پر واضح کرنے کی کوشش کی اور البرٹو کے بارے میں زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے صرف اتنا بتایا کہ وہ میری بیوی فلورا کا محبوب تھا اور میری جائداد حاصل کرنے کے لیے فلورا کے ساتھ مل کر اس نے یہ سازش تیار کی تھی۔ اس سے میرا ایک دوسرا مقصد بھی تھا' وہ یہ کہ میں فلورا اور البرٹو کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ میں ابھی تک ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا تھا۔

''بہت خوب!'' وہ پستول انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔ ''وہی ازلی تکون' شوہر' بیوی اور بیوی کا محبوب۔''

''وہ لاش کس کی تھی جو تم نے فلورا کی جگہ چٹانوں سے گرائی۔'' بالآخر سرغنہ نے البرٹو سے وہ سوال پوچھ ہی ڈالا جس کا جواب خاصی دیر سے مجھے بھی درکار تھا۔

''وہ فلورا سے مشابہ انسانی سائز کی پلاسٹک کی گڑیا تھی۔'' البرٹو نے جواب دیا۔ ''حقیقت کا تاثر دینے کے لیے اس میں لال رنگ کا محلول بھرا گیا تھا۔''

''گویا تم نے ایک مکمل ڈراما اسٹیج کر ڈالا۔'' پستول بردار ستائشی لہجے میں بولا۔ ''اس کے بعد تم نے وہ گڑیا غائب کر دی ہوگی اور یقیناً پولیس کو بھی اطلاع کر دی ہوگی تاکہ وہ اس سادہ سے کیس کی رسمی کارروائی پوری کر لیتی اور یوں تم دونوں اس بیچارے کی دولت پر مچھرے اڑانے کے لیے آزاد ہو جاتے۔''

''خوش قسمتی یا پھر شاید بدقسمتی سے ہم نے ابھی تک پولیس کو اس واقعے کی اطلاع نہیں دی۔'' البرٹو ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ اس کے خوف میں کسی حد تک کمی آ چکی تھی۔ ''ورنہ شاید اس وقت تک حالات کچھ اور رخ اختیار کر چکے ہوتے۔''

''کہانی تو واقعی بہت دلچسپ ہوگئی ہے۔'' پستول بردار محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ''دو مرد ایک عورت' بہت خوب۔ اس مسئلے کا میرے ذہن میں بہت اچھا حل آیا ہے۔ ایسا کرو کہ تم ہمیں ان چٹانوں تک لے چلو جہاں ان بیچارے شوہر کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔''

البرٹو اور فلورا نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں' میں اس مقام کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس مسئلے کا بڑا خوب صورت حل پیش کروں گا کیونکہ اب یہ معاملہ تمہارے ہاتھوں سے نکل کر میرے پاس آ گیا ہے اور میں کسی بھی کام کو ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔'' یہ کہہ کر اس نے پستول لہراتے ہوئے البرٹو کو چلنے کا اشارہ کیا۔ البرٹو کندھے اچکا کر رائفل برداروں کے نرغے میں چل دیا' ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہم ان چٹانوں تک پہنچ گئے۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ حد نظر تک پھیلا ہوا آسمان' تیز اور صاف ہوا' جھومتے ہوئے درخت' اڑتے پرندوں اور لہروں کا ملا جلا شور..... کون کہہ سکتا تھا کہ گزشتہ شب میں اسی مقام پر زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر رہا تھا۔

پستول بردار چٹانوں کے آخری حصے تک چہل قدمی کرتا ہوا گیا اور احتیاط سے نیچے جھانکنے کے بعد ہماری جانب پلٹ گیا۔

''تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔'' اس نے البرٹو کو مخاطب کیا۔ ''تم نے یہ سارا ڈراما بھی اسی محبت سے مغلوب ہو کر کیا ہے' اب اگر میں تمہیں اسی محبت کی خاطر ایک چھوٹے سے امتحان سے گزرنے کے لیے کہوں تو۔''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہم سب کے چہروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے گونجیلے انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسا۔

البرٹو کی رنگت متغیر ہونے لگی' شاید اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ پستول بردار کیا کہنا چاہتا ہے۔

''یہ چٹان تمہاری محبت کا امتحان لے گی جوان۔'' پستول بردار نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اگر تم اس لڑکی سے واقعی محبت کرتے ہوئے تو تمہیں یہاں سے سمندر میں چھلانگ لگا کر پانچ منٹ کے اندر اندر تیر کر واپس کنارے تک پہنچنا ہوگا' مجھے یقین ہے کہ تم اس چھوٹے سے امتحان میں کامیاب ہو جاؤ گے۔''

جسے وہ چھوٹا سا امتحان کہہ رہا تھا وہ البرٹو کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ چٹان سطح سمندر سے تیس فٹ کی بلندی پر واقع تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ چھلانگ لگانے والا سیدھا سمندر میں ہی جا کر گرتا۔ اندازے کی ذرا سی غلطی نوکیلی چٹانوں اور باہر کی طرف ابھرے ہوئے کگروں کے ساتھ ٹکراؤ کی صورت میں پیغام اجل بھی بن سکتی تھی۔ میں صرف اس لیے بچ گیا تھا کہ خوش قسمتی سے میں چٹانوں میں پھنس کر ایک کگر پر جا اٹکا تھا' ضروری نہیں تھا کہ وہی اتفاق دوسری بار بھی پیش آتا۔

''فرض کرو کہ میں اس احمقانہ کوشش میں مر گیا تو۔'' البرٹو قدرے جارحانہ انداز میں بولا۔ ''میری موت کے بعد فلورا کا کیا بنے گا' اب تو اس کا شوہر بھی اسے قبول نہیں کرے گا۔''

''یہ اس بیچاری لڑکی کی قسمت ہوگی۔'' پستول بردار بولا۔ ''یہ ہماری ہو جائے گی' ہم جتنے دن اس جزیرے پر روپوش رہیں گے یہ ہمارا دل بہلاتی رہے گی۔''

یہ سن کر البرٹو اور فلورا کے چہرے ویران ہو گئے' میری اپنی حالت بھی ان سے کچھ مختلف نہ تھی۔

''تمہارے پاس ہماری آزمائش کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔'' البرٹو شکستہ انداز میں بولا۔

''نہیں' محبت کا امتحان زمانہ قدیم سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔'' سرغنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''موت سے بہتر امتحان اور کوئی نہیں ہوتا۔''

''چلو شاباش جوان۔'' وہ قدرے سخت لہجے میں البرٹو سے مخاطب ہوا۔ ''ثابت کرو کہ تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔'' اس کے اشارے پر ایک رائفل بردار البرٹو کو دھکیلتا ہوا چٹان کے کنارے پر لے آیا۔

''میں ایسا نہیں کروں گا۔'' البرٹو نے وحشت زدہ انداز میں چیخ کر کہا۔ ''میں جانتے بوجھتے ایک لڑکی کی خاطر موت کو گلے نہیں لگا سکتا' چاہے کچھ بھی ہو جائے۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اس لڑکی سے محبت نہیں کرتے۔'' پستول بردار مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔

''کون احمق محبت کرتا ہے اس سے۔'' البرٹو جنونی انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''میرے لیے اس کی حیثیت کسی مہرے سے کم نہ ہے۔'' شاید اسے اپنی موت صاف نظر آنے لگی تھی اس لیے اس نے اس امر کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا کہ اس کی بات کا فلورا پر کیسا اثر مرتب ہوگا۔ فلورا کی حالت اس وقت دیدنی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی ہے اور وہ کسی بھی لمحے زمین پر گر پڑے گی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم اس لڑکی کے حقوق

ملکیت سے دستبردار ہوتے ہو۔'' پستول بردار بولا۔

''لڑکی اب تم ہماری ہو۔'' یہ کہہ کر وہ شیطانی انداز میں قہقہے لگانے لگا۔

میری رگوں میں یہ سن کر جیسے خون نہیں کھولتا ہوا لاوا دوڑنے لگا۔ فلورا پر مجھے ترس آنے لگا۔ اگر دیکھا جاتا تو وہ بھی میری طرح البرٹو کے دھوکے کا شکار ہوئی تھی۔ میں تو شاید اس دھچکے کے بعد سنبھل ہی جاتا مگر یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس واقعے کے بعد اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ لوکاٹا نے اس کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ یہی ثابت کرتا تھا کہ فلورا البرٹو کے گروہ کی رکن نہ تھی۔ وہ البرٹو کے جال میں پھنسنے والا ایک شکار تھی۔

''نہیں' میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' میں نے کسی اندرونی جذبے سے مغلوب ہو کر کہا۔

''یہ کوئی کھلونا نہیں ہے جو تم اسے اس طرح سے اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ یہ جیسی بھی ہے اس وقت قانونی طور پر میری بیوی اور عزت ہے' اسے جزا اور سزا دینے کا حق بھی یا تو قانون کو ہے یا پھر مجھے' صرف مجھے' سمجھے تم۔'' میں نے فرط جذبات سے چیخ کر کہا۔

''پھر تمہیں اکیلے ہی اس کھیل میں حصہ لینا ہوگا۔'' پستول بردار بدلی ہوئی آواز میں بولا۔

''اگر تم بچ گئے تو ہم اس کہانی کا انجام تمہارے ہاتھ میں دے دیں گے اور ویسا ہی ہوگا جیسا تم چاہو گے۔''

میں سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے چٹان کی طرف بڑھ گیا۔

فلورا کی حالت اس وقت دیوانوں کی سی ہو رہی تھی۔ اگر رائفل برداروں نے اسے قابو میں نہ کیا ہوتا تو وہ دوڑ کر میری بجائے چٹان سے کود جاتی۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے' شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بے وفائی کے اس مظاہرے کے بعد بھی میں ان کے لیے جان کی بازی لگا سکتا ہوں۔

میں چٹان کے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ ''تین تک گنتی گنوں گا' پستول بردار بولا۔ ''میرے گنتی کہتے ہی تم چھلانگ لگا دو گے' اس سے پہلے چھلانگ لگانا فاؤل ہوگا۔''

''ایک۔'' لہروں کے شور میں اس کی پاٹ دار آواز گونجی۔ ''دو۔'' میں نے آنکھیں کھولتے ہوئے سانس خارج کی ..... عین اس لمحے جب میری سماعت تین سننے کی منتظر تھی' پیچھے سے میرے کندھے پر کسی نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ میں اس وقت چھلانگ لگانے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا' لہٰذا میں غیر ارادی طور پر چھلانگ لگانے کو تھا کہ اس طاقتور ہاتھ نے مجھے پھرتی سے پیچھے گھسیٹ لیا۔ وہ پستول بردار تھا۔

''شاباش!'' وہ میرے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے بولا۔ ''تم واقعی ایک محبت کرنے والے انسان ہو' ورنہ ایسی عورت کی خاطر کون جان کی بازی لگاتا ہے! میں تمہیں فاتح قرار دیتا ہوں' اب جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔''

اس لمحے شاید فلورا کا ضبط جواب دے گیا' وہ بھاگتی ہوئی آئی اور میرے قدموں میں گر پڑی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑکیاں رواں تھیں اور جسم کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ میری اپنی کیفیت بھی اس وقت عجیب سی ہو رہی تھی۔ میں نے بے اختیار اسے اٹھا کر بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

''مجھے معاف کر دیں۔'' فلورا نے آہوں اور سسکیوں کے درمیان بمشکل کہا۔ البرٹو ندامت اور پریشانی کی مجسم تصویر بنا کھڑا تھا۔ ماحول کو ایک ایسے تناؤ نے اپنی زد پر لے لیا جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے' بیان نہیں۔

''میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے فلورا۔'' میں نے کہا۔ ''مگر مجھے افسوس ہے کہ تمہاری قسمت کا فیصلہ قانون ہی کرے گا۔ اگر تم بے گناہ ثابت ہو گئیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمارا تعلق پہلے سے بھی زیادہ

مضبوط ہو جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو بھی میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سے کم تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔''

''میرا خیال ہے کہ مسٹر مائیکل کی اجازت کے بعد ہمیں البرٹو کے ساتھ ساتھ فلورا کو بھی باقاعدہ طور پر گرفتار کر لینا چاہیے۔'' پستول بردار نے شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ لوکاٹا کی جانب پلٹتے ہوئے کہا جس پر لوکاٹا بھی اسی انداز میں مسکرائی۔ میں دم بخود دان کو دیکھتا رہ گیا۔

پستول بردار کے اشارے پر فلورا اور البرٹو کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ ساحل پر ان لوگوں کی لانچ کھڑی تھی جس میں ڈال کر دونوں کو وہاں سے روانہ کر دیا گیا۔ رائفل بردار بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔ ساحل پر صرف ان کا سردار اور لوکاٹا کھڑے رہ گئے تھے۔

''میں کچھ سمجھا نہیں۔'' میں نے لوکاٹا کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا۔ ''کون ہو تم سب۔''

''ان سب کا تعلق امریکی بحریہ کی خصوصی میرین فورس سے ہے۔'' لوکاٹا نے کہا۔ ''میرے ساتھ ان کے کیپٹن کھڑے ہیں۔'' اس نے پستول بردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ سچ ہے تو تمہیں یہ ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میری الجھن میں ابھی بھی کمی نہ ہوئی تھی۔

''یہ میرا منصوبہ تھا۔'' لوکاٹا نے جواب دیا۔ ''تم ہمارے منصوبے میں شامل نہیں تھے مگر مجھے خوشی ہے کہ تم نے انجانے میں بھی اپنا کردار بخوبی نبھایا' اس سے ہمارا مقصد البرٹو کے خلاف اسی کے کسی شریک کار کو گواہ بنا کر پیش کرنا تھا۔ اس کے گروہ کے باقی تمام ارکان سے ایسی توقع رکھنا مشکل تھی مگر فلورا کو حقیقت سے آشنا کرنے کے بعد ایسا ہو سکتا تھا' مجھے یقین ہے کہ فلورا اب مر کر بھی البرٹو پر اعتبار نہ کرے گی۔ اس کی مدد سے ہم البرٹو کو سخت ترین سزا دلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

''اگر ہم ایسا نہ کرتے تو شاید معاملات اس انجام تک نہ پہنچ پاتے۔'' اب کی بار کیپٹن بولا۔

''میرے خیال میں تم جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے والے آدمی ہو اور فلورا کی پوزیشن کو سمجھتے ہوئے اسے ایک موقع ضرور دو گے۔''

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی اور قطعی غیر ارادی طور پر محل کی جانب چل دیا۔ وہ دونوں بھی میرے ساتھ ہو لیے۔

☆☆

حسب توقع فلورا نے ویسا ہی کیا جیسا لوکاٹا نے چاہا تھا۔ البرٹو پر اس کے علاوہ بھی کئی ایسے جرائم ثابت ہو گئے۔ اس نے اعتراف بھی کیا کہ وہ بلیک میلنگ کے ساتھ ساتھ قتل اور اسمگلنگ جیسے مذموم جرائم میں بھی ملوث رہا تھا۔ فلورا کو میں نے نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ اس کی قانونی گواہ بننے کا بھی خاصا فائدہ پہنچا تھا جس کے نتیجے میں اسے بہت کم سزا ہوئی۔

میں نے اس سے تعلق قائم رکھا' جتنا عرصہ وہ جیل میں رہی میں اس سے ملنے جاتا رہا۔ جس دن وہ رہا ہوئی' میں خود اسے لینے جیل گیا۔ اس دوران وہ بالکل بدل گئی تھی۔ اب میں اس پر اعتبار کرتا ہوں کیونکہ اس نے بھی میری طرح البرٹو جیسے شیطان سے ایک شدید جنگ لڑ کر فتح پائی تھی۔

اس کی رہائی کے بعد ہم ایک بار پھر اسی جزیرے پر پہلے والے انداز میں تنہا وقت گزاری کا لطف اٹھانے کے لیے روانہ ہو گئے اور اب کی بار ہمارے دل پہلے سے بھی زیادہ پرمسرت تھے کیونکہ اب ہماری جنت میں مخل ہونے کے لیے وہاں البرٹو جیسا شیطان موجود نہیں تھا۔

جشن

کرم الٰہی چوہدری

اس نے مختلف پہلوئوں سے اس مسئلے پر غور کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا قسمت واقعی اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ قسمت واقعی اس پر مہربان تھی۔ اس نے جیل میں بھی اس کی حمایت کی تھی۔ محافظ کو قتل کر کے ریوالور پر قبضہ کرنا عام حالات میں کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ جیل سے فرار ہوتے وقت بھی اسے زیادہ دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

اس شمارے کے لیے..... ایک دلچسپ تحریر

ڈینی فورڈ نے کار روک دی۔ دائیں طرف ایک نئے اور مہنگے ہوٹل کی شان دار عمارت تھی۔ اگر اس نے عین دروازے کے سامنے کار نہ روکی ہوتی تو شاید وہ یہ نہ دیکھ پاتا کہ ماہر تعمیرات نے پارکنگ کو کمروں سے علیحدہ کرنے کے لیے درمیان میں ایک خوب صورت لان بنا دیا تھا۔ اس وقت ڈینی کے ذہن میں وہ لمحہ گھوم گیا جب اس نے پہلی بار ہوٹل کی عمارت دیکھی تھی۔ وہ باتھ روب اور سلیپر پہنے ہوئے تھا اور پھولوں کے درمیان ایک روش پر چل رہا تھا۔ چونکہ اس نے باہر نکلنے سے پہلے مکمل لباس نہیں پہنا تھا اس لیے دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ پارکنگ میں آنے والی کسی نئی گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس پر نہ پڑیں۔

وہ نیم تاریکی میں اپنی کار تک پہنچا۔

اس نے اندازے سے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس جگہ کو ٹٹولنے لگا جہاں عموماً سگریٹ کا فالتو ٹن پڑا رہتا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو کار میں روشنی پھیل گئی۔ وہ چونک پڑا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک بدصورت آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ ڈینی فورڈ کا آگے بڑھا ہاتھ کانپ گیا۔ اگر ہاتھ ذرا سا آگے بڑھ جاتا شاید اس کریہہ الشکل آدمی سے مس ہو جاتا۔

ڈینی فورڈ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بدصورت آدمی کے ہاتھ میں خوفناک ریوالور تھا جس کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''واپس' اپنے کمرے کی طرف چلو۔'' ریوالور بدست آدمی نے ناگواری سے کہا۔ ''میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ ہلکی سی آواز تمہارے حلق سے نکلی اور تمہارا خاتمہ ہوا۔''

جوانی کا زمانہ ہوتا تو شاید ڈینی فورڈ اس بدصورت آدمی سے لپٹ پڑتا اور اس سے ریوالور چھین لیتا..... مگر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں ضبط اور تحمل پیدا ہو گیا تھا..... جوش و خروش میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ اس نے ایک نظر اس کریہہ الشکل آدمی کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ محض دھمکی دینے کا قائل نہیں بلکہ بوقت ضرورت وہ اپنی دی ہوئی دھمکیوں کو عملی جامہ بھی پہنا سکتا ہے۔

ڈینی فورڈ نے سوچا کہ اسے باتوں میں الجھا کر قائل کرنے کی کوشش کرے لیکن جیسے ہی اس نے بولنے کے لیے منہ کھولا' ریوالور والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔ ''خاموشی سے واپس چلو۔'' بدصورت آدمی غرایا۔

وہ خاموشی سے مڑا اور واپس چل دیا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنی پسلیوں میں ریوالور کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو بدشکل آدمی نے ٹھوکر مار کر دروازہ بند کر دیا۔ ڈینی فورڈ پلٹ کر اجنبی کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ اس کے گالوں پر بڑھی ہوئی شیو سے چہرہ اور بھی بھیانک ہو گیا تھا۔ مسلح آدمی کے کپڑے بھی ڈھیلے ڈھالے تھے' جیسے وہ کسی اور کی ملکیت ہوں۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی ڈینی فورڈ کے ذہن میں ایک عجیب سی کھٹک پیدا ہو گئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس شخص کے بارے میں کچھ جانتا ہو یا اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''خاموش رہو۔'' ریوالور کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھ گئی۔ ڈینی فورڈ کانپ گیا۔ اتنی سفاک آواز اس نے پہلے کسی آدمی کے حلق سے نکلتے نہیں سنی تھی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی بھوکا بھیڑیا شکار پر جھپٹتے وقت غرایا ہو۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ غسل خانے سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی..... اسی لمحے باتھ روم سے ایک مترنم نسوانی آواز ابھری۔ ''ڈین.....'' عورت نے کہا۔ ''اگر تم اپنی گرل فرینڈ کو.....''

بولنے والی عورت غسل خانے سے باہر نکل آئی تھی..... اور اس نے مسلح آدمی کو دیکھ لیا تھا۔ شاید اسی وجہ سے وہ جملہ بھی مکمل نہ کر سکی۔ بدشکل آدمی نے چونک کر اس عورت کی طرف دیکھا۔ عورت کے سرخ یاقوتی ہونٹوں سے ایک چیخ نکلی لیکن آواز زیادہ بلند نہیں تھی کیونکہ بدصورت آدمی اچھل کر ایسی پوزیشن میں کھڑا ہو گیا تھا جہاں سے وہ دونوں کو باری باری نشانہ بنا سکتا تھا۔

''چیخنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے سرد لہجے

میں کہا۔ ''ورنہ گولی تمہیں آئندہ کبھی چیخنے کے ارادوں سے بھی محروم کرسکتی ہے۔''

کریہہ الشکل آدمی کی نگاہ اس عورت پر جمی ہوئی تھی۔ ڈینی فورڈ موقعے کی تلاش میں تھا لیکن اس نے محسوس کیا کہ ریوالور والا شخص بہت ہوشیار' باخبر اور پھرتیلا ہے۔ اسے جھپٹنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ بدصورت آدمی کنکھیوں سے ڈینی فورڈ کی طرف دیکھ کر اس حسینہ کو گھورنے لگتا تھا جو نہانے کے بعد کچھ اور بھی نکھر گئی تھی۔ اس کے شہد رنگ بال' بیضوی چہرے کے گرد قوسوں کی شکل میں ہوتے ہوئے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا شفاف نائٹ گاؤن بہت مختصر تھا اور جسم کے ساتھ جگہ جگہ چمٹ گیا تھا۔ جس سے گداز جسم جھانک رہا تھا۔ مسلح آدمی نے بے اختیار سیٹی بجائی۔ اس نے ڈینی فورڈ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''جب ایسا کھلونا تمہارے پاس موجود تھا تو پھر تم نے مجھے کیوں پریشان کیا۔''

''میرے سگریٹ کار میں رہ گئے تھے۔'' ڈینی فورڈ نے کہا۔

''اگر تمہیں ایک منٹ کی تاخیر ہوجاتی تو میں گاڑی اسٹارٹ کرکے جاچکا ہوتا۔'' مسلح آدمی نے کہا۔ ''یہ میری بدقسمتی ہی تھی کہ تم سگریٹ بھول گئے اور اتفاقاً تمہیں اسی وقت کار کی طرف آنا پڑا جب میں اسے اڑا لے جانے کی فکر میں تھا۔''

''تم مسلح تھے اور میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔''

''ہاں..... لیکن جب آمنا سامنا ہوگیا تو میں نے سوچا کچھ اور ضرورتیں بھی پوری کرتا چلوں۔''

''بہرحال۔'' ڈینی فورڈ نے کہا۔ ''تم کار اب بھی لے جاسکتے ہو' میں تمہیں چابی دے دیتا ہوں۔''

''وہ تو تمہیں دینی ہی پڑے گی۔'' بدصورت آدمی نے رعونت سے کہا۔ ''مگر میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے جانے کے بعد تم شور تو نہیں مچاؤ گے۔'' اس نے عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں دیکھ چکا ہوں کہ اس چڑیا کو چہچہانے کی کچھ زیادہ ہی عادت ہے۔''

ڈینی فورڈ کا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔ وہ چونک پڑا۔ اسے اچھی طرح یاد آگیا تھا کہ اس آدمی کے بارے میں اسے خلش سی کیوں محسوس ہورہی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جو اسی روز صبح آٹھ بجے جیل کے ایک محافظ کو قتل کرکے فرار ہوا تھا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اس کے فرار کی خبر نشر ہوگئی تھی اور کئی بار اس کا حلیہ بڑی تفصیل سے دہرایا جاچکا تھا۔

''تم جیل سے بھاگے ہوئے ایک قیدی ہو جس نے.....''

''ہاں.....'' بدصورت آدمی نے کہا اور ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ''میں ایک محافظ کو قتل کرچکا ہوں۔ ایسی حالت میں تمہیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ میں دوسری بار بھی گولی چلانے سے نہیں ہچکچاؤں گا۔''

عورت اس وقت بھی باتھ روم کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف سے پھیلاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ نیلی نیلی آنکھیں خوف کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی پرکشش نظر آرہی تھیں۔ گولی چلانے کی دھمکی نے اس پر ڈینی فورڈ سے زیادہ اثر کیا تھا۔ ''کیا تم ہمیں.....''

''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو۔'' بدصورت آدمی نے خوفناک لہجے میں کہا۔ ''ورنہ میں اسے فی الحال تو پسند نہیں کروں گا کیونکہ گولی کے دھماکے سے دوسرے لوگ ادھر متوجہ ہوسکتے ہیں۔''

''تم کیا چاہتے ہو۔'' ڈینی فورڈ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میرے تقاضے تمہاری پہنچ سے باہر نہیں ہوں گے۔''

''تمہیں جو کچھ چاہیے..... لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔''

''ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' بدصورت آدمی

نے کہا اور بھونڈے پن سے ہنس پڑا۔اس نے ندیدوں کی طرح عورت کی طرف دیکھا۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے جیل کی خشک زندگی گزارنے کے بعد وہ پہلی بار کسی جوان عورت کو دیکھ کر بے قابو ہو رہا ہو۔اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے جن پر وہ بار بار زبان پھیر رہا تھا۔''پہلے تم بستر کی چادر پھاڑ کر دو مضبوط پٹیاں بناؤ۔'' اس نے ڈینی فورڈ کو حکم دیا۔''ان پٹیوں سے اس چڑیا کو باندھ دو..... لیکن ٹھہرو۔ پہلے تم اپنا بٹوہ مجھے دے دو۔''

اس نے کنکھیوں سے اس میز کی طرف دیکھا جہاں ڈینی فورڈ نے کپڑے بدلتے ہوئے اپنی چیزیں رکھ دی تھیں۔

''تمہیں کتنی رقم کی ضرورت ہے۔''

''میں جہاں بھی جاؤں گا مجھے رقم کی ضرورت پڑے گی۔''

ڈینی فورڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز کے قریب پہنچا۔اس دوران میں بدصورت آدمی کی نگاہ اس کے ایک ایک حرکت پر جمی ہوئی تھی۔اس نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی سے بٹوا اٹھایا اور قیدی کی طرف اچھال دیا۔بٹوا جھپٹنے کے بعد قیدی نے اسے کھولا اور کرنسی نوٹ گننے کے بعد برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔''عیاشی کے لیے اتنے مہنگے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو اور ساتھ میں حسین لڑکی ہے لیکن بٹوے میں اتنی تھوڑی رقم ہے کہ مجھے تمہاری کنجوسی پر غصہ آ رہا ہے۔کیا اس نے تمہیں رقم ادا کر دی ہے۔'' اس نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا۔

عورت خاموشی سے اسے گھورتی رہی۔اس کا چہرہ خوف سے دھواں دھواں تھا۔قیدی ہنس پڑا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ خوف کی زیادتی عورت کو بولنے نہیں دے رہی ہے۔''کوئی بات نہیں، تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں، میں تمہارا پرس خود ہی دیکھ لیتا ہوں۔''

ڈینی فورڈ نے اس پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو قریبی کرسی پر رکھا ہوا تھا۔

''خبردار۔'' مفرور قیدی نے اسے للکارا۔''اپنا ہاتھ پرس سے دور رکھو۔میں جانتا ہوں کہ بعض پیشہ ور لڑکیاں بٹوے میں پستول رکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔''

''تم بہت محتاط ہو دوست۔'' ڈینی فورڈ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ہاں..... میں ابھی کچھ دن اور بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔'' بدصورت آدمی زیر لب مسکراتا ہوا کرسی کی طرف بڑھا۔اس نے پرس اٹھا لیا اور معنی خیز نگاہوں سے ڈینی فورڈ کی طرف دیکھنے لگا۔''کہیں تم نے کچھ رقم کہیں اور تو نہیں چھپا رکھی۔''

''جتنی رقم یہاں موجود ہے تم اسے لے سکتے ہو۔اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو میں فراہم کر سکتا ہوں۔''

''گویا میرا اندازہ درست ہے کہ تم نے رقم کمرے میں کسی جگہ چھپا رکھی ہے۔''

''نہیں..... کمرے میں اس سے زیادہ رقم نہیں ہے۔وہ ایک دوسری جگہ محفوظ ہے اور جگہ بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔میں تمہارا مطالبہ چند وجوہ کے تحت پورا کرنے کے لیے تیار ہوں، یہ لڑکی.....'' اس نے باتھ روم کے سامنے کھڑی ہوئی عورت کی طرف اشارہ کیا۔جواب کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور خوف سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔''یہ لڑکی میری سیکرٹری ہے۔''

مفرور قیدی کی نگاہ ایک بار پھر اس لڑکی کی طرف اٹھ گئی۔نشست کی حالت میں لڑکی کا باریک گاؤن تھوڑا سا اٹھ گیا تھا۔دامن اٹھنے سے وہ قدرے عریاں ہو گئی تھی لیکن قیدی کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس نے زیر جامہ پہن رکھا تھا۔اس نے سر کو انکار میں حرکت دیتے ہوئے ڈینی فورڈ کی طرف دیکھا۔''یہ تمہاری سیکرٹری ہے۔'' انداز مضحکہ

اڑانے والا تھا۔ ''بکواس' ناممکن' میں یقین نہیں کرسکتا۔''

''اوہ' تم شاید یہ سوچ رہے ہوکہ میں تمہیں دھوکہ دے رہا ہوں..... حالانکہ میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کا ایک کمرے میں پایا جانا' میرے کیریئر کو تباہ کرسکتا ہے۔ یہ میری سیکرٹری ہے اور تم جانتے ہوکہ اس سلسلے میں کیا کیا خیال آرائیاں ہوسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں یہاں سے چلے جانے کی قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں۔''

''لیکن مجھے تمہاری ان نجی باتوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔''

''ہونا چاہیے۔'' ڈینی فورڈ نے مایوسی سے کہا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں وہ قیدی اس عورت پر مجرمانہ حملہ کرنے کا منصوبہ نہ بنا رہا ہو۔ وہ ہر حال میں اس کے ناموس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وحشی مجرم کی آنکھوں میں سفاکی کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اسے شبہہ تھا کہ وہ ضرورت کی ہر چیز پوری کرنے کے بعد اس عورت کی طرف ضرور متوجہ ہوگا..... یہی وجہ تھی کہ وہ اسے رقم فراہم کر کے وہاں سے چلتا کردینا چاہتا تھا۔

''آخر تم اتنے بے چین کیوں ہو۔'' بدشکل آدمی نے اس کی بے چینی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے۔ تمہیں اس علاقے سے باہر نکلنا ہے۔ تمہارے جانے سے میرا بھی فائدہ ہے..... میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں کہ.....'' اس نے اپنے جیکٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''رک جاؤ۔'' مسلح آدمی غرایا۔ ''ہاتھ گرادو' ورنہ۔''

''میں اپنا بزنس کارڈ نکال رہا ہوں۔'' ڈینی فورڈ نے کہا۔ ''اس سے ساری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔''

اس نے جیب سے کارڈ نکالا اور مفرور قیدی کی طرف اچھال دیا۔ بدشکل آدمی نے کارڈ اٹھایا۔ چند لمحوں تک اس کی سرخ آنکھیں کارڈ پر جمی رہیں..... لیکن اس دوران بھی وہ ان دونوں کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔

''ہوں..... تو تم پبلشنگ کمپنی کے صدر ہو۔ بہت خوب' تم ایک بڑے آدمی ہو..... مگر مجھے اس سے کیا۔''

''میرا ادارہ مذہبی اور درسی کتابیں شائع کرتا ہے۔ کمپنی کے صدر کی حیثیت سے میری عوام میں ایک حیثیت ہے اور میں اس مخصوص تاثر کو برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ بورڈ کا چیئرمین بہت سخت گیر اور خالص مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ اگر میرے کردار پر ذرا سا بھی دھبہ لگ گیا تو مجھے فوراً ہی اس ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔ میری وفاداری شبہے میں پڑی تو بیوی طلاق حاصل کرنے پر کمربستہ ہوجائے گی۔''

''پھر..... تم کیا چاہتے ہو۔''

''یہی کہ تم نے مجھے یہاں ایک غیر لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کے لیے میں تمہیں ضرورت کے مطابق رقم اور اپنی گاڑی دینے کے لیے تیار ہوں۔ میرا گھر یہاں سے صرف دس میل دور ہے۔ میری اسٹڈی کی دیوار گیر تجوری میں اس وقت پانچ سو ڈالر موجود ہیں۔ گھر کے تمام افراد اس وقت گہری نیند سو رہے ہوں گے۔ ہم تمہارے ساتھ ہی چلتے ہیں' میں تمہیں رقم نکال کردے دوں گا اور تم وہاں سے جہاں جی چاہے چلے جانا۔''

مسلح آدمی چند لمحوں تک پلکیں جھپکاتا ہوا غور کرتا رہا۔

اس نے مختلف پہلوؤں سے اس مسئلے پر غور کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا قسمت واقعی اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ قسمت واقعی اس پر مہربان تھی۔ اس

نے جیل میں بھی اس کی حمایت کی تھی۔ محافظ کو قتل کر کے ریوالور پر قبضہ کرنا عام حالات میں کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ جیل سے فرار ہوتے وقت بھی اسے زیادہ دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ شہر پہنچ کر اس نے ایک ڈرائی کلینر کی دکان کے عقبی حصے سے اندر جانے کی کوشش کی تو خوش قسمتی سے پچھلی کھڑکی اسے کھلی ہوئی ملی تھی۔ اس دکان میں اسے جو پہلا سوٹ ملا' وہی لے کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ سوٹ اس کے جسم پر فٹ نہیں تھا لیکن کام چلانے کے لیے مناسب تھا..... اور پھر ہوٹل کے سامنے کھڑی ہوئی کاریں..... جس میں ایک کار کا دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ کیا ڈینی فورڈ کا سگریٹ کی تلاش میں کار تک آنا بھی اس کی خوش قسمتی ہی تھی۔

فرار ہونے سے پہلے اس نے راستے کا تعین کرلیا تھا۔ وہ سرحد پار کر کے جہاں جانا چاہتا تھا' وہ مقام اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے صرف رقم کی ضرورت تھی اور رقم کا حصول حالات کے تحت تھا اور اب حالات خود بخود ہی اس کی حمایت میں آ گئے تھے۔

''کیا تم آمادہ ہو۔'' ڈینی فورڈ نے بے چینی سے کہا۔

''ذرا میں سوچ لوں۔'' اس نے الجھن سے جواب دیا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم میرے نکلتے ہی پولیس کو اطلاع نہیں دو گے۔''

''تم بڑے احمق ہو۔'' ڈینی فورڈ کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ ''کیا اخباری نمائندے تمہارے بیان کی تحقیقات نہیں کریں گے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہوجائے گا کہ میں اپنی سیکرری کے ساتھ اس ہوٹل میں شب بسری کے لیے ٹھہرا ہوا تھا۔ اگرچہ میں نے کمرہ اپنے اصلی نام سے نہیں لیا مگر میری کار کا نمبر اور لائسنس نمبر رجسٹر میں درج ہیں اور انہیں بدلا نہیں جاسکتا۔ بڑے ہوٹلوں میں بعض وجوہات کے تحت اس کا بھی ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔''

''تمہارے لائسنس سے ہوٹل کلرک کو تمہارا اصل نام معلوم ہوجانا چاہیے تھا۔''

''ہاں..... لیکن میں نے اسے صرف لائسنس کے اوپر لکھے ہوئے نمبر پڑھ کر سنائے تھے اور وہ سر جھکائے لکھتا رہا۔''

''ہوں..... اور میرے پاس بچاؤ کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ تمہیں حفاظت کے ساتھ یہاں سے نکل جانے میں مدد دی جائے۔ پانچ سو ڈالر ادا کرنے سے میری شہرت اور میرا وقار محفوظ ہوجائے گا۔''

''صرف پانچ سو ڈالر کیوں..... کیا کار تمہیں بھول گئی ہے۔''

''کار کی رقم میں بیمہ کمپنی سے وصول کرلوں گا۔ اس کے لیے مجھے فوراً ہی چوری کی رپورٹ درج کروانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ میں اکثر اپنی کار کمپنی کے گیراج میں کئی کئی روز کے لیے کھڑی کر دیا کرتا ہوں' میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہو گے۔''

''ہاں.....'' مفرور قیدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا..... ڈینی فورڈ کی بات اس کے دل کو واقعی لگتی تھی اس لیے وہ اس سنہرے موقع سے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔

''او کے مسٹر!'' اس نے کہا۔ ''میں تمہاری بات ماننے پر آمادہ ہوں۔ تم دونوں کپڑے بدلو اور فوراً چلو..... لیکن خیال رہے کہ میں کوئی حرکت برداشت نہیں کروں گا۔'' اس نے خالی ہاتھ سے ریوالور کی نال کو صاف کرتے ہوئے معنی خیز نگاہ سے دونوں کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے' تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کون ہوں اور مجھ جیسا آدمی دوبارہ جیل جانا کبھی پسند نہیں کرتا۔''

☆☆

آدھے گھنٹے کے اندر اندر ڈینی فورڈ اور اس کے ساتھی' بدشکل آدمی کے ساتھ اسٹڈی میں موجود تھے..... اور ڈینی فورڈ تجوری سے نوٹوں کی وہ گڈی

نکال رہا تھا جو اس نے مفرور قیدی کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مکان میں تاریکی تھی..... البتہ کہیں کہیں نائٹ بلب روشن تھے۔

ڈینی فورڈ مکان کے عقبی حصے کی طرف گاڑی لایا تھا اور اسے زینے کے قریب کھڑا کر دیا تھا۔

یہ راستہ براہ راست اسٹڈی ہی میں کھلتا تھا۔ مفرور قیدی نے ابھی تک ان پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا تھا۔ اس نے اصرار کیا تھا کہ اسٹڈی میں تینوں کو ساتھ ہی جانا چاہیے۔ ڈینی فورڈ نے طوہاً و کرہاً اسے اسٹڈی تک پہنچا دیا تھا اور اب وہ اسے نوٹ دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں لالچ کی چمک دیکھ رہا تھا۔

''اس گڈی میں پانچ سو سے زیادہ ہی رقم ہے۔ اتنی رقم میں ہنگامی ضرورت کے لیے ہر وقت تجوری میں رکھتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... میں تمہارا شکر گزار ہوں اور اب.....'' اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے بھوک جھلک رہی تھی۔ ''میں اس لڑکی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''احمق، کم عقل.....'' اس نے تیزی سے کہا۔ ''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم اس لڑکی کو ساتھ لے کر نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم میرے احسان کا یہ بدلہ دے رہے ہو۔ میں نے تمہیں جتنی رقم دی ہے اس سے تمہیں نصف درجن لڑکیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔''

مسلح آدمی مسلسل لڑکی کو گھور رہا تھا۔ اس نے ریوالور والا ہاتھ اٹھایا لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ ''ٹھیک ہے، تم واقعی بہت ہوشیار ہو۔ میں تمہاری بات پر عمل کروں گا۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازے تک الٹے قدموں سے چل کر فاصلہ طے کیا تھا..... پھر وہ تیزی سے پلٹا اور غائب ہو گیا۔

انہوں نے کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ پھر ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔

جب سرخ بتیاں کھڑکی سے نظر آنی بند ہو گئیں تو ڈینی فورڈ نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا اور پولیس ہیڈ کوارٹرز نمبر ڈائل کر کے تیزی سے بولا۔ ''میں ڈینی فورڈ بول رہا ہوں۔ ایک، چار، چھ صفر نارتھ ایونیو سے..... ابھی ابھی مقامی جیل سے فرار ہونے والا قیدی میرے ہاں سے گیا ہے۔ اس کے پاس میری کار ہے۔ وہ مسلح ہے۔ اس کا رخ شاہراہ کی طرف ہے لیکن آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ صرف آٹھ میل کے رقبے کی ناکہ بندی کر لیں۔ گاڑی میں اتنا پٹرول ہے۔ میں نے پٹرول کی مقدار کم کرنے کے لیے اسے دس میل دور اپنے گھر تک سفر کرنے پر آمادہ کر لیا تھا اور اب وہ یہاں سے رخصت ہو چکا ہے۔''

اس نے اپنی کار کا رجسٹریشن نمبر بتایا۔ دوسری طرف سے چند سوالات کیے گئے جن کا اس نے بڑی مستعدی سے جواب دیا اور ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی۔

''اوہ۔'' ڈارلنگ عورت نے کہا۔ ''تم واقعی آہنی اعصاب کے مالک ہو۔'' وہ ہنس پڑی۔ اب وہ نارمل نظر آ رہی تھی۔ ''مجھے اب بھی اپنی سہمہ پہر والی حماقت یاد آتی ہے تو وہ بات کتنی مضحکہ خیز محسوس ہوتی ہے۔''

''ہاں.....'' ڈینی فورڈ نے کہا۔ ''میں اس بات کو شاید کبھی نہیں بھلا سکوں گا..... بلکہ میں نے تو اس رات کو یادگار بنا دیا ہے۔ تم یہی چاہتی تھیں نا کہ ہماری شادی کی سالگرہ یادگار ہونی چاہیے۔''

عورت شرما گئی۔ ''ہاں..... میں یہی چاہتی تھی کہ کسی ہوٹل میں قیام کریں اور یوں رات گزاریں جیسے ابھی ہماری شادی نہیں ہوئی ہے۔''

دونوں ہنستے ہوئے بے ساختہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

تگا جال

طارق حفیظ

دوسرے دن اپنے منصوبے کے مطابق وہ سڑک پار شراب خانے میں گیا۔ بار میں اس وقت ایک عورت کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس کی پشت کریگ کی طرف تھی۔ عورت نے پلٹ کر کریگ کو دیکھا وہ این کے علاوہ کوئی اور نہیں تھی۔

اس شمارے کی ایک دلچسپ تحریر

وہ بہت طاقت ور اور انتہائی مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ ڈن کریگ کو لوگ جنائی سراغرساں کہتے تھے اور یہ بات اس پر صادق بھی آتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ڈن کریگ نے فرانس میں جو کارنامے سے انجام دیئے وہ اب تک اس کی سروس بک پر موجود تھے دشمن کے ایجنٹوں کو اغوا کرنے سے دشمن کے خفیہ فوجی منصوبوں کی چوری تک وہ ہر معاملے میں سرخرو رہا۔ جنگ عظیم کے خاتمے پر وہ نیو آرلینز چلا آیا جہاں منشیات کا دھندا پورے زوروں پر تھا۔ اس نے مقامی ہیڈ کوارٹرز کو رپورٹ کی اور اس کی تعیناتی فوراً ہی نارکوٹکس اسکواڈ میں ہوگئی۔

کریگ نے ماضی کی روایات برقرار رکھتے

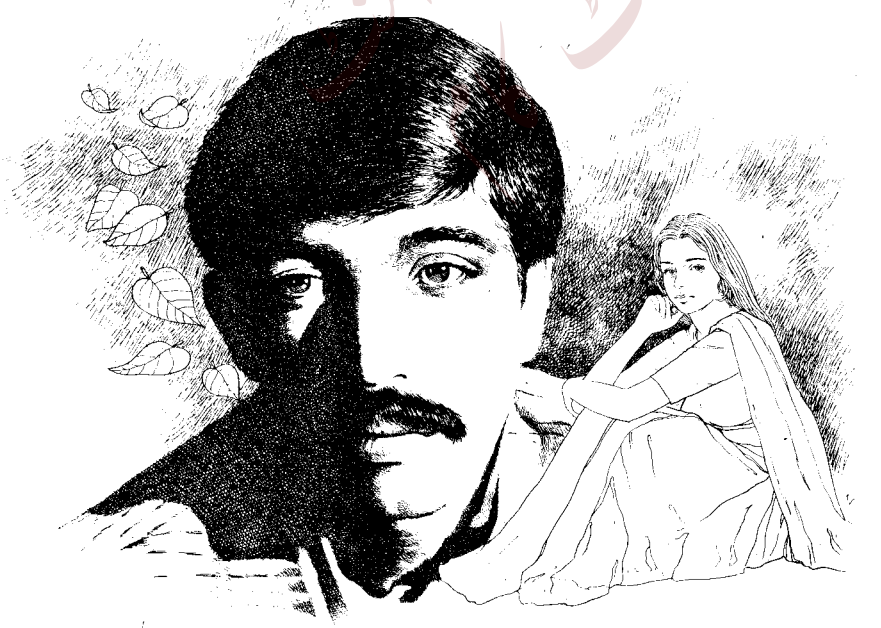

ہوئے یہاں بھی یونیفارم پہننے کی بھی زحمت نہیں کی۔ وہ نہ تو کبھی پولیس ہیڈ کوارٹرز گیا اور نہ ہی اس نے کبھی پولیس والوں سے اپنی سرکاری حیثیت میں گفتگو کی۔ وہ بہت وجیہہ شخص تھا۔ اگر اس کے گال پر چاقو کے زخم کا نشان باقی نہ رہتا تو شاید ڈن کریگ آج فلمی اداکاروں کی صف میں بہت نمایاں نظر آتا۔ چاقو کا یہ زخم زمانہ جنگ میں اس کے چہرے پر اس وقت لگا جب چور بازاری کرنے والے ایک مجرم نے گرفتاری سے بچنے کے لیے اس پر چاقو سے وار کیا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اگر زخم کا نشان نہ ہوتا تب بھی کریگ فلمی دنیا میں داخل نہ ہوتا۔ اسے تو صرف ہنگاموں اور موت سے کھیلنے کا شوق تھا۔ ایک ہفتے قبل ڈن کریگ کو ایرک بلینگر کا فون ملا۔ ایرک کا کہنا تھا کہ اس کے عملے نے ایک ایسے شخص کو گرفتار کیا ہے جس کے پاس حشیش اور ہیروئن موجود تھی۔

''تم نے یہ معلوم کیا کہ اس شخص کے پاس حشیش اور ہیروئن کہاں سے آئی ہے۔'' ڈن نے پوچھا مگر ایرک سے اسے زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں البتہ اتنا ضرور علم ہوا کہ پولیس کے بارودی عملے کو دوغلی نسل کے ویلس نامی شخص پر شک ہے۔ ویلس کی عمر بہ مشکل پینتالیس برس رہی ہوگی اسے لوگ منشیات کے عادی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ڈن نے یہ بھی سراغ لگالیا کہ ویلس ایک بار کے قریب کسی کمرے میں رہتا ہے۔ ڈن کریگ نے بار کے بالمقابل واقع ایک سستے ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا۔ کمرے کی کھڑکی سے وہ بار پر نظر رکھ سکتا تھا۔ ہوٹل میں چار لڑکیاں کام کرتی تھیں۔ ایک ذرا عمر دار لڑکی تھی جس کا نام شیرن تھا۔ وہ موٹاپے کی طرف مائل تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو سنہرا کرلیا تھا تاکہ کچھ زیادہ دلکش نظر آئے۔ دوسری لڑکی کا نام بیب تھا لیکن وہ آہستہ آہستہ اس دھندے سے الگ ہورہی تھی کیونکہ اس کی جلد ہی کسی آنکھ کے اندھے' گانٹھ کے پورے شخص سے شادی ہونے والی تھی' ہوٹل والوں کا کہنا تھا کہ بیب اسی شخص کے لیے اپنی راتیں' بچا بچا کر رکھ رہی ہے۔ میڈگی ان سب میں طویل القامت لڑکی تھی۔ آفت کی پرکالہ۔ وہ اپنی کمائی کپڑوں پر خرچ کرتی تھی اور اگر کسی رات فارغ ہوتی تو رقص کی تربیت حاصل کرتی تھی۔ وہ عریاں رقص میں کمال حاصل کرنے کی خواہاں تھی اور عصمت فروشی کا دھندا اس نے محض پہلے مرحلے کے طور پر اپنایا تھا۔ کریگ نے ہوٹل میں کمرہ حاصل کرتے ہی میڈگی سے دوستی بڑھائی۔ ایک کے کمرے کا دروازہ رات بھر میڈگی کے لیے کھلا رہتا اور وہ بھی کریگ کے کمرے میں آکر عریاں رقص کے بعض ایکٹ پیش کرکے اس کو لبھانے کی کوششیں کرتی۔ شاید اس موقع پر کہ کریگ اسے کسی نہ کسی رات ضرور خریدے گا۔ کریگ کے نزدیک میڈگی محض ایک حسین مسخری تھی' چوتھی لڑکی کا نام این تھا جب پہلی مرتبہ کریگ نے این کو دیکھا تو وہ مبہوت سا ہوگیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اب تک اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ پتہ نہیں' یہ نازک اندام اور پیاری سی گڑیا اس ذلیل پیشے میں کس طرح آگئی۔ این کی آنکھیں ایسی تھیں کو لوگ ساغر و مینا کی بات چھوڑ دیں۔ اس کے سڈول بازو اور ٹانگیں پروقار تھیں اور اس کا جسم کسی حسین یونانی دیوی کے سراپا سے کسی بھی طرح کم نہ تھا۔ کریگ کو این پہلی ہی نظر میں بھا گئی' جس نے بھی یہ کہا کہ ہر مرد میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوتی ہے' ٹھیک ہی کہا تھا جس روز کریگ نے اپنا سوٹ کیس ہوٹل میں لاتے ہوئے این کو راہداری میں کھڑے دیکھا۔ اس نے خود ہی اپنی کمزوری پکڑ لی۔

''ہیلو بے بی۔'' کریگ نے این کو دیکھتے ہی فقرہ چست کیا تھا' اس نے مسکرا کر لڑکی کو دیکھا اور این کی گہری براؤن آنکھوں نے اسی لمحے کریگ کو اسیر کرلیا۔ کریگ کو علم تھا کہ این کا کمرہ اس کے برابر ہی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرا کمرہ تمہارے برابر ہی ہے۔'' لیکن بظاہر کریگ کے اس جملے کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

''ہنہ۔ دھوکے باز۔'' این نے بے معنی انداز

میں کہا اور ستون سے گردن ٹکا کر اس طرح کھڑی ہوگئی کہ کریگ کو اس کے جسم کے تمام نشیب و فراز نظر آ گئے۔ این نے اپنے سینے کو کچھ زیادہ نمایاں کرتے ہوئے پھر کہا۔ ''پکا دھوکے باز۔''

وہ ہنس دیا اور راہداری اس کے قہقہے سے گونج اٹھی۔ وہ اداکاری کر رہا تھا۔ اس کو ہنستے دیکھ کر این نے بہت اٹھلاتے ہوئے کہا۔ ''یہاں اپنی جیب سے ہوشیار رہنا۔''

اپنے کمرے میں جا کر سب سے پہلے کریگ نے کھڑکی کے پردے کھسکائے اور سڑک کا جائزہ لینے لگا۔ اسے اس وقت تک اسی قسم کی نگرانی کرنی تھی تاکہ ان لوگوں کو شناخت کر لے جو بار میں عموماً آتے جاتے ہیں۔ اس کا اگلا قدم یہ ہوتا کہ خود بھی بار میں زیادہ تر وقت گزارتا تاکہ وہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی نہ رہے۔ اس کے بعد یہ سراغ لگانا بہت آسان کام ہوتا کہ منشیات کے کاروبار کا سربراہ کون ہے۔ دیکھنا یہ تھا کہ دھندے کا اڈا بار ہے بھی یا نہیں ہوٹل میں کریگ کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ رجسٹر میں اس کا اندراج ایک معذور شخص کی حیثیت میں تھا جس نے جنگ عظیم میں شرکت کی تھی۔ گال پر لگے ہوئے زخم نے اسے معذوری کا سرٹیفکیٹ دے ہی دیا تھا۔ رجسٹر میں یہ بھی درج تھا کہ وہ اوکوہاما سے آیا ہے۔ اس نے اپنا نام رابرٹ لکھوایا تھا اور ہیڈ کوارٹرز نے مسٹر رابرٹ کی اصل شناخت ناممکن بنانے کے لیے جعلی رجسٹریشن کارڈ اور سوشل سیکورٹی نمبر تک جاری کر دیا تھا۔ اگر ابھی کوئی شخص کریگ کے بارے میں چھان بین کرتا تو اسے ناکامی ہی ہوتی کیوں کہ اوکوہاما کے بہت سے لوگوں کو خفیہ پولیس نے مطلع کر دیا تھا کہ وہ ڈن کریگ کی شناخت رابرٹ کی حیثیت ہی سے کریں۔ ایک ہفتے بعد ہی بیب کے علاوہ باقی تینوں لڑکیاں اپنا فارغ وقت کریگ کے کمرے میں گزارنے لگیں۔ ایک رات شیرن اپنی بھاری ٹانگیں کرسی پر رکھے آئس کریم کھا رہی تھی کہ اس کا فون آ گیا اور وہ چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی میڈ یگی کمرے میں گھس آئی۔ ''میں رقص کی مشق کرنا چاہتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے گاؤن کی ڈوریاں کھول دیں اور 'مشق' میں مصروف ہوگئی۔ کریگ بستر پر لیٹا اسے دیکھتا رہا پھر تالی بجا کر اس نے کہا۔ ''گاؤن بھی اتار دو۔''

میڈ یگی گھٹنوں کے بل جھک گئی اور اس نے ایک قیامت خیز انگڑائی کے انداز میں تھرکتے ہوئے گاؤن ہاتھ لگائے بغیر ہی اتار دیا۔ کریگ نے جلدی سے جن کی بوتل منہ سے لگالی۔ اب میڈ یگی بستر کے قریب تھرک رہی تھی۔ اس کا سر پیچھے کو جھکا ہوا تھا وہ ہاتھوں سے فحش اشارے کر رہی تھی۔ اس نے اچانک ہی ایک اور انگڑائی اور بلاؤز کے بٹن کھلتے چلے گئے۔ اب وہ اپنے شانے ہلا رہی تھی۔

ڈن کریگ نے شراب سے گلاس بھر کر اپنے ہونٹوں سے لگالیا لیکن اسے یہ پتہ نہیں چلا کہ این بھی کمرے میں آ گئی ہے۔ اسے این کی موجودگی کا احساس صرف اسی وقت ہوا جب لڑکی نے اپنے لیے دوسرے گلاس میں شراب انڈیلی اور کریگ کے پہلو میں نیم دراز ہو کر چسکیاں لینے لگی۔ وہ اب بہت دلچسپی سے میڈ یگی کا رقص دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد این نے اپنا خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے کریگ سے پوچھا۔ ''تمہیں رقص پسند آیا۔''

''میرے لیے نئی بات ہے۔'' میڈ یگی نے یہ سن کر جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ' تمہیں میرا رقص پسند بھی آیا ہے یا نہیں۔''

''بہت شاندار۔ بہت خوب۔'' کریگ نے اسے داد دی۔

''لیکن اتنا اچھا بھی نہیں تھا۔'' این نے آہستہ سے کہا۔ میڈ یگی نے اس کی بات سن کر کہا۔ ''تمہیں کیا معلوم۔ یہ بہت مشکل رقص ہے۔''

''نہیں۔ میں ایسے بے شمار رقص دیکھ چکی ہوں۔'' این نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''تم بڑے بھدے انداز میں' اہم اعضا' کو ہلا رہی تھیں۔ جسم کے دوسرے اعضا ان کے مقابلے میں زیادہ متحرک تھے۔''

''کیا مطلب۔'' میڈ یگی نے یہ سوال کریگ سے کیا لیکن اس نے محض اپنے شانے ہلا دیے۔ وہ بھی این کا مفہوم نہیں سمجھ سکا تھا۔

''بیٹھ جاؤ میری رقاصہ۔'' این نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔ ''اب میں تمہیں وہ رقص دکھانا چاہتی ہوں جس کی تم ابھی مشق ہی کر رہی ہو۔''

میڈ یگی نے اپنا گاؤن پہن کر ستارے پھر سینے پر سجا لیے' وہ بھاری سانس لیتے ہوئے کریگ کے بستر پر ہی بیٹھ گئی۔ این ایک قبا اوڑھ کر بستر کے کونے پر کھڑی ہوگئی۔ اس نے بہت آہستہ آہستہ بازو ہلائے۔ اس کی آنکھیں کریگ کے چہرے پر تھیں۔ کریگ کو اس یونانی دیوی کے جسم کی ہر حرکت سے اپنے جسم میں سنسنی محسوس ہونے لگی۔ وہ اب بھی بہت آہستہ آہستہ تھرک رہی تھی مگر ایک لمحے بعد اس کے انداز میں تیزی آنے لگی۔ اب وہ انتہائی وقار کے ساتھ اپنے بازو ہلا رہی تھی۔ وہ جھکتی گئی۔ نیچے کی طرف حتیٰ کہ اس کی انگلیاں قبا کی بیلٹ کو چھونے لگیں۔ جسم کے اعضا کی حرکت کو انتہائی مہارت کے ساتھ توازن میں رکھتے ہوئے اس نے ایک ہی جھٹکے سے قبا کی گرہ کھول دی اور اب وہ محض ایک بریزر اور زیر جامے میں کھڑی تھرک رہی تھی۔ اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور قبا کا باقی حصہ بھی اس کے شانوں سے گر کر بستر پر آ رہا۔ اب وہ بہت تیزی سے ناچ رہی تھی۔ کریگ کو یوں لگا جیسے پوری کائنات جھوم رہی ہو۔ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ این ہوا کی لہروں کی طرح بل کھا رہی تھی۔ وہ اب جھومنے لگی۔ ایک لمحے بعد اس کے ہاتھ ایک نئے انداز میں اٹھے اور اس نے بریزر کا ہک کھول دیا۔

اب اس کے دونوں بازو ہوا میں لہرا رہے تھے جیسے کوئی حسین پرندہ محوِ پرواز ہو۔ اس کے چہرے پر بہت دل آویز مسکراہٹ تھی' آہستہ آہستہ اعضا کی حرکتوں کا توازن برقرار رکھتے ہوئے وہ بستر پر جھکی اور لیٹ گئی۔ کریگ نے سوچا کہ میں واقعی اس پر عاشق ہوگیا ہوں۔ وہ اس کی طرف جھکا اور تھرکتی ہوئی این کو گھورنے لگا۔ کریگ کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ وہ اب بھی مسکراتے ہوئے کریگ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ این کی طرف بڑھا لیکن این بہت پھرتی کے ساتھ رقص ہی کے انداز میں اس کی گرفت سے نکل گئی۔ کریگ نے پلٹ کر دیکھا وہ اب قبا پہن چکی تھی اور اس کی دوڑیاں کس رہی تھی۔

''کیسا رہا میرا رقص۔'' این نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''باپ رے۔ تم اتنی ماہر ہو!'' میڈ یگی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں تو کسی بار کے ڈانسنگ فلور پر ہونا چاہیے تھا۔''

ڈن کریگ بستر کے ایک کونے پر خاموش بیٹھا رہا۔ این اس کی طرف آئی اس نے کریگ کے گال پر زخم کے نشان کو چومتے ہوئے کہا۔ ''کچھ پیو گے نہیں۔'' اور ڈن کریگ نے ایک نئی بوتل نکال کر میز پر رکھ دی کچھ دیر بعد دونوں لڑکیاں چلی گئیں تو کریگ این کے رقص پر غور کرنے لگا۔ این کا رقص دیکھنے کے بعد اس کا پورا جسم سوالیہ نشان بن گیا تھا لیکن کریگ نے خود کو ملامت کی' اس نے خود کو یاد دہانی کرائی کہ وہ یہاں عیاشی کے لیے نہیں فرض کی ادائیگی کے لیے آیا ہے۔ اگر ذرا سی بھی غلطی کی تو جان کے لالے پڑ جائیں گے لیکن وہ انسان تھا' بالکل تنہا انسان' وہ این کا دیوانہ ہوگیا تھا۔

دوسرے دن اپنے منصوبے کے مطابق وہ سڑک پار شراب خانے میں گیا۔ بار میں اس وقت ایک عورت کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس کی پشت کریگ کی طرف تھی۔ عورت نے پلٹ کر کریگ کو دیکھا وہ این کے علاوہ کوئی اور نہیں تھی۔

''آؤ۔ آج میں تمہاری میزبان ہنوں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کریگ کو آواز دی اور کریگ نے بہت فرماں برداری سے گردن ہلا دی۔ ''ایڈورڈ! کیبن میں جن لے آؤ۔'' اس مرتبہ این نے بارٹنڈر کو ہدایت کی تھی۔ وہ کریگ کو ساتھ لے کر ایک کیبن میں گھس گئی۔ اس کا لباس جسم پر چپکا ہوا تھا' وہ این

کے مدمقابل کرسی پر بیٹھ گیا۔ بارٹنڈر نے گلاس اور بوتل لاکر میز پر رکھ دی۔ کریگ نے اس کا جائزہ لے ڈالا وہ ملگجی آنکھوں والا زرد اور دبلا پتلا شخص تھا۔ کریگ نے اپنا پرس جیب سے نکالا جسے این نے اس کے ہاتھوں سے اچک لیا اور اپنے ہاتھ میں پہلے سے موجود ایک ڈالر کے نوٹ کو میز پر رکھتے ہوئے بارٹنڈر سے بولی۔ ''میری طرف سے!'' ایڈورڈ نے ڈالر جیب میں رکھا اور کیبن سے نکل آیا۔ کریگ نے پرس اپنی جیب میں رکھنے کی کوشش کی لیکن این نے چمڑے کا بٹوا اس کے ہاتھ سے پھر لے لیا۔

''تم کیا کر رہی ہو۔'' کریگ نے تعجب سے پوچھا۔

''کسی چیز کی تلاش.....'' این نے جواب دیا۔

''تم نے اندازہ نہیں لگایا کریگ! مجھے کس چیز کی جستجو ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کریگ کے فرضی ڈرائیونگ لائسنس اور دوسرے کارڈ دیکھتی جا رہی تھی۔

''کچھ ملا۔'' کریگ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''کوئی خاص چیز نہیں ملی۔'' وہ مسکرا کر بولی لیکن اب اس کی آنکھیں کریگ کے جسم میں کچھ ٹٹول رہی تھیں۔ این کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے پوچھا۔ ''تم کچھ اندازہ نہیں کر سکے رابرٹ۔''

''کیا مطلب۔'' کریگ اب بھی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔

''خیر چھوڑو۔ میرا خیال ہے کہ کل رات تم میرے رقص سے بدمست ہو گئے تھے۔''

این کی بات سن کر وہ مسکرا دیا۔ ''ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں ہی کیا یہ رقص دیکھ کر تو کوئی بھی ہوش و حواس کھو سکتا ہے۔''

''اور تمہارا بٹوہ بھرا ہوا ہے' چیک نقد رقم سب کچھ موجود ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی مگر اس کی آنکھیں اب بھی ڈن کے چہرے پر تھیں۔ ''میں رقص کے بعد کمرے میں چلی گئی مجھے تمہارا انتظار تھا لیکن تم کیوں نہیں آئے رابرٹ۔ کیا تمہیں لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔''

کریگ اپنے گلاس کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر میں نے جواب دینے میں ذرا سی بھی غلطی کی تو مارا جاؤں گا۔ ممکن ہے کہ ان لڑکیوں ہی میں سے کسی کا تعلق منشیات فروخت کرنے والوں سے ہو۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ ''ہاں میں لڑکیوں سے دور رہتا ہوں۔''

ڈن کریگ کا جواب سن کر این نے بہت تعجب سے اپنی بھنویں نچائیں۔ کریگ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے مغربی جرمنی کے محاذ پر ایک خندق سے نیم مردہ حالت میں نکالا گیا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ میں زندہ نہیں بچ سکوں گا لیکن میں نے اپنے آپ سے جنگ کی۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا' میں کسی دیوانے کی طرح زندگی کے لیے لڑتا رہا۔ صرف ایک لڑکی کے لیے وہ بہت خوبصورت تھی میں اپنی پس انداز کی ہوئی رقم اسے بھیجتا رہا۔ صرف اس خیال سے کہ گھر واپسی تک اس کے پاس اتنی رقم جمع ہو جائے گی کہ ہم دونوں سکون کی زندگی گزار سکیں گے لیکن کچھ دنوں پہلے مجھے ایک خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک سال پہلے ہی شادی کر لی۔ اس نے مجھے خط لکھا اور اس رقم کا شکریہ ادا کیا جو میں اسے بھیجتا رہا تھا میں شدت غم سے پاگل ہو گیا اور میں نے خودکشی کی کوشش کی لیکن ایک ڈاکٹر نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ چاقو چھین کر پھینک دیا جس سے میں اپنا گلا کاٹنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد میں زندہ رہا لیکن اب میں کسی دوسری عورت سے محبت نہیں کرنا چاہتا میں اب بھی اس لڑکی کے بارے میں سوچتا ہوں۔ بچپن میں' میں نے ایک کتا پالا تھا۔ وہ جب مر گیا تو میں بہت رویا' لوگوں نے ایک اور کتا لا دیا لیکن این! میں نے دوسرا کتا پالنے سے انکار کر دیا۔''

کریگ نے جو کچھ کہا اس میں صرف خودکشی کی بات جھوٹی تھی تاہم باقی تمام روداد سچی تھی۔

''مگر تمہیں اتنا غیر لچک دار رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔'' این نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے کوئی لڑکی تمہاری محرومیاں دور کر دے۔''

"نہیں۔ میں اب کسی دوسری لڑکی سے محبت نہیں کرسکتا۔ کیا فائدہ۔ ایک مرتبہ تلخ تجربہ ہوگیا یہی کافی ہے۔"

"اور اگر تم کل رات میرے کمرے میں آجاتے تو کیا تمہیں یہ خدشہ تھا کہ میری محبت میں مبتلا ہوجاؤ گے۔" این نے پوچھا۔

"ہاں! مجھے یہی ڈر تھا۔"

"بڑی مہربانی، قدر دانی کا شکریہ۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب۔" کریگ اس کے بدلتے ہوئے موڈ کو دیکھ کر حیران ہوگیا۔

"رابرٹ ہم جیسی لڑکیوں سے کوئی پیار نہیں کرسکتا۔ لوگ آتے ہیں، ہم سے ملتے ہیں اور چلتے جاتے ہیں۔ ہم اتنی خوش قسمت نہیں کہ کوئی ہمیں اپنا سکے۔" این کی آنکھوں میں کرب اور تھکن ناچ رہی تھی۔

"لیکن تم لوگوں نے جان بوجھ کر یہ زندگی شروع کی ہے۔" کریگ نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں کسی دوسرے کا کوئی قصور نہیں۔"

"تمہیں کم از کم میرے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔" این نے روکھے لہجے میں کہا۔

"رابرٹ! میں کسی کو اپنے راز نہیں بتاتی لیکن نہ جانے کیوں تم دوسروں سے بہت مختلف لگے ہو۔ تم دوسروں کی طرح محض چند گھنٹے گزارنے کے قائل نہیں، تم نے خود کو ہلاک کرنے کے لیے ایک ہی کوشش کی جب کہ میں...... میں نے خودکشی کے لیے ایک طویل راستہ اختیار کیا ہے میں اس پیشے میں آکر خودکشی ہی کر چکی ہوں۔ بس جسم و جان کا ایک بے معنی سا رشتہ برقرار ہے۔" این کی آنکھوں میں نمی نہیں تھی۔ وہ بالکل خشک تھیں۔ بالکل اس طرح جیسے کسی جھیل کے آبی سوتے خشک ہوگئے ہوں۔ کریگ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کی نظر اچانک ہی بار میں پڑی اور اس کے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اسے کسی آشنا چہرے کی ہلکی سی جھلک ہی دکھائی دی تھی۔ وہ ویلس تھا جو سڑک پار کر کے ہوٹل کی طرف جارہا تھا۔ کریگ کے ہوٹل کی طرف۔ دونوں کے گلاس خالی ہوئے تو این نے دھیرے سے کہا۔ "اب مجھے واپس جانا چاہیے۔"

"نہیں۔ ذرا ٹھہرو! ایک پیگ اور پیتے ہیں۔"

لیکن کریگ کی نظریں اب بھی ہوٹل کے دروازے پر تھیں کچھ دیر بعد ہی ایڈورڈ نے نئے گلاس سرو کردیے۔ کریگ سوچ رہا تھا کہ ویلس بار میں نہیں بلکہ ہوٹل میں رہتا ہے۔ گویا ہوٹل منشیات فروخت کرنیوالوں کا اڈہ تھا اور بار صرف رابطے کے لیے استعمال ہوتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اس کاروبار کا سرخیل کون ہے۔ موٹی شیرن، بیب، برہنہ رقص کی کوشش کرنے والی طویل القامت میڈیگی یا یہ مغموم چڑیا جو اس وقت اس کے بالکل سامنے بیٹھی ہے۔ وہ اس کے بٹوے کی تلاشی کیوں لے رہی تھی۔

چند منٹ بعد ویلس ہوٹل سے باہر آیا اور اس نے بہت تیزی کے ساتھ سڑک پار کی، کریگ بڑے آرام سے شراب کی چسکیاں لینے لگا۔ این کی نظریں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں این اور کریگ کئی منٹ تک خاموش ہی بیٹھے رہے کہ اچانک ویلس بار میں داخل ہوا۔ اس نے ایڈورڈ کی طرف دیکھا اور پھر ان دونوں کے کیبن میں جھانکنے لگا۔ ویلس این کو دیکھ کر مسکرایا اور اس نے بار میں پڑی ہوئی ایک کرسی سنبھال لی۔ کریگ سمجھ چکا تھا کہ این اور ویلس ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ ویلس نے کچھ دیر تک ایڈورڈ سے باتیں کیں اور پھر واپس چلا گیا۔ این نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کریگ کو مخاطب کیا۔ "میری ڈیوٹی کا وقت ہوگیا ہے۔" اس نے کریگ کے ہاتھ کو چھوا اور کھڑی ہوگئی۔ "میں...... میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں رابرٹ۔" اس نے کہا اور فوراً ہی کیبن سے نکل گئی وہ ہوٹل کی طرف جارہی تھی۔ کریگ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ وہ بھی منشیات کے کاروبار میں ملوث ہوسکتی ہے، لیکن اس کے باوجود اسے این پر پیار آرہا تھا وہ کیبن میں تنہا ہی بیٹھا رہا۔ اس نے اب بیئر منگائی تھی جس کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ ملزموں کو جال میں پھنسانے کے منصوبے پر غور کررہا تھا اس نے نیو

آرلینز میں منشیات کا دھندا کرنے والوں کو داد دی۔ یہ شہر اس قسم کے کاروبار کے لیے بہت مناسب تھا۔ یہاں کا ماحول' سیاحوں کی بھیڑ بھاڑ' کلب' بار' عصمت فروشی کے اڈے سب ہی اس کاروبار کی پردہ پوشی کے لیے کافی تھے ظاہر ہے..... مرڈی گلاس کی تفریح گاہ جانے والوں کا مقصد کشتیوں کی دوڑ دیکھنا تو نہیں ہوتا۔ وہاں بھی منشیات کی خرید و فروخت جاری تھی۔ ایک بات طے ہو چکی تھی کہ پورے شہر میں یہ کاروبار ایک ہی گروہ کر رہا ہے۔ فرانسیسی نژاد علاقے میں پولیس طوائفوں سے بخوبی واقف تھی۔ ہر لڑکی اور اس کی نائکہ پولیس کی نظروں میں تھی لیکن یہ بھی شک تھا کہ منشیات کے دھندے میں طوائفوں کے دلالوں اور ٹیکسی ڈرائیوروں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پولیس اتنے بڑے شہر میں تمام عصمت فروش لڑکیوں' دلالوں اور ڈرائیوروں کو بھی گرفتار نہیں کر سکتی تھی لہٰذا ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ گروہ کا سربراہ دھر لیا جائے ہوٹل کی لڑکیوں کے بارے میں کریگ نے غور کرنا شروع کیا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ ان چاروں میں سے کوئی باس نہیں ہے۔ سب ہی اپنی مرضی کے مطابق کام کرتی ہیں۔ ممکن ہے یہ چاروں ہی اس دھندے میں برابر کی شریک ہوں' منصوبے کے مطابق اب کریگ کو ایک ایسا نازک قدم اٹھانا تھا جو جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا تھا کریگ نے گلاس خالی کر کے میز پر پٹخا اور سڑک پر آ گیا۔ وہ ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے پبلک ٹیلی فون بوتھ میں گھس گیا۔ ہیڈ کوارٹرز میں ایرک ہی نے فون ریسیو کیا۔

''ٹھیک ہے ایرک۔ تمہارا شک سچ ثابت ہو گیا۔ ویلس منشیات کی فروخت کے کاروبار میں ملوث ہے۔'' کریگ اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا۔ ''وہ چند منٹ قبل ہوٹل اور بار میں نظر آیا تھا میرا خیال ہے' وہ ہوٹل ہی سے کاروبار کر رہا ہے۔ جہاں چار لڑکیاں بھی ہیں۔''

''تم نے سرغنہ کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کیا۔'' ایرک نے پوچھا۔

''چاروں لڑکیاں اور ویلس یہ پانچوں سرغنہ ہو سکتے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک بہر حال اس کاروبار میں 'باس' کی حیثیت رکھتا ہے میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔ بالکل برہنہ مگر لڑکیوں کے جسم پر انجکشن کی سوئیوں کے نشان نظر نہیں آئے۔ ممکن ہے وہ ہیروئن کے انجکشن کی خود عادی نہ ہوں۔''

''تمہیں ان پانچوں میں زیادہ شک کس پر ہے۔''

''سب پر برابر شک ہے! اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''تم بھی منشیات کا استعمال شروع کر دو۔'' ایرک نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''خوب پیو اور شراب کو ناکافی قرار دیتے ہوئے ہیروئن کی طلب کے بارے میں اداکاری کرو۔ یہ خبر اڑا دو کہ تم اسپتال میں منشیات کے عادی ہو گئے تھے' کیا خیال ہے۔''

''اور پھر۔'' کریگ نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر کسی چکر میں پھنسنے کا خطرہ محسوس ہو تو وہاں سے نکل آنا۔''

''او کے۔''

''مگر محتاط رہنا۔ مجھے بے پروائی پسند نہیں۔''

''لعنت ہو اینٹی نارکوٹکس اسکواڈ پر۔'' کریگ نے جھنجھلا کر کہا۔ ''کاش میں مرڈر ٹیم میں ہوتا۔'' کریگ فون بوتھ سے نکل کر ایک دکان پر گیا جہاں سے اس نے ایک پونڈ مکھن خریدا اور ایک سنسان گلی میں جا کر مکھن حلق سے اتارنے لگا۔ نصف پونڈ مکھن کھا کر اس کی طبیعت متلانے لگی تو اس نے باقی مکھن ایک ڈبے میں پھینک دیا' وہ سوچ رہا تھا کہ نصف پونڈ مکھن کی معدے میں موجودگی کے بعد اب وہ جتنی شراب پینا چاہے پی سکتا ہے' بہنے یا قے کرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ بار میں واپس آ کر وہ کاؤنٹر کے قریب اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وہ ایڈورڈ سے اپنی نجی زندگی کے بارے میں باتیں کر رہا تھا اور ساتھ ہی غٹا غٹ شراب کے گھونٹ حلق سے اتارنے میں مصروف تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔''

''بار۔ یہ شراب تو کسی کام کی نہیں۔''

''نہیں مسٹر۔ یہ انتہائی پرانی شراب ہے۔'' ایڈورڈ نے جواب دیا۔

''ممکن ہے۔ مگر میں کچھ اور چاہتا ہوں۔ تم سمجھتے ہو۔ کچھ اور۔ جب میں فوج میں تھا تو ان چیزوں کا استعمال عام بات تھی میں نے اسپتال سے کچھ چیزیں چرالی تھیں جو کل تک ساتھ دے سکیں لیکن اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' کریگ آنکھیں موندے ہوئے انتہائی اعلا درجے کی اداکاری کررہا تھا۔ ''سنو ایڈورڈ جب تم' ان' کا استعمال کرو گے تو یوں لگے گا جیسے ہواؤں میں اڑ رہے ہو۔ بادلوں میں پرواز کررہے ہو۔'' اب اس نے آخری وار کیا۔ وہ کاؤنٹر پر جھک گیا اور بہت رازداری سے بولا۔ ''تمہیں کچھ علم ہے۔ شہر میں یہ حیات بخش چیز کہاں مل سکتی ہے۔'' کریگ نے پوری گفتگو کے دوران انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہوئے کسی' منشی شے' کا نام نہیں لیا۔ وہ چاہتا تو ہیروئن کے لیے ہارس کا کوڈ استعمال کرسکتا تھا لیکن وہ اداکاری کررہا تھا' کسی مسخرے کی طرح جو بالکل اجڈ ہو اور جسے شہر میں بولی جانے والی زبان نہیں آتی۔ ایڈورڈ نے کاؤنٹر کو ایک کپڑے سے صاف کیا۔ اس کے بھدے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی' کریگ نے اپنے بٹوے سے کئی نوٹ نکال کر ہاتھ میں تھام لیے اور مٹھی بند کرکے ایڈورڈ کی طرف بڑھادی لیکن وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گیا۔

''مجھے پتا نہیں کہ تمہاری مطلوبہ اشیاء کہاں مل سکتی ہیں۔ یہ میری لائن نہیں ہے۔'' ایڈورڈ نے جواب دیا اور کریگ نے رقم دوبارہ جیب میں رکھ لی' وہ اپنے منصوبے کے پہلے حصے پر عمل کرچکا تھا' اس نے شراب کی ایک بوتل خریدی اور بار سے نکل کر ہوٹل چلا آیا۔ اس اسے اپنے کمرے میں کسی بات کا انتظار کرنا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ ایڈورڈ نے مجرموں سے رابطہ قائم کرلیا ہوگا اور جیسے ہی ایڈورڈ کو کریگ سے معاملہ طے کرنے کی اجازت مل گئی وہ خود اس کے کمرے میں آئے گا۔

کریگ اپنے بستر پر بیٹھ کر شراب کی چسکیاں لینے لگا۔ اس نے بار میں خاصی شراب پی لی تھی لیکن ملھن کے استعمال کی وجہ سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا چند منٹ بعد بیب اس کے کمرے میں آئی۔

''تمہارا ہونے والا شوہر نما دوست کہاں ہے۔'' کریگ نے مسکرا کر پوچھا۔

''کام پر گیا ہے۔'' بیب نے کہا۔ ''کیا خیال ہے۔ کچھ پلاؤ گے نہیں۔''

کریگ سوچ رہا تھا کہ بیب خلاف توقع ہی نازل ہوئی ہے۔ اسے کسی انجانی بے چینی نے آگھیرا کریگ نے شراب اور پانی کو ملا کر پیگ بنایا اور بیب کے ہاتھ میں تھمادیا۔

''تم بہت تنہا زندگی گزارتے ہو۔'' نیلی آنکھوں والی بیب کمرے کا جائزہ لیتی ہوئی اس سے کہہ رہی تھی۔ ''تم اپنی خوشیوں کے لیے کیا کرتے ہو۔''

''شراب میں دھت رہتا ہوں۔''

''ظاہر ہے تمہارے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں لیکن.....''

''لیکن کیا۔'' کریگ نے پوچھا۔

''دراصل میں آج کی رات بالکل فارغ ہوں۔ اگر تم کچھ رقم خرچ کرسکو۔''

''اوہ نو۔ تمہارا شکریہ۔ میں بھی رات کو مصروف ہوں۔'' وہ ہنس دیا۔

''اوکے۔ ڈرنک کے لیے شکریہ۔ میں بھی چلی۔'' ایک ہی منٹ بعد میڈ یگی نے دروازے سے کمرے میں جھانکا۔ ''ہلو جانی۔'' وہ کسی بلبل کی طرح چہچہائی۔ ''میں پھر کبھی تمہارے کمرے میں رقص کی مشق کروں گی۔ آج رات بہت مصروف ہوں۔'' وہ بھی چلی گئی اور کریگ مسکرادیا۔ نصف گھنٹے بعد موٹی شیرن کریگ کے کمرے میں آدھمکی۔

''ہلو شیری۔ کچھ پیوگی۔'' کریگ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ میں تو اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤں ویسے ہی موٹی ہورہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور

اس نے اپنی تھل تھل کرتی ہوئی رانیں دوسری کرسی پر رکھ کر ہلاتے ہوئے پوچھا۔ ''نیو آرلینز تمہیں کیسا لگا۔''

''ٹھیک ٹھاک ہی ہے۔'' کریگ نے کہا۔ ''لیکن ذرا مشکل شہر ہے۔''

''کیا مطلب۔'' شیرن نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے گھورا۔

''یہاں کچھ چیزیں بہت مشکل سے ملتی ہیں۔''

''چیزیں۔ کس قسم کی۔''

''بس کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے شاید تم واقف نہیں ہو۔'' کریگ کا جواب سن کر شیرن نے بے پروائی سے اپنے کندھے ہلائے۔ ہوٹل میں خاموشی تھی۔ اسی خاموشی میں نیچے سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ شیرن مسکراتی ہوئی اٹھی اور دروازے سے نکلتے ہوئے بولی۔ ''ڈیئر۔ ضروری نہیں کہ شہر میں تمہاری مطلوبہ چیزیں نہ مل سکیں۔''

ایک منٹ بعد کریگ بھی اٹھ کر اپنے دروازے تک گیا۔ اس نے دوسرے کمروں کا جائزہ لیا سب دروازے بند تھے اور ان کی درزوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی تھی۔ نیچے ہال میں موجود کئی نوجوان اب مرکزی دروازے سے باہر جارہے تھے۔ ان کے چہرے سپاٹ اور بے جان نظر آئے یقیناً وہ سب نشے میں تھے۔ وہ ہیروئن کے انجکشن لگوانے ہوٹل آئے تھے' سوال اب بھی صرف یہ تھا کہ اس کاروبار کا سرغنہ کون ہے۔ کوئی لڑکی ملکہ ہے یا کوئی مرد بادشاہ۔

اسے اچانک ہی سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور کریگ اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ کوئی اس کے دروازے پر لمحے بھر کو رکا اور پھر کمرے میں داخل ہوگیا۔ ویلس اس کے روبرو تھا۔

''واہ۔ خدا اسے خوش رکھے۔'' کریگ کے منصوبے کا پہلا مرحلہ کامیابی کے قریب تھا۔

''تمہیں کیا چاہیے۔'' ویلس نے پوچھا۔

''ہارس۔''

''پندرہ ڈالر۔'' ویلس نے مختصر سا جواب دیا۔

''مگر یہ تو بہت مہنگا سودا ہے۔'' کریگ نے احتجاج کیا۔

''تو پھر چھوڑو۔ میں جارہا ہوں۔'' ویلس نے دھمکی دی اور کریگ نے اب کسی چاپلوس شخص کی طرح اداکاری شروع کردی۔ ''ارے ناراض کیوں ہوتے ہو۔ مجھے اس کی طلب محسوس ہورہی ہے..... میں۔'' کریگ نے بہت عجلت کے عالم میں پندرہ ڈالر ویلس کو دیے جیسے اگر وہ چلا گیا تو کریگ کی کوئی عزیز ترین ہستی جدا ہوجائے گی۔ ویلس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالا جس میں ایک چمچہ اور ایک سرنج تھی۔ کریگ پر کپکپاہٹ سے طاری ہونے لگی۔

''آستین اوپر چڑھالو۔'' ویلس نے ہدایت کی۔

''نہیں۔ میں خود لگالوں گا۔'' کریگ کا کھیل بگڑنے لگا تھا۔ ''میرے پاس اپنی سوئی ہے اور میں انجکشن خود لگانے کا عادی ہوں۔''

''مگر ہم اس طرح کام نہیں کرتے۔'' ویلس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے تم نشہ چاہتے ہو وہ میں تمہیں فراہم کررہا ہوں لیکن تم اسے تمہیں استعمال کروگے' باہر نہیں لے جاسکتے۔''

کریگ نے اس وقت خود کو بہت کمزور محسوس کیا' واقعی مجرم بہت چالاک ہیں۔ اگر میں انجکشن لگوالیتا ہوں تو پھر بے ہوش ہوجاؤں گا۔ اس حالت میں ممکن ہے کہ منہ سے کوئی سچی بات نکل جائے اور میں مارا جاؤں لیکن اگر انجکشن لگوانے سے انکار کیا تو وہ مشکوک ہوجائیں گے۔

''مگر میں انجکشن خود لگاتا ہوں۔'' کریگ نے پھر اصرار کیا۔ اس کی بات سن کر ویلس پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تو میرا خیال درست ثابت ہوا۔'' کریگ کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ویلس کے اس جملے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے لیکن اس نے اپنے اعصاب قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''چلو ٹھیک ہے تم ہی لگادو۔''

اس نے دیکھا کہ ویلس نے لفافے سے سفید رنگ کا پوڈر نکال کر سرنج میں موجود کسی بے رنگ

سیال میں حل کرنے کے بعد اسے گرم کیا اور پھر سوئی سرنج پر لگاتے ہوئے کہا۔ ''اب تمہیں چین آجائے گا۔'' اس نے سوئی کریگ کے بازو میں چبھودی۔
کریگ کو ایک ہی سیکنڈ بعد روشنیوں کے سیلاب نے آگھیرا۔ اس کے پورے جسم میں ایک ایسی اجنبی سنسنی ہو رہی تھی جس سے وہ پہلے کبھی واقف نہیں ہوا تھا' ویلس نے سرنج نکال کر اس کی آستین نیچے کی اور پھر بڑبڑایا۔ ''میں اب تم سے بعد میں نمٹوں گا۔
ویلس کمرے سے چلا گیا۔ کریگ اپنے ہوش و حواس بحال رکھنے کی جدوجہد کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ مجرم بہت ہی ہوشیار ہیں وہ کوئی ثبوت نہیں چھوڑتے۔ وہ اپنے ہاتھ سے انجکشن لگاتے ہیں تاکہ جرم کی شہادت رگوں میں دوڑنے والے خون میں حل ہوجائے' ان کے خلاف عدالت میں کچھ ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا' کریگ اوندھے منہ بستر پر گر پڑا اس کا ذہن بتدریج سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوتا جا رہا تھا۔ ہیروئن کے انجکشن نے اپنی تباہ کاریاں شروع کر دی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مجرموں نے مجھے ناکارہ بنا دیا ہے۔ نیند کے جھونکوں سے بچتے ہوئے کریگ نے دروازے کی طرف دیکھا وہ اندر آچکی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔
کریگ نقاہت کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہو سکا' بس بستر پر لیٹا اسے گھورتا رہا۔ اس نے کریگ کا بٹوا نکال لیا اور ہنستے ہوئے بولی۔ ''مجھے معلوم تھا تم کون ہو۔ تم نے اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے لیکن تم نے آج پبلک فون سے کس کو کال کی تھی' ڈن کریگ آف نارکوٹیکس اسکواڈ' تم سمجھتے تھے کہ ہم احمق ہیں لیکن' میرا ایک کارندہ چھپ کر تمہاری گفتگو سنتا رہا۔ اس کے تمہارا تعاقب کیا' تم نے بے کار ہی اتنا بہت سا مکھن کوڑے میں پھینکا۔''
ڈن کریگ نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی شیرن کی تھل تھل کرتی ہوئی رانیں ہمیشہ کی طرح اب بھی دوسری کرسی پر رکھی تھیں۔

''کریگ۔'' شیرن کہہ رہی تھی۔ ''ہم کوئی ثبوت چھوڑنے کے عادی نہیں تم ہمارے انتظامات کی تعریف تو کر دو۔ شاید تم ہمیں پکڑ لیتے لیکن تمہارے گال کے زخم نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ میرے ایک ایجنٹ نے پہلے ہی دن تمہیں پہچان لیا تھا۔'' شیرن نے چاکلیٹ جیب سے نکال کر اسے پھاڑا اور ایک چاکلیٹ چباتے ہوئے بولی۔ ''چند منٹ بعد ہم تمہیں مار دیں گے میرے آدمی تمہیں باآسانی یہاں سے نکال لے جائیں گے۔ لہٰذا خدا حافظ ڈارلنگ۔''
کریگ نے دروازے پر کسی دوسرے کے قدموں کی چاپ سنی' ویلس ایک مرتبہ پھر کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں رسی تھی۔ کریگ نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی مگر وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔
''اسے باندھ دو۔'' شیرن نے ویلس کو حکم دیا۔ ویلس کے بازو کریگ کی طرف بڑھے لیکن اچانک ہی کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور کسی نے ویلس کو للکارا۔ ''ڈن کریگ سے دور رہو۔'' دروازے پر این کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک پستول چمک رہا تھا ویلس' این کی طرف لپکا۔ کریگ نے بہ مشکل گردن اٹھا کر این کو دیکھا۔ ویلس دیوانگی کے عالم میں این کی طرف لپک رہا تھا لیکن ابھی وہ لڑکی سے تین فٹ دور تھا کہ این نے گولی چلا دی۔ ویلس گھٹنوں کے بل جھکا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔
''کتیا کی بچی۔'' شیرن' این کی طرف پلٹی۔
''اب اگر تم نے بھی حماقت کی تو ویلس کے ساتھ تم بھی فرش پر نظر آؤ گی۔'' این نے انتہائی سرد لہجے میں خبردار کیا' شیرن کا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا مگر اب وہ رو رہی تھی اور اس کا موٹا جسم ہچکیوں کی وجہ سے انتہائی بے ڈھنگے انداز میں ہل رہا تھا۔ چند منٹ بعد کہیں دور سے پولیس کاروں کے سائرن سنائی دیے جو بتدریج قریب آرہے تھے۔ کچھ دیر بعد ہوٹل پولیس والوں سے بھر گیا۔ ایرک سب سے آگے تھا۔ انہوں نے شیرن اور این کو حراست میں لے کر ویلس کی لاش مردہ خانے بھیج دی۔

اسپتال میں کریگ کو ہیروئن کے نشے سے نکالنے کے لیے ضروری دوائیں دی گئیں۔

چند گھنٹے بعد ہی اس کی طبیعت بحال ہوگئی۔ اسے مردہ گھر لے جایا گیا۔ جہاں اس نے ویلس کی لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ہیروئن کا سفوف' سرنج اور سوئی تینوں اب بھی ویلس کے جیب میں موجود تھیں۔

شیرن سب کچھ اگل چکی تھی اور این..... وہ کسی سوچ میں گم اسپتال کے ویٹنگ روم میں بیٹھی تھی۔ اس وقت کریگ کو یوں لگا جیسے قدیم یونانی دیو بالا کی کوئی دیوی بیٹھی ہے۔ وہ کھنکارا' این نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور چند سیکنڈ بعد بولی۔ ''میں نے ویلس کو تمہارے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا' میں نے دیوار سے کان لگا کر سب کچھ سن لیا اور جب شیرن نے تمہارے کمرے میں جا کر دروازہ بھیڑا تو مجھے احساس ہوا کہ تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور پھر.....''

''شکریہ این۔'' کریگ کو اندازہ تھا کہ شکریے کا صرف ایک لفظ ان احساسات کا مظہر نہیں جو کریگ پر طاری تھے۔

''پولیس کا کہنا ہے کہ اسے فرد جرم عاید کرتے ہوئے وقت عدالت میں میری ضرورت ہوگی وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف ایک رسمی کارروائی ہوگی۔

''بالکل ٹھیک این!'' کریگ نے دھیرے سے کہا۔ ''اس کام میں تمہیں زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگیں گے اور پھر تم آزاد ہوگی۔''

''اچھا۔ اب میں جارہی ہوں۔'' وہ بھی ہولے سے بولی۔

''مگر کہاں۔؟''

''پتا نہیں۔ اب مجھے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔ میں اس گندے پیشے میں اب نہیں رہوں گی۔''

''مجھے خوشی ہوگی این کہ تم اس مکروہ کاروبار سے الگ ہو جاؤ۔'' کریگ نے کہا۔

''خدا حافظ کریگ۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی کریگ نے دیکھا کہ ایک انتہائی پروقار عورت دروازے کی طرف جارہی ہے' اس نے ایک انتہائی معصوم اور بہت خوبصورت عورت کو جاتے ہوئے دیکھا۔ اس عورت نے کریگ کی زندگی بچانے کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگادی تھی کریگ اسے آواز دی۔

''سنو این' تم نے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا تھا۔''

''مجھے تم سے محبت ہے کریگ۔'' اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ''میں نے اپنی محبت کو بچایا تھا۔''

کریگ نے اپنے مضبوط بازو این کی کمر میں ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ این اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا کر رو پڑی۔

''بس ڈارلنگ۔ اب آنسو پونچھ لو۔'' کریگ نے اس کے کان چومتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو میں بھی تمہارے سامنے بے نقاب کھڑا ہوں۔''

این نے آنسو بھرا چہرہ اٹھا کر کریگ کو دیکھا وہ اس کی آنکھ میں کچھ تلاش کررہی تھی۔

''سنو این' میرے پاس ایک بہت پرانی انگوٹھی پڑی ہے انگوٹھی میں کبھی استعمال نہیں کرسکا۔ تم پہن لوگی۔'' کریگ نے انتہائی بھونڈے انداز میں اپنا مفہوم ادا کیا۔

''تم۔ تم جانتے ہو کہ میرا ماضی اور حال کیا ہے۔'' این نے آنکھیں موندلیں۔ وہ کریگ کے جواب کی منتظر تھی۔

''مجھے کوئی پروا نہیں این تم پہلے بھی معصوم تھیں اور اب بھی۔''

''کیا میں تمہیں خوش رکھ سکوں گی۔'' این کی آنکھوں میں پھر آنسو آنے لگے۔

''کیوں نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو خوش رکھیں گے ڈارلنگ' ایک دوسرے کی خوشیوں کا باعث بنیں گے۔'' کریگ نے اس کے بالوں کو چوم لیا۔ ''اور شادی والے دن میڈیگی ہمارے اعزاز میں رقص کرے گی۔'' این کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ مگر اس سے کہہ دینا کہ کپڑے پہن کر رقص کرے۔''

قاتل چکور

عابد علی سید

صنوبر کے درخت جنگل کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے۔ پرانے درختوں کے ساتھ ساتھ نئے پودے بھی پھوٹ رہے تھے اجنبی نے جولی کا بازو تھام کر اسے ایک جھنڈ کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ درختوں کی شاخیں لڑکی کے چہرے سے ٹکرانے لگیں۔

اس شمارے کے لیے.....ایک دلچسپ تحریر

اس رات تنہا گھر جاتے ہوئے وہ بہت اداس تھی۔ شاید چودھویں کا چاند ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے اعصاب پر افسردگی طاری کر رہا تھا۔ اس کی پرانی کار اب پورٹولا کے راستے پر چل رہی تھی۔ پھر اس نے بہت دور سان فرانسسکو اور خلیج کی بتیاں دیکھیں۔ وہ یہاں رکی نہیں کیوں کہ جب بھی ڈون کے ساتھ اس راستے پر سفر کرتی۔ وہ کبھی اپنی گاڑی یہاں نہیں روکتا تھا۔ آج نہ جانے کیوں وہ دوبارہ اس راستے سے نہ گزرنے کا عزم کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گھر جانے کا یہ راستہ بہت طویل ہے۔ ایسے ان تفریحی مناظر میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی جو اس راستے میں پڑتے تھے۔ جولی یہ سوچ کر ہی ڈر گئی کہ اتنی رات گئے اگر گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا تو وہ کیا کرے گی۔ اس نے خود کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آخر اس راستے سے آنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر یہ چودھویں کا چاند بھی غضب ڈھا رہا تھا۔ اس کی خفتہ امنگیں آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے بہنے لگیں۔

اس نے ایک موڑ کاٹا اور گاڑی اب پہاڑی کی ڈھلائی پر چلنے لگی۔ اس کے ایک طرف کھائی تھی اور دوسری طرف سنگلاخ چٹانوں کا سلسلہ بیچ میں پتلی سی سڑک پر اس کی چھوٹی سی گاڑی دوڑ کیا رہی تھی بس رینگ رینگ کر بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں تفکرات کا ایک لامتناہی جال تھا جو اعصاب کو بتدریج کمزور کر رہا تھا۔ بھلا اس دنیا میں ایسا کون شخص ہے جو میری محبت کا جواب محبت سے دے اور میں ایک خوب صورت سا خاندان بنا سکوں بات صرف جسمانی مسرتوں کی نہیں۔ ایک گھر بنانے کی تھی چھوٹا سا سہی گھر بہر حال انسان کو تحفظ اور محبت دونوں ہی دیتا ہے۔ وہ کوئینز ڈرائیو ان میں کام کرنے کے دوران ڈون سے ملی تھی لیکن وہ بھی عام مردوں جیسا نکلا۔ بے وفا۔ وہ پرفضا پہاڑی مقام پر اپنی سہیلی شیری کے ساتھ رہتی تھی۔ یہ اپارٹمنٹ اگرچہ ایک تنگ موڑ پر تھا تاہم وہاں گاڑیاں پارک کرنے کی گنجائش موجود تھی۔ اپارٹمنٹ پر نظر پڑتے ہی جولی نے سکون کا سانس لیا اور گاڑی پارکنگ ایریا کی طرف موڑنے لگی لیکن شاید اس نے موڑ کاٹتے ہوئے اندازے میں غلطی کی تھی چنانچہ کار کا اگلا وہیل پکی سڑک سے اتر گیا اور پچھلا پہیہ دوسری کوشش میں پہاڑی سے ٹکرا گیا اس نے جھنجلا کر سوچا کہ ڈون کس مہارت سے یہاں گاڑی پارک کر لیا کرتا تھا۔

اس نے ترچھی گاڑی کو سیدھا کرنے کے لیے ایک اور کوشش کی۔ اسی دوران اس نے دیکھا کہ ایک شخص بڑی دلچسپی سے اسے گھور رہا ہے۔ وہ کچھ اور جھنجلا گئی۔ اس نے سوچا کہ یہ مرد اس کا تمسخر اڑا رہا ہے۔ اس نے طیش کے عالم میں گیئر بدلنے کی کوشش کی لیکن گاڑی تھوڑا سا اچھلی اور انجن بند ہو گیا۔ اب وہ واقعی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گاڑی اب پہاڑی ڈھلوان کی طرف رینگ رہی تھی۔

''میں آپ کی مدد کردوں۔'' اجنبی نے مسکراتے ہوئے پکارا۔ ''نو تھینک یو۔'' اس نے اتنا ہی کہا لیکن اجنبی نے اس کا جواب سنے بغیر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔ ہینڈ بریک لگایا اور پھر اسے دوسری نشست پر دھکیلتے ہوئے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اجنبی نے ہاتھ کی معمولی سی جنبش سے انجن اسٹارٹ کیا اور ہینڈ بریک ریلیز کرتے ہوئے کلچ چھوڑنے لگا۔ اس نے کار سیدھی کی اور سڑک پر لے آیا۔

''دیکھا تم نے۔ کتنی آسان ترکیب تھی۔'' اجنبی نے کہا' وہ مسکرا رہا تھا۔ ''کہاں جا رہی ہو۔''

''کہیں نہیں۔ میں گاڑی پارک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تم گاڑی روک دو۔''

''یہاں پارکنگ کی جگہ نہیں ہے۔'' اجنبی نے دانت نکال کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں بلا کی کشش تھی۔ وہ واقعتاً بے حد حسین شخص تھا۔ ''ہم ایسی جگہ تلاش کریں گے جہاں پارکنگ کے لیے جگہ ہی جگہ ہو۔''

''دیکھو۔ وہاں خاصی گنجائش موجود ہے۔'' جولی نے ایک کھلی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہاں گاڑی لے چلو۔''

مگر اجنبی خاموش رہا۔ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

جولی کو اس وقت اجنبی بہت مختلف لگا' کسی بھیڑیے کی مانند۔ طویل القامت' سیاہ اور وحشی۔ اسے یوں لگا جیسے یہ شخص شکار کرنے کے لیے جھاڑیوں میں گھات لگا کر بیٹھنے کی بجائے براہ راست حملہ کرتا ہو۔

''تم کیا چاہتے ہو۔'' جولی نے پوچھا۔ گاڑی اب بھی چل رہی تھی۔

''آہ۔ پیاری جولی۔ یہ ہماری رات ہے۔ حسین رات۔ خوابوں کی رات۔ یہ دیکھو چودھویں کا چاند بھی ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

جولی نے بڑے تعجب سے اسے گھورا' وہ جولی کے لیے اجنبی تھا مگر اس کے نام سے پتہ نہیں کس طرح واقف ہو گیا تھا' اجنبی نے موڑ کاٹتے ہوئے کار کو کچھ زیادہ ہی لہرایا اور جولی ایک جھٹکے سے اس کی

آغوش میں آ گری۔ اجنبی کا ہاتھ جولی کے سینے پر تھا۔ وہ بہت مضبوط شخص لگا۔

''دیکھو۔ گاڑی ذرا احتیاط سے چلاؤ۔ ان کے ٹائر پرانے ہوگئے ہیں۔'' جولی نے اس کی آغوش میں کسمساتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے۔ تم خوفزدہ ہو۔'' اجنبی نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں خطرات سے کھیلنے کی عادی ہوں۔'' جولی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ رات کے پچھلے پہر ٹریفک بہت کم تھا لیکن پھر بھی کچھ گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ یہ شخص کچھ سنکی سا ہے۔ ''سنو نوجوان! اگر میں نے ذرا سا بھی شور مچایا تو تم دھر لیے جاؤ گے۔''

اجنبی کا ہاتھ اس کے سینے سے ہٹ کر اب جولی کے حلق پر آ گیا وہ بڑے بھیانک لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''چلانے کی کوشش تو کرو۔''

جولی نے سوچا کہ اس شخص سے ہاتھا پائی فضول ہے۔ وہ اپنا کھیل کھیلنا چاہتا ہے تب ہی جولی نے اپنے ذہن کو آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرلیا۔ ''تم مجھے بہت اچھے لگے۔ بہت طاقت ور ہو۔'' وہ جولی کی اس بات پر خوش ہوگیا۔ ہر مرد اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے۔ ''تم واقعی بہت مضبوط ہو۔ میں تم جیسے مردوں کو پسند کرتی ہوں۔''

اجنبی نے خوشی میں ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''مجھے معلوم تھا میں جانتا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔ تم بھی ایسی ہی لڑکی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔''

جولی نے سوچا کہ یہ بندر کس یقین کے ساتھ باتیں کر رہا ہے جیسے میں اسے برسوں سے جانتی ہوں۔ ''تم مجھے کب سے جانتے ہو۔''

''آہ۔ اس پہلی حسین رات سے جب ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ اس رات بھی چودھویں کا چاند تھا۔ میں کوئینز ڈرائیوان میں چائے پینے کے لیے رکا تھا۔ تم نے میرے ہاتھ کو چھوا۔ تم نے مجھے ایک چمچہ بھی دیا تھا۔ بس اسی وقت سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔''

جولی نے بہت کوشش کی کہ اسے کوئی بات آ جائے لیکن ظاہر ہے کہ وہ ڈرائیوان کے کاؤنٹر پر کرنے کی وجہ سے روزانہ ہی بہت سے لوگوں کو اور پیالیاں دیا کرتی تھی۔ اس نے کبھی کسی شخص پر نہیں دی جس سے سمجھا جائے کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ بظاہر ایسا لگتا تھا جیسے اس شخص سے چمچہ لیتے وقت ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ جولی اس کی ایسی ہوگئی ہے اس وقت کار میں وہ سوچ رہی تھی کہ اس اجنبی سے ذرا محتاط رہے اور اس سے نجات کی ترکیب نکالے۔ اجنبی کا ہاتھ اب بھی جولی کی گردن ہی پر تھا۔

''ہاں جولی۔'' وہ بڑے رومانی انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''ہم اسی رات ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے تھے لیکن تمہارے دوست نے تمہیں آواز دے لی۔ تم اس سے شادی کرسکتی ہو۔ میرا خیال ہے نہیں۔ تم اور میں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے ہیں اور آج کی رات ہم دونوں کے خوابوں کی رات ہے۔ جولی ہم نے اس رات کا کتنا انتظار کیا۔ کیوں۔''

''ہاں۔ یہ بہت طویل انتظار تھا۔'' جولی نے ہاں میں ہاں ملائی وہ اجنبی کے جال کو خود اسی کے خلاف استعمال کرنا چاہتی تھی۔

''آج رات تمہارا دوست تمہیں گھر چھوڑنے نہیں آیا۔''

''نہیں۔ وہ کبھی کبھی مجھے چھوڑنے آتا ہے۔''

''ہاں۔ مگر آج کی رات ہماری ہے۔'' وہ پھر رومانی ہوگیا۔ ''دیکھو چاند کتنا خوب صورت لگ رہا ہے۔''

جولی نے سوچا کہ اس شخص سے نمٹنا ذرا مشکل ہوگا۔ یہ محض نوجوان جذبوں کا معاملہ نہیں تھا۔ اجنبی یقینی طور پر کچھ دیوانہ سا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی اجنبی کا انداز اختیار کرلیا۔ ''ہاں۔ یہ ہمارا چاند ہے۔ ہمارا اپنا.....''

''ہم نے آٹھ مہینے تک آج کی رات کا انتظار کیا۔ ایک دوسرے کو دور ہی دور سے دیکھتے رہے لیکن آج کی رات کے منتظر رہے۔'' وہ خواب ناک انداز میں جولی کی گردن کے نیچے ہاتھ لے گیا۔ وہ کچھ ٹٹول رہا تھا۔ جولی کو لگن آنے لگی مگر وہ سوچ رہی

تھی کہ لوگوں کو ایک بار دیکھ کر دوبارہ سامنے آنے پر وہ انہیں با آسانی پہچان لیتی ہے اور یہ اس کی ملازمت کا ایک حصہ رہا ہے۔ نہ جانے یہ اجنبی کب اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''تم مجھے دیکھتی تھیں۔ کن انکھیوں سے۔'' وہ گاڑی چلاتے ہوئے اب جولی کے بالوں سے کھیل رہا تھا۔ ''میں ایک لڑکی کے ساتھ آیا تو تم جل گئی تھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں لڑکی سے حسد ہونے لگا تھا لیکن یہ بات کسی اور کو نہیں معلوم میں بھی خاموش رہا۔ تمہاری طرح مجھے بھی آج کی رات کا انتظار تھا۔'' اجنبی نے طویل سانس لی۔ ''میں جان بوجھ کر صرف ایک مرتبہ تمہارے کاؤنٹر پر آیا کیوں کہ تم مجھے جتنا زیادہ دیکھتیں اتنا ہی شب وصل کے لیے تڑپتیں۔'' اب جولی کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ وہ اس اجنبی کو کیوں نہیں پہچان سکی وہ کاؤنٹر صرف ایک مرتبہ آیا تھا اور بس۔ ''اور جولی۔ میں جس رات تمہارے کاؤنٹر پر کھڑا تھا باہر چودھویں کا چاند ہم دونوں کا منتظر تھا اور آج بھی چاند پر جوبن ہے۔ ہم دونوں بھی تو جوان ہیں۔ بالکل چاند کی طرح۔''

جولی کے ذہن میں اچانک طوفان سا آ گیا' وہ اس اجنبی کو پہچان گئی تھی۔ ''تم مگر.....'' اس نے جان بوجھ کر جملہ مکمل نہیں کیا کیوں کہ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کی زندگی اور موت کا فاصلہ کم ہو جائے۔ گزشتہ دو سال کی مدت میں سان فرانسسکو کی چار کنواری لڑکیاں انتہائی سنگدلانہ انداز سے قتل کی جا چکی تھیں۔ ہر قتل چودھویں کی رات ہوا۔ اخبارات نے قاتل کو 'چاندنی کا قاتل' قرار دیا تھا۔ ایک اخبار نے اسے قاتل چکور تک لکھ دیا تھا۔ چوتھی لڑکی کا قتل عین اسی روز ہوا جب جولی اور ڈون کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اسے ڈون سے پیار تھا ڈون شہر کے دوسرے لڑکوں سے قطعی مختلف ثابت ہوا۔ بہر حال اس طرح قاتل چکور کی آخری شکار نوماہ قبل اس کا نشانہ بنی۔ اس کے ٹھیک ایک ماہ بعد اس نے پانچویں شکار کے لیے جولی کا انتخاب کیا' وہ سوچ رہی تھی کہ میں پانچواں شکار ہوں یا

مجھے آٹھ ماہ سے دیکھ رہا تھا۔

''تم کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔'' اجنبی نے اسے چونکا دیا۔ ''میرے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔''

''ہاں۔'' جولی نے خود کو سنبھالا اور ایک ہی لمحے میں اس نے بات بنائی۔ ''میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم بہت وجیہ جوان ہو۔ میرے ملنے والے تمام لڑکوں سے زیادہ شاندار لیکن پھر اس وجہ سے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکی کہ اتنی مختصر.....''

''نہیں۔'' اس نے جولی کی بات کاٹ دی۔ ''تم مجھے وہی کہنا چاہتی تھیں جو اخبار والے لکھتے ہیں۔ کیوں۔'' اجنبی نے گاڑی کھڑی کر دی۔ اس کا دوسرا ہاتھ اب پھر جولی کے گلے پر آ گیا۔ ''بولو۔ تم یہ ہی کہنا چاہتی تھیں۔''

''یہ کیا بے وقوفی ہے۔'' جولی نے اس کا ہاتھ اپنی پتلی گردن سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' وہ غرایا۔ ''یہ بے وقوفی نہیں۔'' مگر پھر ایک ہی لمحے بعد اس نے جولی کو آزاد کر دیا۔ وہ اس کا گلا نہیں گھونٹنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے کہ اگر تم جانتی ہو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شاید تم نے بہت پہلے مجھے پہچان لیا تھا کیا تم اخباروں میں چھپنے والی اخراجات پر یقین کرتی ہو۔''

''نہیں۔ بالکل نہیں۔'' جولی نے اس مرتبہ اجنبی کے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر محسوس کیے لیکن وہ اس کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہ کرنے کا عزم کر چکی تھی کیونکہ یہ محض حماقت ہوتی۔ یقیناً پچھلی چاروں لڑکیوں نے یہی غلطی کی تھی۔ قاتل چکور نے گاڑی دوبارہ چلا دی۔ جولی کو اس علاقے کے بارے میں زیادہ کچھ علم نہیں تھا لہٰذا وہ نہیں سمجھ سکی کہ اجنبی اسے کہاں لے جا رہا ہے' سڑک بالکل سنسان تھی۔ وہ آج تک ڈون کے ہمراہ بھی اس راستے سے نہیں گزری تھی۔

''میں ان لڑکیوں کو نہیں مارنا چاہتا تھا۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''انہوں نے مجھے دوستی پر آمادہ کیا لیکن یہ لڑکیاں بہت ہٹیلی ثابت ہوئیں۔ وہ بہت

معصوم تھیں۔ ان میں سے پہلی کا نام شاید لوسی تھا۔ پتہ نہیں میں نے انہیں کیوں مار دیا۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ میں تو کسی کو خراش تک نہیں پہنچانا چاہتا لیکن انہوں نے مجھے اپنے ہی قتل پر مجبور کیا لیکن جولی تم ایسا نہیں کرو گی۔'' اس نے بہت پیار سے جولی کے سیب جیسے سرخ گال پر چٹکی بھری۔ ''ہم ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں کیوں ٹھیک ہے نا۔ آخر مجھے ایسی لڑکی مل ہی گئی جس کی مجھے برسوں سے تلاش تھی۔''

جواب میں جولی اچانک ہی رو پڑی۔ مرد کے ہاتھ کا دباؤ اس کے نرخرے پر پھر بڑھ گیا اور وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی یہ غلطی جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے لیکن اب اس سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت دہشت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال سکتی تھی۔ جولی نے مرد کو لاتیں مارنا شروع کردیں وہ دعا کر رہی تھی کہ کار ایک دھماکے کے ساتھ ٹکرا جائے اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگیں لیکن اس نے کار روک دی اور جولی کو مسلسل تھپڑ مارنے لگا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی اور قاتل چکور اسے اتنی ہی شدت سے زدوکوب کر رہا تھا جولی اپنی سیٹ پر اوندھے منہ گر گئی۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ایک لمحے بعد کار پھر چل دی جولی کو تعجب ہی ہوا کیوں کہ وہ خاتمہ قریب سمجھنے لگی تھی۔ اس قسم کے تجربات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ جولی کو کبھی یہ شک بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ زندگی کے کسی مرحلے پر اتنی غیر محفوظ بھی ہوسکتی ہے۔ وہ خود کو بہت بہادر سمجھتی تھی اور اسی باعث اس نے ایک دن ڈون کو جھڑک دیا تھا کہ میں اپنا تحفظ خود کرسکتی ہوں۔ کیلی فورنیا میں اس کے گھر والے بھی ہمیشہ اسے ننھی بچی سمجھتے تھے حالانکہ وہ جوان ہوگئی تھی۔ اس کا پورا خاندان اس سے بے انتہا پیار کرتا تھا لیکن وہ خود کو پابندیوں سے آزاد دیکھنا چاہتی تھی۔ جولی اور شیری تعطیلات گزارنے لاس اینجلز گئے جہاں شیری کی چچی رہتی تھیں۔ خاندان والوں کی نظر میں یہ دونوں لڑکیاں چند ہفتوں کے لیے گھر سے جارہی ہیں لیکن وہ دونوں ہی فیصلہ کرچکی تھیں کہ گھر واپس نہیں آئیں گی۔ انہوں نے ایک شاندار مستقبل کے خواب دیکھے وہ ہالی ووڈ کے کسی اسمارٹ اور ہینڈسم اداکار کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی تھیں لیکن چند ہی دنوں بعد انہیں علم ہوگیا کہ ہالی ووڈ میں سچی محبت اور رفاقت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ ہر مرد انہیں حسین لڑکی سمجھ کر رات بسر کرنے کی حد تک تو آمادہ تھا لیکن مستقل ساتھ پر نہیں۔ دونوں ہی نے خود کو ایسی راتوں سے بچائے رکھا لیکن تجربات نے انہیں بہر حال مایوسی ہی دی۔ سان فرانسسکو میں حالات بہر حال کچھ بہتر تھے۔ کوئیز ڈرائیوان میں چند ہفتے کی ملازمت کے بعد ہی جولی نے گھر واپس جانے کا تہیہ کرلیا لیکن ایک دن پیٹرول پمپ پر اس کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی لڑکا جولی کے دل میں بس گیا۔ وہ اس سے دوسری مرتبہ بھی ملنے کے لیے بے چین ہوگئی اور پھر اسی شام اپنی گاڑی لے کر پیٹرول پمپ پہنچ گئی۔ حالانکہ پیٹرول کی ٹنکی میں صرف دو لیٹر پیٹرول ہی کی گنجائش باقی تھی جلد ہی وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔ ڈون اس کے خوابوں کا شہزادہ تو نہیں تھا۔ وہ طویل القامت ساتھی کے جنون میں مبتلا تھی لیکن نہ جانے کیوں یہ پستہ قد اور دبلا پتلا لڑکا اسے جا گیا اور وہ تصورات کی دنیا سے نکل کر ڈون کو ٹوٹ کر چاہنے لگی ایک دن جولی کی ڈون سے لڑائی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ جولی کوئیز ڈرائیوان کی ملازمت چھوڑ دے کیوں کہ وہاں اچھے برے ہر قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ یہ بات جولی کو بری لگی اور وہ ڈون سے لڑ بیٹھی۔ ڈون نے بھی طیش میں آکر اس سے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اس وقت ڈون بھی غم و غصے سے زرد پڑ گیا تھا اور جولی رونے لگی تھی۔

وہ رو تو اس وقت بھی رہی تھی جب قاتل چکور نے کہا۔ ''مجھے لڑکیوں کو مارنا پیٹنا بہت اچھا لگتا ہے۔'' جولی انتہائی تکلیف کے باوجود نشست پر دوبارہ بیٹھ گئی۔ کار شہر سے باہر آچکی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف دور دور تک کوئی عمارت نہیں نظر آئی۔ سڑک کے ادھر ادھر صنوبر کے درخت تھے اور سڑک پر کار کی ہیڈ لائٹس کے باوجود دھند کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

''تم بہت تند مزاج ہو۔'' مرد کی آواز میں غصہ نہیں تھا۔ ''بالکل ان عورتوں کی طرح جو اپنے مردوں سے ہر وقت لڑتی رہتی ہیں۔ مجھے ایسی ہی عورتیں پسند ہیں۔'' جولی اس کی بات سن کر کچھ نہیں بولی' وہ خود کو ذہنی طور پر اس شخص سے نمٹنے کے لیے تیار کرنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ میں کبھی ہار نہیں مانوں گی لیکن مجھے ان غلطیوں کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے جو چار لڑکیاں کر چکی ہیں کچھ دور ایک موڑ نظر آیا۔ مرد نے رفتار کم کیے بغیر اسٹیئرنگ گھمایا۔ گاڑی ایک طرف جھکی' زور دار آواز سنائی دی اور کار جھٹکے کھانے لگی۔

''دیکھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ٹائر پرانے ہیں۔'' جولی نے کہا۔ مرد نے ہینڈ بریک استعمال کیا اور گاڑی کا انجن بھی بند کر دیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''آؤ۔ میرے ساتھ چلو۔'' اس نے صنوبر کے درختوں کی طرف اشارہ کیا جو جھنڈ کی شکل میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ جولی کو اندازہ ہو گیا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں سے باقی چار لاشیں ملی تھیں۔ ان ہی درختوں میں ایک پہاڑی اور کھائی بھی موجود تھی۔

''مگر ہم یہاں کار نہیں چھوڑ سکتے۔'' جولی نے کہا۔ ''ممکن ہے کوئی دیکھ لے یا کوئی بے دھیانی میں موڑ کاٹتے ہوئے ٹکر ہی مار دے۔''

''میں نے پارکنگ لائٹ کھلی چھوڑ دی ہیں۔ چلو اترو۔''

''نہیں۔ گاڑی ایک طرف پارک کر دو یا ٹائر بدل کر آگے چلو۔ ورنہ کسی سپاہی نے دیکھ لیا تو مصیبت آ جائے گی۔''

''کیا مطلب۔'' مرد غرایا۔ ''کیا تم بھی دوسری لڑکیوں کی طرح مجھے چھوڑ کر بھاگنا چاہتی ہو۔''

''نہیں۔'' جولی نے چاپلوسی سے کام لیا۔ ''میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم ہر کام قرینے سے کرو۔''

''دیکھو' تم بھی مجھے فریب دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم نے مجھے آٹھ ماہ تک ستایا' پیاسا رکھا اور اب چکمہ دینے.....''

''چھوڑو۔'' جولی نے اس کی بات اچک لی' وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی لیکن مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ ''جہنم میں گئی کار۔'' وہ دروازہ کھول کر اتر آئی۔ ''اگر تمہیں کار کی فکر نہیں تو پھر مجھے بھی نہیں۔''

قاتل چکور نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا۔ چاند کے چہرے پر ہلکے ہلکے بادل تھے۔ ایک کار بھی' تیز رفتاری کے ساتھ قریب سے گزری' وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ اجنبی کار کے ٹائر بدلنے پر راضی ہو جاتا تو وہ ضرور تک جاتی لیکن یہ امید بھی خاک میں مل گئی تھی۔ صنوبر کے درخت جنگل کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے۔ پرانے درختوں کے ساتھ ساتھ نئے پودے بھی پھوٹ رہے تھے۔ اجنبی نے جولی کا بازو تھام کر اسے ایک جھنڈ کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ درختوں کی شاخیں لڑکی کے چہرے سے ٹکرانے لگیں۔ اس کے موزے اور جوتے سب ہی ناکارہ ہو گئے۔ چہرے اور بازوؤں پر جگہ جگہ خراشیں نمودار ہونے لگیں۔ وہ اچانک ہی رک گیا مگر اب جولی کے بازو پر اس کی گرفت بہت سخت تھی۔ تکلیف کی وجہ سے وہ تقریباً رو پڑی۔ یہاں درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور وہ دونوں ایک چٹان کے دامن میں کھڑے تھے۔ نیچے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا۔ پہاڑی کے کنارے سے دور ہٹ گیا۔ اس نے جولی کو ایک مرتب پھر درختوں کے جھنڈ کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ اسی دھینگا مشتی میں جولی کا ہاتھ مرد کی پتلون سے ٹکرایا اور اس نے پتلون کی جیب میں پڑے ہوئے پرس کو انتہائی مہارت کے ساتھ نکال کر دور پھینک دیا۔ شاید کوئی یہ پرس دیکھ کر اس کی مدد کو آ جائے۔

وہ ایک ہموار جگہ رک گیا۔ ''یہ جگہ بہتر رہے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔'' قاتل چکور اپنے شکار سے اس کی مرضی معلوم کر رہا تھا۔

''بہت شاندار۔'' جولی نے خوفزدہ لہجے میں کہا لیکن کہتے ہی وہ کسی جنگلی ہرنی کی مانند بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس نے غلطی کی تھی' اس کا رخ جنگل کی طرف

تھا۔ وہ کسی گھناؤنی بات سے بچنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے تعاقب میں بہت تیزی سے دوڑا چلا آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ میں نے بھاگ کر غلطی کی' میں اس کی رفتار کا مقابلہ نہیں کر سکوں گی لیکن وہ دہشت کے عالم میں مسلسل بھاگ رہی تھی۔ تیز اور تیز۔ بہت تیز۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اب وہ جنگل سے نکل آئی ہے۔ سامنے ایک بھی درخت نہیں تھا۔ وہ رک گئی۔ ایک لمحے کے لیے۔ اس نے سوچا کہ یہ پہاڑی کا کنارہ ہے جہاں سے خطرناک کھائی شروع ہوتی ہے۔ وہ جنونی انداز میں کنارے پر بھاگنے لگی۔ کنارے پر بھاگتے بھاگتے اسے اچانک ہی خیال آیا کہ آگے بچ کر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ فوراً پلٹی لیکن کچھ ہی دور درختوں کے قریب وہ کھڑا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے کوئی چمکدار چیز نکالی جو پورے چاند کی روشنی میں جھلمل کر رہی تھی۔ یہ ایک استرا تھا۔

''یہاں آ جاؤ۔'' اس نے حکم دیا۔ مگر جولی فرار کا کوئی نیا راستہ تلاش کرنے لگی۔ دوسری طرف کھائی کا وہ حصہ تھا جو سمندر سے جا ملتا تھا۔ اس نے مرد کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور پہاڑی کے شگاف کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ کچھ دور پہاڑی دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ بیچ میں بہت نیچے سمندر موجزن تھا۔ اس نے پھر پلٹ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک درختوں کے پاس موجود تھا۔

''واپس آؤ۔'' وہ چلایا اور اچانک ہی جولی کو قاتل چکور کی کمزوری کا پتا چل گیا۔ وہ سمندر کھائی اور پہاڑی سے خوفزدہ تھا شاید ڈر رہا تھا کہ وہ جولی کو پکڑنے کی کوشش میں خود چالیس پچاس فٹ نیچے سمندر میں نہ گر جائے۔ ''میں محفوظ ہوں۔'' جولی نے سرخوشی کے عالم میں سوچا اور ہنسنے لگی۔ پتا نہیں' یہ خوف یا خوشی۔ مگر وہ مسلسل ہنس رہی تھی۔ زور زور سے قہقہے لگا رہی تھی۔

''یہ جگہ مجھے بہت اچھی لگی۔'' جولی نے چلا کر کہا۔ ''میں یہاں پوری رات گزار سکتی ہوں۔ پھر وہ ہمیں تلاش کر لیں گے۔ شیری یقیناً پولیس کو فون کر چکی ہوگی۔ پیٹرول کار میری گاڑی سڑک پر دیکھ کر ہی پورا علاقہ گھیر لے گی۔''

مرد نے استرا اپنی جیب میں رکھ لیا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی کھڑا رہا اور پھر چیخ کر بولا۔ ''وہ مجھے تلاش نہیں کر سکتے لڑکی میں جا رہا ہوں اور تم سے پھر کبھی نمٹوں گا۔'' وہ پلٹا اور صنوبر کے جھنڈ میں غائب ہو گیا۔

وہ جانتی تھی کہ مرد اسے جو دھمکی دے گیا۔ اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرے گا۔ ممکن ہے کہ پھر کبھی چودھویں رات وہ اسے پکڑ لے۔ سب سے اہم بات خود جولی کی ذات نہیں بلکہ یہ تھی کہ وہ جولی کے بعد بھی لڑکیوں کا شکار کرتا رہے گا۔ صرف وہ ہی قاتل سے واقف تھی۔ لہٰذا اس کی ذمے داری تھی کہ وہ اس وقت مزید دلیری کا مظاہرہ کرے اور قاتل کو روکے رکھے۔

''مجھے دھمکی مت دو احمق۔'' وہ بہت سوچ سمجھ کر چلائی۔ ''میں تم سے نمٹ لوں گی اور جب تم گیس چیمبر کی کرسی پر بیٹھو گے تو میں کھڑکی سے نظارا کروں گی۔'' وہ جواب کا انتظار کرتی رہی۔ صنوبر کے درختوں سے کچھ دیر تک کوئی آواز نہیں آئی۔ شاید وہ چلا گیا تھا مگر چار پانچ منٹ بعد وہ دوبارہ نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مرتبہ پھر استرا چمک رہا تھا۔

''غلطی تمہاری ہے جولی۔ تم نے مجھے اپنے حسن کا گرویدہ کیوں بنایا۔ تم آٹھ مہینے تک مجھے تنگ کرتی رہیں۔ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کی جھجک بتا رہی تھی کہ وہ ڈر رہا ہے۔ وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ اس کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ پھر اس نے استرا اپنے دانتوں میں دبا لیا اور پہاڑی کے کنارے پر پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگا۔ جولی اس صورت حال کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔ اس نے اپنے جوتے اتارے اور پہاڑی کو تقسیم کرنے والے شگاف کو چھلانگ لگا کر عبور کر گئی۔ اب وہ سمندر کی طرف اتر رہی تھی۔ بچپن کی شرارتیں آج بہت کام آئیں' وہ گھر کے قریب پہاڑی ٹیلوں سے اسی طرح با آسانی اتر جایا کرتی تھی۔ نیچے ایک طاق نما حصے پر پہنچ کر وہ رک گئی۔ وہ اب پہاڑی کے اوپر موجود تھا۔ اسی جگہ جہاں دس

منٹ پہلے جولی ستا رہی تھی۔

''ڈرتے کیوں ہو۔'' جولی نے اوپر دیکھتے ہوئے اسے للکارا۔ ''آگے بڑھو۔ نیچے اترو لیکن ذرا دھیان سے، تمہارا پیر پھسلا اور گئے سمندر کے اندر۔''

''تم میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکتیں۔'' وہ نیچے دیکھتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا۔ ''تم تو میرا نام بھی نہیں جانتیں۔'' اب وہ پیچھے ہٹنے لگا شاید اسے خوف نے آگھیرا تھا۔ ''تم کبھی دوبارہ مجھے نہیں دیکھ سکو گی۔''

''میرے پاس تمہارا پرس موجود ہے۔'' اس نے ہاتھوں سے بھونپو سا بنا کر اسے دھمکی دی۔ ''پولیس کو اس میں سب کچھ ہی مل جائے گا۔''

جولی کی آواز سن کر وہ پھر رک گیا۔ ''تم مجھے اتنا پریشان کیوں کررہی ہو۔ اس کی آواز میں شکوہ تھا۔ ''ہر لڑکی مجھے اسی طرح تنگ کرتی ہے۔'' یہ کہہ کر قاتل چکور نے شاید پھر ہمت کی اور نیچے اترنے لگا۔ وہ اب بھی کانپ رہا تھا۔

وہ کچھ ہی نیچے آیا تھا کہ جولی ایک بار پھر تیزی کے ساتھ اوپر چڑھنے لگی۔ اس مرتبہ اس نے مرد سے کچھ فاصلہ رکھا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ اس کی سیدھ میں آنے لگی حتیٰ کہ اس نے مرد کا پاؤں پوری قوت سے پکڑ لیا۔

''اور اب تمہیں نیچے کھینچ کر سمندر میں غرق کردوں گی۔'' وہ کسی شیرنی کی طرح غرائی۔

وہ بچوں کی طرح رو پڑا۔ استرا اس کے دانتوں سے نکل کر کھائی میں جا گرا جولی نے کچھ سوچتے ہوئے اس کا پاؤں چھوڑ دیا اور خود نیچے اتر آئی۔ وہ مسلسل رو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس میں واپس چڑھنے یا اترنے کی بھی سکت نہ رہی ہو وہ لٹکا ہوا تھا۔

''ہاں اب تم میری قید میں ہو۔'' وہ پھر چلائی اس نے فیصلہ کیا کہ قاتل چکور پر مزید نفسیاتی دباؤ ڈالا جائے۔ ''سنو۔ اب ذرا سی بھی حرکت نہ کرنا، میں نہیں چاہتی کہ تم آج کی رات اس حسین چاندنی میں مارے جاؤ۔ ذرا سے بھی ہلے تو سمندر میں جا گرو گے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ خود بھی لرزاں تھی۔ آج کی رات اسے انتہائی خطرناک لمحوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کسی مرد کے تحفظ کی ضرورت ہے۔ ایسے مرد کی جو اس کی رہنمائی کرسکے۔ اسے ایسے حادثات سے بچا کر رکھے۔ آزادی اور خودمختاری کے تمام خواب آج کی رات سراب ثابت ہوئے تھے کوئی لڑکی مرد کے بغیر مکمل نہیں اور مرد ہی پیار کے ساتھ ساتھ تحفظ بھی فراہم کرسکتا ہے کئی گھنٹے گزر گئے۔ اب وہ سوچ رہی تھی۔ کہ شیری پولیس کو فون کرچکی ہوگی۔ رات کی انتہائی ناگوار سردی میں وہ پہاڑی کے طاق نما حصے میں بیٹھی سوچتی رہی اور ساتھ ہی ساتھ قاتل چکور کو بھی گھورتی رہی جو اب بھی لٹکا ہوا تھا شاید بے ہوش ہوچکا تھا مگر ایک بڑے پتھر نے اسے نیچے گرنے سے بچالیا تھا۔

''جو..... لی.....'' اچانک ہی کسی نے اسے پکارا۔ شاید یہ ڈون کی آواز تھی۔ آواز سنتے ہی وہ خوشی سے رونے لگی مگر مرد اچانک ہی ہوشیار ہوگیا۔ وہ اب تیزی سے اوپر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔

ایک منٹ بعد سرچ لائٹ کی شعاؤں سے پوری پہاڑی نہا گئی۔

''وہ رہی۔'' کوئی نامانوس آواز سنائی دی۔ ''دونوں موجود ہیں۔'' اس کے بعد پہاری کے اوپر یکے بعد دیگرے کئی سر نمودار ہوئے اور کسی نے قاتل چکور کو اوپر کھینچ لیا۔

جولی چند منٹ بعد اوپر پہنچی تو دبلے پتلے ڈون نے اسے اپنی کمزور بانہوں میں بھرلیا۔ وہ اسے بتا رہا تھا۔ ''میں تمہارا شیری کے اپارٹمنٹ میں منتظر تھا۔'' ڈون کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ وہ اپنے رویے پر شرمسار ہے۔ اس کی جیب میں ایک ڈبیا تھی جس میں طلائی انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔

جولی ڈون کے سینے میں منہ چھپائے روتی رہی۔ اسے اب تحفظ کا احساس ہوگیا تھا، چند گز دور قاتل چکور، پولیس والوں کے جھرمٹ میں گاڑی کی طرف جارہا تھا۔

کارواں

ایم اے راحت

اگر جہد مسلسل کی جائے تو کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہر معاشرے میں بعض واقعات ایسے ضرور ہوتے ہیں کہ جن کے متعلق کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔ مشرق میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جن کے بارے میں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔

وہ خاندانی وقار رکھتا تھا۔ وہ ناتجربے کار تھا، مگر معاشرے نے اسے بہت کچھ سکھا دیا۔ وہ جو کچھ بننا چاہتا تھا، وقت اسے کچھ اور ہی سمجھانا چاہتا تھا، اس نے اپنے ضمیر کے خلاف کسی فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا۔ البتہ دُنیا اسے کچھ اور سکھانا چاہتی تھی، وہ اپنے گھر سے بلند و بانگ دعوے کر کے نکلا تھا کسی گھٹیا پن کو قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔

زندگی کی پر پیچ راہوں کے مسافر کی تلخ و شیریں داستان

''ٹھیک ہے۔'' ناہید نے کہا۔

''اس کے بعد زمان' نواز اور رحمان کو طارق خان کے پیچھے لگا دو۔ بلکہ پہلے نواز سے رجوع کرو اور پوزیشن معلوم کرو..... پھر زمان خان اور سلیم کو نواز کے پاس بھیج دو۔ یہ دونوں نواز کے ساتھ طارق خان کی نگرانی کریں گے۔ انہیں ہدایت کر دو کہ ہر گھنٹے کے بعد طارق خان کے بارے میں تمہیں رپورٹ دیں اور تم مجھے۔''

''ٹرانسمیٹر پر۔''

''ہاں جیسے بھی ممکن ہو۔ بلکہ ابھی آفس میں ہوں..... فون زیادہ بہتر رہے گا۔''

''اوکے۔'' ناہید نے مسکرا کر کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر وہ ٹرانسمیٹر پر نواز کو کال کرنے لگی..... نواز کی طرف سے جواب ملنے پر کچھ دیر لگی تھی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

''سوری سر! نواز اسپیکنگ۔''

''ناہید بول رہی ہوں۔''

''سوری میڈم۔''

''خیریت ہے۔ نواز۔''

''ناشتا کر رہا تھا میڈم۔''

''کہاں ہو۔؟''

''ٹرک کے اڈے پر..... رات یہیں گزاری ہے۔''

''وہ کہاں ہے۔؟''

''موجود ہے..... یہیں رہتا ہے۔''

''ناشتا کہاں کر رہے تھے۔''

''ہوٹل کی چارپائی پر بیٹھ کر چائے اور پراٹھا۔''

''ویری گڈ..... دو افراد تمہارے پاس آ رہے ہیں۔ یعنی زمان خان اور رحمان..... ان کے ساتھ تمہیں سائے کی طرح طارق خان کے پیچھے رہنا ہے اور ہر گھنٹے بعد اس کے بارے میں رپورٹ مجھے دینی ہے۔''

''اوکے..... اوور اینڈ آل۔'' ناہید نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ اسی وقت محمود علی صاحب آفس میں داخل ہو گئے تھے..... ناہید نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

''میرے ساتھ ہی کیوں نہ آ گئے سر۔''

''بس پہلے کچھ اور ارادہ تھا۔ بعد میں بدل دیا اور پھر بوڑھے لوگ جوانوں کا کہاں ساتھ دے سکتے ہیں۔'' محمود علی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ بوڑھے ہیں سر۔''

''تو پھر۔'' محمود علی صاحب اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''کون کہتا ہے۔؟''

''اعصاب' بدن' ہاتھ پاؤں۔'' محمود علی صاحب نے کہا۔

''نہیں سر..... ابھی نہیں..... ابھی تو آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔''

''ہاں کرنا تو ہے لیکن جو کرنا ہے۔ اس کے سلسلے میں ہماری ہمت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔''

''کیا کرنا ہے سر۔''

''انسان اپنے محور سے نہیں ہٹ سکتا ناہید..... وہ کسی بھی حیثیت کا حامل ہو۔ اس کے مسائل یکساں ہوتے ہیں۔ ایک لگن تھی۔ جس کے لیے محنت کر رہے تھے۔ بیٹی کو اس کا گھر دیں۔ اس کے لیے پیسے اکٹھے کریں۔ پیسے آ گئے تو عقل چکرا گئی کہ اب کیا کریں اندازہ ہوا کہ اس گھر کا انتخاب تو پیسے جمع کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔''

''اوہ..... اسے کہتے ہیں زبردستی کی فکر..... کہ فکر یہ ہے کہ کوئی فکر کیوں نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ ناہید۔''

''ہے..... سر..... ہے۔ آپ اپنی تمام فکریں مجھے دے دیں۔''

''صرف ایک یہ فکر ہے ناہید۔ باقی کوئی فکر نہیں ہے۔''

''میں نے لے لی۔''

''مجھے تم پر مکمل اعتبار ہے لیکن میرا حصہ مجھے ضرور ملنا چاہیے..... میں اپنے منصب کا تحفظ چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ کو مجھ پر اعتبار ہے۔ سر! تو سمجھ لیں کہ میں آپ کے حقوق کا تحفظ کروں گی۔''

''اوکے..... کیا ہو رہا ہے۔''

''اسی کیس پر کام کر رہے ہیں۔ سخت الجھے ہوئے معاملات ہیں..... آپ کو اس بار ایک ایسے شخص کے حق میں کیس لڑنا پڑے گا جو ایک قتل کا اعتراف کر رہا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ مزید کیا پیش رفت ہوئی ہے۔'' محمود علی صاحب نے پوچھا اور ناہید انہیں تمام صورت حال بتانے لگی۔ محمود علی صاحب غور سے سن رہے تھے۔

☆☆

خبیر بیگ بری طرح نروس تھا۔ بیوی کا رویہ الگ خراب رہتا تھا۔ زندگی خوشگوار تو ضرور ہوئی تھی لیکن مالی حد تک..... اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا۔ اس سے تو وہ زندگی بہتر تھی۔ نوکری کرتا تھا۔ تنخواہ ملتی تھی۔ آرام سے گزارہ ہو جاتا تھا۔ اگر مالی پوزیشن یہ نہ ہوتی تو کوئی بلیک میلر نہ ہوتا۔ کسی کو بلیک میل کر کے کیا ملتا۔ اب زندگی عذاب ہو گئی تھی نہ جانے کیا ہو۔ ویسے یہ کوئی بہتر بات نہیں ہے۔ یہ عذاب کب تک سہا جائے۔ بہتر تو یہ تھا کہ بلیک میلر وہ خطوط بیوی کے حوالے کر دیتا..... جھگڑا ہوتا اور طلاق ہو جاتی لیکن لعنتی ماجد علی نے بیچاری سائرہ کو قتل کر دیا تھا..... وہ اپنی بیماری سے جنونی ہو چکا ہے اور اس کا یہ جنون خطرناک تھا۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔

رات کو وہ آفیسر سے ملا تھا..... روشن آنکھوں اور صورت سے ذہین نظر آنے والے آفیسر نے انداز تو ایسا اختیار کیا تھا کہ کچھ ڈھارس بندھی تھی..... دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے..... رات ہی کو اس نے بینک آفیسر سے اپنے اکاؤنٹ کے بارہ لاکھ ارینج کرنے کے لیے کہا تھا۔ فرم کا اکاؤنٹ بھی اسی بینک میں تھا..... اس لیے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔

دوسرے دن وہ بینک پہنچا رقم وصول کی اور آفس آ گیا۔ آج کوئی کام کرنا ممکن نہیں تھا وقت بھی رو رو کر گزر رہا تھا اسے ایک بجنے کا انتظار تھا۔

اس وقت بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے کہ باہر کے دروازے پر چپڑاسی کے کسی سے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک توانا آدمی اندر آ گیا..... چپڑاسی اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔

''سر یہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ کی ان سے ملاقات ہے۔ رک ہی نہیں رہے۔''

''کون ہیں آپ کیا بات ہے۔'' خبیر بیگ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''عبدالرشید ہے میرا نام۔ ایک بجے آپ سے فون پر بات ہوئی تھی۔ آپ بھول گئے۔''

''ایں۔'' خبیر بیگ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ توانا شخص نے اسے آنکھ ماری تھی۔

''او خدا کے بندے اب تو دفع ہو جا۔'' نووارد نے چپڑاسی سے کہا۔

''جاؤ۔'' جبیر بیگ بولا اور چپڑاسی باہر نکل گیا۔ نووارد مسکراتا ہوا خبیر بیگ کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہماری آواز پہچان لی ہوگی۔ خبیر بیگ صاحب۔''

''تم..... تم کون ہو۔''

''اپنی پسند کا کوئی نام دے لو۔ ناموں میں کیا رکھا ہے۔''

''کیسے آئے ہو۔''

''بڑے آرام سے..... کوئی مشکل نہیں آئی۔ اصل میں ہم نے سوچا کہ فلموں والے انداز میں بلیک میلروں کی طرح تمہیں کسی سنسان مقام پر

آفیسر کے ساتھ بلانے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ تم نے بندوبست کیا ہوا اب تم رقم لے کر چلو تو آفیسر تمہارا پیچھا کرے۔ پھر ویرانوں میں گولیاں چلیں۔ میں نے سوچا یہیں مک مکا کرلیا جائے۔''

''کیسا مک مکا۔''

''اوں ہوں' پوری تفصیل بتانا ضروری ہے۔''

''کون ہو تم آخر۔''

''وہ جس سے تمہاری بات ہوئی تھی۔ سنو کام کی بات کرو۔ اداکاری کرنے سے نہ تمہیں کچھ حاصل ہوگا نہ مجھے..... میرے پاس تمہارے اوریجنل خطوط موجود ہیں۔ باقی رہا دوسرا معاملہ تو جب میں راستے سے ہٹ رہا ہوں۔ تو تمہارے لیے یہ خطرہ ختم ہوجاتا ہے۔''

''تمہارے پاس وہ خطوط کہاں سے آئے۔''

''جہنم سے..... بس اتنا کافی ہے کہ وہ میرے پاس ہیں۔''

''سائرہ کو کس نے قتل کیا۔''

''قاتل اقرار کرچکا ہے اسے سزائے موت ہوجائے گی۔''

''تو وہ آفیسر بے وقوف ہے کیا۔''

''کیوں۔؟''

''اسے کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔''

''میں نہیں مانتا۔''

''تو میں جاؤں۔''

''دیکھو میں سمجھتا تھا کہ ان تمام معاملات کے پس پشت ماجد علی ہے۔ کیا تم ماجد علی کے نمائندے ہو۔''

''پوچھنا ضروری ہے کیا۔؟''

''لیکن میری گلوخلاصی کیسے ہوگی۔''

''پندرہ لاکھ سے جو تم مجھے دو گے۔''

''کیسے۔؟''

''بس اس سلسلے میں تمہاری کوئی نشاندہی نہ ہوگی۔ بصورت دیگر یہ خطوط قتل کے ثبوت کے طور پر پیش کیے جائیں گے۔ جن میں تم نے لکھا ہے کہ آخرکار اسے قتل کردو گے۔''

''خطوط کہاں ہیں۔؟''

''یہ موجود ہیں۔'' نووارد نے ایک براؤن لفافے سے خطوط نکال کر دکھائے پھر بولا۔ ''اس کے بعد تم سے کسی رقم کا مطالبہ نہیں ہوگا۔''

''اور وہ الزام۔''

''تم پر نہیں آئے گا۔ کیونکہ میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گا۔''

''لاؤ خطوط مجھے دے دو۔''

''رقم کہاں ہے۔؟''

''یہ میرا آفس ہے۔ تم یہاں میرے خلاف کیا کرسکو گے۔''

''اس کا معقول انتظام ہے۔ میرے پاس..... احمق نہیں ہوں۔ کم از کم تم اس دنیا میں نہیں رہو گے۔'' وہ مسکرا کر بولا اور خبیر بیگ خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے نوٹوں سے بھرا بیگ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''اسے کھولو۔'' نووارد بولا۔ خبیر بیگ نے بیگ کی زپ کھول دی۔

''گڈیاں نکال کر میز پر رکھو۔''

پھر پوری طرح سے مطمئن ہوکر اس نے بیگ سنبھالا۔ خطوط کا لفافہ خبیر بیگ کے حوالے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆

نہایت معقول طریقے سے سارا کام ہو رہا تھا۔ کارواں گروپ کی دونوں ٹیمیں سرگرم عمل تھیں اور ناہید ان کے درمیان رابطہ تھی۔ ٹیم اے نے اسے اطلاع دی۔

''میڈم! خبیر بیگ گھر سے نکل کر بینک گیا۔ وہاں سے اب اپنے آفس پہنچ چکا ہے۔ ہم لوگ آفس کے باہر تعینات ہیں۔''

''اوکے' اوور اینڈ آل۔''

ٹیم بی نے اطلاع دی۔ ''میڈم! وہ ٹرک

اڈے سے چل پڑا ہے ہم اس کے تعاقب میں ہیں۔''

''مجھ سے رابطہ رکھو۔'' ناہید نے کہا۔ دوسری طرف سے اطلاع ملی۔ ''وہ ایک بینک کے سامنے موجود ہے۔''

''گاڑی میں ہے۔''

''ہاں سرخ رنگ کی ایف ایکس ہے۔''

''نمبر۔'' ناہید نے پوچھا اور اسے نمبر بتا دیا گیا۔ ''مجھے اس سے باخبر رکھو۔ وقفہ دس دس منٹ کا رکھا جائے۔''

''او کے میڈم۔''

اور یہ تمام رپورٹیں ناہید سے شہروز کو موصول ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر قبل گرج خان اس کے پاس آیا تھا۔

''سر کوئی کام تو نہیں ہے۔''

''کیا بات ہے گرج خان۔''

''سر کہیں جانا ہے۔''

''ضروری کام ہے۔''

''اتنا ضروری بھی نہیں ہے..... کوئی حکم ہے تو بتایئے۔''

''بس تھوڑی دیر کا کام ہے..... ایک بندے کو پکڑ کر لانا ہے اور بس چھٹی۔''

''سر! مجھے کوئی زیادہ ضروری کام نہیں ہے۔ آپ جیسا حکم کریں۔'' گرج خان نے کہا اور شہروز نے کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا پھر بولا۔

''بس ایک موبائل تیار کر لو۔ چلتے ہیں۔''

شہروز کے حکم پر گرج خان باہر نکل گیا اور شہروز آخری رپورٹ کا انتظار کرنے لگے..... تفصیلات اسے مسلسل موصول ہو رہی تھیں اور ناہید عمدگی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی تھی۔ اس نے بتایا۔

''شہروز بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔''

''خوب۔'' شہروز بولا تو ناہید نے جلدی سے کہا۔

''وہ خبیر بیگ کے آفس میں داخل ہوا ہے۔''

''کون۔؟''

''طارق خان۔ شہروز اس کا خبیر بیگ کے آفس میں براہ راست داخل ہو جانا کیا تعجب خیز نہیں ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے ناہید کہ تم نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے سر انجام دیا ہے۔'' ناہید خوش ہو گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

''شکریہ شہروز۔''

''تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔'' شہروز مسکرا کر بولا۔ ناہید نے شرم سے گردن جھکا لی۔ غالباً شہروز کے ان الفاظ سے وہ کچھ نروس ہو گئی تھی۔ شہروز نے کہا۔

''او کے ناہید۔ یہ واقعی ایک حیرت ناک خبر ہے۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ میں تو ایک طویل پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔''

''جی۔'' ناہید نے آہستہ سے کہا۔

''او کے تھینک یو..... ناہید..... میرا خیال ہے۔ اب میں تمہارے پیغامات موبائل پر وصول کروں گا خدا حافظ۔'' شہروز نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

یہ واقعی اس کے لیے ایک دلچسپ اور تعجب خیز اطلاع تھی..... وہ حیران رہ گیا..... گویا طارق خان بلیک میلر کی حیثیت سے خبیر بیگ کے سامنے آ رہا تھا اور واقعی' یہ کمال ہے۔ کچھ دیر کے بعد گرج خان نے اطلاع دی کہ سر! گاڑی تیار ہے۔ شہروز فوراً اٹھ گیا تھا۔ اس بات کا تو اسے علم تھا کہ ٹیم مسلسل نگرانی پر مامور ہے اور اسے کوئی بھی اطلاع مل جائے گی۔ چنانچہ وہ مطمئن تھا..... پھر تھوڑی دیر کے بعد گاڑی خبیر بیگ کے دفتر کی عمارت کے سامنے جا رکی اور شہروز' گرج خان' کو ہدایت دینے لگا اور تمام لوگ پوری طرح مستعد ہو گئے اور شہروز خود بھی خبیر بیگ کے دفتر کے قریب جا کھڑا ہوا۔ وہ انتظار کرتے رہے اور پھر زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

طارق خان پراطمینان قدموں سے چلتا ہوا عمارت کے بڑے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ پھر وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ شہروز اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے اس طرح طارق خان کا راستہ روکا کہ طارق خان بری طرح چونک پڑا۔ شہروز کو دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہوگیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''اوہو..... سر! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ اس آفس کے انچارج ہیں ناں۔ جہاں شاہد علی کو رکھا گیا ہے۔''

''جی ہاں' جی ہاں آپ کی یادداشت تو بڑے کمال کی ہے۔ طارق خان صاحب۔''

''اجی صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں شاہد علی گہرا یار ہے۔ اس کے لیے اتنے پریشان ہیں ہم کہ آپ کو بتا نہیں سکتے۔ آپ اسے چھوڑ دو آفیسر صاحب! بڑا شریف آدمی ہے وہ اصل مجرم کو تلاش کرو۔ آپ نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔''

''اس کی تلاش ہی میں تو مارے مارے پھر رہے ہیں۔ طارق خان صاحب آپ لوگ کچھ مدد کریں تو اصل بندہ ہاتھ آئے۔''

''ہم تو تیار ہیں صاحب جی! کوشش کرتے پھر رہے ہیں کہ اس بے چارے کی ضمانت ہی ہو جائے۔ آپ اس کی ضمانت لے لو۔ ہم دیں گے۔''

''اچھا واقعی۔''

''ہاں' ہاں کیوں نہیں۔ اتنا گہرا یار ہے اپنا۔''

''تو پھر آیئے طارق خان آفس چلتے ہیں۔ آپ خانہ پری کیجیے۔ دیکھیں گے کیا صورت حال ہوتی ہے۔''

''اگر آپ تیار ہیں تو ہم بھی دل و جان سے تیار ہیں۔ یار کے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے..... آپ اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو آفس چلو ہم آدھے گھنٹے میں آتے ہیں۔''

''نہیں طارق خان! گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ اس وقت موقع ہے۔ فائدہ اٹھایئے۔'' شہروز ہی مزے لے رہا تھا۔ طارق خان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ طارق خان بے چین تھا اور یہ جاننا چاہتا تھا کہ شہروز کسی خاص وجہ سے یہاں آیا ہے یا صرف اتفاقیہ طور پر آمنا سامنا ہوگیا ہے لیکن شہروز کے انداز سے کوئی پتا چلانا مشکل ترین کام تھا۔ طارق خان کہنے لگا۔

''بس زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا ہمیں۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ طارق خان صاحب دوستی پر ایک گھنٹہ تو کیا ایک لمحہ بھی نہیں لگنا چاہیے۔ ورنہ کام بگڑے ہی بگڑے۔''

''وہ تو ٹھیک ہم ہم آتے ہیں آپ چلیے بس۔''

''توبہ کریں صاحب اب تو اس بیچارے پر مجھے رحم بھی آنے لگا ہے..... سچ مچ بے گناہ ہی معلوم ہوتا ہے..... آپ فوراً میرے ساتھ چلیں اور اس کی ضمانت لے لیں۔''

''ہم ابھی کیسے جا سکتے ہیں۔''

''کیوں کوئی خاص کام ہے آپ کو۔''

''جی ہاں' کاروباری آدمی ہیں۔ آپ کو پتا ہے۔ ایک بڑی ڈیل ہے۔''

''اچھا اچھا۔ وہ ڈیل شاید آپ کے پاس اس بیگ میں موجود ہے۔''

''جی.....'' طارق خان نے کہا۔

''جی ہاں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''چھوڑیئے۔ آپ کو اطمینان سے ہی سمجھائیں گے۔ آیئے۔'' شہروز نے آگے بڑھ کر طارق خان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو طارق خان کو کچھ احساس ہوگیا۔ اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن عقب سے دو مضبوط اور طاقتور ہاتھ اس کی بغلوں سے باہر نکلے اور گردن کی پشت پر ٹک گئے۔ ایک خاص قسم کی قینچی ڈال لی گئی

تھی اور طارق خان جیسا تنومند آدمی بھی ملنے جلنے سے معذور ہوگیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ رہا..... شہروز نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے پستول نکال لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دبا ہوا بیگ چھین لیا۔ ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر طارق خان کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی اور طارق خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھنے لگا۔ گرج خان پیچھے ہٹ گیا تھا۔ طارق خان نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہروز کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''یہ سب..... یہ سب کیا ہے۔''

''آجاؤ۔'' شہروز نے اشارہ کیا اور طارق خان کو گھسیٹ کر گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ باقی سب بھی گاڑی میں سوار ہوگئے تھے اور گاڑی آفس کی جانب چل پڑی۔

طارق خان کو چکر آرہے تھے۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں نیند آرہی ہو لیکن تھانے کی عمارت میں پہنچتے پہنچتے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر جب اسے اندر لے جایا جارہا تھا تو اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کوئی چکر چل گیا ہے آفیسر! کوئی ایسا کیس آگیا ہے تمہارے پاس جس میں تمہیں کسی بے گناہ کی ضرورت ہو لیکن غلطی کی ہے۔ تم نے شاید میرے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں تمہیں۔''

''اصل مسئلہ یہ ہی ہے۔ طارق خان! تمہارے بارے میں بہت کم معلومات ہیں ہمیں اور یہ ہی معلومات حاصل کرنے کے لیے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔''

''میں بھی ایک معزز آدمی ہوں اور بڑے تعلقات ہیں میرے۔ مصیبت آجائے گی تمہارے آفیسر۔''

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ طارق خان صاحب! آپ غلط فہمی کا شکار ہورہے ہیں بس تھوڑی سی معلومات اور اس کے بعد چھٹی۔''

''اس طرح معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔''

''ہاں اپنا اپنا طریقہ ہے۔ آیئے آیئے۔''

پھر طارق خان کو وہ لوگ جس کمرے میں لائے۔ اسے دیکھ کر طارق خان کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے آثار پیدا ہوگئے تھے شہروز نے کہا۔

''اسے ڈرائینگ روم کہتے ہیں۔ کیسا لگا آپ کو۔''

''آخر بات کیا ہے۔ کیا جرم کیا ہے۔ میں نے کچھ تو بتاؤ۔''

''آپ تشریف رکھیے۔ آپ سے ایک معزز آدمی کی طرح ہی گفتگو ہوگی۔ اتنے پریشان آپ بلا وجہ ہورہے ہیں۔''

''تم لوگوں کا طریقہ کار ٹھیک نہیں ہے۔ بہرحال۔''

''طارق خان صاحب اس بیگ میں کیا ہے۔''

''پندرہ لاکھ روپے۔''

''ارے گڈ..... ویری گڈ' گرج خان! ہم نے زندگی میں کبھی پندرہ لاکھ روپے اکٹھے نہیں دیکھے۔ ذرا کھول کر دیکھو۔''

''جی سر!'' گرج خان بولا اور اس نے بیگ کی زپ کھول دی۔ پھر نوٹوں کی گڈیاں نکال کر چننے لگا اور پھر بولا۔

''کمال کی چیز ہیں صاحب! یہ کاغذ کے ٹکڑے بھی۔''

''ہاں واقعی کمال کی چیز ہیں۔ طارق خان یہ پندرہ لاکھ روپے کسی سلسلے میں لیے پھر رہے ہو تم۔''

''بتا چکا ہوں تمہیں کہ ایک بڑا کاروباری ہوں۔ گھٹیا تو نہیں سمجھنا چاہیے کسی کو۔''

''توبہ توبہ۔ تمہیں گھٹیا سمجھنے والے خود گھٹیا۔ بڑے شاندار طریقے سے تم نے یہ بلیک میلنگ کا

سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ آخر کار تم نے بیچارے خبیر بیگ سے پندرہ لاکھ روپے وصول کر ہی لیے۔''

''کک..... کیا بکواس ہے۔''

''وہ خبیر بیگ کے دفتر کی عمارت تھی ناں۔''

''خبیر بیگ سے میرے تعلقات ہیں۔''

''کیسے۔؟''

''بتانا ضروری ہے کیا۔''

''ہاں ایک آفیسر کسی سے کوئی سوال پوچھتا ہے تو بتانا ضروری ہوتا ہے۔''

''دیکھو غلطی کر رہے ہو۔ سنو کچھ آپس کی بات کر لیتے ہیں۔ پندرہ لاکھ میں سے دو لاکھ تم لے لو۔ طویل عرصے تک نہیں کما سکو گے اتنی رقم۔''

''کس سلسلے میں۔ اب تو یہ بھی بتانا ضروری ہو گیا ہے۔ طارق خان صاحب۔''

''تب تم ایک ناکام آفیسر ہو۔''

''واہ خوب اچھا نام دیا ہے۔ آپ نے مجھے۔ واقعی میں ایک ناکام آفیسر ہوں اور خرابی یہ ہی ہے میرے اندر کہ جو معلوم کرنا چاہتا ہوں، وہ ہر قیمت پر معلوم کر لیتا ہوں۔ اس سے پہلے یہ کام کر لیا کرتا تھا لیکن اب ہمارے یہ گرج خان صاحب ہیں۔ یہ اس کام کو مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے کر لیتے ہیں۔ گرج خان میں آفس میں دیکھتا ہوں۔ آپ طارق خان سے چند باتیں معلوم کر لیجیے۔ مثلاً یہ کہ شاہد علی سے ان کا کیا تعلق ہے اور سائرہ نامی عورت کو کس نے قتل کیا ہے۔ یہ تمام تفصیلات مجھے آدھے گھنٹے کے اندر مل جائیں۔ آپ تو ایسے کاموں میں ماہر ہیں۔ یہ نوٹ میں لیے جا رہا ہوں۔''

''تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے آفیسر! میری بات مان لو..... مجھ سے تعاون کرو۔ چلو میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دے دیتا ہوں۔''

''افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ رقم ایک ایسے آدمی سے حاصل کی ہے۔ آپ نے جو خود ایک مظلوم ہے اور اس رقم کے بدلے اسے نہ جانے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی یہ پیشکش میں خوشی سے قبول کر لیتا مگر یہ پوری کی پوری رقم اسے واپس کرنی پڑے گی۔''

''تم اس کے حق دار نہیں ہو۔''

''میں خود حق دار کہاں ہوں یہ تو حق دار کو واپس چلی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر تم خود بھگتو گے۔''

''ہاں یہ ہی میں چاہتا ہوں کہ خود بھگتوں۔ گرج خان میں چلتا ہوں۔''

''آپ اطمینان سے جاؤ صاحب ہم ابھی ساری تفصیل آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔''

گرج خان نے مسکرا کر کہا اور شہروز کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ اپنے آفس میں داخل ہو گیا۔ اس نے دو افراد کو اشارہ کیا اور وہ اسی کمرے کے دروازے کے سامنے جا ٹکے۔ جسے انہوں نے ڈرائینگ روم کہا تھا۔ اندر اپنی میز پر بیٹھنے کے بعد شہروز نے خبیر بیگ کو فون کیا۔ جو فوراً ہی ریسیو کر لیا گیا۔ شہروز نے کہا۔

''خبیر بیگ صاحب۔''

''ہاں میں بول رہا ہوں۔''

''میں شہروز۔''

''جی آفیسر صاحب! میں نے پہچان لیا ہے۔''

''کہیے کیسے حال ہیں آپ کے۔''

''مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔''

''کیا۔؟''

''آپ نے طارق خان کو گرفتار کیا ہے۔ میرے دفتر کے سامنے سے۔''

''جی ہاں۔''

''اوہو۔ انسپکٹر صاحب آپ تصور نہیں کر سکتے۔ وہ، وہ.....''

''نہیں یہ اور وہ نہیں خبیر بیگ صاحب آپ تشریف لے آئیے۔ میرے آفس، سمجھ رہے ہیں ناں آپ انتظار کر رہا ہوں میں آپ کا۔''

''جی بس! دو منٹ میں حاضر ہوتا ہوں.....

میں تو خود آنا چاہتا تھا۔ وہ کمبخت پندرہ لاکھ لے گیا ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ میرے پاس میری میز پر رکھے ہوئے ہیں اور آپ سے تعاون کے طور پر میں ان کا اندراج نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کے بعد آپ کو ان پندرہ لاکھ کی واپسی میں دانتوں پسینے آجائیں گے۔''

''میں آپ کے ان احسان کا صلہ کبھی نہیں دے سکوں گا۔''

''آجایئے آجایئے۔'' شہروز نے فون بند کر دیا۔

اب وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس وقت تک وہ خاموش ہی رہا۔ جب تک خبیر بیگ آ نہ گیا۔ گرج خان شاید طارق خان پر مسلسل محنت کر رہا تھا۔ خبیر بیگ سلام کر کے شہروز کے سامنے آ بیٹھا..... اس نے وہ بیگ دیکھ لیا تھا۔ جس میں اس نے نوٹ بھر کر دیے تھے۔

''اگر ایسا ہو جائے جیسا آپ نے فرمایا تھا تو آپ یقین کیجیے کہ مجھے نئی زندگی مل جائے گی۔ میں نے یہ جو کچھ کیا ہے اور جس طرح کیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔'' شہروز نے وہ بیگ خبیر بیگ کی طرف کھسکا دیا اور بولا۔

''زپ کھولیے۔''

''جی۔؟''

''بیگ کی زپ۔''

''جج' جی' جی ہاں۔'' خبیر بیگ نے جلدی سے زپ کھول دی۔

''گڈیاں نکالیے۔''

''جی۔'' خبیر بیگ نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈیاں نکال دیں۔

''چیک کر لیجیے۔''

''کک..... کیا مطلب۔؟''

''خبیر بیگ صاحب وقت ضائع نہ کریں۔ گڈیاں چیک کریں۔''

''سب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''واپس رکھ لیجیے۔''

''جی۔'' خبیر بیگ نے گڈیاں واپس رکھیں تو شہروز نے اسے بیگ کی زپ بند کرنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

''یہ اب آپ کی تحویل میں پہنچ چکی ہیں۔ ان کا تحفظ اب آپ کی ذمہ داری ہے۔''

''شہروز صاحب..... مم میں۔''

''کچھ نہیں..... بیکار کی باتیں مت کیجیے۔ ایک بار پھر آپ سے یہ سوال کروں گا کہ کیا سائرہ کے قتل میں کوئی جذباتی فیصلہ تھا۔''

''کوئی بھی شے نہیں ہے۔ اس دنیا میں جس کی قسم کھا کر میں آپ کو اس بات کا یقین دلا سکوں کہ جو کچھ تھا۔ وہ ختم ہو چکا تھا اور اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ بس تقدیر کو مجھ پر ظلم ڈھانا تھا۔''

''نہیں تقدیر نے آپ پر کوئی ظلم نہیں ڈھایا..... آپ بیگ اٹھایئے اور جایئے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کا نام تک اس مقدمے میں نہ شامل ہونے دوں۔''

''اور اس کے سلسلے میں میں آپ کو کیا دوں گا۔''

''ممکن ہو تو دعائیں دے دیجیے۔''

''او کے شکریہ۔''

''میرا خیال ہے۔ آپ کا اب آفس کی حدود میں زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں ہے۔'' شہروز نے کہا اور خبیر بیگ' بیگ اٹھا کر لرزتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

خبیر بیگ کی جو ہسٹری سامنے آئی تھی۔ وہ ایسی تھی۔ اس کے بعد اسے مزید دکھ دینا اپنے آپ کو دکھ دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ شہروز نے اسے فارغ ہی کر دیا تھا اور کسی بھی طور اسے اس کیس میں ملوث نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب طارق خان سے انکشافات ہونے کی توقع تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گرج خان کمرے میں داخل ہوا

اور شہروز نے محبت بھرے انداز میں اس سے کہا۔

''آؤ گرج خان! بیٹھو..... یقیناً کچھ معلومات حاصل کر کے آئے ہو گے۔''

''وہ بھی پکا بدمعاش ہے سر! اصل میں ٹرانسپورٹ لائن کا آدمی ہے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے تھے اور کافی الٹے سیدھے کام کیے ہوئے ہے۔ ہم نے بھی اس سسرے کی پوری ہسٹری پوچھ لی۔''

''اگر گرج خان کو بھی ہسٹری نہ بتاتا تو کیا ہم جیسے لوگوں کو بتاتا۔ بتایئے کیا تفصیل سامنے آئی۔''

''سر! سائرہ کا قاتل وہی ہے اور اسی نے بے چاری کو مرنے سے پہلے بے آبرو کیا تھا۔''

''طارق خان نے۔'' شہروز حیرت سے بولا۔

''جی صاحب! بڑی گندی کہانی ہے۔ خدا غارت کرے ان بے ضمیر لوگوں کو جو دولت کے لیے انسانیت کو اس طرح شرمندہ کرتے ہیں کہ صاحب بس کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

شہروز سرد نگاہوں سے گرج خان کو دیکھتا رہا۔ گرج خان چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''شاہد علی اور ماجد علی دو سگے بھائی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سائرہ اس گھر کے لیے بڑی نعمت تھی۔ شاہد علی درحقیقت سائرہ کو بہت چاہتا تھا لیکن وہ اپنی زندگی میں خوشیوں کا طلبگار تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک پرآسائش زندگی بسر کرے۔ بڑے بھائی کو کینسر ہو گیا اور مستقبل کے دروازے اسے بند ہوتے محسوس ہوئی تو وہ بوکھلا گیا اور اس کے بعد اس کی سوچ میں خودغرضی پیدا ہوتی چلی گئی۔ وہ ہر قیمت پر دولتمند بننے کا خواب دیکھنے لگا۔

اسے بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا اسے کہ خبیر بیگ اور سائرہ کا عشق چلتا رہا ہے اور سائرہ نے ماجد علی کو پسند کر لیا تھا۔ بہرحال ماجد علی تو ہسپتال میں داخل ہو گیا اور شاہد اپنے طور پر ان فکروں میں سرگرداں رہا کہ کیا کرے چنانچہ اس نے خبیر بیگ کو بلیک میل کرنے کا فیصلہ کیا اور ان خطوط کا سہارا لیا جو سائرہ کے سامان سے اسے حاصل ہو گئے تھے۔ خبیر بیگ آسانی سے اسے رقم دینے پر آمادہ نہ ہوا تو شاہد نے کچھ اور فیصلے کیے۔

اس نے طارق خان کو اپنے ساتھ شریک کیا اور اس کے بعد یہ ناپاک منصوبہ بنا ڈالا۔ اس نے خبیر بیگ پر سائرہ کے قتل کا الزام لگانے کی کوشش کی تاکہ خبیر بیگ اس کی مطلوبہ رقم اسے ادا کر دے اور جب خبیر بیگ نہ مانا تو اس نے طارق خان کے ذریعے سائرہ کو بے آبرو کر کے قتل کر ڈالا۔ وہ اس کا پورا پورا الزام خبیر بیگ پر لگانا چاہتا تھا اور یہی کوشش کر رہا تھا لیکن دال نہ گلی۔ اس نے آ کر اپنے آپ کو اس لیے گرفتاری کے لیے پیش کیا تھا کہ تحقیقات ہو تو خبیر بیگ کا نام سامنے آئے۔

خبیر بیگ بوکھلا جائے اور بیس لاکھ روپے کی رقم ادا کر دے..... طارق خان اس سلسلے میں اس کا پارٹنر تھا۔ بس فیصد کا..... یہ ہے تمام کہانی جو طارق خان نے میں سنائی ہے۔''

شہروز دیر تک افسوس بھرے انداز میں گرج خان کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہاں گرج خان۔ دولت کے کھیل اتنے ہی ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ انسان اپنی سطح سے نیچے گر جاتا ہے کہ اسے انسان کہنا ہی مشکل لگے..... بہرحال بے چارہ خبیر بیگ بلاوجہ ہی اس جرم میں ملوث ہو رہا تھا۔''

''جی سر! اب کیا پروگرام ہے۔''

''کچھ نہیں سیدھی سادی سی بات ہے۔ چالان پیش کیے دیتے ہیں۔ تمام تر ثبوت اور شواہد کے ساتھ..... اس کم بخت شاہد اور اس کے ساتھی طارق خان کو کم از کم موت کی سزا ملنی چاہیے۔''

''بات تو کر لیں۔''

''جی سر! جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

''آؤ تھوڑی دیر کے بعد طارق خان کو بھی

اس کے سامنے لانا ہے۔ دونوں کے بیانات لے لیں۔ بلکہ آڈیو تھوڑی سی تفریح کرتے ہیں۔''

شہروز' گرج خان کے ساتھ' شاہد علی کے سامنے آ گیا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

''کہو شاہد! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔'' شاہد نے برا سا منہ بنایا اور آہستہ سے بولا۔

''مجھے تکلیف یہ ہے کہ مجھے یہاں کوئی تکلیف کیوں نہیں ہے۔''

''واہ..... بہت عمدہ فلسفہ ہے تمہارا۔''

''اسے فلسفہ نہ کہیں جناب! یہ زندگی سے مایوسی اور بیزاری کا اظہار ہے۔''

''تم زندگی سے اتنے مایوس کیوں ہو شاہد۔''

''کچھ نہیں رکھا اس زندگی میں جناب! کیا فائدہ۔''

''حقیقتوں کا اعتراف کر لو۔ شاہد کیا فائدہ اپنے آپ کو مصیبتوں میں ڈالنے کا..... زندگی ہر شخص کے لیے ہوتی ہے تم اپنی زندگی کھو کر میرے خیال میں بہتر تو نہیں کر رہے۔''

''جس زندگی کا کوئی مصرف نہ رہ جائے۔ آفیسر صاحب! اس کا کھو جانا ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔''

''مصرف تو تم تلاش کر سکتے ہو۔''

''کوئی نہیں ہے۔ میرا اس دنیا میں کس کے لیے جیوں۔ کیا مصرف تلاش کروں۔ اپنی زندگی کا۔''

''اصل میں دنیا بڑی مطلبی ہے شاہد۔ دنیا صرف اپنے لیے سوچتی ہے۔ تم نے بھی اپنے لیے ہی سوچا۔ اگر تم سچ مچ اپنے بھائی اور بھابی کے لیے بھی سوچ لیتے تو آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔''

''بہت کچھ سوچا میں نے ان دونوں کے لیے..... بہت کچھ سوچا لیکن بس۔''

''تو کیا تم اب بھی اس بات پر قائم ہو کہ اپنی بھابی کو تم نے بے آبرو کیا ہے۔''

''خدا کے لیے مجھ سے بار بار یہ سوال نہ کریں جو اعتراف میں نے کیا ہے بس اسی پر اکتفا کریں۔''

''حالانکہ تم اپنے اوپر ایک گندہ اور گھناؤنا الزام لگا رہے ہو۔ شاہد..... اس عورت کو تم' ماں اور بہن کا درجہ دے چکے ہو۔ دولت بے شک آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے لیکن زبان سے کہی ہوئی بات کی کوئی اہمیت تو ہوتی ہے۔ کم از کم اس قدر تو غلاظت میں نہ گرو۔''

شاہد نے آنکھیں بند کر لیں تو شہروز نے کہا۔

''طارق خان سب کچھ بتا چکا ہے۔ یہ بھی بتا چکا ہے شاہد کہ تمہاری بھابی کو اس نے تمہارے ایماء پر بے آبرو کیا ہے۔ بیس لاکھ کا قصہ بھی بتا چکا ہے۔ سارے انکشافات کر چکا ہے اور اب تم دونوں کے لیے پھانسی کا پھندہ تیار ہو رہا ہے۔ تم نے تو یہ سوچا تھا شاہد کہ آخر کار طارق خان تمہیں اس مشکل سے نکال لے گا۔ بیس لاکھ روپے میں سے تھوڑی بہت رقم خرچ کر کے تم قانون کے چنگل سے نکل جاؤ گے لیکن طارق خان نے اعتراف کر لیا ہے اور اب سچ مچ تمہارا چالان پیش کیا جانے والا ہے۔''

شاہد علی زمین پر گر پڑا۔ وہ کسی زخمی کبوتر کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اسے اس کی امید نہیں تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہروز کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانے لگا کہ جو کچھ شہروز کہہ رہا ہے۔ وہ سچ ہے' لیکن شہروز کا انداز بتاتا تھا کہ اب سچائیاں سامنے آ گئی ہیں اور وہ کھیل جو کھیل کے طور پر کھیلا گیا تھا۔ اب موت کا کھیل بن چکا ہے۔

شہروز نے پوری مہارت اور چابکدستی سے اس کھیل کا چالان پیش کر دیا۔ محمود علی صاحب کو اس نے اس میں ملوث نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس گھناؤنے کیس میں خود اسے ان کرداروں سے شدید نفرت کا احساس ہوا تھا اور وہ اس سلسلے میں کوئی کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں چاہتا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ اس کیس سے لاتعلق ہو گیا۔

زندگی کے شب و روز اسی طرح بیدار

ہو گئے..... گھر' ناہید' محمود علی صاحب اور کھانا۔ باقی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شہروز کا یہ مکمل فیصلہ تھا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو کوئی اعلیٰ افسر ہونے کے بجائے ایک نچلے عہدے کا اہل کار ہونا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے' حقیقی مشکلات سامنے آتے ہیں اور اپنے فرائض ادا کرنے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

ڈی آئی جی صاحب اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ دو تین بار شہروز سے فون پر گفتگو ہوئی تھی اور شہروز نے نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ انہیں اپنے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ وہ ایک مطمئن زندگی گزار رہا ہے۔ جس پر ڈی آئی جی صاحب نے ہنس کر کہا تھا۔

''نہیں شہروز تم جیسے سیماب صفت لوگوں کو مطمئن زندگی گزارنے کا الزام دینا مناسب نہیں ہے۔ تم پرسکون اور مطمئن زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ تمہاری فطرت سے بہت مختلف ہے۔''

شہروز ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور اس نے اس سلسلے میں آئی جی صاحب سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے اپنے وسائل کی تفصیل وہ ان کے سامنے تو نہیں لا سکتا تھا۔ بہرحال وقت گزر رہا تھا..... ناہید سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ ابھی شہروز نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ جو اس کی زندگی میں جب بھی موقع ملا وہ ناہید کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش نہیں کرے گا۔

یہ تمام باتیں لفظوں کی زبان میں تو نہیں ہوئی تھیں لیکن ذہنی طور پر دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ جب سکون کے لمحات آئیں گے تو دونوں ایک ساتھ ہی ہوں گے۔

آج بھی صبح سے موسم بہت خوشگوار تھا۔ شہروز نے ناہید کو فون کیا۔ ناہید آفس میں موجود تھی اس نے بتایا کہ محمود علی بھی آج کہیں نہیں گئے اور آفس کے کچھ کام نمٹا رہے ہیں۔ شہروز نے کہا۔

''یہ لوگ بوڑھے کیوں ہو جاتے ناہید۔''

''کیا مطلب۔؟''

''بزرگی اختیار کرنے کے بعد ان کی مصروفیات کچھ نہیں رہتیں لیکن دوسروں کی مصروفیات میں بھی یہ حارج ہوتے ہیں۔''

''محمود علی صاحب کی بات کر رہے ہیں شہروز۔''

''تو اور کیا۔؟''

''نہیں آپ حکم دیں میں حاضر ہو جاؤں۔''

''ارے ارے یہ کس نے کہا۔''

''کہا نہیں لیکن میں جانتی ہوں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ یہ سہارا ہی کیا کم ہے ہمارے لیے کہ تم جانتی ہو۔'' ناہید ہنس کر خاموش ہو گئی۔

شہروز سوچ رہا تھا کہ کچھ کرے۔ باہر مدہم مدہم بوندا باندی ہو رہی تھی۔ گرج خان عمدہ قسم کی کافی بنا کر لے آیا اور شہروز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کافی پیتے ہوئے شہروز اور گرج خان گفتگو کرتے رہے۔ پھر کچھ آوازیں سنائی دیں اور دونوں چونک کر دروازے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اردلی نے اندر جھانک کر کہا۔

''صاحب جی! ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ باہر کھڑی ہوئی ہیں۔''

''ارے تو بارش میں کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔ ان کو انہیں اندر بلاؤ۔'' شہروز نے کہا۔

''جی سر۔''

آنے والی ایک خوب صورت عورت تھی۔ اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ لڑکے کی عمر کوئی چار سال ہو گی۔ لڑکی چھ سال کے قریب تھی۔ دونوں بچے خوب صورت اور پیارے تھے۔ عورت خود بھی حسین تھی لیکن مرجھائے ہوئے چہرے کی مالک۔ آنکھوں سے غم واندوہ کے آثار ٹپک رہے تھے۔

شہروز اور گرج خان دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ شہروز نے نرم لہجے میں کہا۔

''آیئے بہن' آجایئے۔ آیئے بیٹھیے۔'' یہ جملے نرم لہجے میں اور شریفانہ الفاظ پر مشتمل تھے اور ایسی باتیں دوسروں کا حوصلہ بڑھا دیتی ہیں۔

عورت نے نگاہیں اٹھا کر شہروز کو دیکھا۔ تو شہروز نے پر اخلاق انداز میں کہا۔ ''آیئے' بیٹھیے' بچوں کو بھی بٹھا دیجیے۔ گرج خان پلیز۔''

''جی سر!'' گرج خان نے دونوں بچوں کو کرسیاں پیش کیں اور خود شہروز کے سامنے سے ہٹ گیا۔ تاکہ عورت اپنے آپ کو پرسکون محسوس کرے۔ وہ ایک طرف جا بیٹھا تھا۔ شہروز نے کہا۔

''جی آپ اچھی خاصی بھیگ گئی ہیں۔ تولیہ وغیرہ منگواؤں۔''

''نہیں شکریہ۔'' عورت نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ مسلسل روتی رہی ہے۔ شہروز نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''فرمایئے کیا خدمت کی جا سکتی ہے آپ کی۔''

''سر! میں بہت عذاب میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ میرے شوہر کو اغواء کر لیا گیا ہے۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ دو بچے ہیں شوہر ہے اور میں بس یوں سمجھ لیجیے کہ اس کے بعد اللہ کی ذات ہے۔ ہم بے سہارا ہو گئے ہیں سر! آپ روایتی انداز میں نہیں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہماری مدد کریں۔ ورنہ سر! ہم زخم بن کر رہ جائیں گے۔ ہم جی نہیں سکیں گے سر۔''

''خودکشی کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہے گا۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خودکشی حرام ہے۔ ہمیں حرام موت مرنے سے بچا لیجیے صاحب ہمارے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ ہم کسی کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نہایت بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں ہم بس خدا کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے۔ ہماری مدد کیجیے سر! ورنہ..... ورنہ۔''

عورت کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹپکنے لگے۔

شہروز نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''نہیں بی بی! آپ اطمینان رکھیں۔ آپ کے شوہر کو بازیاب کرانا ہماری ذمے داری ہے۔ آپ اس روایتی ذمے داری کو جانے دیجیے جو پیسے لینے کے لیے پوری کی جاتی ہے۔ آپ یہ ہی سمجھیے کہ آپ اپنے کسی عزیز کے سامنے ہیں۔ میں نے آپ کو بڑے خلوص سے بہن کہہ کر پکارا ہے۔ میں بن جانے والے رشتوں کا قائل نہیں ہوں لیکن زبان سے کسی کو کچھ دینا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ براہ کرم مجھے پوری تفصیل بتایئے اور حوصلہ رکھیے۔ میں آپ سے صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ جتنا کہ میرے لیے ممکن ہو سکتا ہے۔ میں آپ کے شوہر کی بازیابی کی کوشش کروں گا۔ براہ کرم مجھے تفصیل بتایئے۔''

''رضوان بسمل ہے میرے شوہر کا نام' ایک مقامی اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ بڑے اچھے رپورٹر میں شامل ہوتے ہیں۔ شاید بھی آپ کی نگاہ سے ان کا نام گزرا ہو۔''

''ہاں سر! رضوان بسمل کی رپورٹیں میں نے اخبارات میں پڑھی ہیں۔'' گرج خان نے کہا۔

''سر! وہ میرے شوہر ہیں۔ سر! انہیں پچھلی رات اغواء کر لیا گیا ہے۔ کوئی ساڑھے نو بجے کا وقت ہوگا۔ ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ کسی نے بیل بجائی اور رضوان دروازے پر پہنچ گئے۔ پھر وہ کسی سے باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد دروازے ہی سے چلے گئے۔ میں انتظار کرتی رہی کہ وہ واپس آئیں گے اور آنے والے کے بارے میں بتائیں گے لیکن وہ واپس نہیں آئے۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو میں باہر نکلی۔ کچھ لوگ دروازے سے کچھ فاصلے پر جمع تھے۔ یہ پاس پڑوس کے لوگ تھے اور چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ سب میری جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

پھر ایک بزرگ شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

''بیٹی کون تھے وہ لوگ۔''

میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''بابا جی! کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔'' تو بزرگ نے جواب دیا۔

''وہی جو کالی کار میں آئے تھے اور رضوان کو مار پیٹ کر کار میں ڈال کر لے گئے ہیں۔'' سر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے مجھے ان ساری باتوں کا علم نہیں تھا۔ سر میں..... سر میں شدت غم سے دیوانی ہوگئی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لوگ میرا ساتھ دینے سے کترانے لگے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں پولیس اسٹیشن جانا چاہتی ہوں لیکن کبھی نہیں گئی راستہ تک نہیں معلوم لیکن کوئی میرے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوا۔ سر میں نے اخبار کے دفتر ٹیلی فون کیا..... ایڈیٹر صاحب جا چکے تھے کسی اور سے رابطہ نہیں ہوسکا۔ میں نے بہت کوششیں کیں لیکن ایڈیٹر صاحب کے گھر کا نمبر مجھے معلوم نہیں تھا۔ کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔''

''سر! پھر صبح کو میں نے دوبارہ اخبار کے دفتر فون کیا۔ کوئی نہیں آیا تھا۔ دس بجے ایڈیٹر صاحب آئے اور میں نے انہیں رضوان کے اغواء کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے وہ دیکھیں گے کہ وہ کیا کر سکتے ہیں' سر! میں نے دوبارہ ٹیلی فون کیا تو ایڈیٹر صاحب نے فون ریسیو نہیں کیا۔ حالانکہ مجھے علم تھا کہ وہ موجود ہیں لیکن انہوں نے اپنے سیکرٹری سے منع کرادیا کہ وہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔ کسی نے میری نہیں سنی۔ آخر کار مجبور ہوگئی۔ اخبارات میں آپ کے کارناموں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ بس یہ سوچ کر پتہ معلوم کرتی ہوئی آپ کے پاس چلی آئی کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہی میرا مسیحا بنادے۔ سر! میں بے سہارا ہوں۔ رضوان بکل اخبار میں ملازمت کرتے ہیں۔ چھ سات سال ہوگئے ملازمت کرتے ہوئے اور بڑی میانہ روی کی زندگی گزار رہے ہیں ہم سر! ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں کہ ہم آگے بڑھ کر کسی سے بات کریں۔ ہماری مدد کیجیے۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔''

وہ مدہم آواز میں رونے لگی۔ شہروز نے پھر کہا۔ ''آپ کا کیا نام ہے۔''

''نوشین..... نوشین رضوان۔''

''دیکھئے' نوشین حوصلہ دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے..... میں آپ کو خوب صورت الفاظ کہہ کر بڑے بڑے دلاسے دے سکتا ہوں لیکن میں آپ سے صرف ایک لفظ کہوں گا۔ اگر اللہ کی ذات پر مکمل یقین رکھتی ہیں تو پھر اس بات پر بھی بھروسہ رکھیے کہ اگر آپ کے شوہر بے گناہ ہیں اور انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے جس کے نتیجے میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو اللہ ان کی مدد کرے گا۔ اس تصور کو اپنا ایمان بنا لیجیے..... باقی جہاں تک وسیلے کا تعلق ہے تو یہ میرا فرض بھی ہے اور انسانیت کا قرض بھی کہ میں آپ کی بھرپور مدد کروں اور میں ایسا ہی کروں گا لیکن آپ کو حوصلہ رکھنا پڑے گا۔

آنسو خشک کیجیے! یہ بچے کتنے خوفزدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کی اور ان کو آپ کی ضرورت ہے۔ نوشین! اگر آپ نے حوصلہ ہار دیا تو یہ بے چارے تو مر ہی جائیں گے..... آپ اطمینان رکھیے جرم ہوتا ہے لیکن جرم بھی ختم ہو جاتا ہے اور ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ بس آپ حوصلہ کریں اور اس قدر تردد نہ کریں۔''

شہروز کے الفاظ پر نوشین کو حوصلہ ہوا۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں اور بولی۔

''سر! ہم بڑے خوفزدہ ہیں بڑے ہراساں ہیں ہم۔''

''میں نے کہا ناں کہ جو کام اللہ کی طرف سے ہونے ہیں۔ وہ صرف اللہ کی ذات کرے گی۔ باقی جو میرا فرض ہے۔ میں اسے پورا کروں گا۔ آپ

یہاں تک پہنچ گئی ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ آپ کا تحفظ میرا ایمان ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنی اس ایمان میں ثابت قدم رہوں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ آپ کے شوہر کی تلاش اس طرح کی جائے گی کہ آپ مطمئن ہو جائیں گی۔ ہم انہیں ضرور بازیاب کرلیں گے..... اب ذرا حوصلے کے ساتھ تھوڑی سی تفصیل بتایئے اور سنیئے یہ کافی رکھی ہوئی ہے اور ایک پیالی کافی آپ کو سکون دے گی گرج خان پلیز۔''

''سر میں۔''

''نوشین بہن کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ میں نے آپ کو..... تھوڑی سی تو لاج رکھ لیجیے۔''

''جی سر!'' اس نے گردن جھکا دی۔ پھر شہروز اس وقت تک خاموش رہا۔ جب تک کہ کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر اس نے کافی ختم نہ کردی۔ پھر شہروز بولا۔

''رضوان بسمل ایک رپورٹر ہیں نوشین۔ آپ کی تعلیم کتنی ہے۔''

''سر! میں نے گریجویشن کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تھوڑا بہت اندازہ تو ہوگا آپ کو کہ رضوان کو کس وجہ سے اغواء کیا گیا ہے۔ کچھ ایسے شبہات' کوئی ایسی وجہ' کوئی ایسا تذکرہ' جو انہوں نے آپ سے کیا ہو۔ اگر آپ اس کی نشاندہی کریں تو ہمیں اس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے۔ جس کالے رنگ کی کار کا تذکرہ پڑوسیوں نے کیا ہے۔ کیا ان میں سے کسی نے یہ بتایا ہے آپ کو کہ کالے رنگ کی اس کار کا نمبر بھی دیکھ لیا گیا تھا۔''

''میں نے پوچھا تھا لیکن کسی نے نمبر نہیں دیکھا۔''

''جس علاقے میں آپ رہتی ہیں کیا وہ پسماندہ لوگوں کا علاقہ ہے۔''

''ملی جلی آبادی ہے۔ تھوڑے بہت پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں اور تھوڑے بہت جاہل لیکن سب کے سب خودغرض لیکن میرا خیال ہے۔ آپ ان سے اس کے سواء کچھ نہیں معلوم کرسکیں گے کہ چند افراد نے رضوان بسمل کو اغواء کرلیا ہے۔''

''اور آپ کے ایڈیٹر صاحب نے بھی اس سلسلے میں آپ پر کوئی توجہ نہیں دی۔''

''جی سر! میرا یہ ہی اندازہ ہے کہ وہاں سے بھی ہم لوگوں کو کوئی توجہ نہیں ملی۔''

''رضوان بسمل کتنے عرصے سے وہاں ملازم تھے۔''

''سر چھ سال ہوگئے۔''

''ان کے اغواء کی کوئی وجہ آپ کے ذہن میں آتی ہے..... میرا مطلب ہے کوئی دشمن۔''

''لاکھوں دشمن پال رکھے تھے۔ انہوں نے اصل میں انہیں صحافت میں بے باک ہونے کا فخر حاصل کرنے کی خواہش تھی..... ہر وہ چیز لکھ دیا کرتے تھے۔ جس پر میں خوفزدہ ہوتی رہتی تھی۔ ان سے کہتی تھی کہ رضوان خدا کے لیے۔ اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالو' کہتے تھے کہ کوئی اور ملازمت مل گئی۔ تو صحافت ترک کردوں گا لیکن جو کر رہا ہوں وہ ایمان داری سے کروں گا۔ سر! ایڈیٹر صاحب سے بھی ان کا اختلاف ہی رہتا تھا۔ یہ دو چار باتیں بس دوران گفتگو میرے علم میں آجاتی تھیں ورنہ دفتر کی باتیں گھر نہیں بتاتے تھے۔''

شہروز کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی۔ نجانے کون سا تصور اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں روشن ہوگیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس کے جبڑوں کے مسلز ابھر آئے تھے۔ گرج خان خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ سر کو آہستہ سے جھٹکا اور بولا۔

''نوشین بہن! ایک بات عرض کروں آپ سے۔''

''جی..... جی فرمایئے۔''

''آپ کے والدین کہاں ہیں۔''

''میرے والدین تو میرے بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ چچا نے پرورش کی تھی۔ چچا کا بھی انتقال

ہوگیا..... انہوں نے ہی میری شادی رضوان سے کی تھی..... رضوان کا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں تھا لیکن بہر حال ہم کسی قدر مطمئن زندگی گزار رہے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس پر قانع تھے۔ یہ افتاد تو ناگہانی پڑی ہے سر! ہماری مدد کیجیے۔ خدا کے لیے اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔''

''کیوں نہیں کیوں نہیں۔ آپ براہ کرم میری بات غور سے سنیے..... رضوان کا اغواء کسی ایسے کام میں بھی ہوسکتا ہے۔ جس کا تعلق کچھ خطرناک لوگوں سے ہو اور ہوسکتا ہے وہ خطرناک لوگ رضوان کے اغواء سے وہ فائدہ نہ حاصل کرسکیں جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ آپ کو خود بھی علم ہوگا کہ اس طرح کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔''

''جی سر! میں مسلسل یہ سوچتی رہی ہوں کہ میرے بچے بھی خطرے میں ہیں۔''

''یہ بچے پڑھتے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''ان کا اسکول گھر سے کتنے فاصلے پر ہے۔''

''کافی فاصلے پر ہے سر۔''

''وین سے جاتے ہیں۔''

''جی نہیں پیدل چھوڑ کر آتی ہوں۔'' نوشین نے کسی قدر خجل لہجے میں کہا۔

''ہوں..... لیکن نوشین آپ کو کچھ عرصے کے لیے ان کی تعلیم معطل کرنا ہوگی۔''

''ہماری تو زندگی ہی معطل ہوگئی ہے۔ سر! کیا تعلیم اور کیا کچھ اور۔''

''کیا ایک اجنبی شخص کی زبان پر بھروسہ کرسکتی ہیں آپ۔''

''میں سمجھی نہیں سر۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ کو کچھ وقت کے لیے اپنے گھر میں نہیں رہنا چاہیے۔''

''جی سر۔'' وہ ہچکچا کر بولی۔ پھر کہنے لگی۔

''میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔''

''تو میں آپ کو ٹھکانہ مہیا کردیتا ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اتفاق نے آپ کو ایک بھائی سے روشناس کرا دیا ہے۔ بھروسہ کرلیجیے مجھ پر نوشین بہن! آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ میرے لیے ایک معزز بہن کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

وہ تذبذب کا شکار ہوگئی اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی تو گرج خان کہنے لگا۔

''صاحب! خدا کا قسم میں نوشین بہن کو اپنے گھر میں جگہ دینے کے لیے تیار ہوں..... جان کی بازی لگادوں گا۔ ان کے لیے کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے ان کا۔''

''میرے پاس ٹھکانہ ہے۔ گرج خان' نہ ہوتا تو میں تم سے درخواست کرتا۔'' شہروز نے کہا..... نوشین مسلسل سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

''جیسا آپ مناسب سمجھیں سر! میں کیا کروں۔ اب میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ گرج خان۔ آیف آئی آر درج کروادو۔''

''یس سر!'' گرج خان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ہیڈ محرر کو کمرے میں طلب کرلیا گیا تھا۔ نوشین اسے اپنے شوہر رضوان کے اغواء کی تفصیلات نوٹ کرانے لگی اور گرج خان نے ایف آئی آر درج کرادی۔ پھر شہروز نے اپنی رہائش گاہ پر جبروکو فون کیا اور اس سے کہا کہ وہ وہاں پہنچ رہا ہے۔ کچھ مہمانوں کو کوٹھی میں قیام کرانا ہے۔ چھوٹے موٹے انتظامات کرلے اس کے بعد شہروز نے ناہید کو فون کیا تھا۔ اس نے ناہید سے کہا۔

''ناہید میں آپ کو بالکل تکلیف نہ دیتا لیکن ایک کیس آ گیا براہ کرم آفس پہنچ جائیں۔''

''جی شہروز میں پہنچ رہی ہوں۔'' ناہید نے

کہا۔

''او کے۔'' تمام کام سرانجام پا گئے تو شہروز نے پرائیویٹ گاڑی منگوائی اور گرج خان سے کہا کہ نوشین نے اپنے گھر کا جو پتہ درج کرایا ہے۔ وہاں گاڑی لے کر پہنچ جائے اور گھر کو اپنے حصار میں لے لے۔ ''میں تھوڑی دیر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔'' شہروز نے گرج خان سے کہا تھا اور اس کے بعد وہ نوشین کو ساتھ لے کر کار میں بیٹھ کر چل پڑا تھا۔ نوشین کی آنکھوں سے بار بار آنسو بہنے لگے تھے۔ راستے میں اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

''سر! آپ تو ایک آفیسر ہیں آپ کو معلوم ہوگا کیا اس طرح اغوا کیے جانے کے بعد انسان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔''

''نوشین صرف خدا پر بھروسہ رکھیے اور اپنے شوہر کی زندگی کے لیے دعائیں کیجیے معلوم ہو جائے گا کہ رضوان کو اغواء کرنے والے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہم پوری محنت سے ان کی بازیابی کی کوشش کریں گے۔''

رہائش گاہ پہنچ کر شہروز کو معلوم ہوا کہ ناہید پہنچ چکی ہے۔ شہروز' نوشین اور دونوں بچوں کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ناہید نے دروازے کے پیچھے اس کا استقبال کیا تھا اور پھر نوشین کو دیکھا۔

''ناہید یہ نوشین ہیں۔ ان کے دونوں بچوں کے نام مجھے نہیں معلوم ہو سکے یہ تمام تفصیلات تمہیں بتا دیں گی۔ میں بعد میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ فی الحال جا رہا ہوں۔ نوشین آپ مس ناہید کو اپنا پورا کیس بتا دیجیے اور یہی وہ جگہ ہے۔ جہاں آپ کو اس وقت تک قیام کرنا ہوگا۔ جب تک ہم آپ کے شوہر کو بازیاب نہیں کر لیتے۔ یہ جگہ آپ کے لیے بالکل محفوظ ہے۔''

''ناہید آپ نوشین کو تمام سہولتیں فراہم کیجیے۔ آئی ایم سوری! تفصیلات آپ کو انہی سے معلوم ہو جائیں گی۔ میں ذرا جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے جناب!'' ناہید نے کہا اور شہروز اپنی کار میں بیٹھ کر اس علاقے کی جانب چل پڑا جس کا پتہ اس نے ذہن نشین کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار اس علاقے میں داخل ہو گئی۔ درمیانے درجے سے بھی کچھ نچلے درجے کا علاقہ تھا۔ گرج خان کی گاڑی سامنے کھڑی نظر آ گئی جو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ لوگ جگہ جگہ دو' دو تین تین کی ٹولیاں بنا کر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اغوا کا واقعہ پورے علاقے کو معلوم ہو چکا تھا۔ شہروز نے گرج خان کی گاڑی کے پیچھے اپنی کار بھی روک دی اور نیچے اتر آیا۔

گرج خان نے ابھی تک مکان میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن چند ساتھیوں کو وہاں تعینات کر دیا گیا تھا۔ پھر اس نے گرج خان سے کہا کہ ان لوگوں کو جمع کرے اور ان سے بیان لے جنہوں نے رضوان کو اغواء ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے بعد وہ اس چھوٹے مکان میں داخل ہو گیا جو معمولی سے فرنیچر سے آراستہ تھا لیکن اس قدر صاف ستھرا کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جو کچھ بھی اس مکان میں تھا۔ اس میں ایک قرینہ نظر آتا تھا۔ شہروز نے چھوٹے سے گھر کی تلاشی لے ڈالی۔

رضوان بسمل کے کاغذات دیکھے' فائل بنے ہوئے تھے۔ جن میں ان رپورٹوں کے تراشے موجود تھے جو رضوان بسمل نے خود دی تھیں۔ اس پر ریمارکس بھی لکھے ہوئے تھے۔ بس ایسی ہی چند چیزیں یہاں دستیاب ہوئیں۔ شہروز نے وہ فائل اپنے قبضے میں کر لیے اور اس کے بعد مکان کو سیل کر کے وہاں سے باہر نکل آیا۔ جن لوگوں کو گرج خان کے جمع کیا تھا۔ ان سے کوئی خاص تفصیل معلوم نہیں ہو سکی تھی۔

گاڑی کا نمبر وغیرہ بھی پتہ نہیں چل سکا تھا۔ بس یہی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ آئے۔ رضوان بسمل سے بات چیت کی۔ تھوڑی سی مار پیٹ ہوئی اور اس

کے بعد وہ رضوان کو گاڑی میں ڈال کر ہوا ہو گئے۔ گاڑی کا رنگ کالا تھا۔ کوئی اس کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں بتا سکا تھا۔

بہر حال ان لوگوں کو گواہ کے طور پر درج کر لیا گیا تھا۔ تین افراد نے رضا کارانہ طور پر اپنے نام لکھوائے۔ رضوان کے بارے میں پڑوسیوں کی رپورٹ یہ ہی تھی کہ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور کسی سے آج تک اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی اچھی شہرت کے حامل تھے۔ یہاں سے باہر نکلنے کے بعد شہروز نے کہا۔

''تم آفس جاؤ اور وہاں کے معاملات دیکھو! میں کچھ کام کر کے واپس آتا ہوں۔''

کچھ دیر کے بعد شہروز اس اخبار کے دفتر کے سامنے جا رکا جس میں رضوان کام کرتا تھا۔ وہ تنہا ہی یہاں آیا تھا اور خود کار ڈرائیو کرتا ہوا پہنچا تھا۔ اخبار کے دفتر میں شہروز کی آمد کوئی ایسی حیران کن بات نہیں تھی۔ جس پر لوگ چونکتے..... شہروز ایڈیٹر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ درمیانی عمر کا ایک اچھی خاصی شکل وصورت کا آدمی تھا۔ اس نے شہروز کو استقبالیہ انداز میں دیکھا اور بولا۔

''تشریف لائیے۔ شہروز صاحب! آپ کا تعلق کون سے محکمے سے ہے آج کل۔'' شہروز نے اپنے محکمے کے بارے میں بتایا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی۔''

''ایڈیٹر صاحب آپ کے ہاں کا ایک صحافی اغواء ہو گیا ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں پولیس سے رجوع کیا۔''

''نہیں ابھی تک نہیں۔ اصل میں آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اخبارات کے لیے یہ وقت کس نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ ہم لوگ سولی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ کاپی وقت پر پہنچ جائے۔''

''ویری گڈ۔ آپ کو اس بات کا ذرہ برابر احساس نہیں ہے کہ آپ کے ہاں کا ایک پرانا کارکن نجانے کس کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ آپ کو اس کارکن کی بیوی نے اطلاع بھی دی تھی اور رات ہی کو دی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک آپ نے اس سلسلے میں پولیس تک سے رجوع نہیں کیا۔''

''جناب ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے اخبار کے مالکان کو اس بارے میں اطلاع دے دی تھی۔ چونکہ ادھر سے مجھے ابھی تک کوئی ہدایت نہیں ملی..... اس لیے میں نے بھی بہت زیادہ سرگرمی دکھانے کی کوشش نہیں کی۔''

''کمال کرتے ہیں آپ۔ یعنی اول تو آپ کا فرض یہ ہے کہ ایسی کسی واردات کے واقعے کے بارے میں فوری طور پر رپورٹنگ کریں اور پولیس کو اس بارے میں اعتماد میں لیں۔ آپ نے سرے سے کچھ کیا ہی نہیں۔''

''میں نے عرض کیا ناں کہ ہماری اپنی کاروباری ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں کچھ۔ ہم پہلے ان کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے۔ یہ غلط ہے۔''

''یہ آپ کا خیال ہے ناں سر۔''

''اس سلسلے میں آپ سے باز پرس بھی کی جا سکتی ہے۔''

''ضرور کیجیے۔ آپ کو باز پرس کا پورا پورا جواب دیا جائے گا۔''

''تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کو کچھ دیر کے بعد اپنے آفس طلب کرتا ہوں۔ کچھ اغواء ہونے والے کی بیوی نے یہ کیس میرے سپرد کیا ہے اور اپنے بیان میں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اخبار کے دفتر کو اطلاع دے چکی ہے اور ایڈیٹر صاحب دوبارہ مل نہیں رہے۔''

''یہ فرد جرم عائد کی جا رہی ہے مجھ پر۔'' ایڈیٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ابھی نہیں لیکن اس تحقیق کے نتیجے میں بے پروائی برتنے کے سلسلے میں آپ کو اپنے جرم کا جواب دینا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے جناب! جواب دے دیں گے آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کیجیے گا۔''

''ایڈیٹر صاحب! آپ کے اس رویے کا کوئی پس منظر بھی ہوسکتا ہے۔ چلیے ٹھیک ہے۔ اگر پیشہ ورانہ کاروائی ہی آپ کو پسند ہے تو ہم یہ بھی کیے لیتے ہیں۔''

''اوکے۔''

''آفیسر..... براہ کرم تشریف رکھیے۔ آپ کی ناراضگی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔''

''تب آپ انتہائی نامکمل آدمی ہیں۔ اگر یہ تمام بنیادی باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی تو پھر آپ یہ اخبار کیسے چلا رہے ہیں۔''

''بس نوجوان آفیسر' یوں سمجھ لو اللہ کا کرم ہے۔ اخبار چل رہا ہے اور اخبار کے مالکان بھی مجھ سے ناخوش نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ ایڈیٹر صاحب اب میرے بیٹھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ صاف اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ اس سلسلے میں تعاون نہیں کر رہے ہیں اور آپ کو آپ کے کارکن کے اغواء ہو جانے کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔''

''کیا بات ہے آپ ایف آئی آر درج کروائیں گے۔'' ایڈیٹر صاحب نے پوچھا۔

''میں کیا کروں گا کیا نہیں کروں گا۔ اس کے بارے میں آپ کو یہاں سے بتا کر جاؤں۔''

''نہیں آفیسر! بہرحال ہمارے اور آپ کے درمیان تعاون چلتا ہے لیکن دیکھیے ناں۔ بڑی سادہ سی بات ہے۔ میں سخت مصروف ہوں اور پھر رضوان لیبل ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے نہیں بلکہ گھر سے اس وقت اغوا ہوا ہے جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا۔ اس کی بیوی نے یہ ہی بتایا ہے مجھے۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے اور میں یقیناً مالکان سے اس بارے میں درخواست کروں گا کہ وہ پولیس سے رابطہ کریں لیکن اس کے لیے اگر میری مصروفیات نے مجھے تھوڑا سا وقت نہیں دیا تو اس میں میرا قصور تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے اخبار تو نہیں لیٹ کر سکتا' میں آپ کسی اخبار میں ایڈیٹر کے طور پر کام کر کے دیکھیے۔ میری طرف سے آپ کی تمام شکایات دور ہو جائیں گی۔

سولی پر لٹکے ہوتے ہیں ہم لوگ اپنا کام سر انجام دیتے ہوئے۔ آپ نے قبرستان کے اس کتبے کا ذکر تو شاید پڑھا ہو۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ آخری کاپی جا چکی ہے اور وہ قبر ایک ایڈیٹر کی تھی۔''

''ماشاء اللہ۔ آپ کافی لطیفہ گو ہیں بہتر ہے جناب اجازت دیجیے۔'' شہروز نے کہا۔

''ارے بیٹھیے بیٹھیے کچھ اور باتیں ہو جائیں۔ آپ تشریف لائے ہیں۔ تو کچھ چائے وغیرہ ہمارے ساتھ۔''

''نہیں بے حد شکریہ۔'' شہروز نے کہا اور طیش کے عالم میں وہاں سے نکل آیا۔

ایڈیٹر کی یہ بے حسی اور بے پروائی اسے بہت عجیب محسوس ہوئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے دشمنی پر آمادہ ہو جائے۔ بہرحال اس سلسلے میں تحقیق تو کرنی ہی تھی۔ وہ واپس دفتر پہنچ گیا۔ کچھ دوسرے امور بھی تھے جنہیں نمٹانا تھا۔ گرج خان واپس آچکا تھا۔ کافی دیر تک گرج خان کے ساتھ مصروف رہا۔ پھر وہ فائل کھول کر بیٹھ گیا۔ جو اس نے رضوان کے گھر سے حاصل کی تھی۔ رضوان کی رپورٹیں تھیں۔ اس نے پہلے تراشے سے آغاز کر دیا اور اس کے بعد صفحات الٹتا چلا گیا۔

رضوان تبسل کے بارے میں اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بے باک شخص تھا۔ اس کی بیوی نوشین اور اس کے چھوٹے بچوں کی عمر سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خود بھی ایک جوان آدمی ہوگا۔ جوش و جذبات میں ڈوبا ہوا۔ بہت کھل کر لکھتا تھا۔ بے

تکان لکھتا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کس کے بارے میں لکھ رہا ہے۔ اس کے تھوڑی سے آرٹیکل پڑھ کر ہی یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہوگی۔

لیکن شہروز خاص طور سے اس کے تازہ ترین تاریخوں کے آرٹیکل دیکھ رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ اس کے تازہ دشمن کون ہوسکتے تھے لیکن ان مضامین میں کسی خاص شخص کی نشاندہی نہیں ہو رہی تھی۔ رضوان بسمل نے سماج کے مختلف امور کے بارے میں کھل کر لکھا تھا اور ان پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس میں کوئی بھی ملوث ہوسکتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے سیاستدانوں کے بارے میں بھی لکھا تھا اور اپنے فرائض انجام دینے والوں کے بارے میں بھی یہ تمام مضمون پڑھ کر شہروز کو اچھی طرح علم ہوگیا۔ کہ صورت حال کیا ہوسکتی ہے۔

بہرحال اس کا اغواء برائے تاوان تو نہیں ہوا ہوگا۔ کیونکہ اغواء کرنے والے اس کی مالی حیثیت سے بھی واقف ہوں گے اور شہروز کو خود بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ رضوان جیسے بے باک آدمی دولت مند نہیں ہوتے۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور شہروز کو اس سلسلے میں بڑی محنت سے کام کرنا تھا۔ پھر شام کو ساڑھے چار بجے وہ اپنے آفس کی عمارت سے باہر نکل آیا۔

لباس تبدیل کیا۔ اس کا سارا انتظام آفس پر ہی کرلیا تھا۔ اس کی اپنی گاڑی ہر وقت تیار کھڑی رہتی تھی تاکہ اگر کوئی ایمرجنسی پیش آجائے۔ تو دقت نہ ہو۔ یہاں سے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا۔ رضوان کے بچوں کے لیے کافی خریداری کی۔

کھلونے' ٹافیاں اور ایسی دوسری چیزیں جو بچوں کو پسند ہوتی ہیں۔ اسے رضوان کی بیوی سے کافی ہمدردی تھی اور وہ اس کے لیے دکھی تھا۔ بہرحال رہائش گاہ پہنچا اور نوشین کے ساتھ ناہید نے بھی اس کا استقبال کیا۔ نوشین بہت بہتر کیفیت میں نظر آرہی تھی۔ اس نے ممنون نگاہوں سے شہروز کو دیکھا تو شہروز نے ناہید سے کہا۔

''ناہید' میرا خیال ہے کہ آپ نے نوشین بہن کو کافی حد تک مطمئن کردیا۔''

''ہاں۔ میں نے ان سے بہت سی باتیں کیں اور انہیں بس یہ اطمینان دلا دیا کہ انشاء اللہ رضوان عزت و آبرو کے ساتھ گھر واپس آجائیں گے۔''

شہروز نے اپنی تمام لائی ہوئی چیزیں بچوں کے حوالے کردیں اور نوشین حیران نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''یہ سب کیا ہے۔؟''

''کیوں۔؟''

''نہیں بات اصل میں یہ ہے کہ ہم مہمان تو نہیں ہیں۔ ہم پناہ گزین ہیں۔''

''یہ آپ کی اپنی سوچ ہے۔ نوشین ہم نے آپ کو پناہ گزین نہیں سمجھا۔ بلکہ یہ تو اتفاقی بات ہے کہ تحفظ کے خیال سے آپ کو یہاں لے آیا گیا ہے۔''

''میں آپ کی شکر گزار ہوں لیکن آپ یقین کریں یہ بچے اتنی آسائشیں قبول نہیں کرسکیں گے ہم تو بڑے درمیانے درجے کے لوگ ہیں۔ آپ نے بہت خرچ کردیا ہے ان پر۔''

''میرا خیال ہے یہ موضوع نہیں ہے۔ آپ بتائیے اور کوئی ایسی بات یاد آئی آپ کو جو رضوان کے سلسلے میں کارآمد ہو۔''

''نہیں میں نے بہت سی باتیں کرلی ہیں۔ میرا خیال ہے۔ انہیں کوئی خاص بات نہیں معلوم۔''

''اوکے' آپ فکر نہ کریں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں مطمئن رہیں۔ دیکھیے جبرو بڑا قابل اعتماد آدمی ہے۔ اس عمارت میں وہی رہتا ہے۔ آپ کی ہر ضرورت وہی پوری کرے گا۔ ناہید کو جیسے ہی فرصت ملے گی۔ وہ آپ کے پاس آجایا کریں گی۔ بس یہ چند روز ہمارے لیے مشکل ہیں۔ ان میں آپ یہاں گزارہ کرلیجیے۔''

''یہ جگہ میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے

ں یہاں تنہا بھی گزارہ کرسکتی ہوں۔''

''بس تھوڑا سا وقت' آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔''

''آپ میری جانب سے مطمئن رہیں۔ میں یہاں سے باہر نہیں نکلوں گی اور بچوں کو بھی نہیں نکلنے دوں گی۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' شہروز نے کہا۔

اس کے بعد اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ شہروز وہاں سے بھی باہر نکل آیا۔ ناہید نے کہا تھا کہ رات کے کھانے کے بعد وہ گھر چلی جائے گی اور اگر ممکن ہوسکا تو رات کو بھی یہیں آجائے گی۔ شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تب تو پھر میں بھی آجاؤں گا۔'' ناہید ہنس پڑی۔

شہروز نے ایک بار پھر آفس کا چکر لگایا۔ معلومات حاصل کیں کہ کوئی ایسا اہم مسئلہ تو نہیں ہے۔ سب ٹھیک تھا۔

دوسرے دن صبح ایڈیٹر نے شہروز سے ملاقات کی۔

''رضوان بسکل کے بارے میں تمہیں کچھ ایسے نام دینا چاہتا ہوں۔ جن پر اگر نظر رکھ لو یا کوشش کر لو تو اللہ کی عنایتوں کے ساتھ کامیابی کی توقع ہے۔ بشرطیکہ تم وہاں تک پہنچ جاؤ اور ان لوگوں پر قابو پا سکو۔''

''جی..... بہت بہت شکریہ۔''

''یہ کچھ تصویریں ہیں۔ انہیں اپنے پاس محفوظ کرلو..... یہ رضوان بسکل کی امانت ہیں لیکن اگر اس کی زندگی بچانے میں معاون ثابت ہوسکیں تو یوں سمجھ لو کہ میں اس کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے تیار ہوں۔'' ایڈیٹر سلمان نے جیب سے ایک براؤن رنگ کا لفافہ نکال کر شہروز کو دے دیا۔

کچھ عمارتوں کی تصویریں تھیں اور ان پر مختلف رنگوں کے نشانات لگے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ شہروز کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ تصویریں دیکھتا رہا۔ جو تعداد میں سات تھیں۔ ان میں بندرگاہ کی تصویر بھی تھی۔ ایک جہاز کی تصویر بھی تھی۔ شہروز یہ سب کچھ دیکھتا رہا پھر بولا۔

''میں سمجھا نہیں سلمان صاحب۔''

''اس کا کہنا تھا کہ یہ انتہائی قیمتی تصویریں ہیں اور ان کے ذریعے وہ ایک ایسا انکشاف کرنے والا ہے جو صحیح معنوں میں ایٹمی دھماکہ سے کم نہیں ہوگا اس میں ایسے ایسے چہرے بے نقاب ہوں گے کہ حکومت دنگ رہ جائے گی۔ آپ یہ لفافہ محفوظ کر لیجیے۔ اس کا میرے پاس یا میرے گھر میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ یہ الفاظ رضوان کے تھے اور اس کے بعد وہ اغواء ہوگیا۔''

''اوہ۔''

''ان کے بارے میں رضوان میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو نہیں معلوم' میرا مطلب ہے۔ کسی شناسا کو ہم نا معلوم لوگوں کی بات نہیں کرتے۔''

''جی۔''

''اور اس کے بعد میں نے ایک نام تمہارے سامنے نہایت محتاط انداز میں لے رہا ہوں۔ اگر ان تصویروں کے سلسلے میں قدم آگے بڑھانا ہو اور معلومات حاصل کرنی ہوں تو سیٹھ انوارہ کا نام یاد رکھنا۔''

''جی۔''

''سیٹھ انوارہ مشہور نام ہے اور یہ ایک خاتون ہیں۔ شاید پولیس کے ریکارڈ میں یہ نام محفوظ ہو۔ یا اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ اگر کبھی یہ نام ریکارڈ میں آیا بھی ہو تو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فائلوں سے خارج کر دیا گیا ہو..... کیا یہ نام تمہارے علم میں ہے۔''

''نہیں۔''

''گلشن ٹاؤن کی ایک عالی شان کوٹھی میں رہتی ہے۔ کوٹھی نمبر ایک سو بانوے ہے۔''

''گلشن ٹاؤن۔'' شہروز اچھل پڑا۔

"ہاں......ان کا ایک دست راست بھی ہے نام ہے کریمو ہے۔"

"ویری گڈ۔"

"یہ ماسٹر کلب میں پایا جاتا ہے اور وہاں اس کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں۔ ویسے اسے ٹریس کیا جاسکتا ہے اس وقت رضوان کے اغواء کے سلسلے میں یہ ہی دو نام لیے جاسکتے ہیں۔ ویسے تو اس کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن یہ اس کے تازہ ترین دشمن ہیں اور ان تصویروں سے اس معاملے کا ضرور تعلق ہے۔ بخدا اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم ہوتا تو میں تمہیں بتانے سے گریز نہ کرتا۔ میں تو اس وقت بھی تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن تم شاید میری آنکھوں کے اشارے سمجھ نہیں پا رہے تھے کیونکہ اس وقت طیش میں تھے لیکن میں نے طے کرلیا تھا کہ تمہیں یہ تفصیل ضرور فراہم کروں گا۔ اس کے بعد میں نے تمہارے بارے میں تمہارے آفس سے تفصیلات معلوم کیں اور تمہارا پتہ لگا یہاں تک پہنچا رضوان کی یہ امانت اب میں تمہارے کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔ اگر کسی وقت بھی میرے کسی تعاون کی ضرورت پیش آئے تو مجھے کال کرسکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ سلمان صاحب۔"

"جی شہروز صاحب اب مجھے اجازت۔"

"نہیں سلمان صاحب ابھی بیٹھیں آپ چائے پیئیں گے میرے ساتھ۔"

"بخدا نہیں۔ اس قدر خوفزدہ ہوں کہ سینے میں جلن ہو رہی ہے۔ بڑا بزدل آدمی ہوں۔ میری بزدلی کا احترام کرو اور مجھے خاموشی سے نکل جانے دو۔ جب تک اس گھر سے دور نہیں جاؤں گا۔ دہشت میں مبتلا رہوں گا۔" ایڈیٹر سلمان کی ان بے باک باتوں پر شہروز کو ہنسی آ گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب میں آپ کو نہیں روکوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ کم از کم یہ ہے کہ تھوڑے دن اس دنیا میں اور جی لوں گا۔ باقی اللہ مالک ہے۔ اچھا پھر مجھے ذرا گلی کے کونے تک چھوڑ آؤ۔"

شہروز ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سلمان صاحب بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے اور شہروز ان سے متاثر بھی ہوا تھا۔ بہر حال جو کچھ کہہ رہے تھے۔ حقیقت پر مبنی تھا لیکن جو انکشافات انہوں نے کیے تھے۔ انہوں نے شہروز کو سخت حیران کر دیا تھا۔

وہ واپس ڈرائینگ روم میں آ بیٹھا اور لفافہ نکال کر ان تصویروں کو دیکھنے لگا یہ ساری کی ساری تصویریں اجنبی اجنبی سی تھیں اور وہ ان عمارتوں کو بھی نہیں پہچان پا رہا تھا۔ دو نام اس کے ذہن میں تھے۔ کریمو اور سیٹھ انوارہ یہ خاتون سیٹھ پہلی بار اس کے علم میں آئی تھی۔ کون ہے کیا ہے یہ تو معلوم ہو ہی جائے گا۔ دوسرا کردار کریمو کا تھا۔ ماسٹر کلب اور گلشن ٹاؤن میں [illegible] شہروز کی کوٹھی 7 [illegible] اس کا مقصد تھا کہ تھوڑے بہت فاصلے کی بات ہے۔ سیٹھ انوارہ کو گلشن ٹاؤن میں ہی تلاش کیا جاسکتا تھا۔

بہت دیر تک وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھا ان واقعات پر غور کرتا رہا۔ پھر گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلمان نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔

رات کو بارہ بجے اس نے کارواں گروپ کے رکن شہزاد کو کال کی......شہزاد نے کال فوراً ریسیو کی تھی۔

"شہروز بول رہا ہوں۔"

"یس سر۔"

"کیا سو گئے تھے۔"

"نہیں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا سر۔"

"سوری شہزاد۔"

"نہیں سر! آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں۔"

''میرے خیال میں کارواں گروپ میں شامل ہوکر تمہارے لیے کچھ مشکل نہیں ہوگئی۔''

''آپ نے یہ سوال کیا ہے سر تو اس کا جواب دینے کی جسارت کر رہا ہوں' حقیقت یہ ہے کہ زندگی کو ایک مقصد مل گیا ہے۔ ورنہ لاتعداد لوگ بے مقصد زندگی گزارتے ہیں۔ دولت کما لینا اور عیش کی زندگی بسر کر لینا ہی زندگی نہیں۔ بلکہ وطن کے لیے کچھ کر کے بستر پر جانا سچی خوشی کا حاصل ہوتا ہے۔''

''کاش یہ سچ دوسروں کے سینوں میں بھی اتر جائے۔ خیر شہزاد ایک نام نوٹ کر لو۔''

''حکم سر۔''

''گلشن ٹاؤن ..... کوٹھی نمبر ایک سو بانوے۔''

''جی سر۔''

''یہاں کوئی خاتون سیٹھ انوارہ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل درکار ہے۔ جلدی تمہیں کل کا پورا دن اس کے لیے دیا جاتا ہے۔''

''بہتر جناب میں ابھی سے کام شروع کیے دیتا ہوں۔''

''ابھی سے نہیں کل سے۔''

''جی سر۔''

''خدا حافظ۔''

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔ گھر سے دیر سے نکلا تھا اور سیدھا محمود علی صاحب کے دفتر پہنچا تھا۔ اندر داخل ہوا تو ناہید نظر آئی۔ اسے دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گئی۔

''فال کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''جی .....''

''ہاں فال کے بارے میں۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''اچھا خاصا دفتر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک صاحب سڑک کے کنارے بیٹھے مل گئے۔ زمین پر لفافے پھیلائے ہوئے تھے اور پنجرے میں طوطا بند تھا۔''

''پھر۔'' ناہید نے مسکرا کر پوچھا۔

''بس مذاق ہی مذاق میں سوا سو میں ایک لفافہ نکلوا لیا۔ جانتی ہو پرچے میں کیا لکھا ہوا تھا۔''

''کیا لکھا ہوا تھا۔''

''لکھا تھا۔ وہ دفتر میں اکیلی ہے۔ چلے جاؤ۔'' ناہید بے اختیار ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

''سر واش روم میں ہیں۔''

''واقعی۔'' شہروز اچھل کر بولا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔ ''واپسی میں اس سے اپنے پیسے واپس وصول کر لوں گا لیکن محمود صاحب کا بریف کیس کہاں ہیں ناہید۔''

''چلیے بیچارے کے پیسے بچ گئے۔ ویسے آپ کو مجھ سے تنہائی میں کیا کام تھا۔''

''تنہائیوں میں تو بہت سے کام ہیں مجھے تم سے ویسے محمود صاحب کورٹ گئے ہیں۔''

''جی۔''

''پھر جھوٹ کیوں بولا گیا۔''

''جھوٹ کے جواب میں۔''

''کمال ہے یار۔ اتنی کوئیک سروس' اچھا چائے پلواؤ۔''

''ابھی منگواتی ہوں۔'' ناہید نے کہا۔ پھر چائے کا انتظام کرنے کے بعد اس نے کہا۔ ''آج آفس نہیں گئے آپ۔''

''اب جاؤں گا۔ پہلے آدھر آ گیا۔''

''نوشین خیریت سے ہے۔ اس نے ایک پرسکون رات گزاری ہے۔ کہتی تو یہ ہی ہے لیکن اسے سکون کہاں تھا۔''

◆.....◆.....◆

اگلے شمارے میں
اس سنسنی خیز داستان کی
آخری قسط ملاحظہ کریں۔

◆.....◆.....◆

☆☆☆☆
ادب سے انتخاب
☆☆☆☆

مٹی کی مونالیزا

اے حمید

ندی کنارے یہ کاٹیج کس قدر خوب صورت ہے۔ سرسبز لان، ترشی ہوئی گھاس، قطار میں لگے ہوئے پھولوں کے پودے ایک ملازم غسل خانے میں لکس صابن سے کتے کو نہلا رہا ہے۔ اس کے بعد تولیے سے اس کا جسم خشک کیا جائے گا۔ کنگھی پھیری جائے گی۔ گلے میں ایربن باندھا جائے گا اور اسے دو آدمیوں کا کھانا کھلایا جائے گا اور پھر فورڈ کار میں بیٹھ کر مال روڈ کی سیر کروائی جائے گی۔

ادب سے انتخاب..... ایک حساس تحریر

مونا لیزا کی مسکراہٹ میں کیا بھید ہے۔

اس کے ہونٹوں پہ یہ شفق کا سونا، سورج کا جشن طلوع ہے یا غروب ہوتے ہوئے آفتاب کا گہرا ملال۔ ان نیم وا متبسم ہونٹوں کے درمیان یہ باریک سی کالی لکیر کیا ہے۔ یہ طلوع و غروب کے عین بیچ میں اندھیرے کی آبشار کہاں سے گر رہی ہے۔ ہرے ہرے طوطوں کی ایک ٹولی شور مچاتی امرود کے گھنے باغوں کے اوپر سے گزرتی ہے۔ ویران باغ کی جنگلی گھاس میں گلاب کا ایک زرد شگوفہ پھوٹتا ہے۔ آم کے درختوں میں بہنے والی نہر کی پلیا پر سے ایک ننگ دھڑنگ کالا لڑکا ریتلے ٹھنڈے پانی میں چھلانگ لگاتا ہے اور پکے ہوئے گہرے بسنتی آموں کا میٹھا رس مٹی پر گرنے لگتا ہے۔

سینما ہال کے بک سٹال پر کھڑے میں اس میٹھے رس کی گرم خوشبو سونگھتا ہوں اور ایک آنکھ سے انگریزی رسالے کو دیکھتے ہوئے دوسری آنکھ سے ان عورتوں کو دیکھتا ہوں جنہیں میں نے فلم شروع ہونے سے پہلے سب سے اونچے درجے کی ٹکٹوں والی کھڑکی پر دیکھا تھا۔ اس سے پہلے انہیں سبز رنگ کی لمبی کار میں سے نکلتے دیکھا تھا اور اس سے پہلے بھی شاید انہیں کسی خواب کے ویرانے میں دیکھا تھا۔ ایک عورت، موٹی بھدی، جسم کا ہر خم و گوشت میں ڈوبا ہوا، آنکھوں میں کاجل کی موٹی تہہ، ہونٹوں پر لپ سٹک کا لیپ، کانوں میں سونے کی بالیاں، انگلیوں پر نیل پالش، کلائیوں میں سونے کے کنگن، گلے میں سونے کا ہار، سینے میں سونے کا دل، ڈھلی ہوئی جوانی، ڈھلا ہوا جسم، چال میں زیادہ خوشحالی اور زیادہ خوش وقتی کی بیزاری، آنکھوں میں پرخوری کا خمار اور پیٹ کے ساتھ لگایا ہوا بھاری زرتار پرس دوسری لڑکی الٹرا ماڈرن، الٹرا سمارٹ، سادگی بطور زیور اپنائے ہوئے، دبلی پتلی، سبز رنگ کی چست قمیض، کٹے ہوئے سنہری بال، کانوں میں چمکتے ہوئے سبز نگینے، کلائی میں سونے کی زنجیر والی گھڑی اور دوپٹے کی رسی گلے میں، گہرے شیڈ کی پنسل کے ابرو، آنکھوں میں پرکار سرکاری، گردن کھلے گریبان میں سے اوپر اٹھی ہوئی، دائیں جانب کو اس کا ہلکا

سا مغرور خم' ڈورس ڈے کٹ کے بالوں' بالوں میں یوری عطر کی مہک' دماغ گزری ہوئی کل کے ملال سے نا آشنا' دل آنے والی کل کے وسوسوں سے بے نیاز' زندگی کی بھرپور خوشبوؤں اور مسرتوں سے لبریز جسم' کچھ رکا رکا سا متحرک سا' کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ اس دودھ کی طرح جسے ابال آنے ہی والا ہو۔ سر اینگلو پاکستانی' لباس' پنجابی زبان انگریزی اور دل نہ تیرا نہ میرا

بک اسٹال والا انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور کٹھ پتلی کی طرح ان کے آگے پیچھے چکر کھانے لگا۔ اس نے پنکھا تیز کر دیا۔ کیونکہ لڑکی بار بار اپنے ننھے ریشمی رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔ موٹی عورت نے مسکرا کر پوچھا۔

''آپ نے ''لک'' اور وہ' ٹریو سٹوری' نہیں بھجوائے۔''

اسٹال والا احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔

''وہ جب اب کے ہمارا مال راستے میں رک گیا ہے۔ بس اس ہفتے کے اندر اندر سر تلی بھجوا دوں گا۔''

موٹی عورت نے کہا۔ ''پلیز' ضرور بھجوا دیں۔''

لڑکی نے فوٹوگرافی کا رسالہ اٹھا کر کہا۔ ''پلیز اسے پیک کر کے گاڑی میں رکھوا دیں۔''

بک اسٹال والا بولا۔ ''کیا آپ انٹرول میں ہی جا رہی ہیں۔''

موٹی عورت بولی۔ ''یس...... پکچر بڑی بور ہے۔''

انہوں نے ساڑھے تین روپے کے ٹکٹ لیے تھے۔ پکچر پسند نہیں آئی۔ لمبی کار کا دروازہ کھول دیا اور کار دریا کی پرسکون لہر کی طرح سات روپوں کے اوپر سے گزر گئی۔ وہ سات روپے جن کے اوپر سے لوہاری دروازے کے ایک کنبے کے پورے سات دن گزرتے ہیں۔

اور لوہاری دروازے کے باہر ایک گندہ نالہ بھی ہے۔ اگر آپ کو اس کنبے سے ملنا ہو تو اس گندے نالے کے ساتھ ساتھ چلے جائیں۔ ایک گلی دائیں ہاتھ کو ملے گی۔ اس گلی میں سورج کبھی نہیں آیا لیکن بدبو بہت آتی ہے۔ یہ بدبو بہت حیرت انگیز ہے۔ اگر آپ یہاں رہ جائیں تو یہ

غائب ہو جائے گی۔ یہاں صغرا بی بی رہتی ہے۔ ایک بوسیدہ مکان کی کوٹھڑی مل گئی ہے۔ دروازے پر میلا چکٹ بوریا لٹک رہا ہے' پردہ کرنے کے لیے جس طرح نئے ماڈل کی شیور لیٹ کار میں سبز پردے لگے ہوتے ہیں۔ صحن کچا اور نم دار ہے۔ ایک چارپائی پڑی ہے۔ ایک طرف چولھا ہے۔ اپلوں کا ڈھیر ہے۔ دیوار کے ساتھ پکانے والی ہنڈیا مٹی کا لیپ پھیرنے والی ہنڈیا اور دست پناہ لگے پڑے ہیں۔ ایک سیڑھی چڑھ کر کوٹھڑی کا دروازہ ہے۔ کوٹھڑی کا کچا فرش سیلا ہے۔ در و دیوار سے نم دار اندھیرا رس رہا ہے۔ سامنے دو صندوق ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہیں' صندوق کے اوپر صغرا بی بی نے پرانا کھیس ڈال رکھا ہے۔ کونے میں ایک ٹوکرا الٹا رکھا ہے جس کے اندر دو مرغیاں بند ہیں۔ دیوار میں دو سلاخیں ٹھونک کر اوپر لکڑی کا تختہ رکھا ہے۔ اس تختے پر صغرا بی بی نے اپنے ہاتھ سے اخبار کے کاغذ کاٹ کر سجائے ہیں اور تین گلاس اور چار تھالیاں ٹکا دی ہیں۔ اندر بھی ایک چارپائی بچھی ہے۔ اس چارپائی پر صغرا بی بی کے دو بچے سو رہے ہیں۔ دو بچے اسکول پڑھنے گئے ہیں۔ صغرا بی بی بڑی گھریلو عورت ہے' بالکل آئیڈیل قسم کی مشرقی عورت۔ خاوند مہینے کی آخری تاریخوں میں پٹائی کرتا ہے تو رات کو اس کی مٹھیاں بھرتی ہے۔ وہ لات مارتا ہے تو صغرا بی بی اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیتی ہے کہیں خاوند کے پاؤں کو چوٹ نہ آ جائے۔ کتنی آئیڈیل عورت ہے یہ صغرا بی بی یقیناً ایسی ہی عورتوں کے سر کے اوپر دوزخ اور پاؤں کے نیچے جنت ہوتی ہے۔ خاوند ڈاکیہ ہے۔ ساٹھ روپے کی کثیر رقم ہر مہینے کی پہلی کو لاتا ہے۔ پانچ روپے کوٹھڑی کا کرایہ' پانچ روپے دونوں بچوں کے اسکول کی فیس' بیس روپے دودھ والے کے اور تیس روپے مہینے بھر کے راشن پانی کے باقی جو پیسے بچتے ہیں ان میں یہ لوگ بڑے مزے سے گزر بسر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی صغرا بی بی ساڑھے تین روپے والی کلاس میں بیٹھ کر فلم بھی دیکھ آتی ہے اور اگر پکچر بور ہو تو انٹرول میں ہی اٹھ کر کسی کار میں بیٹھ کر اپنے گھر آ جاتی ہے۔ بک اسٹال والا ہر مہینے انگریزی رسالہ 'لک' اور 'لائف' اسے گھر پر ہی پہنچا دیتا ہے۔ وہ کھانے کے بعد میٹھی چیز ضرور کھاتی ہے۔ دودھ کی کریم میں ملے ہوئے اناس کے قتلے صغرا بی بی اور اس کے ڈاکیے خاوند کو بہت پسند ہیں۔ کریم کو محفوظ رکھنے کے لیے انہوں نے اپنی کوٹھڑی کے اندر ایک ریفریجریٹر بھی لا کر رکھا ہوا ہے۔ صغرا بی بی کا خیال ہے کہ وہ اگلی تنخواہ پر کوٹھڑی کو ائر کنڈیشنڈ کروا لے کیونکہ گرمی حبس اور گندے نالے کی بدبو کی وجہ سے اس کے سارے بچوں کے جسموں پر دانے نکل آتے ہیں اور وہ رات بھر انہیں اٹھ اٹھ کر پنکھا جھلتی رہتی ہے۔ صغرا بی بی نے ایک ریڈیو گرام کا آڈر بھی دے رکھا ہے۔

''مائی گاڈ وٹ اے لولی ہوم از دس۔''

''ہوم! سویٹ ہوم۔''

صغرا بی بی کا رنگ ہلدی کی طرح ہے اور ہلدی ٹی بی کے مرض میں بے حد مفید ہے۔ اس کے ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں ہیں۔ مہینے کے آخر میں جب اس کا خاوند اسے پیٹتا ہے تو ان میں سے اکثر ٹوٹ جاتی ہیں۔ چنانچہ اب وہ اس ہر ماہ کے مستقل خرچ سے بچنے کے لیے سونے کے موٹے کنگن بنوا رہی ہے۔ کم از کم وہ ٹوٹ تو نہیں سکیں گے۔ صغرا بی بی کے چاروں بچوں کا رنگ بھی زرد ہے اور ہڈیاں نکلی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے انہیں کیلشیم کے ٹیکے لگاؤ۔ ہر روز صبح مکھن' پھل' انڈے' گوشت اور سبزیاں دو۔ شام کو اگر یخنی کا ایک ایک پیالہ مل جائے تو بہت اچھا ہے اور ہاں انہیں جس قدر ممکن ہو گندے کپڑوں' بدبو دار محلوں اور اندھیرے کوٹھڑیوں سے دور رکھو۔ صغرا بی بی کا خیال ہے کہ وہ اگلی سے اگلی تنخواہ پر

گلبرگ یا کینال پارک میں کسی جگہ ان بچوں کے لیے زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا لے کر وہاں ایک چھوٹا سا تین چار کمروں والا مکان بنوالے گی۔ دو چھوٹے بچے ابھی اسکول نہیں جاتے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی ایک دن اسکول جانا شروع کر دیں گے اور جو دو بچے مزید پیدا ہوں گے وہ بھی اسکول ضرور جائیں گے۔ اب کی دفعہ وہ انہیں کانونٹ میں داخل کروانے کا ارادہ رکھتی ہے جہاں وہ ہر صبح خدا کے بیٹے کی دعا پڑھیں۔ صغرابی بی کو ممی کہیں' فرفر انگریزی بولیں اور اردو فارسی پڑھ کر تیل بیچنے کی بجائے مقابلے کے امتحان میں بیٹھیں اور اونچا مرتبہ اور لمبی کار اور چوڑے لان والی کوٹھی پائیں۔

کیلشیم کے ٹیکوں کا پورا سیٹ بیس روپے میں آتا ہے۔ یہ تو معمولی بات ہے۔ اب کی وہ اپنے خاوند سے کہے گی کہ ڈاک خانے سے پہلی تاریخ کو گھر آتے ہوئے دو سیٹ لیتے آئے۔ اپنی کوٹھڑی والا ریفریجریٹر اس نے لال لال سیبوں' سرخ اناروں' موٹے انگوروں' مکھن کی ٹکیوں' تازہ انڈوں اور گوشت کے قتلوں سے بھر دیا ہے۔ بچے سارا مہینہ مزے سے کھائیں گے اور موج اڑائیں گے۔ لیکن خدا کی دی ہوئی ہر نعمت کے ہوتے ہوئے بھی صغرابی بی کے رخسار کی ہڈیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں۔ کمر میں مستقل درد رہتا ہے' چہرہ کمزور ہو کر پیلا پڑ گیا ہے' آنکھیں پھٹی پھٹی سی' ویران ویران سی رہتی ہیں۔ ان آنکھوں نے کیا دیکھ لیا ہے۔ اس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں۔ مگر اس کا جسم ڈھل گیا ہے اندر ہی اندر گھل گیا ہے۔ ہاتھ کی نسیں ابھر آئی ہیں۔ کنگھی کرتے ہوئے ڈھیروں بال جھڑتے ہیں۔ ہاتھ پیر ہر وقت ٹھنڈے رہتے ہیں جس طرح ریفریجریٹر میں کریم پھل اور گوشت ٹھنڈا رہتا ہے۔

صغرابی بی کی شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں اور خاوند نے اسے صرف چار بچے عطا کیے ہیں۔ خدا اسے سلامت رکھے ابھی اور بچے پیدا ہوں گے۔ ہر پہلی تاریخ کو اس کے خاوند کو صغرابی بی سے محبت ہو جاتی ہے۔ جب بیس روپے دودھ والا لے جاتا ہے تو محبت کے اس تاج کا ایک برج گرتا ہے۔ پانچ روپے کرایہ جاتا ہے تو دوسرا برج گرتا ہے۔ پھر بچوں کی فیس' کاپیاں' پنسلیں' کتابیں' راشن' دال' آٹا' نمک' مرچ' ہلدی اوپلے' کپڑا' پریشانی' تفکرات' وسوسے' ملال اور ناامیدیاں اور یہ تاج محل گنبد سمیت زمین کے ساتھ آن لگتا ہے اور خاوند اپنی محبت کی پٹاری میں سے ڈنڈا نکال کر اپنی پہلی تاریخ کی محبوبہ کی پٹائی شروع کر دیتا ہے۔

''ونڈرفل ہوم۔''

''ڈیڈی! آج آپ کا مک نہیں لائے۔''

''او ممی! یہ جیلی گندی ہے اسے پھینک دیں۔''

''کم آن ڈارلنگ صغرابی بی! آج الحمراء میں کلچرل شو دیکھیں۔ ڈانس' میوزک' اوٹ اے تھرل ہنی! بس یہ وائیٹ ساڑھی خوب میچ کرے گی اور اس کے ساتھ بالوں میں سفید موتیے کے پھولوں کا گجرا مائی مائی! یو آر سویٹ مائی ڈارلنگ صغرابی بی۔''

ندی کنارے یہ کاٹج کس قدر خوب صورت ہے۔ سرسبز لان' ترشی ہوئی گھاس' قطار میں لگے ہوئے پھولوں کے پودے ایک ملازم غسل خانے میں لکس صابن سے کتے کو نہلا رہا ہے۔ اس کے بعد تولیے سے اس کا جسم خشک کیا جائے گا۔ کنگھی پھیری جائے گی۔ گلے میں ایرپن باندھا جائے گا' اور اسے دو آدمیوں کا کھانا کھلایا جائے گا اور پھر فورڈ کار میں بیٹھ کر مال روڈ کی سیر کروائی جائے گی۔ آج اگر گوتم بدھ زندہ ہوتا تو وہ جانوروں کے ساتھ انسانوں کی اتنی شدید محبت کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا۔ آج اسے انسانی دکھوں اور

مصیبتوں کو دیکھ کر محل چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ بلکہ وہ محل ہی میں اپنی بیوی بچے اور لونڈیوں کے ساتھ رہتا۔ کتوں کی ایک پوری فوج رکھتا' شام کو کلب میں جا کر دوستوں کے ساتھ تاش کھیلتا' سینما دیکھتا اور بچوں کو ساتھ لے کر انہیں کار میں سیر کرواتا۔ اس کے بچے رنگ دار قمیض اور جینز پہن کر گردن اکڑا کر' چھوٹی سی چھاتی پھلا کر' پتلی سی کمر مٹکا کر' کالج والے بس سٹاپوں' اعلیٰ ہوٹلوں اور ناچ گھروں کے چکر لگاتے۔ وہ رات کو ایک بجے سوتے اور صبح منہ اندھیرے گیارہ بجے اٹھتے اور دانت صاف کیے بغیر چائے پیتے اخبار میں فلموں کا پروگرام دیکھتے۔ گرمیاں کبھی مری اور کبھی سوئٹزرلینڈ میں بستر کرتے اور اپنے باپ کا نام روشن کرتے اور اسے کبھی بال منڈوا کر شاہی لبادہ پھینک کر ننگے پاؤں نروان حاصل کرنے کے لیے جنگل کا رخ نہ کرنے دیتے۔

اف! مائی گڈنس! لوہاری دروازے کی اس گندی گلی میں کس قدر حبس ہے۔ یہ لوگ کیسے چارپائی گندی نالیوں پر ڈال کر سو رہے ہیں۔ وٹ اے پٹی! مجھے ان لوگوں سے بڑی گہری ہمدردی ہے۔ میں ان کے تمام مسائل سے واقف ہوں۔ میں ہر ہفتے ان کی پھیکی اور بے رس زندگی پر ایک افسانہ لکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ان لوگوں کی زندگی پر ایک پرمغز تحقیقی مقالہ لکھ کر سب مٹ کروا دوں۔ بڑا ونڈرفل سبجیکٹ ہے۔ ڈاکٹریٹ تو وہی پڑی ہے۔ جس طرح وہ کھری چارپائی پڑی ہے' جس پر تین پھنسیوں زدہ بچے اور ایک بچہ زدہ ماں سو رہی ہے۔ میں ناک پر رومال رکھے' پرنالوں سے اپنے اجلے کپڑے بچاتا' ان لوگوں کا گہرا مطالعہ کرتا بدبودار گلی میں سے باہر نکل آتا ہوں۔

لاہور میں قیامت کی گرمی پڑ رہی ہے لیکن اس ہوٹل کی فضا کس قدر خنک ہے' ایئر کنڈیشننگ بھی خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ آج ہوٹل میں بڑی رونق ہے۔ سایہ دار دھیمی قمقموں کی ملائم روشنی میں لوگوں کے چہرے کتنے خواب آور دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ کہیں خواب ہی تو نہیں۔ میرا خواب..... صغرا بی بی کا خواب' اس کے ڈاکیے خاوند کا خواب! ہری اوم! وہ پوٹی ٹیل والی لڑکی کتنی پیاری ہے اور وہ بلیک ٹیشو کی چست قمیض والی دوشیزہ جس کے بالوں میں ریل کے گجرے ہیں' کانوں میں زہریلے رنگ کے نگینے ہیں اور جس کا چہرہ باقاعدہ اور قوت بخش غذاؤں کے اثر سے کھانا کھانے والے چاندی کے چمچ کی طرح چمک رہا ہے اور وہ مرغن چہرے والی موٹی عورت جس کی آدھی آستینوں والی قمیض بازوؤں پر گوشت کے اندر دھنس گئی ہے اس عورت کا چہرہ سوم کے بت کی طرح ہے۔ بے حس اور ٹھنڈا اس کی گاڑی چودہ گز لمبی ہے اور غسل خانے کا فرش بارہ مربع گز ہے اس نے ریڈیو گرام جرمنی سے منگوایا ہے۔ قالین ایران سے' عطر فرانس سے' کیمرہ امریکہ سے' خاوند پاکستان سے حاصل کیا ہے۔ جتنے پیسوں کا صغرا بی بی کے ہفتے بھر کا راشن آتا ہے' اتنے پیسے یہ بیرے کوٹ کر دیتی ہے۔ اس کے بنگلے میں چار کتے اور سات بیرے رہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ چاندی کے کافی سیٹ میں کافی پیتی ہے۔ چاندی کے برتنوں میں بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایک تو انہیں زنگ نہیں لگتا' دوسرے وہ نان پوائزنس ہوتے ہیں۔ ایک سیٹ اپنے گھریلو استعمال کے لیے لوہاری دروازے کی گلی والے ڈاکیے کو بھی خرید لینا چاہیے۔

یہ ہوٹل تو بالکل جنت ہے۔ ایک جوڑا سب سے الگ بیٹھا ہے۔ لڑکی دبلی پتلی سی ہے۔ چست کپڑوں نے اسے اور دبلا بنا دیا ہے۔ بال ماتھے پر ہیں۔ ناخنوں پر ریڈ انڈین گلابی رنگ کا پالش چمک رہا ہے۔ اس شیڈ کی لپ سٹک کی ہلکی سی تہہ

پتلے پتلے ہونٹوں پر ہے۔ چہرے پر نسوانی نزاکت کے ساتھ ساتھ جذبات کا دھیما دھیما ہیجان سا ہے۔ کان اپنے ساتھی کی باتوں پر ہیں اور بے چین آنکھیں موقع ملنے پر ایک ایک میز کا جائزہ لے رہی ہیں۔ لڑکی کی گردن کالی بو اور بار ڈر کالر میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے ان کے سامنے کولڈ کافی کے گلاس ہیں۔

''روشی ڈارلنگ! میں پرومس کرتا ہوں کل سے صنوبی کے ساتھ کوئی کنسرن نہیں رکھوں گا۔''

''شٹ اپ یو بیگ لائر تم مجھ سے فلرٹ کر رہے ہو۔''

''فار گاڈ سیک ڈونٹ تھنک لائیک دیٹ آئی نو یو ڈارلنگ۔''

''لائی..... جھوٹ' بالکل جھوٹ۔''

''میں یو کے سے واپس آتے ہی تم سے شادی کرلوں گا۔''

''تم وہاں شادی کر کے آؤ گے۔''

''نو..... نیور تم خود دیکھ لوگی۔ پھر ہم دونوں یو کے چلے جائیں گے اور وہیں جا کر سیٹل ہو جائیں گے۔ میں اس گندے شہر سے بور ہو گیا ہوں..... بیرا۔''

''یس سر۔''

''ایک کریم پف۔''

''یس سر۔''

''ووڈ یو لائیک مور ڈارلنگ۔''

''نو تھینک یو۔''

میں بھی سوچ رہا ہوں کہ یو کے جا کے سیٹل ہو جاؤں۔ میں بھی اپنی گندی گلیوں سے بور ہو گیا ہوں۔ شاید میں صغرا بی بی اور اس کی گلی میں کھڑی چارپائی پر ماں کے ساتھ سونے والے پھنسی زدہ بچوں کو بھی لیتا جاؤں۔''

''بیرا..... تھری سکویش مور۔''

اوپر گیلری کو جانے والی سیڑھیوں کے پاس والی میز پر تین میڈیکل سٹوڈنٹ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ گفتگو برجی بار دو کے کولھوں' اگاتھا کرسٹی کے ناولوں اور پکاڈلی کی پراسرار گلیوں سے ہو کر میڈیکل پیشے میں آ کر ٹھہر گئی ہے۔

''یارا! میں تو فائنل سے نکل کر سیدھا لندن چلا جاؤں گا۔ یہاں کوئی فیوچر نہیں ہے۔''

''بالکل..... میں بھی وہیں جا کر پریکٹس کروں گا۔ برادر وہاں پیسہ بھی ہے اور مریض بھی بڑے پالشڈ ہوتے ہیں۔''

''یار میں تو یو کے جا کر کینسر ٹریٹمنٹ اسپیشلائیز کروں گا۔ یہاں کینسر اسپیشلسٹ کے بڑے چانسز ہیں۔ بیس روپے فیس رکھوں گا اور ایک سال بعد اپنا کریم کلر کی فقشی ایٹ ماڈل شو ہو گی اور گلبرگ میں ایک کوٹھی۔''

''بھئی یار تم نے بل مین بیچ کیوں دی۔''

''چکڑا ہو گئی تھی۔ آئل بڑا کھانے لگی تھی۔''

''شی..... ! مس قریشی آ رہی ہے۔''

''صدیقی! تم نے اس کی بڑی بہن مسز ارشاد کو پرسوں گرفن میں دیکھا تھا۔ ارے بھئی۔ تم ساتھ ہی تو تھے۔ کیا کلاس ون عورت ہے۔''

''نو ڈاؤٹ..... بالکل لولو بریجڈا۔''

سب لوگ پاکستان سے باہر جا رہے ہیں۔ کوئی برجی بار دو کے پاس' کوئی لولو بریجڈا! کے پاس' کسی کو بیوی لیے جا رہی ہے کوئی بیوی کو لے جا رہا ہے۔ کسی کو پیسہ کھینچ رہا ہے اور کسی کو پالشڈ قسم کے مریض۔ ہم لوگ کہاں جائیں گے۔ میرا بھائی ڈاکیہ کہاں جائے گا۔ صغرا بی بی کہاں جائے گی۔ اس کے بیمار بچوں کا علاج کون کرے گا۔ مثانے کی بیماری میں نیم حکیم سے گردے کی درد کی دوا کھا جانے والے دیہاتی کہاں جائیں گے۔ ان لوگوں کا علاج پاکستان میں کون کرے گا۔

کونے والی میز پر ایک پاکستانی آدمی امریکیوں کی طرح کندھے اچکا کر اپنے ساتھی سے کہہ رہا ہے۔

''بڑی پرابلم بن گئی ہے۔''

''کیسی پرابلم۔''

''بے بی نے تین سال لوئر کے جی میں لگائے ہیں۔ کراچی سے یہاں تبدیل وہ کرآ گیا ہوں۔ یہاں کسی انگریزی سکول میں داخلہ نہیں مل رہا۔ کارپوریشن کے سکول والے بی بے کو پھر سے دوسری جماعت میں لے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں بچے کو اردو نہیں آتی بھئی وہ تو سوائے انگریزی کے اور کچھ بولتا ہی نہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔''

''اردو کو گولی مارو..... اب اسے فرانسیسی پڑھاؤ گھر پر۔''

ہوٹل میں بڑی رونق ہو گئی ہے۔ یہ بڑی رومانٹک جگہ ہے اور گیلری تو بڑی پرسکون جگہ ہے۔ میں انشاء اللہ پرسوں اس گیلری میں بیٹھ کر لوہاری دروازے کی بوسیدہ گلی والی بیمار عفرا بی بی پر ایک کہانی ضرور لکھوں گا۔ پارکر کا قلم' کروکسلے کا پیڈ' کولڈ کافی کا گلاس' تھری کاسل کا سگریٹ' کاؤنٹر کے گلدان میں لگی یوکلپٹس کی پتیوں اور ہوٹل میں بیٹھی خوب صورت نازک عورتوں کے کپڑوں کی یورپی مہک اور عفرا بی بی کا ونڈرفل سبجیکٹ! ایسا افسانہ تو بس اسی جگہ بیٹھ کر لکھا جا سکتا ہے۔

میں گیلری میں بیٹھا جھانک کر نیچے دیکھتا ہوں۔ تین ہم شکل' ہم لباس لڑکیاں گردنیں اٹھائے سینہ تانے' آنکھوں میں مغرور چمک لیے داخل ہو رہی ہیں۔ گردنیں موڑے بغیر آنکھیں اٹھائے بغیر ہر شخص کا جائزہ لینے لگا ہے' یہ دور شجاعت کے انگریزی ناولوں کی ہیروئینیں معلوم ہو رہی ہیں' جو کبھی پھولدار بیلوں سے نصف ڈھکی ہوئی بالکونیوں میں کھڑے ہو کر چاندنی راتوں میں اپنے محبوب کا انتظار کیا کرتی تھیں اور نوکیلی رنگین چونچوں والے پرندوں کے پروں میں انتہائی جذبات' محبت نامے باندھ کر انہیں چوم کر فضا میں چھوڑ دیا کرتی تھیں۔ جو اپنے محبوب کی بے وفائی کا حال سن کر زہر کھا لیا کرتی تھیں۔ لیکن اس ایٹمی دور میں عشق' فورڈ کار کی چابی گھمانے سے اسٹارٹ ہوتا ہے اور محبت نامے بنک کی چیک بک پر لکھتے جاتے ہیں۔ اب یہ لڑکیاں محبوب کی بے وفائی کا سن کر زہر کھانے کی بجائے چکن سینڈوچز کھا کر رومال سے منہ پونچھتی ہیں اور دوسرے محبوب کی تلاش میں' دوسری کار کی تلاش میں' دوسرے کیریئر کی تلاش میں نکل پڑتی ہیں۔ محبت کے جذبات آج کل اسپرو کی ایک ٹکیہ کھا کر غائب ہو جاتے ہیں اور عشق کا ہیجان فروٹ سالٹ کے ایک ہی چمچ سے بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ شادی زندگی کے کاؤنٹر پر مستقل سودا ہے اور محبت شادی کی گاڑی کے پیچھے لٹکتا ہوا جوتا ہے۔

فضا میں ایئر کنڈیشنگ پلانٹ کی سوندھی مہک کے ساتھ' باریک ریشمی کپڑوں کی لطیف سرسراہٹ' بجلی کی دھیمی روشنی میں روغنی چہروں کی جھلملاہٹ' چاندی کے سرپوش والی چٹنی مربہ کی شیشیوں کی چمک دمک اور مختلف قسم کے کھانوں کی خوشبوئیں گھل مل رہی ہیں۔ دھیمی دھیمی باتوں کی بھنبھناہٹ ہے۔ مسرت اندوزی کے منصوبے ہیں۔ خود اطمینانی کی ہلکی ہلکی ہنسی ہے' خود پرستی کی ادائیں ہیں۔ گہرے اسرار و رموز والی پراسرار نگاہیں ہیں اور خواب ہیں صحت مند دھلے دھلائے چہرے ہیں۔ رگڑ رگڑ کر داڑھی مونڈھے گال ہیں۔ گردن' کندھے' اور نظروں کے غیر ملکی ٹکسال میں ڈھلے ڈھلائے اشارے ہیں۔ پھنسی پھنسائی گردنیں ہیں۔ گھٹی گھٹی باتیں ہیں۔ برجی باردو کے ہونٹ ہیں' لولو برجیڈا کے بازو ہیں' ڈورس ڈے کے بال ہیں' امریکی ٹائیاں ہیں۔ فرانسیسی عطر ہیں۔ انگریزی جوتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ' جرمنی' سیلون اور سنگاپور کی باتیں ہیں۔ کہیں چک ۹۲ ایف کی دوپہر میں ہل چلاتا کاشتکار

نہیں۔ کہیں حلوائی کی دکان کے چھٹے پر بیٹھ کر پیا جانے والا لسی کا گلاس نہیں' کہیں دور افتادہ گاؤں میں غوثیہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے والا ڈاکٹر فرید نہیں' کہیں تاریک افریقہ کے جنگلوں میں انسانوں کی بھلائی کے لیے زندگی وقف کر دینے والا البرٹ شوئیٹزر نہیں۔ کہیں صغرا بی بی کے زرد گالوں اور کمر کی مستقل درد کے لیے کیلشیم نہیں۔ کہیں مشرقی پاکستان کے دریاؤں کے سیلاب سے برسرِ پیکار رہنے والے ماہی گیر نہیں۔ وہ اداس آنکھیں نہیں' وہ ناریل کے تیل لگے گہرے سیاہ بال نہیں' کہیں وہ پہلی کی پہلی' بیوی سے محبت کرنے والا اور مہینے کے آخیر میں اس کی پٹائی کرنے والا مفلوک الحال ڈاکیہ نہیں' کوئی سیل زدہ دیوار نہیں جس پر صرف تانبے کے چار گلاس اور تین تھالیاں لگی ہوں۔ کھیتوں کی کڑکتی دھوپ میں اپنی ہیر کی راہ دیکھنے والا کوئی رانجھا نہیں۔ سب ڈرائینگ روم لورز ہیں' ٹھنڈی نشست گاہوں میں اناس کے قتلے اور کولڈ کافی کا گلاس سامنے رکھ کر محبت کی سرد آہیں بھرنے والے عاشق ہیں۔ یوکلپٹس کی پتیوں کو فرنچ عطر کانوں پر لگا کر کہانیاں لکھنے والے افسانہ نگار ہیں۔ قوم' مذہب' ملت اور سیاست کے نام پر اپنی گاڑیوں' میں پٹرول ڈلوانے والے اور اپنی کوٹھیوں میں نئے کمرے بنوانے والے دردمند قوم ہیں۔ عشرت انگیزی ہے' تصنع آمیزی ہے' زر پرستی ہے' خود پسندی ہے' جعلی سکے ہیں کہ ایک کے بعد بنتے چلے جا رہے ہیں۔ روشنی کے داغ ہیں کہ ایک کے بعد ایک ابھرتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں صغرا بی بی کے بچوں کی پھنسیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ انہیں اس کے ڈاکیے خاوند کے تاجی محل کی بربادی کا کوئی علم نہیں۔ دھان زمین میں اگتا ہے یا درختوں پر لگتا ہے انہیں کوئی خبر نہیں۔ یہ اپنے ملک میں اجنبی ہیں۔ یہ اپنے گھر میں مسافر ہیں۔ یہ اپنوں میں بیگانے ہیں۔ چیک بک' پاسپورٹ' کار کی چابی' کوٹھی اور لائسنس..... یہی ان کی منزل ہے' یہی ان کا محور ہے' یہی ان کا مرکز ہے' یہی ان کا مذہب ہے اور یہی ان کا پاکستان ہے۔ یہ وہ بازی کھانے ہیں جن کی تازگی ریفریجریٹر بھی برقرار نہ رکھ سکا۔ یہ دو سورجوں کے درمیان کا پردہ ہیں۔ یہ کھلے ہوئے متبسم لبوں کے درمیان کی تاریک لکیر ہیں یہ اس غار کے منہ پر تنا ہوا جالا ہیں جہاں چاند طلوع ہو رہا ہے۔

اب رات آسمان کی راکھ میں سے تاروں کے انگارے کریدنے لگی ہے۔ لوہاری دروازے کی تنگ و تاریک گلی میں حبس ہے بدبو ہے' گرمی ہے' مچھر ہیں' پسینہ ہے ٹوٹی پھوٹی کھری چارپائیوں کی بینگی ٹیڑھی قطاریں ہیں' نالیوں میں جمی ہوئی گندگی ہے۔ چارپائیوں سے نیچے لٹکتی ہوئی گلی کے فرش پر لگی ہوئی ٹانگیں ہیں۔ کمزور باسی چہرے ہیں پھٹے پھٹے ہونٹ ہیں۔ صغرا بی بی اپنے چاروں بچوں کو پنکھا جھل رہی ہے۔ کوٹھڑی میں حبس کے مارے دم گھٹا جا رہا ہے۔ گندے نالے والی کھڑکی میں گرم ایشیائی رات کے سبز چاند کی جگہ اوپلوں کا ڈھیر پڑا سلگ رہا ہے۔ اس کا ڈاکیہ خاوند پاس ہی پڑا خراٹے لے رہا ہے۔ پنکھا جھلتے جھلتے اب صغرا بی بی بھی اونگھنے لگی ہے۔ اب پنکھا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا ہے۔ اب کمرے میں اندھیرا ہے' خاموشی ہے۔ چار بچوں کے درمیان سوئی ہوئی مٹی کی مونا لیزا کے ہونٹ نیم وا ہیں۔ چہرہ کھنچ کر بھیانک ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے حلقے گہرے ہو گئے ہیں اور رخساروں پر موت کی زردی چھا گئی ہے۔ اس پر کسی ایسے بوسیدہ مقبرے کا گمان ہو رہا ہے' جس کے گنبد میں دراڑیں پڑ گئی ہوں' جس کے تعویذ پر اگر کوئی بتی نہ سلگتی ہو اور جس کے صحن میں کوئی پھول نہ کھلتا ہو۔

☆☆☆☆
ادب سے انتخاب
☆☆☆☆

لیمن جوس

چترسین

شاید وہ پاپا کو بھولتا جا رہا تھا لیکن یہاں اس نے جو پاپا کو سامنے ہی کھڑے پایا تو مارے خوشی کے چلا اٹھا۔ ''ماما! پاپا' ماما! پاپا۔'' اس نے دونوں خوب صورت گورے گورے ہاتھ باپ کی طرف پھیلا دیے اور اپنے آپ کو ماں کی گود سے قریب قریب باپ کی طرف لڑھکا دیا لیکن باپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ اسی طرح بے جان مورتی کی طرح عدالت میں کھڑا مجسٹریٹ کی طرف دیکھتا رہا۔

ضمیر کی مشعل روشن رکھنے والوں کی کہانی

ایک شہادت میں ادھر گھسیٹا گیا تھا' اس لیے اس دن کچہری جانا ہی پڑا۔ عجیب جگہ ہوتی ہے یہ کچہری بھی زندگی کا سب سے زیادہ مصرف کچہری ہی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کام کچھ بھی نہیں تھا۔ میں یوں ہی ادھر ادھر گھومنے لگا۔ موکلوں آسامیوں' پولیس والوں اور وکیلوں کی طرح طرح کی باتیں سنتا اور مقدمات کی جھلکیاں دیکھتا ہوا مٹرگشت کر رہا تھا۔ ایک اجلاس کے سامنے دیکھا کہ بڑی بھیڑ ہے۔ لوگ بے وجہ اس مقدمے کی کاروائی بڑے اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔ میں بھی اپنا اشتیاق نہ روک سکا۔ سوچنے لگا آخر معاملہ کیا ہے۔ یہ قتل کا کیس ہے یا زنا بالجبر کا مقدمہ ہے یا کوئی بھاری ڈکیتی ہے جو یہاں آج اتنی بھیڑ جمع ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ میاں بیوی کی طلاق کا مقدمہ ہے۔

میرا شوق بڑھ گیا اور میں کھٹ سے عدالت کے کمرے میں جا پہنچا۔ جا کر دیکھا کہ پچیس برس کی چھریرے بدن کی ایک نازک اندام حسینہ' سفید ساڑھی پہنے ہوئے اپنے تمام تر حوصلے اور جرات سے دل کی گھبراہٹ کم کرنے کی کوشش کر رہی ہے' پھر بھی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ شرم کے مارے آنکھیں اوپر نہیں اٹھ رہی ہیں۔ عدالت کے کمرے کی وہ غیر معمولی بھیڑ جیسے اسے اپنے بوجھ سے کچل رہی ہے اور وہ بہ وقت تمام سانس لے رہی ہے۔ ایک موٹے تازے' گنجے اور چیچک زدہ وکیل صاحب ٹھسے سے شاندار سوٹ پہنے ہوئے اس کی بغل میں کھڑے ہیں۔ گویا اس لامحدود دنیا میں ایک وہی اس حسینہ کے مونس وغم خوار ہیں۔ اس نوجوان لڑکی کی گود میں ایک تین برس کا بچہ بھی تھا۔ بچہ بے حد خوب صورت اور تندرست تھا۔ گورا بدن اور اس پر صاف کپڑے پہنے ہوئے تھا اور وہ بڑے اشتیاق سے کمرے کی بھیڑ دیکھ رہا تھا۔

دوسری طرف کٹہرے میں سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک تیس پینتیس برس کا جنٹل مین کھڑا تھا۔

اس کا رنگ بہت گورا نہیں لیکن بہت برا بھی نہ تھا۔ آنکھیں چمکدار' بال گہرے کالے اور چہرہ بھرا ہوا تھا۔ پھر بھی اس کے چہرے پر گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ادھر ادھر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نظریں مجسٹریٹ پر جمی ہوئی تھیں۔

اس کی بغل میں ایک دبلے پتلے میاں' بے تکا سا سوٹ پہنے' اونچے باڑھ کی بالوں والی ٹوپی چڑھائے' چشمہ لگائے ہاتھ میں مسل لیے ہوئے اسے غور سے دیکھ رہے تھے اور بیچ بیچ میں اپنے موکل سے دو ایک سوال بھی کر رہے تھے۔ نوجوان لڑکی کی طرف دیکھنا تو درکنار' وہ اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔

نوجوان لڑکی کا بیان ہو رہا تھا۔ وکیل صاحب اس سے انتہائی شیریں لہجے میں خوب آہستہ آہستہ سمجھا کر اپنا کرخت لہجہ حسب توفیق میٹھا اور نازک بنا کے ایسی چالاکی سے سوال کر رہے تھے کہ جواب انہی کی خواہش کے مطابق دیا جائے اور وہ نوجوان لڑکی جیسے بے پناہ دکھی ہو' انتہائی طور پر بے دلی اور غیر دلچسپی سے دبی زبان میں ان کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی لیکن یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ اسے اچھا نہیں لگ رہا ہے اور وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ کھڑی ہونا چاہتی ہے۔ پھر بھی بیچ بیچ میں ایک جھنجلاہٹ اور خشم انگیز غصے کی ایک لہر اس کے ہونٹوں پر اور آنکھوں میں رہ رہ کر کھیل جاتی تھی اور اسی کے سہارے وکیل صاحب کا کام چل رہا تھا۔ وکیل صاحب پوچھ رہے تھے۔

''ہاں! تو آپ کے یہ شوہر جو سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی بدچلنی کی بات جب آپ کو معلوم ہوئی تو.....''

میاں جی شیر کی طرح ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بیچ ہی میں بات کاٹ کر ہاتھ مٹکاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اعتراض ہے' یہ سوال غلط ہے' آپ نہیں پوچھ سکتے۔''

وکیل صاحب نے بہت ہی آہستہ لیکن سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''کیوں نہیں۔ میں ضرور پوچھ سکتا ہوں' ہاں! آپ کہیے۔''

''جی نہیں' میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بات غور سے سنی جائے۔ میں

جاننا چاہتا ہوں کہ یہ بات مدعی کو کیسے معلوم ہوئی۔''

عدالت نے معاملہ نمٹانے کی غرض سے کہا۔ ''تمہیں اپنے خاوند کی بدچلنی کی بات کیسے معلوم ہوئی۔''

''مجھ سے'' اس حسینہ کے منہ سے ابھی لفظ پورا بھی نہ نکلا تھا کہ وکیل صاحب نے اونچی آواز میں کہا۔ ''تم نے انہیں خود دیکھا۔''

نوجوان لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھ سے' مجھ سے' مجھ سے کہا۔''

''میں اعتراض کرتا ہوں' مسمات سنی ہوئی باتیں بیان نہیں کرسکتی وہ صرف وہی بیان دے سکتی ہے جس کے بارے میں اسے ذاتی طور پر علم ہو۔'' میاں صاحب جب زور زور سے یہ باتیں کر رہے تھے تو عدالت کا اور دوسرے لوگوں کا دھیان بھی ان کی طرف گیا۔ لڑکی کی گود میں جو بچہ تھا' اس کا دھیان بھی اس طرف ہوگیا۔ اس نے کم سے کم یہ ضرور محسوس کیا کہ اس کی ماں کو اس شخص نے کچھ کہتے کہتے روک دیا ہے لیکن ادھر دیکھتے ہی اس کا دھیان اس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہوئے اپنے باپ کی طرف گیا جو بڑی سنجیدگی سے مجسٹریٹ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے اس بچے نے کب سے باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ شاید ہفتوں گزر گئے تھے۔

شاید وہ پاپا کو بھولتا جا رہا تھا لیکن یہاں اس نے جو پاپا کو سامنے ہی کھڑے پایا تو مارے خوشی کے چلا اٹھا۔ ''ماما! پاپا' ماما! پاپا۔'' اس نے دونوں خوب صورت گورے گورے ہاتھ باپ کی طرف پھیلا دیے اور اپنے آپ کو ماں کی گود سے قریب قریب باپ کی طرف لڑھکا دیا لیکن باپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ اسی طرح بے جان مورتی کی طرح عدالت میں کھڑا مجسٹریٹ کی طرف دیکھتا رہا۔

ادھر نوجوان لڑکی نے بچے کو زور سے گود میں کس کر ڈانٹ کر کہا۔ ''چپ رہ۔''

بچہ عدالت کے آداب سے لاعلم تھا۔ اس نے بری طرح چلانا اور مچلنا شروع کر دیا۔ وہ باپ کی گود میں جانے کے لیے اپنی تمام تر طاقت سے رونے لگا۔

عدالت کا کام رک گیا۔ بچہ اتنا خوب صورت تھا اور اپنی ماں کی گود سے باپ کی گود میں جانے کی اس کی تمنا اتنی قدرتی اور فطری پراسرار اور زبردست تھی کہ لمحے بھر کے لیے مجسٹریٹ اپنے اختیارات بھول گیا۔ خاص کر بچے کی اس کوشش سے جو ذہنی الجھن اور مایوسی ان دونوں' میاں بیوی نے مجسٹریٹ کے دل میں پیدا کر دی تھی۔ مجسٹریٹ اور بھی تذبذب میں پڑ گیا۔ اس نے انتہائی پرسکون انداز میں کہا۔ ''آپ ذرا بچے کو چپ کرائیے۔''

نوجوان لڑکی نے ہونٹ کاٹ کر اپنے آپ کو روکا اور بچے کو کس کے اور بھی شدت سے اپنے سینے سے لگا لیا لیکن بچہ انتہائی رحم طلب نظروں سے ہاتھ پسار پسار کر ''پاپا' او پاپا'' چلاتا رہا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں سے موتیوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگیں۔

اور باپ کا دل آخر ساری خودی اور آن ایک طرف پھینک کر بے تاب ہوا تھا۔ وہ بھول گیا کہ وہ عدالت میں کھڑا ہے اور اس کے سامنے طلاق کا مقدمہ ہے۔ اس نے گھوم کر دونوں ہاتھ بیٹے کی طرف پھیلا دیے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے رندھی ہوئی آواز میں نکل گیا۔

''میرے بیٹے! میرے بیٹے۔''

اس حسینہ کا منہ بھی ادھر مڑا' نہ جانے غصے اور غیرت کے کتنے اسباب اس آنکھوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اس نے پورا زور لگا کر بچے کو اپنی گرفت میں اور بھی کس لیا۔ وہ گھوم

کر اپنے شوہر کی طرف پوری طرح پیٹھ کر کے کھڑی ہوگئی۔ باپ کے ہاتھ پھیلے کے پھیلے رہے' اس کی آنکھوں میں آنسو ہی بھرے رہے' اس کے رندھے ہوئے گلے سے ''بیٹا! بیٹا'' کے الفاظ نکلتے ہی رہے اور شدت جذبات سے اس کے ہونٹ کانپتے ہی رہے۔

عدالت' وکیل اور عملہ سب بے بس تھے۔ دیکھنے والوں کے دل کانپ رہے تھے۔ نہ جانے کس نے اونچی آواز میں کہہ ہی دیا۔ ''دے دو' بیٹے کو باپ کی گود میں دے دو! اتنی بے رحم نہ بنو۔ ذرا باپ اور بیٹے کی طرف تو دیکھو! ان کے دل تڑپ رہے ہیں۔''

کہنے والا شاید کوبوڑھا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ خود تڑپ اٹھا تھا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب درد تھا۔ اس کی آواز میں آواز ملا کر دوسروں نے بھی کہا۔ ''ارے دے دو' ننھے سے بچے کا دل نہ توڑو' ارے ہچکیاں لے رہا ہے۔''

نوجوان جیسے بے سدھ سا ہو کر کٹہرے سے باہر نکل آیا۔ وہ اسی طرح ہاتھ بڑھائے' پرنم آنکھوں میں التجا لیے' ایک زخم اور درد لیے بیوی کے بالکل پاس پہنچ گیا۔ بیٹے کی پھیلی ہوئی ننھی ننھی باہیں باپ کی گردن میں حمائل ہوگئیں اور باپ کا ہاتھ بیوی کی مضبوط گرفت اپنے لمس سے ڈھیلی کرتا ہوا' بیٹے کی کمر میں لپیٹ گیا۔ بیٹا باپ کی چھاتی سے جا لگا تھا۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ ''لیمن جوس لاؤ۔''

باپ نے ہونٹوں پر ہنسی اور آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب بھر کے جیب سے لیمن جوس نکال کر بچے کو دے دیا۔ لیمن جوس لیتے ہی بچے نے اچھل کر کہا۔ ''منا ما! لیمن جوس'' اور اس نے ایک ٹکڑا اٹھا کر ماں کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

وہ نوجوان پھر بیوی کے قریب چلا گیا۔ بچے نے کسی بھی طرح کا دستور یا عدالتی آداب نہ مانا۔ ماں کی بہت مخالفت اور منع کرنے پر بھی اپنے پرانے دستور کے مطابق لیمن جوس کا ایک ٹکڑا ماں کے منہ میں ٹھونس دیا۔

سب دیکھنے والے ہنس پڑے۔ مجسٹریٹ چپ تھا۔ بچہ باپ کی گود میں تھا اور بچے کا ایک ہاتھ ماں کی گردن میں کستا جا رہا تھا۔ بچہ کہہ رہا تھا۔ ''ماما گھر چلو! میں پاپا کے ساتھ چائے پیوں گا۔''

اس خوب صورت لڑکی نے ایک اچٹتی نگاہ اپنے خاوند پر ڈالی یہ وہی نظر تھی جو ہمیشہ سے مردوں کو نہال کرتی آئی ہے۔ اس میں دنیا بھر کی معافی' فیاضی' پیار سبھی کچھ تھا۔

خاوند نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے بیوی کی انگلیاں چھوئیں' پھر انہیں پکڑ لیا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہونٹ اور اشکوں سے بھری ہوئی آنکھوں نے سب کے سامنے سب کچھ کہہ دیا۔ اپنی انگلی پر ہلکا سا دباؤ پڑتے ہی بیوی' شوہر کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چل دی۔ دونوں کے درمیان وہ بچہ تھا جس کا ایک ہاتھ باپ کی گردن میں تھا اور دوسرا ماں کی گردن میں۔ وہ عدالت سے باہر آ رہے تھے۔ دیکھنے والے خوشی سے واہ واہ کر رہے تھے۔ بوڑھے محمود نے دلی کی ٹکسالی زبان میں کہا۔ ''واہ بیٹا بادشاہ! تو نے تو سب وکیلوں کے کان کاٹ لیے۔ کیا مقدمے کا فیصلہ کیا ہے' باون تولے' پاؤ رتی۔''

مجسٹریٹ نے مسل اٹھا کر ایک طرف پھینک دی۔ دونوں وکیل بڑبڑاتے ہوئے عدالت سے باہر آ گئے۔ ماں' باپ اور بیٹا تینوں ایک تانگے میں سوار ہو رہے تھے اور عدالت کے باہر کھڑی بھیڑ انہیں اس طرح گھیرے کھڑی تھی' جیسے برات میں دولہا دلہن کھڑے ہوئے ہوں۔

☆☆☆☆
ادب سے انتخاب
☆☆☆☆

غیر قانونی مشورہ

موپاساں

چھ ماہ بہت اچھے گزرے میں نہایت خوش تھا۔ لوریں بے حد اچھی بیوی ثابت ہوئی مجھے کبھی اس نے کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نے دفتر جانا چھوڑ دیا۔ میری بیوی کی آمدنی کافی تھی۔ میں کچھ کیے دھرے بغیر اطمینان سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔

اس شمارے کے لیے ایک مسکراتا ہوا شگوفہ

وہ پیرس کا مشہور وکیل تھا۔ طلاق کے مقدمے جیتنے کے سلسلے میں دور دور اس کی شہرت تھی۔ اس کا نام بونٹران تھا۔ وہ دفتر پہنچا تو انتظار گاہ میں اسے ایک نئی صورت نظر آئی۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور نئے موکل کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ بنیا موکل درمیانے قد، دہرے جسم اور سرخ و سفید چہرے کا مالک تھا۔ اس کی آنکھیں زندگی کی تڑپ سے روشن تھیں۔

''تشریف رکھیے جناب۔''

موکل نے کرسی پر بیٹھ کر پہلو بدلا پھر آہستہ سے کھانستے ہوئے کہا۔ ''موسیو بونٹران! میں طلاق کے مقدمہ لے کر آیا ہوں۔ اس مقدمے میں آپ کی پیروی میرے لیے اطمینان و مسرت کا باعث ہوگی۔'' وہ خاموش ہوگیا۔

''آپ بولتے رہیے، میں سن رہا ہوں۔''

''آپ کی طرح میں بھی ایک وکیل ہوں لیکن اب سبکدوش ہو چکا ہوں۔''

''اتنی جلدی۔''

''جی ہاں حالانکہ میری عمر صرف اڑتیس سال ہے۔''

''آگے فرمایئے۔''

''میں شادی کے معاملے میں بڑا بدقسمت ہوں۔''

''اس معاملے میں آپ اکیلے بدقسمت نہیں ہیں۔''

''میں جانتا ہوں لیکن میرا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے مجھے اپنی بیوی سے ایک عجیب و غریب شکایت ہے۔ میں شروع سے آپ کو بتاتا ہوں۔ ورنہ شاید آپ کیس پوری طرح نہ سمجھ سکیں۔ میری شادی بھی عجیب انداز میں ہوئی تھی۔ کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کچھ خیالات کچھ لوگوں کے لیے زہر کی طرح خطرناک ہوتے ہیں۔''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے۔ آپ کا خیال صحیح ہو۔''

''مجھے پورا یقین ہے۔ کچھ خیالات بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ آدمی کے دماغ میں گھس جائیں تو اسے دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں یا پاگل کر دیتے ہیں۔ ان کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ معمولات بدل جاتے ہیں۔ فیصلے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ غرض آدمی تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔''

وکیل اپنے موکل کو غور سے دیکھ رہا تھا موکل کہتا رہا۔

''اب سنیئے' میرے ساتھ کیا ہوا۔ میری معاشی حالت کمزور تھی لیکن میں غریب نہیں تھا۔ ہمیشہ اپنے اخراجات پر کڑی نظر رکھتا اور زیادہ سے زیادہ بچت کرتا۔ اس کے لیے مجھے اپنی تمام خواہشات بے رحمی سے کچلنی پڑتی تھیں۔ میں نوجوان تھا۔ نوجوانی میں یہ کام بہت مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے میں اپنے کام کے سلسلے میں اخباری اشتہارات روز پڑھتا تھا۔ دو طرح کے اشتہارات چھپتے تھے' تجارتی اور ذاتی' ذاتی اشتہارات کا موضوع عموماً شادی ہوتا تھا۔ یہ اشتہار شادی کی خواہش مند خواتین اور مرد شائع کراتے تھے۔ ایک دن ایک چھوٹا سا اشتہار میری نظروں سے گزرا۔ اس کا متن مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔ سنیے ایک خوب صورت' تعلیم یافتہ' اچھے خاندان کی نوجوان خاتون' پچیس لاکھ فرانک کی مالک' ایک معزز اور شریف آدمی سے شادی کی خواہشمند ہے۔ خط و کتابت براہ راست کیجیے۔ اتفاق سے اسی رات میں نے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔ دو دوست میرے ساتھ تھے۔ ایک وکیل تھا' دوسرا صنعت کار۔ میں نے ہنستے ہوئے انہیں بتایا۔ پچیس لاکھ فرانک کی مالک ایک نوجوان عورت شادی کرنا چاہتی ہے۔ آج اشتہار پڑھا تھا صبح۔

''یہ کس قسم کی عورتیں ہوتی ہیں۔'' صنعت کار نے پوچھا۔

وکیل کو ان معاملات کا خاصا تجربہ تھا۔ اس نے کئی شادیاں کرائی تھیں۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''اس خاتون سے تم کیوں شادی نہیں کر لیتے' پچیس لاکھ فرانک تمہاری زندگی بدل دیں گے' تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔'' ہم تینوں خوب ہنسے۔ ایک گھنٹے بعد میں گھر آ گیا۔

رات انتہائی سرد تھی۔ میں شہر کے پرانے حصے کی ایک قدیم عمارت میں رہتا تھا۔ میں نے سیڑھیوں کی آہنی ریلنگ پر ہاتھ رکھا تو سارے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ سیڑھیوں پر اندھیرا تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے دیوار ٹٹولی تو سردی کی ایک اور زبردست لہر ہڈیوں میں گھستی چلی گئی۔ دیوار میں سیلن تھی اور موسم انتہائی سرد تھا مگر میرے

پاس حسب ضرورت گرم کپڑے نہیں تھے۔ مجھے اپنی مالی کمزوری شدت سے محسوس ہوئی۔ میرے منہ سے بیساختہ نکلا' کاش وہ پچیس لاکھ فرانک میرے ہوتے۔ میرا سونے کا کمرہ ویسا ہی تھا جیسے کنواروں کے کمرے ہوتے ہیں۔ کپڑے کرسیوں پر منتشر' اخبارات وفرش پر' فائلیں میز پر بکھری ہوئی۔ الماریاں کھلی ہوئی اور باورچی خانہ میں برتن سنے ہوئے۔ میں آپ سے سچ بولوں گا۔ اس سے پہلے میرے ذہن میں اشتہار والی خاتون کا خیال نہیں آیا تھا۔ برف جیسے ٹھنڈے بستر میں نیند کیے آتی۔ میں ٹھٹھرتا رہا' کروٹیں بدلتا رہا۔ خاتون کی شکل وصورت میرے تصور میں مختلف روپ دھارتی رہی۔

صبح آٹھ بجے مجھے ایک ضروری کام کے لیے پہنچنا تھا۔ لہٰذا چھ بجے بستر چھوڑ دینا پڑا۔ میں نے کڑکڑاتے جاڑے میں منہ دھویا مجھے بے اختیار پچیس لاکھ فرانک یاد آ گئے۔ ضروری کام نمٹا کے میں دفتر پہنچا۔ ہر طرف پرانے کاغذات کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ میزوں پر سال خوردہ فائلوں کا انبار تھا۔ کلرکوں کے جسموں سے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ ان کے جوتے' کپڑے اور سستے تیل میں لتھڑے ہوئے بال بھی گندے تھے۔ سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی۔ روز تو کیا ہر ہفتے بھی بہت کم کلرک نہاتے ہوں گے۔ دفتر کا درجہ حرارت تقریباً پینسٹھ ڈگری تھا۔ دوپہر کو میں نے حسب معمول دفتر کے سامنے والے ہوٹل میں کھانا کھایا' میرا کھانا سلائس اور پنیر پر مشتمل ہوتا تھا۔ سلائس جلے ہوئے تھے۔ پنیر خراب ہو کے کڑوا ہو گیا تھا۔ میں نے جیسے تیسے کھانا زہر مار کیا اور دفتر آ کے کام میں مصروف ہو گیا۔ کام میں دل نہیں لگا۔ میرا ذہن دراصل پچیس لاکھ فرانک میں الجھا ہوا تھا۔ وہ نوجوان خاتون کون ہے۔ کیسی ہے۔ اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

تقریباً دو ہفتے تک اس خیال نے مجھے دیوانہ بنائے رکھا۔ یہ خیال مجھے اذیت دیتا رہا۔ میرے دماغ سے چمٹا رہا۔ جو تکالیف اور پریشانیاں میں نے کبھی محسوس نہیں کی تھیں۔ مجھے عفریت نظر آنے لگیں۔ رائی پہاڑ بن گئی۔ پچیس لاکھ فرانک کی مالکہ مجھے اپنے مصائب کا واحد حل معلوم ہونے لگی۔ میرے تخیل نے اس کے متعلق ایک قابل قبول کہانی بن لی۔ کسی معزز خاندان کی چشم وچراغ ایک خاتون' خوب صورت' نوجوان' پچیس لاکھ فرانک کی ذاتی جائداد۔ یہ مالیت میرے لیے حیران کن اور غیر معمولی نہیں تھی۔ میں اس سے بڑی بڑی رقموں کے اشتہارات پڑھتا رہتا تھا۔ میرے نزدیک ان رقموں کا ذکر چارے کے طور پر کیا جاتا تھا تاکہ اچھا شوہر یا اچھی بیوی شکار کی جا سکے پچیس لاکھ فرانک تو دوسرے اشتہاروں کے مقابلے میں بہت کم مالیت تھی۔ اس لیے مجھے خیال آیا۔ اس پیش کش میں صداقت کا امکان ہے ہو سکتا ہے کوئی معزز اور خاندانی شخص گھریلو ملازمہ کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہو۔ نتیجے میں ایک لڑکی پیدا ہوئی ہو۔ پھر اسے اپنے غیر قانونی باپ کی وفات پر غیر متوقع دولت ملی ہو' ساتھ ہی یہ علم ہوا ہو کہ وہ ناجائز اولاد ہے۔ لڑکی نے شرمندگی سے بچنے اور شریفانہ زندگی گزارنے کے لیے اخبار میں اشتہار دے دیا۔ وہ اپنے شرمناک پس منظر کی وجہ سے کسی اجنبی مرد کی بیوی بننا چاہتی ہے۔ ایسے اشتہار مشکوک ماضی کے اعتراف نامے ہوتے ہیں۔ میرا یہ مفروضہ احمقانہ سہی لیکن یہ رومانی ناولیں بے تحاشا پڑھنے کا منطقی نتیجہ تھا۔

میں نے وکیل کے حیثیت سے اپنا ایک فرضی موکل تخلیق کیا۔ موکل کی طرف سے خاتون کو خط لکھا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ پانچویں روز سہ پہر تین بجے کے قریب میں دفتر میں کام کر رہا تھا۔ ہیڈ کلرک نے آ کے بتایا۔

''موسیو! ایک خاتون آپ سے ملنے تشریف لائی ہیں۔ ان کا نام لورین ہے۔''

لورین کی عمر تیس سال ہو گی۔ دراز قامت' لوس بدن اور صحت مند وہ جھجکتی ہوئی میرے کمرے میں آئی' میں نے کہا۔ ''تشریف رکھیے مادام'' !وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی میں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

اس نے میری نظریں بھانپ کے دھیمی آواز میں کہا۔

''آپ نے مجھے خط لکھا تھا جناب۔''

''شادی کے بارے میں۔''

''جی ہاں۔'' اس کی پلکیں جھک گئیں' گال گلال ہو گئے۔

''اچھا'' میں نے پہلو بدلا۔

''میں نے خط لکھنے کے بجائے خود آنا پسند کیا۔'' وہ باوقار لہجے میں بولی۔ ''ایسی چیزیں خط و کتابت سے صحیح طے نہیں کی جاسکتیں۔''

''مجھے اتفاق ہے مادام! آپ شادی کرنا چاہتی ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کے والدین۔''

اس نے جھجک کے نظریں جھکالیں اور اٹک اٹک کے کہنے لگی۔ ''نہیں' میری والدہ اور میرے والد دونوں فوت ہو چکے ہیں۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ گویا میرا مفروضہ درست تھا۔ میرا دل اس کے لیے رحم سے بھر گیا۔ مزید سوالات کر کے میں اسے شرمندہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے موضوع بدل دیا۔

''آپ کی جائداد تو مادام! قرضوں اور تقاضوں سے مبرا ہو گی۔''

وہ جواب دینے میں قطعاً نہیں جھجکی۔ ''ہاں' بالکل مبرا۔''

میں نے بہت توجہ سے اس کا سراپا ٹٹولا۔ سچ پوچھیے تو میرے سامنے جو کچھ تھا خوش گوار تھا۔ مادام لورین ایک قبول صورت' پرکشش اور باوقار عورت تھی۔ البتہ اس کی عمر میری توقع سے زیادہ ثابت ہوئی۔ میرا منصوبہ یہ تھا کہ فرضی موکل کی جانب سے اس سے ملاقات کروں گا اور اندازہ لگاؤں گا کہ پچیس لاکھ فرانک کا دعویٰ غلط تو نہیں ہے۔ اگر دعویٰ درست نکلا تو میں خاتون پہ یہ ظاہر کروں گا کہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ پھر فرضی موکل کو راستے سے ہٹا کر خود اس سے شادی کرلوں گا' میں نے مختصر لفظوں میں اسے بتایا۔

''مادام! میرا موکل ایک سنجیدہ اور بردبار آدمی ہے۔ اس کا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے لیکن جسمانی طور سے کچھ معذور ہے۔''

لورین نے جلدی سے کہا۔ ''میں صرف تندرست مردوں کو پسند کرتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے مگر آپ میرے موکل سے ملیے ضرور مادام! شادی کے بارے میں آپ ہی کا فیصلہ آخری ہو گا۔ تاہم کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس سے ملاقات کر لیجیے گا۔ آج کل وہ لندن گیا ہوا ہے۔ تین چار روز میں آجائے گا۔''

''اوہ' یہ بری خبر ہے۔'' لورین نے کہا۔ ''میں دوسرے شہر سے آئی ہوں' یہاں میرا قیام ہوٹل میں ہے۔''

''کیا آپ کو جلدی واپس جانا ہے۔''

''جی نہیں' لیکن یہاں میں اکیلی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں آپ چند روز قیام کیجیے' مجھے فرصت ملی تو آپ کو شہر گھمانے کی کوشش کروں گا۔ آپ کا دل بہلا رہے گا۔''

''آپ بہت اچھے آدمی ہیں جناب۔ میں انتہائی مشکور ہوں۔''

''آپ کون سے ہوٹل میں ٹھہری ہیں۔'' میں نے دریافت کیا۔ ہوٹل کا نام سن کر میں چونک پڑا۔ نورین شہر کے بہترین ہوٹل میں مقیم تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''آج رات کا کھانا آپ میرے ساتھ تناول فرما سکتی ہیں۔''

وہ بے یقینی سے کچھ سوچتی رہی پھر ایک فیصلے پر پہنچ گئی۔ بولی۔ ''ہاں۔''

میں اسے باہر تک رخصت کرنے گیا۔

ٹھیک سات بجے شام میں ہوٹل پہنچ گیا۔ وہ تیار بیٹھی تھی۔ میں اسے ایک عمدہ ریستوران میں لے گیا۔ بیرے مجھ سے واقف تھے۔ انہوں نے ہماری خوب خاطر مدارت کی' کھانے کے بعد ہم خوب ادھر ادھر کی گفتگو کرنے لگے۔ ایک گھنٹے بعد وہ مجھ سے بے تکلف ہوگئی اور اپنی کہانی سنانے لگی۔ اس کی ماں ایک اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا باپ ملک کا ایک عزت دار شخص تھا۔ وہ ان کی ناجائز اولاد تھی۔ ان کی وفات پر اسے دونوں کی طرف سے دولت ملی۔ اس نے اپنی والدین کے نام نہیں بتائے' انکار کر دیا۔ میں نے دولت کے بارے میں سوالات کیے۔ اس نے پورے اعتماد سے سب کچھ بتا دیا۔ نقد رقم کتنی ہے' صنعتی حصص کتنے ہیں۔ کل سالانہ آمدنی کتنی ہے۔ اور سرمایہ مزید کہاں کہاں لگا ہوا ہے۔ کاروباری معاملات میں وہ عام عورتوں سے مختلف تھی۔ بلکہ شاید اس کا تجربہ بھی مجھ سے زیادہ تھا۔ اس نے اپنی دولت کی سرمایہ کاری بڑی سوجھ بوجھ سے کی تھی۔ میں اس سے ایک دم بے تکلف نہیں ہوا لیکن میری نظروں نے اسے جتا دیا کہ اس نے مجھے کتنا متاثر کیا ہے۔ اس کی خود اعتمادی دیکھنے کے لائق تھی۔ میں نے اصرار کر کے اسے تھوڑی سی شمپین پلائی' خود بھی پی۔ مجھ پر اثر ہونے لگا۔ میں خوف زدہ ہوگیا۔ اپنی طرف سے بھی' اس کی طرف سے بھی۔ شراب پی کر میرے اعصاب قابو میں نہیں رہتے تھے۔ جلد ہی مجھے محسوس ہوگیا کہ اس کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے۔ میں نے ذہنی رو موڑنے کے لیے اس سے دولت کی گفتگو شروع کر دی۔

''مادام! میرا موکل ایک تاجر ہے وہ ثبوت کے بغیر کوئی بات تسلیم نہیں کرتا۔''

''میں تمام ثبوت لائی ہوں۔'' اس نے بہکے بہکے انداز میں کہا۔ ''میرے کمرے میں موجود ہیں۔''

''کیا آپ مجھے دکھا سکتی ہیں تاکہ میں اپنے موکل کو یقین دلا سکوں۔''

''کیوں نہیں۔ ابھی چلیے۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔ میں نے بل ادا کر دیا۔

وہ مجھے اپنے ہوٹل لے گئی۔ واقعی تمام ثبوت اس کے ساتھ تھے۔ میں نے ہر کاغذ غور سے پڑھا اور پرکھا۔ پچیس لاکھ کی خطیر رقم مجھے اپنی پہنچ میں نظر آئی۔ میں مسرت سے جھومنے لگا۔ اس میں شمپین کا بھی کچھ دخل تھا۔ میری دیکھا دیکھی لورین بھی ڈگمگانے لگی۔ میں نے اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ وہ میرے جذبات کی شدت سے مغلوب ہوگئی۔

بعد میں وہ بہت روئی۔ میں بھی سخت شرمسار تھا۔ اس نے ہچکیوں کے درمیان مجھ سے کہا۔ ''جو ہونا تھا ہوگیا۔ آئندہ کے لیے عہد کرو کہ کبھی بے وفائی نہیں کرو گے۔'' واقعی میری بے وفائی اسے برباد کر دیتی۔ مجھے سکتہ ہوگیا اور میں نے کچھ سوچے بغیر اس سے وعدہ کر لیا۔

گھر آ کر میں ساری رات سوچتا رہا۔ ذرا سی لغزش نے نقشہ بدل دیا تھا۔ میں نے اپنے موکل کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اگر موکل فرشتہ نہیں حقیقی ہونا تو بات شاید اتنی سنگین نہ ہوتی۔ مگر میں تو خود موکل تھا' میں نے خود سے غداری کی تھی۔ اپنے آپ کو دھوکا دیا تھا۔ میں لورین کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑ کے الگ ہو سکتا تھا لیکن پھر پچیس لاکھ فرانک کا کیا ہوتا۔ یہ رقم ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ ویسے بھی مجھے کیا حق پہنچتا تھا کہ ایک بے چاری کو لوٹ لات کے حالات کے مقابلے میں تنہا چھوڑ دوں۔ وہ غریب صرف میری وجہ سے جذباتی ہوئی تھی لیکن ایک تلخ سوال یہ تھا کہ کیا میں ایسی عورت سے نباہ کر سکوں گی جو اتنی آسانی سے بہک جاتی ہو۔ رات بھر کروٹیں بدلتا رہا خود پر لعنت بھیجتا رہا اور مستقبل سے ڈرتا رہا۔ متضاد خیالات میری شخصیت تقسیم کرتے رہے۔

صبح اٹھ کر میں نے صاف ستھرا لباس پہنا اور لورین سے ملنے پہنچ گیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سرخ ہو گئی۔ میں نے سر جھکا کر کہا۔ ''میں بے حد شرمندہ ہوں' سارا قصور میرا تھا۔ اب یہ لغزش نبھانے کا صرف ایک طریقہ ہے' شادی کیا آپ مجھ سے شادی کے لیے آمادہ ہیں۔''

''جی' جی۔'' اس نے ہکلا کے اقرار میں سر ہلایا اور گردن جھکالی۔

ہم نے اسی روز شادی کر لی۔

چھ ماہ بہت اچھے گزرے میں نہایت خوش تھا۔ لورین بے حد اچھی بیوی ثابت ہوئی مجھے کبھی اس نے کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نے دفتر جانا چھوڑ دیا۔ میری بیوی کی آمدنی کافی تھی۔ میں کچھ کیے دھرے بغیر اطمینان سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔

آہستہ آہستہ میں نے محسوس کیا کہ میری بیوی اکثر گھر سے کہیں جاتی ہے اور گھنٹوں غائب رہتی ہے۔ میں اس کی آمد و رفت پر نظر رکھنے لگا۔ وہ ہر منگل اور جمعہ کو گھر سے جاتی' اور دو تین گھنٹے غائب رہتی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھ سے بے وفائی کر رہی ہے۔ ایک روز میں نے اس کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔ اس روز جمعہ تھا۔ ایک بجے دوپہر کے قریب وہ گھر سے نکلی دور تک پیچھے دیکھے بغیر پیدل چلتی رہی۔ پل سے گزر گئی۔ پل سے گزرتے ہی وہ محتاط ہو گئی اور بار بار مرد کو دیکھنے لگی۔ میں مزدوروں کے لباس میں تھا۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکی۔ ہمارے درمیان فاصلہ بھی کافی تھا۔ وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی۔ میں نے سوچا اس کا چاہنے والا ایک بج کر پنتالیس منٹ کی ٹرین سے آتا ہوگا۔ میں ایک دکان کے پیچھے چھپ کر نگرانی کرنے لگا۔ ٹرین سیٹی بجاتی پلیٹ فارم پر آئی۔ مسافروں کا ریلا نکلا۔ لورین ٹرین کی طرف بڑھی اور کسی کو دیکھ کے اس کی طرف بھاگی۔ چند لمحوں بعد وہ ایک تین سالہ بچی سینے سے چمٹائے پیار کر رہی تھی۔ بچی کے ساتھ ایک دیہاتی عورت تھی۔ وہ بچی کے لیے لورین کی وارفتگی دیکھ کر مسکرانے لگی۔ لورین کو اچانک کچھ خیال آیا۔ وہ پلٹی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں ایک دوسری دیہاتن پر جا کے جم گئیں۔ دیہاتن کی گود میں ایک اور بچی تھی۔ لورین پہلی بچی کا ہاتھ تھامے ہوئے دوسری بچی کی طرف بڑھی اور اسے گود میں لے کر بے تابی سے پیار کرنے لگی۔ چند منٹ بعد اسے سکون آ گیا۔ وہ دونوں بچیوں اور دیہاتنوں کے ساتھ اسٹیشن سے باہر نکل گئی۔

میں حیران و پریشان گھر آ گیا۔ اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ وہ دونوں بچیاں لورین کی ہیں لیکن میں کچھ اور نہیں سمجھ سکا۔ مجھ میں اس معاملے پر قیاس آرائی کی ہمت نہیں تھی۔ دو گھنٹے بعد میری بیوی نے گھر میں قدم رکھا میں اس کی طرف لپکا۔

''لورین! وہ بچیاں کون تھیں۔''

وہ ہکا بکا رہ گئی۔ ''کون سی بچیاں۔''

''جن سے ملنے تم اسٹیشن گئی تھیں۔''

اس کے منہ سے چیخ نکلی' وہ بے ہوش ہو گئی۔

بہت دیر میں ہوش آیا۔ میرے اصرار پر اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ وہ چار بچوں کی ماں ہے' دو لڑکے ہیں اور دو لڑکیاں۔ منگل کو وہ لڑکوں سے ملنے جاتی ہے۔ جمعہ کو لڑکیوں سے۔ اس کے چاروں بچے ناجائز اور چار مختلف مردوں کی اولاد ہیں۔ اف میری بیوی کو پچیس لاکھ فرانک انہی مردوں سے ملے تھے۔ اس نے چند لمحے توقف کیا پھر ایک سرد آہ بھر کے بولا۔ ''یہ تھی میری کل روداد۔ اب آپ کا کیا مشورہ ہے مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

بونٹران سر جھکا کے کچھ سوچنے لگا۔ چند منٹ بعد اس نے سر اٹھایا اور گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میرا مشورہ یہ ہے جناب کہ آپ ان بچوں کو قانونی طور پر اپنی اولاد تسلیم کر لیجیے۔''

☆☆☆☆
سچی کہانیاں
☆☆☆☆

زندگی کھیل نہیں

ہما صفدر

میں نے ان کے حکم کے مطابق جب اس کا کمرا سجایا تو وہ میرے سلیقے اور ذوق پر جھوم گیا۔ کمرے کی سیٹنگ، کلر میچنگ اور سجاوٹ کے انداز کی اس نے دل کھول کر تعریف کی۔ اب تو دن رات کا سامنا تھا، وہ ہر وقت میری تعریف کرتا رہتا۔ شروع شروع میں مجھے یہ سب بہت برا لگا کیونکہ یہ حق صرف میرے شوہر کا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ مجھے اس کی باتیں اچھی لگنے لگیں۔ اس کی تعریفیں کرنے کا انداز پسند آنے لگا اور یہ احساس ہونے لگا کہ اس طرح کبھی اعجاز میری تعریفیں کیوں نہیں کرتے۔

اس شمارے کے لیے ہمارے معاشرے کی عکاس سچی داستان

زندگی کب، کیسا رنگ دکھائے، کس نے جانا ہے۔ میں نے بھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے اس پر غور نہیں کیا تھا۔ غور کیا تو کب، جب زندگی کے اسٹیج پر نیا ڈراما شروع ہو چکا تھا۔ میں ولیمے کی دلہن، اسٹیج پر اپنے مجازی خدا کے پہلو میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ موویی والا مختلف اینگل سے ہماری زندگی کے یہ انمول لمحے محفوظ کرتا جا رہا تھا۔ میرے شوہر مسکرا مسکرا کر پوز بنوا رہے تھے کہ انہوں نے بے ساختہ کہا۔ ”تم...... کب آئے۔“ مگر آنے والا ان کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے زور زور سے بول رہا تھا۔

”واؤ...... بیوٹی فل...... ہاؤ اے چارمنگ......! ابے، کہاں سے اڑائی۔“

اتنی بے باکی سے ادا کیے گئے بے ساختہ جملوں نے مجھے سامنے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ میں جو دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی اپنے ولیمے کی تقریب انجوائے کر رہی تھی، نظریں نیچی کیے وہ نہ رہ سکی اور آواز کی سمت دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ سامنے ایک بہت ہی اسمارٹ سا لڑکا جس کے سانولے رنگ میں بڑی ہی کشش تھی، بے باکی سے بولتا ہوا نظر آیا۔

”ذرا تمیز سے...... یہ تمہاری بھابی ہیں۔“ میرے شوہر نے اس کی بات سن کر ہلکے سے سرزنش کی۔

”یہ بھابی ہیں۔ انہیں میں بھابی کہوں گا۔ ارے یہ تو اسکول گرل لگ رہی ہیں۔ کہاں سے اٹھا لایا ہے تو انہیں۔“ اس نے پھر بدتمیزی سے کہا۔

”تم کیسے نازل ہو گئے۔“ اس کی تمام بدتمیزیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے میرے شوہر نے اس سے پوچھا۔ انہیں اس کی کوئی بات بری نہیں لگ رہی تھی۔

”نجانے یہ سر پھرا کون ہے جس کی بدتمیزیوں کو یہ برداشت کر رہے ہیں۔ شاید یہ ان لوگوں کا کوئی بہت ہی قریبی عزیز ہے۔“ میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ مجھے اس کا انداز بہت برا لگ رہا تھا۔

”ابے، اگر تو نے مجھے نہیں بتایا تو کیا مجھے خبر

نہیں ہوتی۔ میری چھٹی حس بڑی تیز ہے۔ کچھ وجدان بھی ہے مجھ میں۔ مجھے خبر ہوگئی تھی کہ تو کوئی انوکھا کارنامہ انجام دینے والا ہے' اسی لیے میں فوراً پہنچ گیا سات سمندر پار سے۔ اب سچ سچ بتا' یہ نگینہ کہاں سے چرایا ہے۔ تجھ پر بالکل فٹ نہیں ہو رہا ہے۔ تجھ سے بالکل میچ نہیں کر رہا ہے۔'' وہ پھر بے تکان بول رہا تھا۔

میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ یہ تو سراسر مجھ پر طنز کر رہا ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور برابر میں بیٹھے ہوئے اپنے شوہر کی طرف دیکھا جو بڑی شاندار پرسنالٹی کے مالک تھے۔ اونچا لمبا قد' خوب صورت نقوش اور سرخ و سپید رنگ کے مالک۔ ان کے مقابلے میں میرا رنگ بہت کم تھا۔ بالکل گندمی' شاید وہ مجھ پر ہی چوٹ کر رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' مجھے اس سے نفرت محسوس ہوئی کہ ایسے تو کوئی نہیں بولتا۔ بالکل جاہل لگ رہا ہے۔ میں اندر ہی اندر غصے میں کھولتی رہی۔

''مانی..... یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کیسے بول رہے ہو۔ دلہن کیا سوچ رہی ہوں گی کہ یہ کیسا لڑکا ہے جس کو بات تک کرنی نہیں آتی۔'' اس کی باتوں کا برا مناتے ہوئے میری چچی ساس نے اسے ڈانٹ دیا مگر وہ ڈھیٹ بنا ہنستا ہوا کہتا رہا۔

''چچی جان! یہ ہے ہی اس قابل..... اس سے اسی طرح بولنا چاہیے۔''

''بھئی' برا مت ماننا۔ یہ ہے تو میرا سگا چچا زاد مگر میرے بچپن کا دوست بھی ہے۔ ہم دونوں میں کوئی تکلف نہیں۔ اگرچہ مجھ سے پورے چھ مہینے چھوٹا ہے مگر مجھے ہمیشہ خود سے چھ سال چھوٹا سمجھتا ہے۔ بچپن سے ہی مجھ پر رعب جماتا آ رہا ہے۔ اسٹیٹس میں ہوتے ہیں موصوف۔ میں نے تو اپنی شادی کی خبر اس سے چھپائی تھی۔ جانتا تھا کہ یہ بدتمیز کچھ نہ کچھ ہنگامہ ضرور کھڑا کرے گا مگر یہ تو پکا شیطان ہے۔ آج مجھے بہت یاد آ رہا تھا۔ اس کے بغیر میں اپنی خوشیاں ادھوری محسوس کر رہا تھا اسی لیے نام لیا اور یہ آ گیا ہے۔'' میرے شوہر اس کا تعارف کروا رہے تھے۔

اتنی دیر میں وہ اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر میرے قریب آچکا تھا اور میرے شوہر سے کہہ رہا تھا۔ ''اب اٹھ بھی جا۔ بہت مووی بنوالی ان کے ساتھ تو نے۔ اب صرف میری مووی ان کے ساتھ بنے گی۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ حق مجھے چاہیے۔ اب میری باری ہے۔''

''جملہ حقوق پھر بھی ان ہی کے نام محفوظ رہیں گے۔'' شاید میری نندوں میں سے کسی نے نیچی آواز میں کہا مگر سننے والوں نے مجھ سمیت سن لیا اور زبردست قہقہہ پڑا۔

مگر مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب میرے شوہر میرے پاس سے چپ چاپ کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے۔ ''چل، تو بھی اپنا شوق پورا کر لے۔''

میں نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

''ارے، کوئی بات نہیں۔ اسے میرا سگا بھائی سمجھو۔'' میری احتجاجی نظروں کو سمجھ کر انہوں نے سرگوشی میں کہا۔

''ارے، اب اٹھ بھی جا۔'' اس نے انہیں ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا اور میرے برابر بیٹھ کر جیب سے بریسلیٹ کا ڈبہ نکالا۔ اس میں سے بریسلیٹ نکال کر اپنے رومال سے رگڑتے ہوئے بولا۔ ''اس میں ڈائمنڈ لگا ہے اور۔''

''ڈائمنڈ کو چمکانے کی کیا ضرورت ہے۔''

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کسی نے جملہ کسا اور اس پر قہقہہ بلند ہوا۔ اس نے میرے ہاتھوں میں بریسلیٹ پہناتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ میں نے بھی ڈائمنڈ کی زنجیر پہنادی ہے تیری بیوی کے ہاتھوں میں۔'' اس نے کہا تو میں خاموش نہ رہ سکی اور بے اختیار دھیرے سے بولی۔

''ریشم کی ڈوری زیادہ مضبوط ہے۔''

''واہ...... واہ...... کیا شاعرانہ بات کہی ...نے۔ میں تو آپ پر سو جان سے فدا

میں نے بے چارگی سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا مگر وہ تو مطمئن کھڑے ہنس رہے تھے۔ گویا ان کے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ ماحول اچھا نہیں لگا۔

میں جو ایک شریف گھرانے کی سیدھی سادی لڑکی تھی، میرے گھر کا ماحول مذہبی پابندیوں پر سختی سے قائم تھا، مجھ سمیت میرا پورا گھر باپردہ تھا۔ میں خود بھی حجاب لیتی تھی۔ مجھے ایسی بے باکی پسند نہیں آئی۔ مجھے ایسی تربیت نہیں ملی تھی کہ میں غیر محرموں سے اتنی فری ہوتی مگر میں دیکھ رہی تھی کہ میرے شوہر جو پانچ وقت کے نمازی تھے، اس کی بدتمیزیوں اور بے باکیوں کو بڑے تحمل سے برداشت کر رہے تھے۔ بغیر برا مانے ہوئے انہیں یہ احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ دیور غیر محرم رشتہ ہے اور وہ تو پھر چچازاد بھی تھا۔

میں اس گھر میں کل ہی رخصت ہو کر آئی تھی۔ مجھے اپنے شوہر بہت پسند آئے تھے۔ ان کی گفتگو کا دھیما اور مہذب لہجہ اور پرخلوص رویے نے مجھے خاصا مطمئن کر دیا تھا مگر آج جو وہ اپنے دوست اور بھائی سے گفتگو فرما رہے تھے، وہ ان کے کل کے مزاج سے بالکل میل نہیں کھا رہا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ اتنے پڑھے لکھے لوگوں کی گفتگو ہے۔ اگرچہ بے تکلف دوستوں میں آپس میں جو گفتگو ہوتی ہے، وہ مروت اور لحاظ سے الگ ہوتی تو ہے مگر تہذیب کے دائرے سے الگ نہیں ہوتی مگر ان دونوں کی باتوں سے کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ امریکا سے آئے ہوئے پڑھے لکھے لوگوں کی گفتگو ہے۔ میرے شوہر نے بھی امریکا سے ہی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ بزنس ایڈمنسٹریشن میں گریجویٹ تھے اور ان کا یہ دوست بھی وہیں سے ایم بی اے کر رہا تھا۔

وہ 'قابل ترین شخص' کہہ رہا تھا۔ ''ابے لنگور! تو اس حور کے قابل کب تھا۔ یہ تو میرا آئیڈیل ہے۔''

''اس وقت تو چپ ہو جا یار! دیکھ' میرے سسرال والے آئے ہوئے ہیں۔ میرے مستقبل کا سوال ہے۔'' میرے شوہر نے عاجزی سے کہا تو میں نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ میرے نام اور میرے رنگ کی کھلی توہین کر رہا تھا۔ میرا نام حوریہ تھا اور میرا رنگ گندمی..... وہ شاید ان ڈائریکٹ میں مجھ پر چوٹ کر رہا تھا۔

لیکن اسی رات میرے شوہر اعجاز نے مجھے بٹھا کر اپنے اس دوست اور بھائی کی طرف سے معافی مانگ لی اور اس کے بے تکلفانہ رویے کو برداشت کرنے کی درخواست کے ساتھ یہ بتایا کہ بچپن میں والدین کے انتقال کی وجہ سے اس کو انہی کی والدہ نے پالا اور بے جا لاڈ کی وجہ سے اس کا یہ انداز ہو گیا ہے کہ جو منہ میں آتا ہے' بک دیتا ہے۔

ان کے بتانے پر میرا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا' تاہم میں نے انہیں سختی سے جتا دیا کہ میں اس سے بے تکلف ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ میں باحیا اور پردہ دار ہوں اور وہ میرے لیے نا محرم۔

میری بات سن کر میرے شوہر مجھے فخریہ اور محبت پاش نظروں سے دیکھ کر خاموش ہو گئے مگر منیر جسے پیار سے مانی کہا جاتا تھا' اس نے تو میرا پیچھا ہی لے لیا۔ میرا سلیقہ' میرا رکھ رکھاؤ' میرے لباس پہننے کا انداز' میرا ڈھنگ' طور طریقہ اور میری حیاء ان سب کی وہ دیوانگی کی حد تک سب کے سامنے تعریفیں کرتا رہتا اور تمام لوگ حتیٰ کہ میرے شوہر بھی اس کی باتوں سے محظوظ ہوتے مگر مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔

نہ جانے وہ کتنے دن کے لیے آیا تھا۔ مجھے اس سے بڑی کوفت ہونے لگی تھی اور میں بڑی شدت سے اس کے جانے کی منتظر تھی۔

مگر اس دن تو جیسے میرے پیروں کے نیچے سے زمین ہی کھسک گئی جب مجھے پتا چلا کہ مانی نے امریکا واپس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے اور اب وہ یہیں رہے گا اور میرے شوہر کے بزنس پارٹنر بن کر ان کا ہاتھ بٹائے گا۔

اس کا مطلب تھا' اس کی باتوں کا ہر وقت سامنا کرنا پڑے گا۔ میں سخت گھبرا گئی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ میں اس سے کترانے کی لاکھ کوشش کرتی مگر وہ تو میرے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا تھا۔ اب اس کا قیام مستقل ہو گیا تھا۔ میرے شوہر نے مجھے ہی اس کا کمرا ٹھیک کرنے کے لیے کہا۔

میں نے ان کے حکم کے مطابق جب اس کا کمرا سجایا تو وہ میرے سلیقے اور ذوق پر جھوم گیا۔ کمرے کی سیٹنگ' کلر میچنگ اور سجاوٹ کے انداز کی اس نے دل کھول کر تعریف کی۔ اب تو دن رات کا سامنا تھا' وہ ہر وقت میری تعریف کرتا رہتا۔ شروع شروع میں مجھے یہ سب بہت برا لگا کیونکہ یہ حق صرف میرے شوہر کا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ مجھے اس کی باتیں اچھی لگنے لگیں۔ اس کی تعریفیں کرنے کا انداز پسند آنے لگا اور یہ احساس ہونے لگا کہ اس طرح کبھی اعجاز میری تعریفیں کیوں نہیں کرتے۔

وہ آہستہ آہستہ مجھ سے بالکل ہی بے تکلف ہو گیا اور آپ سے تم پر اتر آیا' پھر اس نے میرا نام بھی لینا شروع کر دیا لیکن میں اپنی تبدیلی پر خود ہی حیران رہ گئی کہ اس کے نام لینے پر مجھے ذرا بھی برا نہیں لگا۔ اعجاز نے ایک دن تو کہہ ہی دیا۔ ''یہ تم ان کا نام کیوں لیتے ہو۔ یہ تمہاری بھابی ہیں۔'' تو اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''جہاں تک مجھے علم ہے' یہ تم سے پورے چھے سال چھوٹی ہیں اور تم مجھ سے صرف چھ مہینے بڑے ہو۔ تو یہ مجھ سے ساڑھے پانچ سال چھوٹی ہوئی نا! ایسے میں' میں ان کو بھابی کہہ کر اپنا مستقبل خراب نہیں کر سکتا۔''

''کیوں۔ بھابی کہنے سے تمہارے مستقبل کا

کیا جاتا ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''مجھے ان کو بڑا بنا کر ان کی تعظیم کرنا پڑے گی اور پھر میں لحاظ میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ پھر مجھے ترقی کیسے ملے گی۔''

''یہ کیا منطق ہے تمہاری۔ سب کی بھابیاں اپنے دیوروں کے لیے لڑکی ڈھونڈتی ہیں اور سارے ہی دیور اپنی بڑی بھابی کو اپنی پسند بتاتے ہیں۔''

شاید اب میرے شوہر کو اس کا انداز پسند نہیں آ رہا تھا اس لیے وہ اس سے بحث کر رہے تھے۔

''میں سب کی بات نہیں کر رہا ہوں' صرف اپنی بات کر رہا ہوں۔''

وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا تو میں درمیان میں بول اٹھی۔ ''یہ آپ لوگ کیا بحث کر رہے ہیں۔ اگر یہ بھابی نہیں کہتے تو نہ کہیں۔ آپ کیوں برا مانتے ہیں۔'' ان کے بھابی نہ کہنے سے میرا رشتہ تو تبدیل نہیں ہو جائے گا۔''

میں نے کہنے کو تو کہہ دیا۔

میری بات سن کر میرے شوہر بھی خاموش ہو گئے مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا رشتہ مانی اور اعجاز دونوں سے تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔

پھر نہ جانے کیسے وہ سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے اب وہ اعجاز سے زیادہ اچھا لگنے لگا۔ میں نے اعجاز سے زیادہ اس کا خیال رکھنا شروع کر دیا۔ اس کی پسند کے کھانے پکانی۔ اس کی پسند کے لباس کو ترجیح دیتی اور اس کے ساتھ گھومنے پھرنے لگی' تاہم کوئی قابل اعتراض حرکت سرزد نہیں کیا۔

میری شادی کو آٹھ سال گزر چکے تھے۔ میں دو بچوں کی ماں بن گئی تھی۔ میرے ساس سسر کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ نندیں سب اپنے گھر کی ہو گئی تھیں۔ اب گھر میں صرف اعجاز مانی اور میں رہ گئے تھے۔

پھر میں بھی شیطان کے بہکاوے میں آ کر آ ہی گئی۔ مانی نے کھل کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا اور یہ مطالبہ بھی کہ اعجاز سے علیحدگی لے لو۔ میں تمہیں اپنا لوں گا اور میں بات بے بات اعجاز سے جھگڑنے لگی۔

اعجاز کو بھی صورت حال کا کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ اب مجھے ٹوکنے لگے تھے اور مانی کی باتوں کا برا بھی ماننے لگے تھے۔ مجھے بھی اس سے زیادہ فری ہونے سے روکنے لگے تھے مگر میں ترکی بہ ترکی ان کو جواب دینے لگی اور ان سے لڑنے لگی کہ مجھ پر شک اور وہم کرنے لگے ہیں۔

میرے رونے دھونے پر وہی بے چارے مجھ سے معافی مانگ لیتے اور میں پھر اسی روش پر آ جاتی۔

لیکن آخر کب تک ایسا ہوتا۔ ایک دن میرا ان سے زبردست جھگڑا ہوا اور میں نے ان سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔

میری بات سن کر وہ سناٹے میں آ گئے۔ انہوں نے اسی وقت مانی کو گھر سے نکلنے کا حکم دے دیا مگر میں آڑے آ گئی۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ مانی اگر گھر سے گیا تو میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گی۔ وہ بھی پکا ڈھیٹ تھا۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا اور بزنس اور گھر کا حصہ مانگ لیا کیونکہ یہ اس کے دادا کا گھر تھا۔

اس وقت میرے شوہر کی آنکھیں کھلیں۔ انہوں نے اسی وقت اسے گھر کی مالیت میں اس کا جو حصہ بنتا تھا' فوراً ادا کر دیا مگر بزنس میں سے حصہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے اس کے لیے مہلت مانگ لی اور یہ مہلت ہم دونوں کے حق میں فائدہ مند ثابت ہوئی۔

اب میں اس سے کھلے عام لگاوٹ ظاہر کرنے لگی۔ اپنے شوہر کے سامنے ہی اس سے فری ہونے لگی۔ یہ سب دیکھ کر ایک دن میرے شوہر نے مجھے بٹھا کر پوچھا کہ۔ ''تم آخر چاہتی کیا

ہو۔''

میں نے بے جھجک کہہ دیا۔ ''آپ سے چھٹکارا اور مانی سے شادی۔''

میرے شوہر کی غیرت نے یہ بات گوارہ نہیں کی اور انہوں نے اسی وقت تین لفظ کہہ دیئے۔

میں تو خوش ہوگئی مگر میرے شوہر کا غصہ جب اترا تو انہیں زبردست افسوس ہوا۔ اپنے فعل پر بہت پچھتائے۔ بچوں کی فکر سے گھبرائے مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ میرے میکے میں بھی اب کوئی نہیں تھا۔ میں کہاں جاتی۔

ان کی زوجیت میں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی' پھر عدت گزارنے کے لیے انہوں نے مجھے اسی گھر میں اجازت دے دی۔ خود اوپر کے پورشن میں چلے گئے اور جاتے جاتے مجھ سے درخواست کی کہ کم از کم عدت کی مدت تک کسی کو اس سانحے کی خبر نہ دی جائے۔

میں تو خوش ہوگئی۔ یہ بات بھی میرے حق میں جاتی تھی۔ جتنا بینک بیلنس میرے حصے کا تھا' وہ سب مہر کی ادائیگی میں مجھے دے دیا جو میرے مہر کی رقم سے کہیں زیادہ تھی اور اب بھی یعنی عدت کے دوران بھی وہ مجھے گھر کے خرچ کے لیے وہی رقم دیتے رہے جو پہلے دیتے تھے۔ میں بھی ان کی اس مہربانی کے صلے میں ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنے لگی۔ بس میں ان کے سامنے نہیں جاتی تھی۔ بچے سے یا ملازمہ سے کھانا وغیرہ بھیج دیتی۔ کپڑے بھی استری کر کے بھجوا دیتی۔ مجھے ایک بار بھی افسوس یا پچھتاوا نہیں ہوا۔

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ سوائے اعجاز سے رشتہ ٹوٹ جانے کے اور کوئی تبدیلی میری زندگی میں نہیں آئی تھی۔ میں ان ہی کے گھر میں رہ رہی تھی۔ گھر کا نظام ویسے ہی چل رہا تھا۔ بس ان کی گوشہ نشینی کو میں نے..... بچوں میں اور ملنے جلنے والوں میں یہ مشہور کردیا کہ آفس کے کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ الگ رہ کر اپنا کام مکمل کر رہے ہیں۔ ہاں' اس دوران مانی بھی بزنس کا بہانہ کر کے گھر سے چلا گیا۔

☆☆

جس دن میری عدت پوری ہوئی' میں ڈر رہی تھی کہ شاید اب وہ مجھے گھر سے نکلنے کا حکم دے دیں گے۔ شرفا قانوناً اب میں ان کے لیے غیر تھی اور وہ میرے لیے..... لیکن جب کئی دن تک انہوں نے کچھ نہیں کہا تو مجھے بھی ہمت ہوئی اور میں دوسری بات سوچنے لگی۔

پھر میرے اور ان کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا کہ میں ان کے اور بچوں کی خاطر اسی گھر میں رہوں گی لیکن میں مانی سے نکاح بھی کرلوں گی۔ ہمارے حق میں یہ ہی بہتر ہے کہ کسی کو کچھ نہ بتایا جائے حتیٰ کہ بچوں کو بھی۔ مانی سے نکاح کے بعد بھی ان سے میرا رشتہ استوار رہتا یعنی پہلے شوہر تھے' اب جیٹھ ہوجاتے اور آج میں حیرت کرتی ہوں کہ اس شریف آدمی نے میری بات کیسے مان لی۔

کوئی بھی شخص یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی سابقہ بیوی اس کے گھر میں اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے۔ آج مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے اپنی بے وقوفی سے ایک فرشتہ صفت انسان کو کھو دیا لیکن کبھی کبھی مجھے یہ بھی خیال آتا ہے کہ پہلی غلطی میرے شوہر ہی کی تھی کہ انہوں نے خود مجھے اپنے دوست یا بھائی سے فریب کیا۔ اس کی کسی بات پر اعتراض نہ کیا اور مجھے بھی بے گھر کردیا۔

☆☆

ہاں' آج میں بے گھر ہوں..... بے اماں ہوں۔ بے سائباں ہوں..... چہار دیواری کا تحفظ مجھ سے چھن گیا ہے۔ چادر میرے سر سے اتر گئی ہے۔ جس راز کو تیس سال تک گویا اپنے آپ سے بھی چھپاتی رہی' وہ سارے زمانے میں طشت

از بام ہو گیا ہے۔

لوگ میرے فعل پر توبہ کرتے ہیں۔ میرے اپنے بچے بھی مجھ سے نالاں ہیں۔ کوئی میرے پاس نہیں۔ تنہائی میرا مقدر بن گئی ہے۔

بیس سال تک میں مانی کے ساتھ اعجاز کے گھر میں دندناتی رہی۔ ان سے رشتہ توڑ کے بھی ان ہی کے گھر پر راج کرتی رہی۔ بعد میں مانی سے بھی میرے تین بچے ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگوں کو شک ہونے لگا۔ اعجاز کی گوشہ نشینی اور مانی کی بے تکلفی کو لوگ محسوس کرنے لگے اور لوگوں کی زبان پر انجانی کہانی مچلنے لگی۔

سب سے پہلے میرے بڑے بیٹے نے مجھ سے سوال کیا۔

''امی! آپ پاپا سے زیادہ..... مانی سے کیوں فری ہیں۔ آپ پاپا سے بات نہیں کرتیں۔ آپ ان کو دیکھنے بھی اوپر نہیں جاتیں۔ پھر پاپا آپ کے پاس نیچے کیوں نہیں رہتے۔ مانی انکل کیوں رہتے ہیں۔''

اس کے دل میں نہ جانے کب سے یہ سوالات مچل رہے تھے جو آج شکایت بن کر اس کے لبوں پر آ ہی گئے اور میں نے جان لیا کہ اب میرے احتساب کا وقت آ گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ مجھ پر کوئی فرد جرم عائد کرتا' میں نے اپنے سب بچوں کو بٹھا کر صاف بتا دیا۔

''تمہارے پاپا نے مجھے طلاق دے دی ہے' اس لیے میں نے تمہارے مانی انکل سے شادی کر لی۔''

''پاپا نے طلاق دی یا آپ نے مانی انکل کی وجہ سے لی۔'' میری بیٹی نے طنزیہ سوال کیا۔

بیٹی کے سوال پر میں ششدر رہ گئی۔ میرے بچے اتنے بڑے ہو گئے' اتنے سمجھ دار ہو گئے' مجھے پتا نہیں چلا۔ پھر بھی میں نے کہا۔ ''یہ تم مجھ سے کیسے بول رہی ہو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔''

''ماں.....! آپ ماں ہیں.....! مائیں ایسی ہوتی ہیں.....''

''یہ کیا کہہ دیا اس نے۔'' میرے دل پر ایک دھچکہ سا لگا۔

''ماں تو اپنے بچوں کے لیے ہزار دکھ جھیل کے اس کو خوشیاں دیتی ہے جبکہ آپ نے ہمیں دکھ دے کر اپنی خوشیاں سمیٹ لی ہیں۔'' میرا بیٹا بھی یہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو پتا ہے' آپ کی ان حرکتوں نے پاپا پر کیا اثر ڈالا۔ زندگی کا یہ تلخ سچ زہر بن کر قطرہ قطرہ ان کی ذات میں گرتا رہا اور وہ اب کسی دم کے مہمان ہیں۔ آپ تو قاتلہ کا روپ دھار رہی ہیں۔''

''تمہارے پاپا بیمار ہیں..... اور مجھے کوئی خبر نہیں۔''

''آپ کو خبر ہو بھی کیونکر۔ آپ تو اپنی رنگینیوں میں گم ہیں۔''

اور پھر میں اس دن اوپر کے پورشن میں اعجاز کے پاس چلی گئی۔ میں نے ان سے معافی مانگی۔ واقعی میرے بیٹے نے سچ کہا تھا۔ ان کے اندر میرا دیا ہوا زہر اثر کر چکا تھا۔

انہوں نے کمزور آواز میں کہا۔ ''حوریہ! میں نے تمہیں اسی دن معاف کر دیا تھا جس دن مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ تم وفاداری بدل چکی ہو۔''

میں اپنی جگہ پر شرمندہ رہ گئی۔ مجھے اس وقت وہ بہت عظیم لگے۔ مجھے اپنے فعل پر سخت شرمندگی محسوس ہوئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس واقعے کے دو تین دن بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ مانی ان دونوں امریکا گئے ہوئے تھے۔

ابھی ان کا چالیسواں بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دن جب میں نماز پڑھ رہی تھی' مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیچھے آ کر بیٹھ گیا ہے۔

نماز ختم کر کے سلام پھیر کر جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو میرا بڑا بیٹا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

مجھے نماز سے فارغ ہوتے دیکھ کر اس نے کہا۔

''میں اس گھر کا سودا کر رہا ہوں۔ آپ کو صرف دو دن دیتا ہوں کہ میرا گھر خالی کر دیں۔ ویسے بھی آپ کا اس پر کوئی حق نہیں۔ آپ کو اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہیے۔''

جب سے اس کو یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ میں اس کے پاپا کی بیوی نہیں ہوں' اس نے مجھے امی کہنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی تقلید میں دوسرے بچوں نے بھی امی کہنا بند کر دیا تھا۔ میں اس کی بات پر حیران رہ گئی۔

''یہ اتنا بڑا ہو گیا' مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' میں سر جھکا کر سوچ رہی تھی کہ اس نے پھر کہا۔

''یہ سوچ لیں کہ یہ فرسٹ اور لاسٹ وارننگ ہے۔ اس مدت میں کوئی توسیع نہیں ہوگی۔ یاد رکھیے' صرف دو دن! صرف دو دن!'' وہ اپنی بات پر زور دے کر سفاکی سے بولا۔

وہ کہہ تو صحیح رہا تھا۔ اس گھر پر اب میرا کوئی حق نہیں تھا۔ روپے پیسے کی تو مجھے کوئی کمی نہیں تھی۔ اعجاز مجھے باقاعدگی سے رقم ادا کرتے تھے۔ گھر کے اور بچوں کے خرچ کے لیے جس کا علم میں نے مانی کو نہیں ہونے دیا تھا۔ میرے پاس ایک معقول رقم تھی۔ مانی نے بھی مجھے پیسوں کی کبھی تکلیف نہیں دی تھی۔ میں پریشان تھی تو صرف یہ کہ مانی اس وقت یہاں نہیں تھے۔

میں نے اسی وقت اپنی ایک دوست کو فون کر کے اپنی پرابلم بتائی تو صرف دو گھنٹے کے اندر اس نے گلشن میں کرائے کے فلیٹ کا انتظار کر دیا۔ ایک اسٹیٹ ایجنسی والا اس کے بیٹے کا دوست تھا اسی لیے فوراً مجھے فلیٹ مل گیا۔ میں نے اپنے بچوں سے یہاں سے جانے کے لیے کہا تو مجھے حیرت ہوئی کہ مانی کے بچوں نے بھی یہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔

میں اکیلی ہی نکل پڑی۔ سامان تو میرا اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ اعجاز کے گھر میں سب کچھ اعجاز کا ہی تھا۔ مانی کو بھی ضرورت نہیں ہوئی تھی کہ اپنا سامان لاتے۔

دوسرے دن میں نے اپنی دوست کے ساتھ جا کر بینک سے رقم نکلوائی اور تھوڑا بہت سامان خرید کر اس فلیٹ کو سیٹ کر لیا۔

چند دنوں کے بعد جب مانی امریکا سے لوٹے تو مجھ پر بہت ناراض ہوئے کہ میں نے وہ گھر چھوڑا ہی کیوں۔

''مکان کا کوئی سودا وودا نہیں ہوا ہے۔ یہ سب اظہر کی چال تھی تمہیں وہاں سے بے دخل کرنے کی۔'' وہ غصے سے بول رہے تھے اور میں ان کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

پھر مانی نے اس فلیٹ کو خرید لیا مگر نہ جانے

مسکرائیے

گرلز ہوسٹل میں نیا چوکیدار رکھا گیا۔ ایک ماہ پورا ہوا تو وہ کیشیر کے آفس میں پہنچا اور بولا۔

''جب مجھے ملازم رکھا گیا تو ایک ہزار روپے مہینے کی بات ہوئی تھی نا۔''

''ہاں'' کیشیر نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ یہ لو اس مہینے کا ہزار روپیہ.....''

چوکیدار نے اپنی جیب میں سے رقم نکالی اور کیشیر کی میز پر رکھ کر خوشی خوشی واپس ڈیوٹی پر چلا گیا۔

☆

مالک مکان نے کرایہ دار سے پوچھا۔

''آپ کو یہ احساس کب ہوا کہ چھت سے پانی ٹپکتا ہے۔''

کرایہ دار نے جواب دیا۔ ''کل جب میں سوپ پینے کے لیے چھت کے نیچے بیٹھا تو سوپ پینے میں مجھے پورے دو گھنٹے لگ گئے۔''

کیوں اب میرا دل نہیں لگتا تھا۔ نہ مانی سے مجھے محبت محسوس ہوتی۔ بس مجھے یہ احساس ہوتا رہتا کہ میں نے اعجاز کو چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔

بچوں نے مجھ سے بالکل تعلق توڑ لیا تھا۔ میں اب بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ میرے بیٹے نے اپنی پسند سے شادی کرلی۔ مجھے بتایا اور نہ مانی کو علم ہوا۔ بعد میں جب پتا چلا تو مانی نے اپنی بیٹی کی شادی زبردستی اپنے دوست کے بیٹے سے کردی۔ اعجاز کی بیٹی کی منگنی بچپن ہی سے پھوپھی کے بیٹے سے طے تھی مگر جب اس کو میرا افسانہ پتا چلا تو اس نے منگنی توڑ دی اور اپنے بیٹے کی شادی دوسری جگہ کردی۔

اس وقت مجھے پھر اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔ پھر میں نے سنا کہ اظہر نے اپنے دوست سے اپنی بہن کی شادی کردی تو مجھے سکون ہوا۔ کم از کم بچے تو برباد نہیں ہوئے۔

پھر رفتہ رفتہ اعجاز اور مانی دونوں کے بچوں کی شادیاں ہوگئیں مگر میرے بغیر۔ مجھے بتائے بغیر، پھر بھی میں خوش تھی کہ چلو، بچوں کو تو ان کی خوشیاں مل گئیں۔

اب تنہائیاں میرا مقدر تھیں۔ مانی بھی بزنس کے سلسلے میں اکثر باہر رہنے لگے۔ میں ان سے کہتی کہ ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ اب آپ کو اتنا بزنس پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے بچے بھی سیٹ ہیں، مگر وہ اب میری کوئی بات نہیں سنتے تھے۔

وہی جو میری تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے، اب مجھے ناعاقبت اندیش اور بے وقوف، ناسمجھ کہنے لگے۔

اب جب مجھے مانی کی ضرورت تھی تو وہ مجھ سے کترانے لگے تھے۔ جب میں تنہائی کا شکوہ کرتی تو کہتے۔ ''کیوں چھوڑا وہ گھر۔'' میں ان کے ذومعنی الفاظ پر غور کرتی رہتی۔ شاید وہ بھی مجھ سے عاجز آگئے تھے۔ اپنی غلطی تو انہیں یاد بھی نہیں تھی، سارا الزام مجھ پر ڈالنے لگے تھے۔

☆☆

کئی سال اسی کشمکش میں گزر گئے۔

میں بڑھاپے کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ مانی کی عمر بھی ڈھل رہی تھی مگر..... مجھے ادھر ادھر سے ان کی رنگین مزاجی کی خبریں مل رہی تھیں۔ کبھی آفس کی سیکریٹری سے اسکینڈل بن رہا تھا تو کبھی کسی بزنس پارٹنر کی فیملی سے۔ میں ان خبروں کو ان کا فلرٹ سمجھ رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اس عمر میں وہ کوئی ایسی حرکت کریں گے۔

مگر آج میرا غرور..... میرا یقین..... میری محبت، میری وفاداری..... سب مٹی میں مل گئیں جب مجھے ثبوت کے ساتھ یہ خبر ملی کہ مانی نے کسی ایئر ہوسٹس سے شادی کرلی ہے۔

اب میں اس وقت کی منتظر ہوں جب وہ ایئر ہوسٹس اور اس کے بچے مجھے اس فلیٹ سے بے دخل کرنے آئیں گے۔ میری دعا ہے کہ کم از کم میری زندگی میں ایسا نہ ہو۔

آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ کسی کو تنہائیوں کا زہر پلانا کتنا بڑا گناہ ہے۔ آج میں تنہا ہوں تو مجھے احساس ہوا ہے کہ تنہائیوں کا عذاب کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔

میں نے کسی کے لیے اپنا ہنستا بستا گھر چھوڑ دیا تھا۔ آج اسی نے مجھے چھوڑ دیا۔ کاش، میں اس وقت یہ غلطی نہ کرتی تو آج عبرت نشاں نہ ہوتی.....! آج میں تنہائیوں کے صلیب پر لٹکی ہوئی زندگی کی تلخیوں کا زہر قطرہ قطرہ اپنے اندر اتار رہی ہوں۔ دیکھیں، یہ زہر کب مجھ پر اثر کرتا ہے۔ میری زندگی میں ایسی سیاہ رات آئی ہے جس کی سحر کبھی نہیں ہوگی۔

☆☆☆☆
سچی کہانیاں
☆☆☆☆

وہ دِن

صائمہ کاردار

اسی لمحے کمرے کی ماحول پر طاری سکوت ثناء کی فلک شگاف چیخ پر ٹوٹا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر چکی تھی۔ فری، سعد اور فواد اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ گلزار خان دوڑ کر پانی لے آیا تھا۔ فری اسے بٹھا کر پانی پلانے لگی۔ خوف زدہ ثناء کی جان میں جان آئی۔

اس شمارے کے لیے ہمارے معاشرے کی عکاس سچی داستان

ثناء پر کپکپی طاری تھی۔ دانت بج رہے تھے اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پردے کی سرسراہٹ پر بھی وہ ٹانگیں سکیڑ لیتی۔ مارے خوف کے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس نے برابر کے بیڈ پر بے خبر سو رہی اپنی کزن فری کی طرف گردن گھما کر دیکھا اور اسے آواز دینا چاہی مگر اس کی آواز ہونٹوں تک پہنچنے سے پہلے ہی حلق میں دب کر رہ گئی۔

دسمبر کی سرد رات تھی، پھر اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا اور پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ ہونٹ صحرا کی مانند خشک ہو چکے تھے۔

کمرے کی سبز مدھم روشنی میں دیوار پر ٹنگی گھڑی پر نظر گئی تو اسے شبہ سا ہوا اور اس نے آنکھیں مسل کر بغور دیکھا پھر زیر لب بڑبڑائی۔

''اف خدایا! ابھی صرف رات کے 2 1 ہی بجے ہیں۔ صبح ہونے میں تو بہت دیر ہے۔'' اب خوف کے ساتھ ثناء کی بے چینی بھی بڑھنے لگی تھی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے فری کی طرف دیکھا' پھر پوری قوت سے پکاری۔

''فری! فری!'' اس کی آواز سے اگرچہ کمرے کا سکوت ٹوٹ گیا تھا مگر فری کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ دوبارہ پوری قوت سے پکاری۔

''فری! فری! مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

آواز فری کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ آنکھیں کھولے بنا بولی۔ ''بیڈ سائیڈ پر بوتل رکھی ہے۔ پانی پی کر سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔'' کہہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔

''لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ فری! پلیز! تم میرے پاس آجاؤ۔'' وہ درد بھری آواز میں بولی۔

فری نے کروٹ بدل کر اس کی جانب دیکھا اور برا سا منہ بنا کر بولی۔ ''نا بابا! ناں! اس چھوٹے سے بیڈ پر تمہارے ساتھ میں نہیں ہوسکتی۔ تم سوتے میں ٹانگیں چلاتی ہو۔''

ثناء نے تکیے کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ''میں سو کہاں رہی ہوں۔ نیند نہیں آرہی اسی لیے تو تمہیں بلا رہی ہوں۔''

فری جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور بولی۔ ''دیکھو ثناء! اب اگر تم نے آواز دے کر میری نیند خراب کی تو میں نیچے لاؤنج میں۔''

ثناء نے اس کی بات کو کاٹ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نہیں' نہیں فری! خدارا! تم اس کمرے میں کہیں مت جانا۔''

فری نے کروٹ بدل لی۔ خوف زدہ ثناء پانی پی کر سونے کی کوشش کرنے لگی تبھی ایک بار پھر وہ ڈراؤنا واقعہ فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا تھا کہ وہ اتنی ڈرپوک کیوں ہے۔

ثناء کے ممی ڈیڈی عمرہ کرنے گئے ہوئے تھے۔ گھر میں دادی تھیں جو اماں بی کہلاتی تھیں۔ ان کے علاوہ پرانا ملازم گلزار خان تھا جو ہر فن مولا تھا۔ وہی باورچی تھا' مالی اور ڈرائیور کی ذمے داریاں بھی وہی سنبھالتا تھا۔

ثناء فرسٹ ایئر میں تھی اور سعد سیکنڈ ایئر میں۔ کالج کی چھٹیاں اور ممی ڈیڈی کے نہ ہونے کی وجہ سے دونوں سخت بور ہو رہے تھے۔ پھر دادی اماں ہی کے کہنے پر سعد نے حیدرآباد میں اپنی پھوپو کے ہاں فون کیا۔ اس کا کزن فواد جو اس کا ہم عمر اور ہم جماعت تھا' اسے اور فری کو بلوا لیا۔ فری اور ثناء کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ اتفاق سے دونوں کی سالگرہ بھی ایک ہی تاریخ کو آتی تھی جو اکثر و بیشتر دونوں مل کر مناتی تھیں۔

ان دونوں کے آجانے سے گھر میں رونق سی لگ گئی تھی۔ وہ چاروں مل کر خوب ہلا گلا کرتے تھے۔ اماں' بچوں کی خوشی میں خوش تھیں۔

سعد اور فواد کو پراسرار' ڈراؤنے قصے کہانیاں پڑھنے اور ہارر فلمیں دیکھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا جبکہ ثناء کی جان جاتی تھی۔ فری لڑکی ہونے کے باوجود نڈر اور بہادر تھی۔ اس پر برتری ثابت کرنے کے لیے فری بھی فواد اور سعد کا ساتھ دیتی تھی۔ تینوں مل کر ثناء کا خوب مذاق اڑاتے تھے۔

آج شام کو اماں بی کی چھوٹی بہن کی طبیعت اچانک زیادہ بگڑ گئی تو ان کا بھائی یعنی سعد کے ابا لینے آگئے۔ وہ چاروں بچوں کو نصیحت اور گلزار خان کو تاکید کر کے چلی گئیں کہ گھر اور بچوں کا خاص خیال رکھنا۔ مجھے آنے میں شاید دو

ہو جائے۔

اماں بی کو گئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ فواد بھوک بھوک کا راگ الاپنے لگا حالانکہ ابھی صرف ساڑھے ۷ بجے تھے۔ گلزار خان جلدی جلدی کھانا لگانے لگا۔ کھانے سے فارغ ہو کر لڑکیاں ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہوگئی تھیں۔ فواد اور سعد نے اپنی بوریت دور کرنے کے لیے گلزار خان کو بلایا۔

''گلزار خان! آج تم ہمیں کوئی قصہ سناؤ۔''

''مگر ڈراؤنا ہونا شرط ہے!'' سعد نے جھٹ لقمہ دیا۔

پاس بیٹھی ثناء ان کی بات پر چلا کر بولی۔ ''نہیں! نہیں! بھوت پریت والی کوئی ڈراؤنی کہانی یا قصہ نہیں ہوگا' گلزار! نہیں! اماں بی بھی گھر پر نہیں ہیں۔ مجھے سخت ڈر لگے گا۔''

تینوں نے اسے 'ڈرپوک!' کہہ کر قہقہہ لگایا اور وہ سب گلزار پر کہانی سنانے کے لیے زور دینے لگے۔ مجبور ہو کر اس نے کہا۔ ''بچہ لوگ! ام کو قصہ کہانی تو نہیں آتا۔ ہاں' ایک آنکھوں دیکھا واقعہ سناتا ہے۔''

سعد اور فواد قالین پر ٹانگیں پھیلائے مزے میں لیٹے تھے۔ فری اور ثناء صوفے پر بیٹھی تھیں۔ فری نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کر دیا اور ثناء سمٹ کر فری کے پاس ہوگئی۔ اب چاروں کی نظریں گلزار خان پر مرکوز تھیں۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ ''یہ آج سے ۲۰ سال پہلے کا بات ہے۔ جب ہم گاؤں سے شہر آئی اور ہم کو ایک دفتر میں چوکیدار ملا۔ یہ بلڈنگ بوہت اونچا' ۷ منزلہ تھا۔ صیب' ام کو ڈیوٹی رات کا اور رہنے کی وہیں جگہ ملا تھا۔ اس وقت ہم ۲۵ سال کا جوان تھی۔ آس پاس کا لوگ ہم سے بولی۔ ''گلزار خان! ڈیوٹی تو تم نے لے لی مگر تم کو پتا ہے' اس بلڈنگ میں دو روح رہتی ہیں جو رات کو گھومتی ہے۔''

''یہ سن کر تم کو ڈر نہیں لگا۔'' ثناء کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ مداخلت پر تینوں نے اسے گھورا تو وہ بے چاری خود میں سمٹ گئی اور گلزار خان ہنس کر بولا۔ ''وہ سب لوگ بھی یہی بولتی اور ام سب کو ایک جواب دیتا۔ میں پٹھان آدمی ہے۔ کسی سے ڈرتا ورتا نہیں۔ آئے گا تو میں بھی دیکھے گا۔''

اب وہ بلڈنگ کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ ''بلڈنگ پورا کورڈ۔ وہیں ایک کونے میں میرا چارپائی پڑی رہتی۔ اس کے نیچے میرا صندوق جس میں کپڑا' جوتا وغیرہ تھی۔ اندر کھلا جگہ جہاں دن کو صیب لوگوں کا گاڑیاں کھڑا رہتا تھا۔ وہاں سے پوری بلڈنگ اوپر تک دکھائی دیتا تھا۔ ایک رات میرا دوست ملنے آیا۔ کافی دیر گپ شپ کیا پھر وہ اٹھ کر جانے لگا تو میں بولا۔ ''تم لوگ بیٹھو' میں سامنے ہوٹل سے کھانا لے کر آتی ہے۔''

اس بات سے وہ دونوں ڈر گئی اور بولی۔ ''نہیں بھائی! نہیں! یہاں ہم لوگ اکیلا نہیں بیٹھیں گی۔ سنا ہے' اس بلڈنگ میں رات کو بھوت ووت گھومتی ہے۔'' میں دونوں کو تسلی دیا اور بولی۔ ''یار! یہ سب غلط بات ہے۔ میں تو اکیلا رات کو جاگ کر ڈیوٹی دیتی ہے۔ ام کو تو کبھی کوئی بھوت ووت نظر نہیں آیا۔'' میرے حوصلہ دینے پر دونوں بیٹھنے پر راضی ہوگیا اور میں کھانا لانے نکل گئی۔

آ کر کیا دیکھتی' دونوں بے ہوش پڑا ہے۔ مٹکے سے پانی نکالا اور ان کے منہ پر مارا تو دونوں گھبرا کر آنکھ کھولی اور ڈرتے ڈرتے بولی۔ ''اوئے! اندر سے روشنی دکھائی دیتا ہے۔'' میں نے نظر گھما کر دیکھا تو واقعی روشنی دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے چارپائی سے ٹارچ اٹھالی اور دونوں میرا پیچھے پیچھے آنے لگا۔ ہم تینوں کھلے صحن میں آ گیا اور غور سے اوپر کی طرف دیکھا تو روشنی ساتواں منزل سے آتی۔ میں نے ٹارچ سے روشنی پھینکا تو کیا دیکھتا ہے کہ کوئی کھڑکی پر کھڑا

ہے۔ صرف سایہ سا نظر آیا۔''

وہ تینوں بڑے انہماک سے سن رہے تھے جبکہ ثناء کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس غریب کا اندر ہی اندر دم گھٹ رہا تھا۔ وہ کبھی سر پر دوپٹا ڈالتی اور کبھی زیر لب کچھ ورد کرنے لگتی تھی۔

گلزار خان نے رک کر سانس لیا تو تجسس سے فواد سوالیہ انداز میں بولا۔ ''بتاؤ نا گلزار خان! پھر آگے کیا ہوا۔''

وہ ان کی جانب دیکھ کر بولا۔ ''بتاتی ہے۔ اوپر پہنچ کر جیسے ہی آدمی کا سایہ نظر آیا' وہ دونوں تو بھاگ لیا اور سایہ بھی غائب ہوگیا۔ میں نیچے آیا اور کھانا کھا کر ڈیوٹی دینے لگا پھر کچھ نظر نہیں آیا مگر اگلی رات پھر اوپر روشنی اور سایہ دکھائی دیا۔ میں یہاں چوکیدار ہے اور یہ میرا ڈیوٹی ہے۔ اوپر جا کر دیکھنا چاہیے۔ پھر سوچا' اکیلا جانا ٹھیک نہیں۔ میں باہر آ کر دیکھا۔ سڑک پر دو پولیس والی کھڑا تھا۔ صیب جی! میں ان کو جا کر بتایا اور تینوں سیڑھیوں سے اوپر جانے لگا۔ پولیس والی نے اپنا اپنا رائفل سیدھا کیا۔ میرا ایک ہاتھ میں ٹارچ اور دوسرا میں موٹا ڈنڈا تھا۔ ساتواں منزل پر پہنچا تو دیکھا کہ یہ سامنے والا کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر بتی جل رہا ہے۔ ہم تینوں دروازے کے قریب گیا اور ایک پولیس والا آواز لگایا..... اندر کوئی ہے۔ کون ہے اندر۔''

اسی وقت اندر سے ایک بھلا آدمی باہر آیا۔ اسے دیکھ کر ہم تینوں حیران رہ گئے۔ میں دل ہی دل میں بولا۔ ''ارے' یہ تو میرا جیسا انسان ہے۔ جن بھوت تو نہیں۔''

پولیس والا اس سے بولا۔ ''صاحب! آپ کون ہے اور رات کو دس بجے یہاں کیا کرتا۔''

''میں اس آفس کا ملازم ہوں اور اس وقت کام کر رہا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''صاحب! ادھر رات میں اکیلا بیٹھ کر کام کرنے کا آرڈر نہیں۔ ابھی آپ جاؤ!'' میرے بولنے پر اس نے چپ چاپ دروازہ بند کیا اور ہمارے ساتھ اتر کر گھر چلا گیا لیکن صیب جی! بعد میں ام سوچا' وہ اس کا کپڑا پانی سے بھیگا ہوا تھا۔

اگلے روز اس آفس کا سب سے بزرگ آدمی شیخ صاحب لنچ ٹائم میں ہم کو بولا۔ ''یہاں کبھی کوئی جھیل ہوا کرتی تھی۔ مشہور ہے کہ ایک ہندو لڑکا لڑکی آپس میں بہت پیار کرتی تھی مگر برادری والے ان کی شادی پر راضی نہ تھا۔ وہ ساتھ مرنے کا فیصلہ کیا اور جھیل میں کود کر خودکشی کرلی۔ لوگ کہتا ہے' کچھ عرصے بعد جھیل کا پانی خود بخود خشک ہوگیا اور اس جگہ یہ بلڈنگ تعمیر کردیا۔ بس جب سے ان کی روح یہاں آتی ہے۔ رحمٰن یہاں ٹائپسٹ تھا۔ چھٹی کے بعد میں جانے لگا تو بولا۔ ''چار ضروری لیٹرز ٹائپ کرنا ہے۔'' سارا اسٹاف چلا گیا۔ وہ بیٹھا کام کرتا رہا۔ یکا یک اس کو شبہ ہوا کہ اندر واش روم میں کوئی ہے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ دروازے پر باہر سے کنڈی لگی تھی پھر وہ کام میں مشغول ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتی ہے' واش روم کا بند دروازہ کھلا اور اندر سے دھوتی کرتا پہنے مرد اور ساڑھی پہنی عورت دونوں باہر آیا۔ خوف سے رحمٰن کا پسینا چھوٹ گئی اور وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ جیسے جیسے دونوں اس کا قریب آیا' ان کا قد ہر قدم پر بڑھتے گیا اور جب وہ رحمٰن کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو ان کا سر چھت سے ٹکرانے لگے اور وہ زوردار چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔''

اسی لمحے کمرے کے ماحول پر طاری سکوت ثناء کی فلک شگاف چیخ پر ٹوٹا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر چکی تھی۔ فری' سعد اور فواد اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ گلزار خان دوڑ کر پانی لے آیا تھا۔ فری اسے بٹھا کر پانی پلانے لگی۔ خوف زدہ ثناء کی جان میں جان آئی۔

فواد نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے

اس کا ریکارڈ لگا دیا۔ ''ارے ثناء! تم آج کے ماڈرن اور سائنسی دور میں جن بھوت پریت اور روحوں پر یقین رکھتی ہو۔ یہ سب انسان کے وہم کے سوا کچھ نہیں۔''

گلزار خان بول پڑا۔ ''نہیں! نہیں فواد بچہ! روح ہوتا ہے۔ تم کو معلوم' وہ روح دیکھنے کے بعد رحمٰن صیب پاگل ہو گیا تھا۔ اس کو ہر جگہ روح نظر آتا۔ اس کا بہت علاج کرایا پھر پیر بابا کا تعویذ سے وہ ٹھیک ہوا مگر اس دفتر کا نوکری چھوڑ دیا۔''

''وہ ثناء کی طرح ڈرپوک اور بزدل ہوگا۔'' فری کن انکھیوں سے اس کو دیکھتے ہوئے بولی تو ثناء کو اپنی بزدلی پر غصہ آ گیا۔ فری نے ثناء کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بتاؤ' گلزار خان! پھر وہ روح والا معاملہ حل ہوا یا معما بنا رہا۔''

''ہاں صیب! حل ہوا۔'' وہ جھٹ بول پڑا' شیخ صاحب سے بڑا صیب اپنا پیر بابا کو لے کر آیا۔ پیر بابا کچھ پڑھ کر دونوں روح کو وہاں سے بھگایا۔''

''پھر تو لوگ وہاں سکون سے کام کرنے لگے ہوں گے۔'' ثناء کے پوچھنے پر گلزار خان نے بتایا۔

''ایسا نہیں ہوا۔ مغرب کے بعد دفتر میں کام کرنے سے سب ڈرتا تھا اور وہ بتاتا ہے کہ ایک بات سب نے نوٹ کیا۔ جہاں جہاں سے روح گزرتا' پانی ٹپکتا نظر آتا کیونکہ وہ دونوں جھیل میں چھلانگ لگا کر مرا تھا شاید اس لیے پورا بلڈنگ میں روح کا کھلبلی مچا ہوا تھا بچہ لوگ! اب وہ روح بلڈنگ میں نہیں' بلڈنگ کے باہر ہوتی۔''

فواد ہنسنے لگا۔ ''بھئی' مجھے تو ذرا بھی یقین نہیں کہ روح ووح بھی کوئی چیز ہے۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔''

سعد آنکھیں مٹکاتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر بولا۔ ''کوئی چیز نہیں! ہنہ! جب سامنا کرنا پڑے گا' تو تمہاری روح بھی کانپ جائے گی۔''

ثناء کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''بس کر روح کی باتیں! کہیں میری روح نہ نکل جائے!' اور اس کے آنسو نکل پڑے۔

''چلو گلزار خان! تم چلا کر اپنی ڈیوٹی دو!'' سعد کے حکم صادر کرنے پر وہ تخیل میں چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔

''اب ہم لوگ کچھ اور بات کرتے ہیں بلکہ کوئی گیم کھیلتے ہیں۔'' بہن کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے سعد بولا۔ فواد نے اس کی بات کاٹ کر برملا کہا۔ ''ارے چھوڑو' تم لوگ تو ڈرپوک ہو۔ ذرا سا روح کا قصہ سنا اور روح فنا ہو گئی! میں ان قصے کہانیوں سے بالکل خوف نہیں کھاتا۔''

''ہاں' خوف کون کھاتا ہے۔'' فواد فخریہ انداز میں بولا۔ ''تو کیا اپنی طرح سمجھ لیا ہے۔ میں بہت بہادر اور نڈر ہوں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے' جناب فواد صاحب! ہو جائے آپ کی بہادری کا امتحان۔''

''بالکل! بالکل!'' فواد نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔'' سعد زیر لب بولا پھر سعد اور فواد میں ٹھن گئی۔ فری اپنے بھائی کا ساتھ دینے لگی جبکہ ثناء دبکی بیٹھی ان کی باتیں سن کر دہل رہی تھی' اور دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی۔ ''جلدی سے اماں بی آ جائیں!'' اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ سعد نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ ''ہیلو! جی اماں بی! ہم لوگوں نے کھانا کھا لیا ہے۔''

ثناء نے بھائی کے ہاتھ سے ریسیور لے کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''اماں بی! آپ کب تک آئیں گی۔ کیا دیر ہو جائے گی۔ اچھا' ٹھیک ہے!'' کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

''ارے' ہم نے اماں ہی سے چھوٹی دادی

کی طبیعت تو پوچھی ہی نہیں۔'' ثناء کے بولنے پر فری جھٹ بولی۔ ''ڈیئر کزن! تمہیں ڈرنے سے فرصت ملے تو کوئی اور بات کرو۔''

''تم دونوں تو میری بہن کا مذاق اڑا رہے ہو۔ بچو جی! ابھی پتا چل جائے گا کہ کتنے پانی میں ہیں۔''

''میں پانی میں نہیں' خشکی پر رہتا ہوں۔'' فواد نے تڑ سے جواب دیا۔

''میرا بہادر بھائی تمہارے ہر امتحان میں پورا اترے گا۔ دیکھ لینا!'' فری' بھائی کا ہاتھ پکڑ کر فخریہ انداز میں بولی۔

''فواد! وہ سامنے روڈ کے اس جانب قبرستان ہے۔ ذرا وہاں اکیلے جا کر تو بتانا۔''

''بس! اتنی سی بات.....! میں اتنی رات میں بھی اکیلا جا سکتا ہوں۔'' فواد جھٹ سے بولا۔

''چلے جاؤ گے رات کو اکیلے۔ سوچ لو! میں سو روپے شرط ہارنے کو تیار ہوں۔''

''ہارنے والوں میں سے ہم نہیں!'' فواد نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔ ''تم دیکھنا' میں شرط جیت جاؤں گا مگر صرف سو روپے میں مزہ نہیں آئے گا۔''

''تو ٹھیک ہے' میں اپنی پاکٹ منی کے پورے ہزار روپے لگانے کو تیار ہوں۔ مجھے کون سے دینے ہیں۔'' سعد معنی خیز انداز میں بولا۔

فری بولی۔ ''یعنی کہ تمہاری نیت ابھی سے خراب ہے۔''

''فری! نیت تو میری بالکل صاف ہے اور ساتھ میں یقین بھی ہے کہ میں جیت جاؤں گا اس لیے روپے بھی دینے نہیں پڑیں گے۔''

''سعد! اس خام خیالی میں مت رہنا۔ روپے تو میں تم سے وصول کر کے ہی رہوں گا ورنہ تمہارا جینا حرام کر دوں گا۔'' فواد ہنس کر بولا۔

''خدا کے لیے' ایسی خوف ناک باتیں مت کرو!'' ثناء ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''دیکھو ثناء! اس وقت تم ہمارے بیچ میں مت کودو۔ شرط لگی ہے اور عزت کا سوال ہے۔ سعد! تم ہزار روپے نکالو۔ میں ابھی قبرستان کا چکر لگا کر آتا ہوں۔'' فواد' سعد کی جانب دیکھ کر بولا۔

کچھ سوچ کر سعد نے کہا۔ ''روپے تو میں دے دوں گا مگر مجھے پتا کیسے چلے گا کہ تم قبرستان گئے تھے۔''

''تمہیں میری بات پر یقین کرنا ہوگا۔'' فواد بولا۔

''مگر ثبوت کے بغیر میں کیسے یقین کرلوں۔'' سعد نے جواب دیا اور ان لوگوں کے درمیان پھر بحث چھڑ گئی۔ بالآخر سعد نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا۔ ''اچھا' ایسا کرنا' تم گھر سے ایک کیل اور ہتھوڑی ساتھ لے کر جاؤ اور دادا ابا کی قبر کے برابر والی قبر پر وہ کیل ٹھونک دینا۔ میں صبح جا کر دیکھوں گا۔ اگر قبر پر کیل ٹھکی ہوئی ملی تو تمہاری جیت ورنہ تم بازی ہار گئے۔''

فواد' سعد سے ہاتھ ملا کر بولا۔ ''چلو' ٹھیک ہے۔ تو فیصلہ ہوا مگر خیال رہے' ہم چاروں کے سوا اماں بی کو بھی اس بات کی ہوا بھی نہ لگے۔''

یہ سن کر ثناء کے ہوش اڑ گئے اور وہ ان لوگوں کو منع کرنے لگی۔ ''ایسا ہرگز بھی نہ کرنا! خدانخواستہ کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اماں بی سے ڈانٹ اور ممی ڈیڈی سے مار پڑ سکتی ہے۔''

پہلی بار فری نے ثناء کا ساتھ دیا اور دونوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگیں جو شرط جیتنے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ دیکھو سعد! فواد! ہنسی مذاق اپنی جگہ' محض شرط جیتنے کے لیے اتنا آگے مت جاؤ۔ ثناء ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اگر ویسا کچھ ہو گیا تو!'' اگرچہ فری ان باتوں کو نہیں مانتی تھی اور ثناء کی طرح ڈرپوک بھی نہ تھی مگر رات کے وقت بھائی قبرستان جانے کو تیار تھا۔ اس بات سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔

ان دونوں کی حالت دیکھ کر فواد نے سعدیہ کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری اور مسکین صورت بنا کر بولا۔ ''اچھا' ڈرپوک بہنو! تم لوگ خوش ہو جاؤ۔ ہم اپنی شرط واپس لیتے ہیں۔'' یہ سن کر ثناء نے تشکر بھرے انداز میں اوپر کی جانب دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری اور فری نے بھی سکون کا سانس لیا۔

''اچھا بہنو! رات کے ۱۰ بج رہے ہیں اور اماں بی کے آنے میں ابھی دیر ہے! تم دونوں جا کر سو جاؤ۔'' فواد کے حکم پر وہ دونوں اٹھیں اور اچھے بچوں کی طرح اوپر بیڈ روم کی جانب چل دیں۔

دھڑ سے کوئی چیز فرش پر گری تھی اور ثناء کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ اس نے گردن جھٹکتے ہوئے دبی دبی سی آواز میں ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''کون ہے۔''

''کچھ نہیں! میرا ہاتھ لگنے سے بیڈ سائیڈ پر رکھا گلاس گر گیا۔ تمہیں کیا لگا' آدھی رات کو کمرے میں جن بھوت آ گئے۔'' فری ہنستے ہوئے بولی اور منہ پر کمبل تان کر کروٹ بدل لی۔

جن بھوت کے نام پر ثناء نے دل تھام لیا مگر اس نے جواب دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اسے شدت سے صبح ہونے کا انتظار تھا۔

نجانے کتنی دیر بعد ثناء نے سامنے دیوار پر لگی کھڑکی پر نظر دوڑائی تو صبح ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ پانچ بجنے میں بیس منٹ رہتے تھے۔ پورے پانچ بجے فجر کی اذان کی پہلی آواز پر اماں ہی بیدار ہو جاتی تھیں اور کمرے کی بتی جلا دیتی تھیں جو اس وقت اندھیرا پڑا تھا۔ ایسے میں اسے واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن ڈر کے مارے اٹھ کر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بے چارگی سے اس نے برابر کے بیڈ پر سوئی ہوئی فری پر نگاہ ڈالی' وہ ہر فکر و پریشانی سے آزاد گہری نیند سو رہی تھی۔ یکبارگی ثناء کو خیال آیا کہ اسے آواز دے کر جگائے مگر اگلے ہی لمحے فری کی دھمکی یاد آ گئی کہ۔ ''اگر تم نے اب کی بار تنگ کیا اور نیند خراب کرنے کی کوشش کی تو میں لاؤنج میں جا کر سو جاؤں گی۔'' اگر فری کمرے سے باہر چلی گئی پھر تو مارے خوف کے میرا دم ہی نکل جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ دل مسوس کر رہ گئی اور پھر وہ اپنے اندر کی قوت جمع کر کے بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے کھڑی ہونے کی کوشش کر ہی رہی تھی کہ اسے ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔ واش روم کا دروازہ کھلا اور پھر اندر سے دھوتی کرتا پہنے مرد اور ساڑھی میں ملبوس عورت برآمد ہوئی تھی۔ ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دہشت کے مارے ثناء کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ ٹانگوں سے دم نکل رہا ہو! وہ چکرا کر دھپ سے بیڈ پر گر پڑی۔ ثناء کو یاد آیا کہ یہ تو وہی روحیں ہیں جن کے بارے میں گلزار خان ذکر کر رہا تھا۔ قریب آتے ہوئے وہ دونوں روحیں ہر بڑھتے قدم پر بڑی ہونے لگیں اور ان کے سر چھت سے ٹکرانے لگے۔ چار لمبے ہاتھوں نے ثناء کی گردن دبوچ لی اور لمبی لمبی انگلیاں حلق میں پیوست ہونے لگیں۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے اور وہ موت کے بے رحم شکنجے میں پھنس چکی ہے۔

''موت کو دیکھ کر لنگڑا بھی دوڑنے لگتا ہے!'' آج تک ثناء نے یہ محاورہ سنا تھا' پھر جانے کہاں سے اس کے اندر توانائی بھر گئی اور وہ پوری قوت سے چیخ اٹھی۔ ''اماں بی! مجھے بچالیں!'' اور دھڑام سے بیڈ سے نیچے گر گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو سرہانے اماں بی بیٹھی تھیں۔ ان کا ایک ہاتھ اس کے ماتھے پر تھا تو دوسرے ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ زیر لب ورد کر رہی تھیں۔ پاس ہی ڈیڈی کے دوست ڈاکٹر جاوید بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کی کلائی پکڑ رکھی

تھی۔ سامنے فری' سعد اور گلزار خان کھڑے تھے۔

اماں بی فکر انگیز انداز میں ڈاکٹر سے بولیں۔

''جاوید بیٹا! میری بچی کو کیا ہوا ہے۔ یہ آنکھیں کیوں نہیں کھولتی۔''

''اماں بی! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ڈر گئی ہے۔ انجانے خوف کی وجہ سے بے ہوش ہے۔ میں نے سکون اور انجکشن لگا دیا ہے۔ کچھ وقت لگے گا نارمل ہونے میں۔''

اماں بی نے غضب ناک آواز میں کہا تھا۔ ''ثناء حد سے زیادہ ڈرتی ہے۔ یقیناً کسی نے اس سے ڈراؤنی باتیں کی ہیں یا کوئی خوفناک کہانی سنائی ہے۔''

گلزار خان نے وہاں سے کھسک لینے میں عافیت سمجھی تھی۔ فری اور سعد کی شامت آ گئی تھی۔ تبھی ڈاکٹر جاوید نے کہا۔ ''اماں بی! اب میں چلوں۔''

''جاوید بیٹا! ثناء کے ہوش میں آنے پر چلے جانا! مجھے ہول سا ہو رہا ہے۔'' اماں بی نے گھبرا کر کہا۔

''ٹھیک ہے اماں بی! میں رک جاتا ہوں مگر آپ گھبرائیے مت! ثناء ابھی ہوش میں آ جائے گی۔''

ڈاکٹر کی تسلی پر بھی اماں بی کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ثناء کے بے جان جسم میں حرکت ہوئی تو ڈاکٹر جاوید اسے چیک کرنے کے لیے جھک گئے تھے۔ یقین دہانی پر اماں بی نے مطمئن ہو کر انہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

''اماں بی! ویسے تو اب فکر کی کوئی بات نہیں' لیکن اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کلینک یا میرے موبائل پر پر کال کر دیجیے گا۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر جاوید چلے گئے تھے۔

ثناء کی حالت سنبھلنے پر یکا یک اماں بی کو فواد کی کمی محسوس ہوئی تھی۔ وہ بے اختیار بولی تھیں۔

''سعد! جا کر فواد کو اٹھاؤ! ثناء کی چیخ سے تو پاس پڑوس والے بھی ہڑبڑا کر اٹھ گئے اور وہ گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے۔''

''میں جا کر بھائی کو اٹھاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر فری تیزی سے دوڑ گئی مگر کچھ ہی دیر بعد وہ الٹے قدموں واپس آ گئی اور گھبرا کر فکر انگیز انداز میں بولی۔ ''اماں بی! بھائی تو کمرے میں نہیں ہیں۔ واش روم میں بھی نہیں ہیں۔ اس کی نگاہیں سعد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ''بتاؤ سعد! میرا بھائی کہاں ہے۔ ضرور تمہاری شرط.....'' اس نے کڑے لہجے میں کہا۔

ڈر کے مارے سعد کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

''اماں بی! سعد سے پوچھیے' اس کے اور بھائی کے درمیان کیا شرط لگی تھی اور وہ کہاں گیا ہے۔''

فری کی اس بات پر اماں بی' سعد کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

سعد جلدی سے بولا۔ ''اماں بی.....! وہ..... دراصل!'' الفاظ ہونٹوں پر مچلے' لیکن کانپتی زبان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

اماں بی گرج کر بولیں۔ ''سعد! تمہاری حالت دیکھ کر مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ضرور میرے پیچھے تم لوگوں نے کوئی گڑبڑ کی ہے۔ سچ سچ بتا دو ورنہ کہے دے رہی ہوں' بری طرح پیش آؤں گی۔''

''اماں بی! میں بتاتی ہوں۔'' پھر فری نے ان کو گزشتہ رات کی ساری رام کہانی سنائی تو انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا اور گلزار خان کو بلا کر قبرستان کی طرف دوڑایا۔ اس سے پہلے کہ وہ سعد کو کچھ کہتیں' وہ خود ہی گلزار خان کے پیچھے بھاگا تھا۔''

ثناء ہوش میں آتے ہی اماں بی سے لپٹ گئی

تھی' اور اب تینوں شدت اور بے تابی سے گلزار خان' سعد اور فواد کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ روزمرہ معمولات زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ کوٹھی لب سڑک تھی۔ اس وجہ سے ٹریفک کا شور صاف سنائی دے رہا تھا مگر اندر گھر کے ماحول پر افسردگی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ دل کی دھک دھک بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ ثناء زیر لب بڑبڑائی۔ ''گلزار خان اور سعد' فواد کو لے کر اب تک آئے کیوں نہیں۔''

اگلے ہی لمحے سعد کے پیچھے گلزار خان کاندھے پر فواد کو ڈالے اندر آ گیا۔ فری اور ثناء اچھل کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ گلزار خان نے فواد کو اماں بی کے پاس تخت پر لٹا دیا تھا۔

''کیا ہوا میرے بچے کو۔ فواد بیٹا! آنکھیں کھولو! سعد! ڈاکٹر جاوید کو فون کرو کہ فوراً آئیں!'' اماں بی نے فکر انگیز انداز میں حکم صادر کیا۔

فری اور ثناء رونے لگیں۔ سعد سب سے نظریں چرا رہا تھا۔ گلزار خان نے بتایا کہ فواد بے ہوش پڑا تھا۔ ڈاکٹر جاوید نے آ کر اسے دیکھا اور بتایا کہ فواد خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے۔

طبی امداد ملنے پر فواد کے حواس پوری طرح بحال ہو چکے تھے۔ اس نے اماں بی کو بتایا تھا کہ۔ ''سعد کے ساتھ لگی شرط جیتنے کے لیے پہلے فری اور ثنا کو اوپر کمرے میں سونے بھیجا تھا۔ پھر میں کیل اور ہتھوڑی لے کر قبرستان کی جانب چل پڑا تھا۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی بھی طرح شرط جیت کر سعد پر اپنی برتری ثابت کروں۔ ٹارچ میرے ہاتھ میں تھی۔''

ڈاکٹر جاوید بڑے انہماک اور تجسس سے فواد کی باتیں سن رہے تھے جبکہ اماں بی کے چہرے

مسکرائیے

ایک امریکی بچے نے سرراہ ایک پادری کو دیکھ کر کہا۔ ''ہیلو مسٹر''

پادری نے مشفقانہ انداز میں کہا: ''تم مجھے مسٹر کے بجائے فادر کہہ کر مخاطب کرو تو زیادہ اچھا ہوگا۔''

بچہ حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''اچھا، تو آپ یہاں گھومتے پھر رہے ہیں اور ممی اتنے سال سے مجھ سے یہی کہے جا رہی ہیں کہ انہیں معلوم نہیں، میرا باپ کون ہے۔''

سے غصہ عیاں تھا اور سعد کے چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔ وہ دونوں لڑکیاں رونی صورت بنائے خاموش بیٹھی تھیں۔

''میں بلا خوف و خطر آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی رہنمائی کر رہی تھی۔ اس وقت میرے دماغ میں ایک ہی بات گردش کر رہی تھی کہ یہ کیل نہیں' میری بہادری اور فتح کا جھنڈا ہے جو مجھے جلد از جلد لگانا ہے' لیکن جیسے ہی میں قبرستان کے دروازے پر پہنچا' ایک بھیگے کپڑوں والے شخص نے اندر جانے سے روک دیا تھا کہ رات کے وقت قبرستان کے اندر اکیلے جانا منع ہے۔

میں دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ میری اس بات کو سعد ہرگز نہیں مانے گا اور شرط ہارنے کے ساتھ ساتھ میں بزدل کہلاؤں گا جو مجھے گوارا نہ تھا۔ پھر میں پیچھے کے رستے دیوار پھاند کر قبرستان کے اندر جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت مجھے ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ میں ٹارچ کی روشنی سے سمت کا تعین کر کے کچھ ہی دیر میں دادا جان کی قبر پر پہنچ گیا۔ پہلے فاتحہ خوانی کی پھر دادا

کی قبر کے برابر میں موجود قبر میں کیل ٹھونکنے لگا۔ میں نے ٹارچ پتھر سے لگا کر زمین پر رکھ دی تھی۔ ابھی میں کیل ٹھونک رہا تھا کہ یکا یک محسوس ہوا کہ پیچھے سے کسی نے مجھے دبوچ لیا ہو۔ ڈر کے مارے میں پورے وجود سے لرز گیا اور چیخ کر کسی کو مدد کے لیے پکارنا چاہا تھا مگر آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آخر کس نے مجھے دبوچا ہے' میں نے ٹارچ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا' لیکن وہ خود ہی لڑھک کر بند ہو گئی تھی۔

رات کا وقت گھپ اندھیرا' قبرستان اور میں اکیلا! حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے اور زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔ میں ہوش گنوا بیٹھا۔ پھر مجھ پر کیا گزری' مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔''

اماں بی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ثناء اور فری بے جان مورتی کی طرح بت بنی بیٹھی سن رہی تھیں' جبکہ ڈاکٹر جاوید گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اماں بی نے غضب ناک انداز میں سعد کی جانب دیکھا اور گلزار خان سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''گلزار خان! جب تم نے فواد کو بے ہوشی کی حالت میں قبر پر سے اٹھایا تو۔''

اماں بی کی بات کاٹ کر گلزار خان بول پڑا۔

''جب میں فواد بچہ کو قبر پر سے اٹھانے لگی تو اس کا قمیص کا دامن کیل سے اٹکا ہوا تھا۔''

سوچ میں ڈوبے ڈاکٹر صاحب چونک کر بول پڑے۔ ''اماں بی! میں بتاتا ہوں' وہاں کیا ہوا ہوگا۔ جب فواد قبر پر کیل ٹھونکنے بیٹھا' اس کے دل میں کچھ تو خوف ہوگا اور یہ جلد از جلد کام ختم کر کے لوٹنا چاہتا ہوگا۔ کیل ٹھونکتے ہوئے ضرور اس کا ہاتھ بھی کانپا ہوگا اور نگاہ ٹارچ کے جانب سے ذرا ادھر ادھر ہوئی اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ قمیص کا دامن کیل کے ساتھ ٹھک گیا ہے۔ اپنے طور پر کام مکمل کر کے جیسے ہی اس نے اٹھنا چاہا' تو قمیص کا دامن کیل میں پھنسا ہوا تھا اس لیے اسے جھٹکا لگا۔ فواد کو لگا ہوگا کہ کسی روح نے آ کر اسے دبوچ لیا ہے اور یہ خوف سے بے ہوش ہو گیا۔ کیوں فواد۔ میرا تجزیہ صحیح ہے نا۔''

فواد نے اقرار میں گردن ہلائی اور اس کی گردن شرمندگی اور اماں بی کے خوف سے خود بخود جھک گئی تھی۔

ڈاکٹر جاوید فکر انگیز انداز میں بولے تھے۔ ''خدا کا شکر ہے' فواد صرف بے ہوش ہوا تھا ورنہ زیادہ خوف کی صورت میں اکثر ہارٹ فیل بھی ہو جاتا ہے۔'' ڈاکٹر جاوید نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ فواد اچانک اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا اور خوف زدہ نظروں سے ایک جانب خلاء میں گھورنے لگا تھا۔

''کیا ہوا۔'' اماں بی نے گھبرا کر پوچھا تھا۔

''وہ..... وہ دیکھو' سامنے ایک شخص بھیگے کپڑوں میں کھڑا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے' میں نے منع کیا تھا' پھر بھی تم قبرستان کے اندر گئے.....! بے وقوف لڑکے! میں نہیں چاہتا کہ تم بھی ہماری طرح بھٹکتے پھرو اور جہاں تمہارا ذکر ہو' وہاں پہنچ جاؤ۔''

''کون' کہاں۔ ہمیں تو کوئی دکھائی نہیں دے رہا ہے۔''

''نہیں! نہیں! وہ دیکھو' وہ کھڑا ہے۔ کہہ رہا ہے ہم ہر کسی کو نظر نہیں آتے اور نہ ہم ہر ایک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ تمہاری بھلائی کے لیے ہی تمہیں روک رہے ہیں۔ دیکھو' دیکھو وہ جا رہا ہے۔''

اس واقعے کو آج کئی برس گزر چکے ہیں۔ سعد کو اب بھی یقین نہیں آیا ہے کہ فواد صحیح بول رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ڈر گیا تھا اور اسی رو میں بول رہا تھا۔ قارئین! آپ کا کیا خیال ہے۔ فواد سچا تھا' یا.....

☆☆☆☆
سچی کہانیاں
☆☆☆☆

کہاں ہو تم

ثمینہ پرویز

یہ معمول کافی عرصہ چلتا رہا۔ شادی کے بعد میری آپی سے ایک دفعہ بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بس امی کی زبانی کبھی کبھار ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر ایک دن امی نے بتایا کہ آپی رہنے کے لیے آئی ہیں۔ میں بھی آپی سے ملنے چلا گیا لیکن یہ کیا۔ آپی تو بالکل ہی بدل گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر مجھے زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ان کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ برسوں کی مریضہ معلوم ہو رہی تھیں۔ امی سے مل کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

اس شمارے کے لیے ہمارے معاشرے کی عکاس سچی داستان

گرمیوں کے دن تھے۔ چلچلاتی دھوپ میں پسینے میں نہایا ہوا بھوکا پیاسا میں گھر میں داخل ہوا۔ جلدی جلدی یونی فارم تبدیل کیا اور منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھا ہی تھا کہ امی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''بیٹا! کھانے کے بعد ذرا عروج کے پاس چلے جانا۔ وہ تمہیں بلا رہی تھی۔''

مجھے اس بے وقت کی راگنی پر بڑا غصہ آیا۔

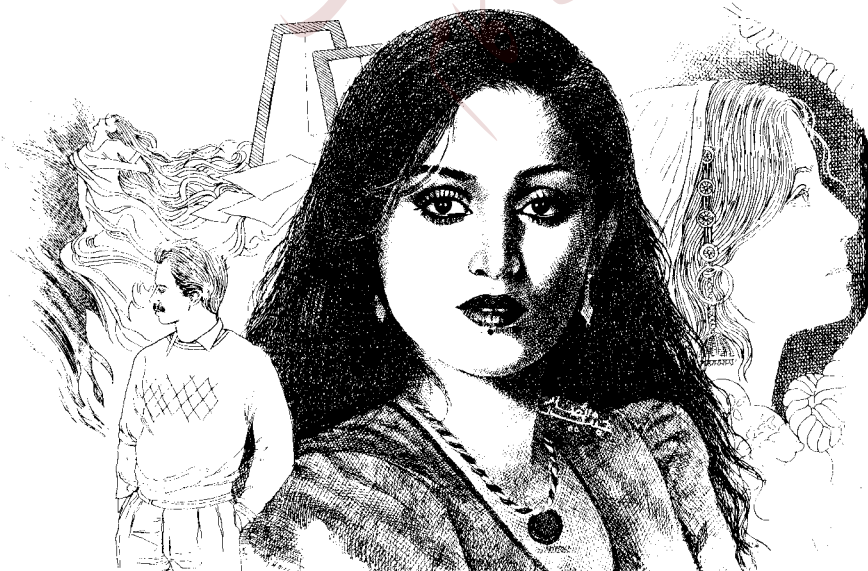

اتنی تیز دھوپ اور گرمی میں کہیں باہر جانے کو بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا لیکن امی کا نادر شاہی حکم کون ٹال سکتا ہے۔ اس کے باوجود میں نے آرام آرام سے کھانا کھایا اور تھوڑی دیر کے لیے پنکھے کے نیچے لیٹ گیا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ دیر ستانے کے بعد چلا جاؤں گا۔ اتنی دیر میں دھوپ کی شدت بھی کم ہو جائے گی۔ مجھے لیٹے ہوئے ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ امی نے ایک بار پھر مجھے یاد دہانی کرائی۔ ''میں نے تم سے عروج کے پاس جانے کے لیے کہا تھا۔ وہ تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔''

آپی عروج ہمارے ہمسائے میں رہتی تھیں۔ ان کے دو بڑے بھائی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور امی بیمار ہونے کی وجہ سے کہیں آنے جانے سے گریز ہی کرتی تھیں اس لیے آپی عروج اپنے زیادہ تر کام مجھ سے ہی کرواتی تھیں۔ مجھے بھی ان کا کام کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ وہ مجھ سے بہت محبت سے پیش آتی تھیں اور میری چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر پریشان ہو جاتی تھیں۔ میں ان دنوں آٹھویں جماعت میں تھا اور ہم جس محلے میں رہتے تھے' وہاں بڑی اپنائیت کا ماحول تھا۔ تقریباً سب ہی گھروں میں بہت زیادہ بے تکلفی تھی۔ جس کے گھر دل کرتا' منہ اٹھائے چلے جاتے۔ بھوک لگی ہو تو بلا کسی تکلف کھانا مانگ لیتے۔ اگر کہیں بیماری' دکھ یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو محلے کے سارے لوگ جمع ہو جاتے اور سب لوگ مل جل کر متاثرہ گھرانے کی مدد کرتے۔

آپی عروج میرا ہی انتظار کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولیں۔ ''اچھا ہوا زریاب! تم آ گئے۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ بس ذرا درزی کے پاس جانا ہے۔''

میں نے سوچا' کہہ دوں کہ آپی' اس وقت تو بہت تیز دھوپ ہے۔ شام کو چلیں گے لیکن آپی کا موڈ دیکھ کر میری ہمت نہ ہوئی۔ شاید انہیں بھی درزی سے کپڑے لانے کی جلدی تھی۔

جیسے ہی ہم گلی سے نکل کر سڑک پر آئے تو میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ فٹ پاتھ پر وہی لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں کئی بار اس جگہ پر دیکھ چکا تھا۔ جونہی اس لڑکے کی نظر آپی پر گئی' اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن آپی نے اس کو بالکل نظر انداز کر دیا اور سیدھی چلتی گئیں۔ اس لڑکے نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ آپی سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

''آپی' یہ لڑکا آپ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کیا آپ اسے جانتی ہیں۔''

آپی نے سختی سے مجھے گھورا اور بولیں۔ ''نہیں' میں اسے نہیں جانتی اور اس کے دیکھنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے لوگوں کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے۔''

میں آپی کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ چھپا رہی تھیں لیکن میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ عمر میں مجھ سے بہت بڑی تھیں اور میں ان کا دوست نہیں' بلکہ چھوٹے بھائی جیسا تھا۔ ان کی منگنی بچپن میں ہی اپنے خالہ زاد سے ہو چکی تھی۔ وہ اکثر آپی کے گھر آتے رہتے تھے۔ مجھے تو وہ بالکل بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔ ان کی شخصیت میں ذرا بھی کشش نہیں تھی۔ آپی بی اے کا امتحان دے چکی تھیں اور جلد ہی ان کی شادی ہونے والی تھی۔

مجھے اس لڑکے کے بارے میں تجسس سا ہونے لگا۔ میں اکثر اسے اسکول سے آتے وقت دیکھا کرتا۔ گلی کے باہر سڑک پر جو پرچون کی دکان تھی' وہ وہیں کھڑا ہوتا تھا اور آس بھری نظروں سے ہماری گلی کی طرف دیکھتا رہتا۔ اس کی عمر یہی کوئی تیئس چوبیس برس ہوگی۔ دیکھنے میں خوش شکل' سنجیدہ اور سمجھدار لگتا تھا۔ وہ ہمارے محلے کا نہیں تھا۔ میں اس کے بارے میں

جاننا چاہتا تھا۔ اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ وہ آپی کے لیے کھڑا ہوتا ہے مگر کیوں۔ اسے آپی سے کیا انٹرسٹ ہے۔ وہ ان سے کیا چاہتا ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ آپی کی منگنی ہو چکی ہے۔ میں نے کئی بار سوچا کہ اس سے بات کروں لیکن ایک جھجک آڑے آجاتی تھی۔

ہم بازار سے واپس آئے تو وہ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ آپی کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کی بشاشت لوٹ آئی لیکن اس کے برعکس آپی کے چہرے پر قہر کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔ انہوں نے شدید غصے کے عالم میں اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر مغلظات کی بوچھاڑ کردی۔ ''حرامی' بے غیرت' تیری بہن۔''

ان کے منہ سے دبے دبے لہجے میں نہ جانے کیا کیا نکل رہا تھا جسے سن کر اس لڑکے کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔ اس نے مایوسی کے عالم میں سر جھکا لیا اور منہ پھیر کر مخالف سمت میں چل دیا۔

آپی میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی گلی میں داخل ہوگئیں۔ ان کا چہرہ ابھی تک غصے سے تمتما رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر رک کر انہوں نے اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی اور اندر چلی گئیں۔

مجھے آپی کے رویے پر حیرت ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس لڑکے کے ساتھ جو سلوک کیا تھا' وہ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ آخر اس کا قصور کیا تھا۔ اس نے آپی کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی۔ کوئی جملہ نہیں کسا تھا۔ بس چپ چاپ کھڑا انہیں دیکھ ہی رہا تھا۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں تھا جس پر آپی اس بری طرح چراغ پا ہوگئیں اور انہوں نے اس بے چارے کو بے بھاؤ کی سنا دیں۔ میرے خیال میں تو وہ لڑکا انتہائی شریف تھا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو آپی کو جواب میں کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔

کئی دن بیت گئے۔ اس دوران میں بھی

مسکرائیے

ہالی ووڈ کے قریب ایک گلی کے کونے پر دو کتوں کی ملاقات ہوئی ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''میں اپنی دوست کا انتظار کر رہا ہوں۔'' دوسرے کتے نے جواب دیا۔

''کیسی ہے وہ'' پہلے کتے نے تجسس سے پوچھا۔

''سفید رنگ کی ہے' دو فٹ لمبی ہے' دم چھوٹی ہے' لیڈی کہہ کے آواز دو تو متوجہ ہو جاتی ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''اچھا..... اچھا' اس کی پیشانی پہ سیاہ دھبا ہے' اور ذرا لنگڑا کر چلتی ہے۔'' پہلے کتے نے مزید نشانیاں بتائیں۔

''ہاں..... ہاں وہی'' دوسرے نے تائید کی۔

''میں تو خود اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔'' پہلا کتا بولا۔

دوسرے نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

''کیا زمانہ آگیا ہے..... ہماری مادائیں بھی ہالی ووڈ کی عورتیں ہوتی جارہی ہیں۔''

☆

شادی کے چھ ماہ بعد میاں بیوی میں پہلا جھگڑا ہوا۔ غصے سے بے قابو ہو کر شوہر نے بیوی کی پیٹھ پر ازدواجی زندگی کا پہلا گھونسا رسید کیا۔

اتفاق سے پادری صاحب وہاں سے گزر رہے تھے' انہوں نے کھڑکی سے گھونسا پڑتے دیکھا تو فوراً دوڑے بیچ بچاؤ کے لیے۔

شوہر نے دیکھا کہ پادری صاحب گھر میں آگئے ہیں تو سنبھل کر اس نے بیوی کی پیٹھ پر ازدواجی زندگی کا گھونسا نمبر دو رسید کیا اور گرج دار آواز میں بولا۔

''اب بھی چرچ جانے سے انکار کرو گی۔''

☆☆

آپی کے گھر نہیں گیا۔ ایک روز میں اتفاق سے ان کے دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ وہ اچانک ہی دروازہ کھول کر باہر گلی میں آگئیں۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو بے ساختہ بولیں۔ ''ارے زریاب! کہاں غائب ہو۔ اتنے دنوں سے شکل ہی نہیں دکھائی۔''

''بس آپی! آج کل پڑھائی چل رہی ہے' اس لیے فرصت ہی نہیں ملتی۔'' میں نے تھوڑا سا رخ پھیر کر ان سے بات کی۔ نہ جانے کیوں میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ ان کی طرف دیکھوں۔

''چلو اچھا ہوا کہ تم نظر آگئے ورنہ میں کسی کو تمہیں بلانے کے لیے بھیجنے ہی والی تھی۔'' آپی میرے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔ ''مجھے بازار جانا ہے۔ تم امی کو بتا کر آجاؤ۔ میں اتنی دیر میں تیار ہوتی ہوں۔''

میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن آپی کو منع بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مجبوراً ان کے ساتھ جانا پڑا۔ جیسے ہی ہم اپنی گلی سے نکل کر سڑک پر آئے' وہ لڑکا ہمیں اسی مخصوص جگہ پر بیٹھا ہوا نظر آگیا۔ وہ بہت ابتر حالت میں تھا۔ بڑھا ہوا شیو' میلے چیکٹ کپڑے اور اندر کو دھنسے ہوئے گال۔ لگتا تھا کہ برسوں کا بیمار ہے یا کوئی بھکاری۔ مجھے اس پر بہت ترس آیا لیکن آپی نے اسے دیکھتے ہی حقارت سے منہ پھیر لیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی اس کے سامنے سے گزر گئیں۔ اس بار مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے آپی سے پوچھ ہی لیا۔ ''آپی' یہ لڑکا کون ہے۔ آپ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتی ہیں۔''

''چھوڑو زریاب! ایسے دس لفنگے راستے میں ملتے ہیں۔'' آپی نے بے زاری سے کہا۔

''آپی' مجھے بتائیں نا۔ یہ شخص کون ہے۔'' میں نے ضد کی۔

میرے مجبور کرنے پر آپی نے کہنا شروع کیا۔

''اس کا نام حسن کمال ہے۔ جب میں کالج میں تھی تو یہ وہاں بھی ایسے ہی آجایا کرتا تھا۔ کئی دفعہ میں نے اس کی بے عزتی کی' لیکن اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ بہت ہی ڈھیٹ ہے۔''

''لیکن یہ چاہتا کیا ہے۔ کیوں آپ کے انتظار میں پاگلوں کی طرح سڑک پر کھڑا رہتا ہے۔''

''اس کا دماغ خراب ہوچکا ہے۔ مجھ سے فضول باتیں کرتا ہے حالانکہ میں اس کو کئی بار سمجھا چکی ہوں کہ میری منگنی ہوچکی ہے اس لیے میرا پیچھا چھوڑ دے لیکن یہ ڈھیٹ سنتا ہی نہیں ہے۔ خیر' تھوڑے عرصے کی بات ہے۔ شادی کے بعد تو مجھے اس سے نجات مل جائے گی۔''

آپی کی باتیں سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ نہ جانے وہ اتنی کٹھور کیسے ہوگئی تھیں۔ ایک گھنٹے بعد جب ہم لوگ واپس آئے' تب بھی وہ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ میں آپی کو گھر چھوڑ کر واپس سڑک پر آگیا۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہ رہا تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کی راہ کیوں دیکھ رہا ہے جس کی منگنی بھی ہوچکی تھی۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی۔ وہ مجھے پہچان گیا تھا کیونکہ میں اکثر آپی کے ساتھ آتا جاتا تھا۔ ''دوست! سناؤ..... کیسے ہو۔'' اس کا لہجہ بہت دکھی سا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا پھر ڈرتے ڈرتے بولا۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں۔ آپ ہمارے محلے میں تو نہیں رہتے' پھر یہاں کیوں آتے ہیں۔''

''تم بہت چھوٹے ہو۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' اس نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے' آپ نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتائیں' لیکن اتنا تو میں جان ہی چکا ہوں کہ آپ یہاں عروج آپی کے لیے آتے ہیں۔ گھنٹوں ان

کی راہ تکتے ہیں جبکہ وہ آپ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتیں۔''

''تم ٹھیک سمجھے ہو دوست!'' اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی لیکن اس دل کا کیا کروں۔ مجھے اپنے جذبے کی سچائی پر یقین ہے۔ وہ لاکھ مجھ سے نفرت کرے، لیکن تم دیکھنا' میں ایک نہ ایک دن اسے حاصل کر کے ہی رہوں گا۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ان کی تو منگنی بھی ہوچکی ہے اور عنقریب شادی بھی ہونے والی ہے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں آپ دونوں کی بدنامی ہے۔''

''جانتا ہوں' سب کچھ جانتا ہوں۔ بہت سمجھایا دل کو' لیکن یہ کم بخت مانتا ہی نہیں۔ بس ایک بار عروج ہاں کردے' پھر دیکھو۔ میں زمانے بھر کی مخالفت کے باوجود اسے حاصل کرلوں گا۔''

مجھے حسن کمال سے ہمدردی ہونے لگی۔ میں نے جانا کہ یہ شخص آپی سے سچا پیار کرتا ہے۔ ویسے بھی مجھے آپی کا منگیتر ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ میرے حساب میں آپی کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ آپی کو کبھی خوش نہیں رکھ سکتا۔ حسن کمال کے ساتھ آپی کی جوڑی بہت اچھی رہے گی۔ وہ انہیں پھولوں کی طرح رکھے گا۔

یہی سب کچھ سوچ کر میں آپی کے پاس چلا گیا۔ ویسے تو یہ چھوٹا منہ بڑی بات والا معاملہ تھا لیکن میں ایک بار حسن کمال کے جذبات آپی تک پہنچانا چاہتا تھا لہٰذا جب میں نے آپی سے ڈرتے ڈرتے یہ کہا کہ آپ حسن کمال کو ٹھکرا کر اچھا نہیں کر رہی ہیں تو وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگیں۔ شاید انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ میں ان سے اتنی بڑی بات کہہ دوں گا۔

''زریاب! تمہیں پتا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' آپی غصے میں بولیں۔ ''اگر میں تمہیں اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر بے تکلفی سے باتیں کرلیتی ہوں

غزلیں

م ش عالم

بت کافر کو ہٹانے کا ارادہ ہے مرا
پھول صحرا میں اُگانے کا ارادہ ہے مرا

اُس کے دروازے پہ دیکھے ہیں پڑے مرغ کے پر
اُس کے گھر اِس لیے جانے کا ارادہ ہے مرا

اور کچھ دیر اگر آپ گوارا کرلیں
اک غزل اور سنانے کا ارادہ ہے مرا

کاپیاں جانچنی ہیں آج مجھے ایم اے کی
دیر تک ہنسنے ہنسانے کا ارادہ ہے مرا!

ہر طرف رنگ ہیں بکھرے ہوئے عالم پھر بھی
رنگ اپنا ہی جمانے کا ارادہ ہے مرا

☆

سید جواد حسن جواد

کہاں وہ شعروں کو میرے، سنبھل کے دیکھتے ہیں
اُڑا کے پرزے ہمیشہ غزل کے دیکھتے ہیں

نجانے چیز ہے کیا اُن کے دل کا انجن بھی
وہ روز نت نئی پٹری بدل کے دیکھتے ہیں

گماں یہ ہوتا ہے قیمہ بھرے کریلے ہیں
کبھی وہ گھر میں سموسے جو تل کے دیکھتے ہیں!

انہیں پسند نہیں شعر کا مرے، لہجہ
ہم آج فون پہ لہجہ بدل کے دیکھتے ہیں!

تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ تم مجھ سے اس طرح کی بے سروپا اور فضول گفتگو کرو۔''

''آپی' میں بچہ ہوں نا' اس لیے آپ میری باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی ہیں۔ آپ حسن کمال کا دل توڑ رہی ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ کسی کا دل توڑنا کتنا بڑا گناہ ہے۔''

یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ اب میں نے سوچ لیا تھا کہ بلاضرورت آپی کے گھر نہیں جاؤں گا اور ان کے سامنے آنے سے ہر ممکن گریز کروں گا۔ مجھے آپی سے زیادہ ان کے منگیتر کی شکل بری لگنے لگی تھی۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اس منحوس شخص کو کہیں غائب کروا دیتا۔ اس طرح آپی کی شادی حسن کمال سے ہو جاتی لیکن میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ بس دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ کس طرح حسن کمال کی مراد پوری ہو جائے۔

اس دوران میں آپی نے کئی بار مجھے بلایا لیکن میں نے کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیا۔ وہ دو تین مرتبہ ہمارے گھر بھی آئیں لیکن ہمیشہ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ میں انہیں گھر پر بھی نہیں ملا۔ پھر میں نے سنا کہ عروج آپی کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی ہے۔ اس خبر سے میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ میری دعائیں رائیگاں گئیں اور حسن کمال نامراد رہا۔ میرے قدم بے اختیار اس سڑک کی طرف اٹھ گئے جہاں وہ اپنا ڈیرہ جمایا کرتا تھا۔ مجھے اس پر بہت ترس آیا لیکن یہ روح فرسا خبر تو اسے سنانی ہی تھی۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کیے اور ہمت کر کے بولا۔

''اب آپ کو یہاں بیٹھ کر کسی کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''تو کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپی کی شادی کی تاریخ رکھی جا چکی ہے۔''

''ہاں۔''

''اس کے باوجود بھی آپ یہاں نظر آ رہے ہیں۔ اب جبکہ امید کی کوئی کرن باقی نہیں رہی' تب بھی آپ۔''

اس نے میری بات بیچ میں ہی کاٹ دی اور بولا۔ ''امید کبھی ختم نہیں ہوتی۔ آج تمہاری آپی ہاں کہہ دے' پھر دیکھو' میں کیا کرتا ہوں۔ ساری دنیا کو الٹ پلٹ کر نہ رکھ دوں تو میرا نام حسن کمال نہیں۔''

''بھول جائیے سب کچھ۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''آپی' کبھی ایسا نہیں کریں گی۔ انہیں اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کا بہت خیال ہے۔ اس کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے' آج کے بعد میں تمہیں یہاں نظر نہیں آؤں گا۔'' پھر اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ میری پیشانی کو چوما اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو! اپنی آپی سے کہنا کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی میری ضرورت محسوس ہو تو مجھے بلا تکلف آواز دے لیں' میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں دیر تک کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسے کسی نہ کسی طرح روک لوں اور اس کا نکاح آپی سے پڑھوا دوں۔ میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ جو کچھ ہو رہا تھا' وہ حسن کمال اور آپی دونوں کے لیے اچھا نہیں ہے۔

آپی کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ وہ دلہن بن کر بہت حسین لگ رہی تھیں جبکہ دلہا میاں بس یوں ہی سے تھے۔ آپی کے ساتھ ان کی جوڑی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس روز مجھے حسن کمال بہت یاد آیا۔ آپی رخصت ہو کر اپنے سسرال چلی گئیں۔ میں بھی اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گیا۔ آپی بہت کم میکے آتی تھیں۔ میں

نے کبھی یہ نہیں سنا کہ وہ رہنے کے لیے آئی ہوں۔ ان کے میاں صبح دفتر جاتے ہوئے انہیں میکے چھوڑ دیتے اور شام کو واپسی میں ساتھ لے جاتے۔

یہ معمول کافی عرصہ چلتا رہا۔ شادی کے بعد میری آپی سے ایک دفعہ بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بس امی کی زبانی کبھی کبھار ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر ایک دن امی نے بتایا کہ آپی رہنے کے لیے آئی ہیں۔ میں بھی آپی سے ملنے چلا گیا' لیکن یہ کیا۔ آپی تو بالکل ہی بدل گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر مجھے زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ان کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ برسوں کی مریضہ معلوم ہو رہی تھیں۔ امی سے مل کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

''آپی! یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' میں سسک پڑا۔

''زریاب!'' آپی نے میرا نام لیا اور پھر مزید کچھ کہنے اور بتانے کی بجائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں چپ کرایا۔ انہوں نے ہچکیاں لیتے ہوئے بتایا۔ ''میرے شوہر کا رویہ پہلے روز سے ہی اچھا نہ تھا۔ وہ شدید قسم کے احساس کمتری کا شکار تھا۔ میرے مقابلے میں اس کی تعلیم بھی واجبی سی تھی اور شکل و صورت تو تم دیکھ ہی چکے تھے۔ اسی احساس کمتری کو دبانے کے لیے اس نے مجھ پر بے جا پابندیاں عائد کرنا شروع کر دیں۔ میں کسی کو ٹیلی فون نہیں کر سکتی تھی۔ کسی سے مل نہیں سکتی تھی۔ میکے تک میں رہنے پر پابندی تھی۔ شادی کی پہلی رات ہی اس نے مجھ سے پوچھا کہ میرا خاندان یا کالج میں کس کس کے ساتھ افیئر رہا ہے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی تو اسے یقین نہیں آیا۔ کہنے لگا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسی حسین و جمیل لڑکی کا کوئی عاشق نہ رہا ہو۔ وہ ہر وقت مجھ پر شک کرتا تھا۔ میری خالہ بھی اسی کی حمایت کرتی تھیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاتی تو پوچھتا۔ ''کس کی یاد ستا رہی ہے۔'' میرے ہنسنے بولنے کو بھی وہ شک کی نگاہ سے دیکھتا اور اب اس کا یہ شک اتنا بڑھا ہے کہ اس نے مجھے طلاق دے دی ہے۔

میں یہ سن کر سناٹے میں آ گیا کہ کوئی شخص عروج آپی کو طلاق بھی دے سکتا ہے۔ اچانک ہی مجھے حسن کمال کا خیال آ گیا۔ میں نے کہا۔ ''آپی! جانتی ہو' جب حسن کمال آخری بار مجھے ملا تو اس نے کیا کہا تھا۔''

''یقیناً اس نے مجھے بد دعا ہی دی ہوگی' لیکن میں کیا کر سکتی تھی۔ اگر منگنی نہ ہوئی ہوتی تو شاید میں اس کی بات مان لیتی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اس کی محبت کا جواب محبت سے دینا میرے بس میں نہیں تھا۔''

''آپی! حسن کمال نے کہا تھا' اپنی آپی سے کہنا کہ زندگی کے کسی موڑ پر میری ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف مجھے آواز دے لیں' میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

اس کے بعد میں نے حسن کمال کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے' میں وہاں گیا لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ مجھ سے آپی کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ان کے دکھوں کا مداوا صرف حسن کمال ہی کر سکتا تھا' لیکن میں اسے ڈھونڈنے میں آج تک کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے باوجود اس دن کا انتظار کر رہا ہوں' جب مجھے کہیں اچانک حسن کمال مل جائے گا..... خدا جانے' آپی کو بھی اس کا انتظار ہے یا نہیں۔ میں یہ سوال ان سے نہیں پوچھ سکتا کیونکہ میں اب بھی ان سے بہت چھوٹا ہوں نا۔

آخری بازی

ایم اے راحت

ان دو برسوں میں ڈیڈی کو ان کے دوست میرے بارے میں کیا رپورٹیں بھیجتے رہے تھے' اس کا مجھے علم نہیں تھا لیکن یہ رپورٹیں میرے خلاف تھیں۔ تب بھی ڈیڈی نے اپنے خطوط میں کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ بڑی پابندی سے میرے جملہ اخراجات روانہ کرتے رہے تھے۔ غالباً وہ اس انتظار میں تھے کہ فائنل نتیجہ سامنے آئے تب کوئی حتمی قدم اٹھائیں۔ مگر قسمت کی مہربانی سے انہیں یہ موقع نہیں مل سکا اور اپنی واپسی پر مجھے یہ ہی بتایا گیا کہ دونوں بہنوں کو تھوڑا سا حصہ دینے کی بعد میں پوری جائیداد و کاروبار کا مالک ہوں۔ مجھے درآمد برآمد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ایک معاشرتی کہانی' عمران ڈائجسٹ کے آخری صفحات کے لیے

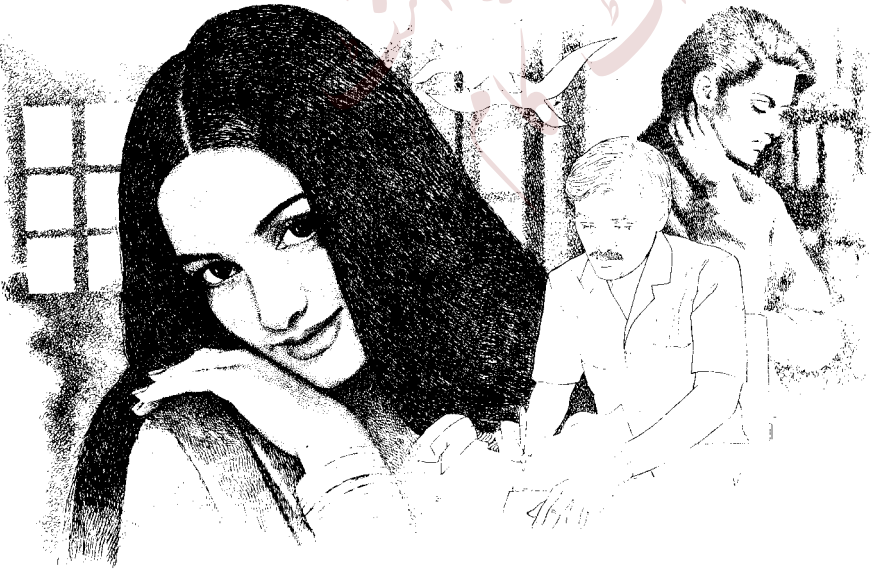

زندگی کا بیشتر وقت امریکہ جیسے ملک میں گزارا تھا۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے رابطہ رہا تھا۔ تعلیم کے علاوہ دوسرے مشاغل میں بھی دلچسپی لیتا رہا تھا۔ اصل میں ماضی کے تلخ نقوش ذہن پر چسپاں تھے۔ جنہیں میں نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ والد صاحب مرحوم نے ماں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔ وہ انتہائی تکلیف دہ تھا۔ بس کبھی کبھی کچھ رشتے بالکل بے دست و پا کر دیتے ہیں۔ میرے اور ڈیڈی کے درمیان تعلقات کچھ خوشگوار نہیں تھے اور اس کی وجہ ماں کے ساتھ ڈیڈی کا سلوک تھا۔ میری والدہ مرحومہ جنہیں ڈیڈی نے پندرہ سولہ سال کی رفاقت کے بعد طلاق دے دی تھی۔ ہمیں گھر کے حالات کا بھرپور اندازہ تھا۔

ڈیڈی، ممی سے ہمیشہ لڑتے رہتے تھے اور آخر کار انہوں نے ممی کو طلاق ہی نہیں دی بلکہ ہمیں بھی ان سے چھین لیا۔ ممی ایک غریب گھر کی بیٹی تھیں۔ اس لیے ڈیڈی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں۔ بعد میں ہمیں کبھی ممی سے نہیں ملنے دیا گیا اور وہ دو تین سال میں انتقال کر گئیں۔ میری دونوں بہنوں کی شادی کر دی گئی تھی اور مجھے امریکہ بھیج دیا گیا تھا۔

امریکہ میں، میں نے اپنی پسند کی زندگی گزاری اور پھر اس وقت میری واپسی ہوئی جب مجھے ڈیڈی کے انتقال کی خبر ملی۔ وطن واپس آکر میں نے ڈیڈی کی تمام جائداد اور کاروبار کی صورت حال سنبھال لی۔ بہر حال زندگی اسی طرح سادگی سے گزر رہی تھی کہ ایک نام نہاد شخص ڈان زان مغل، مجھ سے ملا۔ میرے ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا اور اس کا کارڈ مجھے پیش کیا تھا۔ عجیب سا نام تھا۔ بہر حال میں ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ جو اچھے خاصے سوٹ میں ملبوس کافی اسمارٹ نظر آرہا تھا۔

''جی! فرمایئے میں آپ کی کیا مدد کر... ہوں۔''

''سر! میں آپ کی خدمت کے لیے حا... ہوا ہوں۔ اصل میں ہمارے ملک میں ... صاحب فن کی قدر نہیں ہوتی۔ میں بھی مجبو... آدمی ہوں۔ ریڈیو ٹی وی یا اسٹیج سے اپنی ... نہیں کروا سکتا۔ اس لیے آپ جیسے قدر دا... کے در دولت پر خود حاضری دے دیتا ہوں۔''

''آپ کیا چاہتے ہیں اور کیا کام کر... ہیں آپ۔''

''سر! میں تاش کا فن جانتا ہوں۔ اگر آ... اجازت دیں تو میں آپ کو اپنا فن دکھاؤں۔'' اب یہ بالکل اتفاق ہے کہ میں امریکہ میں رہ... بھی وہاں تاش کے کھیل سے بہت متاثر تھا۔ ... اس سے دلچسپی محسوس ہوئی تو میں نے اس سے ا... فن دکھانے کے لیے کہا۔

تب اس نے تاش کی ایک بالکل نئی گڈ... نکال کر کھولتے ہوئے میرے معائنے کے ... پیش کی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ کوئی ا... بات یا خفیہ علامت نظر نہیں آئی۔ جس سے امر... کے قمار خانوں میں واسطہ پڑ چکا تھا۔ میں ... اسے گڈی واپس دے دی۔ اس نے ماہرا... چابکدستی سے گڈی کو کئی بار پھینٹا اور پھر ... دلچسپ و حیرت انگیز کرتب دکھائے۔ مثلاً دل ... سوچا ہوا پتہ بتانا، یا بار بار ایک پتہ کھینچنے ... کرنا۔ یعنی میں تاش کی پھیلی ہوئی گڈی سے ... کہیں سے کوئی بھی پتہ نکالتا۔ ہر مرتبہ ... ہاتھ میں آتا۔ جو میں پہلے کھینچ چکا تھا۔ یا ... کوئی بھی پتہ اپنے ہاتھ سے غائب کر کے ... جیب سے برآمد کرنا پتوں کا سائز چھوٹا یا ... وغیرہ وغیرہ۔

''یہ بتاؤ۔'' میں نے اس کی فن کار... متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہیں کو... کرتب آتا ہے کہ اگر کوئی فلش کھیلنے بیٹھے ...

بیت کر ہی اٹھے۔ باوجود اس کے کہ دوسرے کھلاڑیوں میں بھی کوئی ماہر پتے باز یا شاطر ہو۔"

اگرچہ مجھے بھی اس فن میں بہت کچھ آتا تھا۔ مگر میں اس کا تجربہ اور قابلیت دیکھنا چاہتا تھا۔

"ایسے کئی کرتب مجھے آتے ہیں سر۔" اس نے جواب دیا۔ "مگر انہیں صرف بتانے یا دکھانے سے ہی نہیں سیکھا جا سکتا۔ جب تک بار بار کی مشق اور مسلسل ریاضت سے مہارت اور ہاتھ کی صفائی نہ آ جائے اور یہ خاصا دیر طلب کام ہے لیکن اس لائن سے پرانی وابستگی اور اس میدان میں تازہ ترین معلومات کی بنا پر میں یہ جانتا ہوں سر! کہ آج کل شہر کی ہائی سوسائٹی کلبوں، خفیہ قمار خانوں اور خالص پرائیویٹ نشستوں میں جو طریقہ بہت استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ خفیہ اشارات کا ہے۔ جنہیں بادی النظر میں ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا خواہ آپ خوردبین سے ہی ایک ایک پتے کا جائزہ کیوں نہ لیں۔"

"تو پھر پتے باز انہیں کس طرح دیکھتا ہے۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آپ میز سے جیت کر اٹھنا چاہتے ہوں تو ایک چشمہ آپ کی نذر کر سکتا ہوں۔"

"کس قیمت پر۔"

"اس کی قیمت تو کوئی کیا ادا کر سکتا ہے۔ مگر میں صرف اس کے بنانے پر خرچ ہونے والی رقم اور معلومات سا منافع لیا کرتا ہوں۔"

"کیا لیتے ہو۔"

"صرف دس ہزار روپے۔"

"چیک یا کیش۔؟"

"برا نہ مانیں تو صرف کیش۔"

"تم چشمہ نکالو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی رقم لے کر آتا ہوں۔"

چشمہ دیکھنے میں بہت خوب صورت اور نیو ڈیزائن کا تھا۔ مجھے پسند آیا۔ اس نے مجھے بریف کیس سے تاش کی ایک دوسری گڈی نکال کر دکھائی۔ بظاہر اس پر کسی طرح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ مگر چشمہ لگا کر دیکھا تو ہر پتے کی پشت پر نیلے رنگ کے مختلف نشانات واضح ہو گئے۔ اس نے مجھے بتایا کہ کس نشان سے کون سا پتہ مراد ہوتا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ حال ہی میں امریکہ سے واپس آیا ہوں اور مجھے فلش سے خاصی دلچسپی ہے۔ نیز یہ کہ کیا وہ مجھے شہر کے خفیہ کلبوں اور خفیہ اڈوں کا پتا بتا سکتا ہے جہاں یہ کھیل کھیلا جاتا ہو اور اونچی بازیاں لگتی ہوں۔ اور وہ مجھے مختلف شہروں کے اڈوں کے بارے میں بتانے لگا۔

☆☆

میرے مرحوم ڈیڈی احمد شاہ درانی، شہر کے بہت بڑے امپورٹر، اور ایکسپورٹر تھے۔ پندرہ سالہ ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد جسے سن شعور کو پہنچنے کے بعد میں نے ہمیشہ تلخ ہی دیکھا، معلوم نہیں وہ اس سے پہلے کیسی تھی۔ ممی کو طلاق دینے کے بعد ڈیڈی نے ہمیں یوں چھین لیا کہ بعد میں ان سے ملنے اور ایک نظر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دی اور پھر ممی کا انتقال ہو گیا اور ہماری تعلیم و تربیت ڈیڈی کی زیر نگرانی ان کی پسند و ناپسند کے مطابق ہونے لگی۔ نازیہ باجی مجھ سے تین سال بڑی تھیں اور سعدیہ چار سال چھوٹی تھی۔ دولت مند گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ انہیں عموماً بی اے یا بی ایس سی کے بعد گھر بٹھا جاتا ہے۔ جس کے بعد ان کی شادی کر دی جاتی ہے اور یہ ہی میری دونوں بہنوں کے ساتھ بھی ہوا۔

مجھے بچپن ہی سے فنون لطیفہ سے دلچسپی تھی اور میری آرزو تھی کہ میں بڑا ہو کر کوئی نامور مصور یا کوئی مشہور اداکار کوئی ہر دل عزیز موسیقار بنوں مگر ڈیڈی مجھے پہلے ایم بی اے اور پھر امریکہ پلٹ ماہر سرجن بنانا چاہتے تھے۔ کچھ اس اختلاف اور کچھ انہوں نے ممی سے جو سلوک کیا تھا۔ اس

کے باعث میرے اور ان کے درمیان ہمیشہ ایک کشمکش سی رہی۔ اتنا تو بہرحال میں بھی سمجھتا تھا کہ میں جو کچھ بننا چاہتا ہوں اس کے لیے بھی مناسب تعلیم ضروری ہے۔ اس لیے ایف ایس سی تک اس کشمکش کا انداز کچھ ایسا ہی رہا کہ میں ان سے چھپ کر فلمیں دیکھتا تھا۔ گانے سنتا اور سیکھتا تھا اور پینٹنگ سے' ڈرائنگ کی کاپیوں پر کاپیاں بھرتا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ تعلیم پر بھی مناسب توجہ دیتا تھا۔ جس کا عملاً جو نتیجہ نکلا وہ یہی تھا کہ تھرڈ کلاس سے لے کر ایف ایس سی تک میں کلاس میں بھی سیکنڈ اور کبھی تھرڈ پوزیشن لیتا رہا۔ میٹرک میں نے سیکنڈ ڈویژن میں کیا اور ایف ایس سی میں بھی یہ ہی رزلٹ رہا۔

اصل کشمکش بلکہ ایک طرح سے سرد جنگ کا آغاز اس کے بعد ہوا ڈیڈی نے فیصلہ دے دیا کہ مجھے میڈیکل میں داخلہ لینا ہے میں نے کچھ زیادہ مخالفت نہیں کی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ فرسٹ ڈویژن والوں کو ہی بڑے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ سیکنڈ ڈویژن کی باری کہاں آئے گی لیکن مجھے بے حد تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ جب مجھے نجانے کس طرح میڈیکل میں داخلہ مل گیا۔ غصے کے باوجود انکار کی مجال نہ تھی۔

مگر میں نے بھی سوچ لیا کہ اب آئندہ کسی بھی امتحان میں پاس ہونے والے پر لعنت ہے۔ ڈیڈی نے مجھے ہاسٹل میں داخل کروا دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں پڑھائی کا ماحول ہونے کی وجہ سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے اور وہ ہوئے بھی۔ یعنی اس کے باوجود کہ میں سارا سال فلم بینی اور آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ اکثر کلاس میں غیر حاضر رہتا تھا۔ امتحان میں جوابات کی جگہ فلمی گانے اور کارٹون بنا کر آتا۔ مگر ڈیڈی نجانے کون سی جادو کی چھڑی گھماتے تھے کہ ہر سال کامیاب طلباء کی فہرست میں سب سے نیچے سہی لیکن ہوتا ضرور تھا۔ یہ صورت حال ایم بی بی ایس کے آخری سال تک رہی اور اس میں بھی میں اسی پوزیشن کے ساتھ پاس ہوگیا۔

اب' امریکہ جا کر سرجن بننے کا مرحلہ آیا۔ ڈیڈی نے تمام انتظامات مکمل کر لیے وہاں ان کے کچھ دوست تھے۔ انہیں میرا خیال رکھنے کے بارے میں لکھ دیا گیا۔ مجھے بھی ان کے پتے دیتے ہوئے ہدایات کر دی گئی کہ میں ان لوگوں سے برابر ملتا رہوں پھر عین روانگی کے دن ڈیڈی نے مجھے اپنے کمرے میں بلا لیا اور بالکل تنہائی میں سنجیدگی سے بولے۔

''برخوردار! میں تمہارے تمام معمولات اور خیالات کو جانتا ہوں۔ مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے مستقبل کی بہتری کون سی راہ اختیار کرنے میں ہے۔ ابھی تک تم نے صرف ایف ایس سی تک پڑھا ہے۔ میڈیکل کے سال اول سے لے کر فائنل تک امتحان میں بلاشبہ تم بیٹھے ہو۔ مگر اسے پاس میں نے کیا ہے۔ تم سے آج تک اس لیے نہیں کہا کہ اس ملک میں سب کچھ ملتا ہے۔ جب یہاں کے لیڈر جو سیاست کی الف بے سے واقف نہیں اور پھر بھی عوام کی جان و مال سے کھیلتے ہیں تو ایک ڈاکٹر کا دائرہ کار تو اتنا وسیع بھی نہیں ہوتا لیکن اب تم امریکہ جا رہے ہو۔ اگرچہ وہاں بھی بہت کچھ چلتا ہے۔ مگر وہاں ڈگری بغیر محنت کے نہیں مل سکتی۔ اس لیے اب تمہیں جان توڑ کر محنت کرنا پڑے گی۔ بشرطیکہ تمہیں میری لاکھوں کی جائداد اور کاروبار سے کوئی دلچسپی ہو۔ کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر تم وہاں سے ڈگری لے کر واپس نہیں آئے تو میں تمہیں اپنی جملہ وراثت سے عاق کر دوں گا۔ بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

میں ڈیڈی کی دھمکی سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوگیا تھا کہ میں نے امریکہ پہنچنے کے بعد سچ مچ ایمانداری سے پڑھنے کی کوشش کی مگر جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ اب تعلیم میں دلچسپی لینا میرے

بس کی بات نہیں رہی۔ چنانچہ میں نے ڈیڈی کی مقرر کردہ سزا سے بچنے کا کوئی طریقہ سوچنے کی کوشش کی اور آخر کار اسی نتیجے پر پہنچا کہ یہاں مجھے اپنے شوق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بہترین مواقع حاصل ہیں۔

اگر میں ان میں سے کسی ایک شوق' مثلاً اداکاری' میں کامیاب ہوگیا تو پھر مجھے ڈیڈی کی دولت کی بھی پرواہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ میں نے ایک طرف تو ہالی وڈ کے چکر لگانا شروع کردیے اور دوسری طرف قسمت کے سہارے دولت کمانے کے لیے قمار خانوں کا رخ کیا۔ مگر جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ خواب دیکھنا اور چیز ہے اور اس کی تعبیر حاصل کرنا قطعی مختلف شے ہے۔ دو سال ٹھوکریں کھانے کے بعد صرف اتنا ہوسکا کہ قمار خانوں میں اپنے سٹار پر دوستوں کی مہربانی سے مختلف نوعیت کی بازیوں کے کچھ خاص خاص گر ہاتھ میں آگئے اور اسٹوڈیوز کے چکروں نے ایک تجربہ کار میک اپ مین کا ہم نوالہ' ہم پیالہ بنا دیا۔ جس نے ازراہ دوست نوازی اس فن کے کئی سربستہ راز مجھے سکھا دیے۔ قریب تھا کہ میں ان دونوں فنون سے ذاتی فائدہ اٹھانے کا آغاز کرتا کہ ڈیڈی کے اچانک انتقال کا کیبل موصول ہوا اور میں بلا تامل پاکستان واپس آ گیا۔

ان دو برسوں میں ڈیڈی کو ان کے دوست میرے بارے میں کیا رپورٹیں بھیجتے رہے تھے' اس کا مجھے علم نہیں تھا لیکن یہ رپورٹیں میرے خلاف تھیں۔ تب بھی ڈیڈی نے اپنے خطوط میں کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ بڑی پابندی سے میرے جملہ اخراجات روانہ کرتے رہے تھے۔ غالباً وہ اس انتظار میں تھے کہ فائنل نتیجہ سامنے آئے تب کوئی حتمی قدم اٹھائیں۔ مگر قسمت کی مہربانی سے انہیں یہ موقع نہیں مل سکا اور اپنی واپسی پر مجھے یہ ہی بتایا گیا کہ دونوں بہنوں کو تھوڑا سا حصہ دینے کے بعد میں پوری جائیداد و کاروبار کا مالک ہوں۔ مجھے درآمد' برآمد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس لیے' میں میں نے ڈیڈی کا جملہ بزنس مع اس کی گڈول کے ایک پارٹی کے ہاتھ فروخت کردیا۔ اس سے بھی ایک وافر رقم ہاتھ لگی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اب بظاہر باپ کی کمائی ہوئی دولت سے عیش کرنے کے علاوہ میری کوئی مصروفیت یا کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔

ڈان زان مغل سے میری دلچسپی ملاقات کو تقریباً ایک ہفتہ گزرا تھا۔ ایک شام میں شیر کے ایک معروف کلب میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ مجھے اپنے پیچھے ایک قہقہہ میز سے ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

میں اس وقت محض حسن اتفاق سے اکیلا تھا۔ ہالی سوسائٹی میں یہ خبر پورے زور و شور سے پھیل گئی تھی کہ ایک لکھ پتی کا اکلوتا بیٹا حال ہی میں اس کی جائیداد کا وارث بنا ہے اور خیر سے کنوارہ ہے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کئی خوب صورت لڑکیوں نے بر تو خود میرا گھر دیکھ لیا تھا۔ یا انہیں دکھایا گیا تھا۔

جلد ہی مجھے ان کی گفتگو سے اندازہ ہوگیا کہ وہ کسی بڑی رقم کے نقصان کا ماتم کر رہے ہیں۔ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔ لڑکا غریب ہے۔ لڑکی امیر باپ کی بیٹی ہے۔ دفعتاً میں نے لڑکی کو سسکیوں کے ساتھ روتے سنا۔ وہ شام کا ابتدائی وقت تھا کلب کا ریفریشمنٹ ہال تقریباً خالی نظر آ رہا تھا۔ اب مجھ سے ضبط نہ ہوسکا۔ یوں بھی اپنی کافی ختم کر چکا تھا۔ اس لیے اٹھا اور بڑی بے تکلفی سے ان کی میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ لڑکی نے جلدی سے اپنے آنسو خشک کر لیے میں نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ نقش و نگار کے اعتبار سے شاید اتنی خوب صورت نہ ہو مگر چہرے کے مجموعی تاثر بڑا کشش انگیز تھا۔ دونوں میری اس مداخلت پر حیران تھے۔ میں

اپنا تعارف کرایا تو ان کی ناگواری کے تاثرات قدرے کم ہوگئے۔ پھر جب میں نے انہیں بتایا کہ میں قریب کی میز پر بیٹھا۔ نادانستہ ان کی نجی گفتگو سننے کا مرتکب ہوا ہوں اور محض بر بنائے خلوص و انسانیت یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میں کسی بھی طرح ان کے کچھ کام آسکتا ہوں۔ میری ان باتوں سے وہ دونوں بہت متاثر ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اور میرے اصرار پر اپنی کہانی کچھ یوں بیان کی۔

''میرا نام جاوید عزیز ہے۔'' نوجوان نے کہا۔ وہ بھی خاصا پرکشش لڑکا تھا۔ ''اور یہ میری بہن نوشابہ ہیں۔ ایک بڑے باپ کی اکلوتی بیٹی ان سے کچھ دور کی رشتے داری بھی ہوتی ہے۔ میرا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا رہا ہے۔ پہلی جماعت سے ہی نمایاں پوزیشن لے کر کامیاب ہوتا رہا ہوں۔ بی کام میں فرسٹ آیا اس سے آگے تعلیم جاری رکھنے کی استطاعت نہیں تھی۔

خیام انکل میرا مطلب ہے۔ نوشابہ کے ابو میری امی سے ملنے آئے دونوں میں کچھ باتیں ہوئیں اور پھر ایک ہفتے بعد ہماری منگنی ہوگئی۔ انکل نے مجھ سے کہا۔

''برخوردار! ملازمت میں کچھ نہیں رکھا۔ بزنس کرو، بزنس وہ خود بھی بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے کچھ رقم نقد دی کوئی مناسب کاروبار کرنے کے لیے میں بہت خوش تھا۔ میرے ذہن میں بے شمار منصوبے خوابوں کی مانند آرہے تھے لیکن پھر میرا ایک دوست آگیا۔ میں نے اس سے بھی مشورہ کیا کہ کون سا کام زیادہ بہتر اور جلد منافع بخش ہوسکتا ہے۔ وہ بولا۔

''آج کل تو اتنی رقم میں ان سگریٹ کی دکان بھی نہیں کھل سکتی۔ کاروبار کوئی بھی ہو۔ دکان کے لیے اچھا محل وقوع سب سے زیادہ اہم ہے اور ایسی دوکان کی صرف پگڑی ہی پچاس ہزار سے لے کر ڈیڑھ ہزار تک ہے۔ میرے پاس رقم ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ میں نے کچھ مایوسی سے پوچھا۔ پھر میں کیا کروں۔ اس نے کہا۔

''اپنے انکل سے اور روپیہ مانگو۔ کم از کم دو لاکھ مگر یہ میرے لیے بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ میں نے اپنے دوست سے کہا۔ کوئی اور ترکیب بتاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ پھر تو بس ایک ہی ترکیب ہے۔ میں ایک ایسی جگہ جانتا ہوں۔ جہاں بڑے پیمانے پر قلاش ہوتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں بازیاں لگتی ہیں۔ تم ایک رات میں کروڑ پتی بھی بن سکتے ہو۔ میں نے کہا' مجھے قلاش نہیں آتا۔ آج تک کبھی کھیلا ہی نہیں۔ وہ ہنسا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں میں تمہیں چند منٹ میں سب کچھ سکھا دوں گا۔ میں اس کی باتوں میں آگیا۔

دوسرے دن وہ ایک کار لے کر آگیا۔ کچھ دور جا کر اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور کہا۔ ''احتیاط خود تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر کبھی کوئی پوچھے تو دیانت داری سے کہہ سکتے ہو کہ مجھے کچھ نہیں معلوم' وہ مجھے نہ معلوم کسی علاقے کی ایک شاندار عمارت میں لے گیا۔ جس میں بے شمار کمرے تھے اور ہر کمرے میں کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا۔ اب زیادہ تفصیل میں کیا جاؤں۔ مختصر یہ کہ میں نے بازی لگائی شروع میں کافی جیتا۔ تقریباً پچاس ہزار' مگر پھر جو قسمت نے پلٹا کھایا تو سب کچھ ہار گیا۔ پورا ایک لاکھ میرا دوست مجھے تسلی دینے لگا۔ میں جان سے بیزار تھا۔ خودکشی کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک بوتل دی کہ اسے پی لو۔ طبیعت سنبھل جائے گی۔ معلوم نہیں' وہ کیا شے تھی۔ اسے پینے کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔ آنکھ کھلی تو اپنے گھر کے قریب ایک سنسان گلی میں پڑا ہوا تھا۔''

وہ خاموش ہوگیا۔ نوشابہ نے اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

''تمہیں یہ شبہ تو نہیں ہوا کہ وہ لوگ پتے

بازی کر رہے ہیں۔'' میں نے جاوید سے پوچھا۔

''شبہ نہیں مجھے یقین ہے کہ انہوں نے مجھے دھوکے سے لوٹا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''جو آدمی تمہارے ساتھ کھیل رہے تھے۔'' میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔ ''ان میں سے کوئی چشمہ تو نہیں پہنے ہوئے تھا۔''

''ہاں ایک آدمی نے پہن رکھا تھا۔'' جاوید نے کچھ چونک کر جواب دیا۔

میں نے اسے پتوں پر کچھ خفیہ نشانات کے بارے میں بتایا۔ اس نے جواب دیا کہ اس نے فراڈ کی تصدیق کے لیے ایک استعمال شدہ تاش کی گڈی چھپا کر جیب میں رکھ لی تھی لیکن گھر پہنچ کر اسے بہت غور سے دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ گڈی اتفاق سے اس وقت بھی اس کی جیب میں تھی۔ اس نے نکال کر مجھے دکھائی۔ میں نے اسے دیکھے بغیر جیب میں رکھ لیا۔

میں اسے چشمے کے راز کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اس گڈی پر خفیہ نشانات ضرور موجود ہوں گے۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ میں ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کل مجھ سے نوشابہ کے ساتھ اس جگہ ملاقات کرے تو میں اسے اپنی سوچی ہوئی تجویز سے آگاہ کروں گا اور مجھے پوری امید ہے کہ میں صرف اس کا نقصان ہی نہیں بلکہ کچھ منافع بھی دلوانے کی کوشش کروں گا۔

دوسرے دن وہ مجھ سے پہلے ہی کلب میں میرے منتظر تھے۔ میں نے گھر پہنچ کر پروفیسر زان مغل کا دیا ہوا چشمہ لگا کر دیکھا تو تصدیق ہوگئی کہ میرا اندازہ درست تھا۔ تاش کی گڈی کے ہر پتے پر خفیہ نشانات موجود تھے۔ ایسی صورت میں ظاہر تھا کہ میرا لائحہ عمل کیا ہوسکتا تھا۔

چنانچہ میں نے کہا۔

''دیکھو میاں جاوید! ہر چند کہ میں کوئی ماہر کھلاڑی نہیں ہوں۔ مگر فلش کے کچھ خاص گر جانتا

غزل

طارق حسن طارق

جو شاعری میں بہت کامیاب ہے پیارے
اُسی کا اِن دنوں خانہ خراب ہے پیارے

وہی زمانے میں عزت مآب ہے پیارے
کہ مال جس کے یہاں بے حساب ہے پیارے

جو تم بنے ہوئے رشکِ شباب ہو پیارے
مجھے خبر ہے کہاں کا خضاب ہے پیارے

یہ اور بات کہ کانٹوں سے ہاتھ ہے زخمی
یہ کم نہیں مرے گھر میں گلاب ہے پیارے

ہمارے سارے اثاثے کی ٹوہ میں ہو تم
ہماری جب سے طبیعت خراب ہے پیارے!

میں اس کے گھر جو چلا جاتا ہوں تو کیا ناصح
تلاشِ رزق تو کارِ ثواب ہے پیارے!

ہے ڈر مجھے ترے والد نہ مسترد کردیں
میں ایک چراغ ہوں تُو آفتاب ہے پیارے

سبب بتادوں میں دنیا کی بے حجابی کا
تمہارا حُسن ، تمہارا شباب ہے پیارے

خدا کے واسطے طارق نہ اس سے تنہا مل
لگے گا عیب ، زمانہ خراب ہے پیارے

ہوں مجھے تم دونوں سے ہمدردی ہے اور ظالم سماج یا فلک کج رفتار کو دو محبت کرنے والوں کے درمیان دیوار بنتے نہیں دیکھ سکتا۔ میرے لیے لاکھ دو لاکھ کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ تمہیں یوں بھی دے سکتا ہوں۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ محبت کرنے والے بڑے غیرت مند ہوتے ہیں۔ تم لوگ اس انداز میں میرا احسانمند ہونا منظور نہیں کرو گے۔ پھر میں ان لوگوں کو بھی کچھ سبق دینا چاہتا ہوں۔ جو سادہ لوح معصوم لوگوں کو اس سنگدلی سے ٹھگتے ہیں۔

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اس دوست سے میرا تعارف کرادو جو تمہیں اس پوشیدہ عمارت میں لے گیا تھا۔ میں خود ان لوگوں کے ساتھ فلش کھیلوں گا اور مجھے یقین ہے کہ چند گھنٹوں میں ایک لاکھ کے تین لاکھ بنا لوں گا۔ اس میں سے ایک لاکھ تمہیں دے دوں گا۔ پھر یہ کوئی احسان نہیں ہوگا۔ کیوں کہ تمہارے ذریعے میں خود بھی ایک رات میں ایک لاکھ کما لوں گا۔ بولو کیا کہتے ہو۔ میری تجویز قبول ہے۔''

نوشابہ کا چہرہ تو میری بات سنتے ہی چمکنے لگا تھا۔ مگر جاوید نے جواب دینے سے پہلے کچھ دیر سر کو جھکا کر سوچا پھر بولا۔ ''اس میں شک نہیں ہے کہ آپ کی تجویز بہت خوب ہے لیکن پہلی بات تو یہ کہ وہ لوگ آپ کے اندازے سے کہیں زیادہ چالاک ہیں اور چار سو بیس ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری خاطر آپ اتنی بڑی رقم داؤ پر لگا دیں۔ دوسری بات یہ کہ میرا دوست! اس دن کے بعد سے پھر نظر نہیں آیا ہے۔''

''تم میری رقم کے لیے فکر مند نہ ہو۔ میں بزنس مین ہوں اور کوئی تجربہ کار بزنس مین سوچے سمجھے بغیر رسک نہیں لیتا۔'' میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ ''رہا تمہارے اس دوست کا معاملہ تو تم اس کے مصروف ٹھکانوں پر اسے تلاش کرو۔ مجھے امید ہے کہ وہ نہ صرف مل جائے گا۔ بلکہ ایک اور شکار پھانسنے کے لالچ میں اس آڑے پر مجھے بھی لے جانے کے لیے بخوشی آمادہ ہو جائے گا۔ چاہو تو تم دونوں بھی ساتھ چل سکتے ہو۔''

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جاوید تین دن کے بعد مجھے ملا اور بتایا کہ اگلی شام کے لیے پروگرام طے پا گیا ہے۔ دوسرے دن شام کو وہ مجھے ایک اور کلب لے گیا۔ جہاں ایک نوجوان سے میرا تعارف کرایا۔ جس کا نام دلاور تھا۔ وہ مجھے شکل ہی سے کوئی چھٹا ہوا بدمعاش اور عادی جرائم پیشہ نظر آ رہا تھا لیکن اپنی ناگواری کو چھپاتے ہوئے میں اس سے بڑے پرتپاک انداز میں ملا۔ میرے پاس اپنی کار تھی۔ مگر طے یہ ہی ہوا کہ ہم ان کے معمول کے مطابق اس کار میں چلیں گے۔ جو ہمیں لیجانے کے لیے بھیجی جائے گی۔ اس لیے میں اپنی کار لاک لگا کر کلب ہی میں چھوڑ دوں۔

دوسری شرط یہ بھی تھی کہ کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے گی۔ تقریباً نو بجے تک ہم کلب میں کافی پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ پھر دلاور نے کار کے پہنچنے کی اطلاع دی۔ میں، جاوید اور نوشابہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دلاور اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا اور ہم کلب سے روانہ ہوئے۔ پندرہ منٹ کے سفر کے بعد دلاور نے کار رکوائی۔ اتر کر خود اپنے ہاتھوں سے ہم تینوں کی آنکھوں پر پٹی باندھی۔

کار پھر چلی اور میرے اندازے کے مطابق نصف گھنٹے کے لگ بھگ چلتی رہی۔ معلوم نہیں وہ حقیقت میں کوئی فاصلہ طے کر رہے تھے یا ہمیں طویل فاصلے کا تاثر دے رہے تھے اور سڑکوں پر یونہی گھوم پھر رہے تھے۔

بہرحال تقریباً دس بجے کار ایک عمارت کے سامنے رکی۔ ہماری پٹیاں کھول دی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک تین منزلہ کچھ کچھ قلعہ نما سی

عمارت ہے جو باہر سے بڑی مضبوط معلوم ہو رہی تھی۔ اردگرد کم وبیش اندھیرا تھا۔ صرف بلندی پر چند سرچ لائٹیں روشن تھیں۔ ایک طرف بڑا سا پارکنگ ایریا تھا۔ جس میں میرے اندازے کے مطابق پچاس سے زیادہ کاریں کھڑی تھیں۔ ہم عمارت کے صدر دروازے میں داخل ہوئے۔ جس کے باہر دو مسلح گارڈ موجود تھے۔ ہم تیسری منزل پر پہنچے دونوں اطراف بہت سے دروازے نظر آ رہے تھے۔ جن میں سے بیشتر بند اور نیم وا تھے۔

ان کے اندر سے مختلف باتیں کرنے ہنسی مذاق اور قہقہے لگانے اور گانے کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ ڈرائیور کار ہی میں رہ گیا تھا۔ دلاور ہمیں ساتھ لیے جس کمرے میں داخل ہوا۔ اس میں چھ سات میزوں کے گرد چار یا چار سے زیادہ افراد بیٹھے تھے۔ دو چار میزیں خالی بھی تھیں۔ دلاور نے کمرے کے نگران کو میرے بارے میں بتایا۔ جس نے ایک خالی میز کی جانب اشارہ کیا اور ابھی ہم وہاں بیٹھے ہی تھے کہ تین آدمی نہ جانے کہاں سے نکل کر ہمارے سامنے آ بیٹھے۔ جن میں سے ایک نے میری طرح چشمہ لگایا ہوا تھا۔

دلاور نے ان کا فرداً فرداً تعارف کرایا۔ ان کے نام اور تعارف کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ نام بھی فرضی تھے اور دلاور نے ان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا۔ وہ سب کچھ بھی جھوٹ تھا۔ تعارف کے بعد ہم سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے۔ میں دانستہ اس چشمے والے کے قریب بیٹھا۔ اس کے بعد جاوید اور نوشابہ تھے اور ان کے بعد دو اور مدمقابل' پہچان کے لیے میں انہیں نمبر ایک اور نمبر دو لکھوں گا۔

یہاں امریکہ کے قمار خانوں کی طرح ٹوکن منی کا رواج نہیں تھا۔ ہر کھلاڑی اصل کرنسی نوٹ سامنے رکھ کر بیٹھتا تھا۔ میں نے اپنے بریف کیس میں سے پچاس ہزار کے نوٹ نکالے اور جھک کر بریف کیس نیچے رکھا تھا اور ارادتاً کرسی کو اس طرح حرکت دی کہ وہ الٹ کر پیچھے گرنے لگی۔ پھر میں نے جیسے گرنے سے بچنے کے لیے ہوا میں ہاتھ لہرائے اور میرا داہنا ہاتھ ٹھیک چشمہ والے کے چہرے پر لگا۔ دوسرے ہی لمحے چشمہ اس کی ناک سے اچھل کر تیر کی طرح پچھلی دیوار سے ٹکرایا اور اس کے دونوں شیشے چور چور ہو گئے۔

میں بھی لڑھک کر نیچے گر چکا تھا۔ جاوید نے جلدی سے مجھے اٹھنے میں مدد دی۔ میں نے انتہائی شرمندہ لہجے میں چشمے والے سے معذرت چاہی۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ تیز نظروں سے مجھے گھور کر رہ گیا۔ ہم دوبارہ اپنی کرسیوں پر بیٹھے۔ تاش کی ایک قیمتی نئی گڈی کھولی گئی۔ ان تینوں کے انداز سے کچھ ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ مگر ظاہر تھا کہ وہ کوئی معقول بہانہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ کھیل شروع ہوا۔ مجھے اپنے چشمے کی مدد سے تاش کے ہر پتے پر لکھے ہوئے نشانات نظر آ رہے تھے۔ انہیں دیکھنا بھی کچھ ایسا مشکل نہ تھا۔ جس وقت پتے فرداً فرداً ہر ایک کو دیے جا رہے تھے۔

اسی وقت تین میں سے دو پتوں کے نشانات تو نظر آ ہی جاتے تھے۔ پھر جب کھلاڑی انہیں اٹھاتا تھا تو باقی رہ جانے والا پتہ بھی نگاہ میں آ جاتا تھا۔ مگر ایک دو بازیوں کے بعد ہی مجھ پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ پتوں پر جو خفیہ نشانات ڈالے گئے ہیں۔ وہ بالکل غلط ہیں۔ مثلاً اپنے خفیہ نشان کے مطابق اگر کسی پتے کے حکم کا اکا ہونا چاہیے تھا تو حقیقت میں وہ حکم کی دگی ثابت ہوتا تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ یہ ہی ہونا چاہیے تھا کہ میں وہ دونوں بازیاں ہار گیا۔

میں نے سوچا کہ جو نشانات میں دیکھ رہا ہوں ممکن ہے وہ اس لیے دھوکہ دینے کے لیے

ڈالے گئے ہوں کہ اگر کسی پر یہ راز فاش ہو جائے۔ تب بھی وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور حقیقت میں پتوں کی پہچان کے لیے کسی اور جگہ نشانات موجود ہوں۔ چنانچہ میں نے پتوں کو بڑے غور سے دیکھنا شروع کیا مگر کسی بھی جگہ کوئی اور نشان تلاش کرنے سے قاصر رہا۔ دفعتاً مجھے احساس ہوا کہ ان کے آدمی کا چشمہ تو میں توڑ چکا ہوں۔ تب پھر وہ لوگ کیسے جیت رہے ہیں۔

کوئی ایک بازی تو میرے ہاتھ میں آتی۔ یقیناً یہ لوگ یا تو پتے لگا رہے ہیں یا پھر چشمے والے کے پاس اضافی پتے موجود ہیں۔ اب تک ہر بازی وہی جیتا تھا وہ حسب ضرورت انہیں استعمال کر رہا تھا۔

میری مسلسل ہار پر جاوید برابر میری ہمت افزائی کر رہا تھا۔ مگر میں نے نوشابہ کو دیکھا۔ وہ خالی افسردہ نظر آ رہی تھی۔ ایک دو مرتبہ مجھے یہ بھی شبہ ہوا جیسے وہ مجھے مزید کھیلنے سے منع کر رہی ہو۔ مگر واضح طور پر کچھ کہنے سے مجبور ہو۔ اب میں نے اپنے امریکہ کے تجربے کا سہارا لیا۔ اس کے بعد جیسے کھیل کا پانسہ پلٹ گیا۔ میں نے لگاتار چار بازیاں جیت کر اپنا تمام نقصان پورا کر لیا۔

نوشابہ کے چہرے پر چمک آ گئی۔ باقی لوگ جاوید سمیت اپنی کرسیوں پر پہلو بدلنے لگے۔ اگلی دو بازیاں بھی میرے حق میں آئیں اور اب میں تقریباً چالیس ہزار روپے جیت چکا تھا۔ چشمے کے بیکار ثابت ہونے پر میری تمام تر توجہ اپنے تینوں مخالفوں پر جمی ہوئی تھی۔ میں ان کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ ایک بازی چل رہی تھی۔ میرے پاس تین بادشاہ تھے اور میں مطمئن تھا کہ ان میں سے کسی کے پاس بھی اس سے بڑے پتے موجود نہیں ہیں۔

چنانچہ میں ہر چال پانچ ہزار کی چل رہا تھا۔ کچھ چالوں کے بعد نمبر ایک نمبر دو دونوں نے اپنے پتے پھینک دیے۔ اب میں اور وہ چشمے والا میدان میں رہ گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جب میں چال چل رہا تھا تو اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے دو پتے تبدیل کر لیے اور ایک دم سے دس ہزار کی چال چلی۔ میں نے فوراً اس کے پتوں پر ہاتھ مارا اور انہیں جھپٹ لیا۔

''یہ کیا حرکت ہے۔'' وہ بگڑ کر بولا۔

''تم پتے بنا رہے ہو۔'' میں نے سخت لہجے میں جواب دیا اور اس کے پتے میز پر کھول دیے۔ وہ تینوں رکے تھے۔ ''میں مطالبہ کرتا ہوں۔'' میں نے بدستور سخت لہجے میں کہا۔ ''کہ تاش کی گڈی چیک کی جائے۔ یقیناً چھ اکے برآمد ہوں گے۔''

''تم مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔'' چشمے والے نے زور سے میز پر گھونسہ مارا۔

نمبر ایک' اور نمبر 2 مجھے

قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔ جاوید خاموش تھا اور نوشابہ بڑی پریشان نظر آ رہی تھی۔ ہنگامے کی آواز سن کر نگران بھی آ گیا تھا۔ میں نے اسے صورت حال بتائی۔ اس نے بڑے پرسکون انداز میں میرے اس مطالبے کی تائید کی تاش کی گڈی چیک کی جائے۔ چنانچہ ایک ایک پتہ دیکھا گیا اور جیسا کہ میرا خیال تھا اس میں سے چھ اکے برآمد ہوئے۔ چار اس کے اپنے اور دو وہ جو چشمے والے نے شامل کیے تھے۔

چشمے والا خاموش بیٹھا تھا۔ مگر وہ کسی طرح بھی گھبرایا ہوا یا پریشان معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ میرے اصرار پر اس کی بھی تلاشی لی گئی اور مختلف جیبوں میں خاص طور سے آستین کے اندر بنی ہوئی خفیہ جیب میں کئی بڑے پتے موجود پائے گئے۔ نگران نے بڑے مہذب انداز میں مجھ سے معذرت کی۔ اس نے کہا کہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ یہاں ہر کھیل صاف ستھرا اور

ایماندارانہ ہو لیکن ہمارے معزز مہمانوں میں اگر کوئی فراڈ کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں اس کے بعد اس نے بڑے سخت الفاظ میں چشمے والے کو برا بھلا کہا اور تاکید کی کہ آئندہ وہ کبھی یہاں قدم نہ رکھے۔

پھر حکم دیا کہ اس شخص کو کلب سے باہر نکال دیا جائے۔ نگران نے دو معاون جو کمرے میں ہی موجود تھے چشمے والے کو پکڑ کر باہر لے گئے اس اثناء میں ایک شخص جس نے بڑے قیمتی کپڑے اور بہترین تراش کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا۔ نگران نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور مجھ سے تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ امتیاز صاحب ہیں۔ شہر کی معروف سیاسی شخصیت جو کبھی کبھی تفریحاً کلب آجاتے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ کھیل کے یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔

امتیاز بڑے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے خلیقانہ انداز میں ہاتھ ملایا ہم ایک بار پھر میز پر بیٹھ گئے۔ چشمے والے کی کرسی امتیاز نے سنبھال لی۔ وہ ایک وجیہہ آدمی تھا۔ مگر اس کی بھوری آنکھوں کی چمک سے انتہائی زیرک اور چالاک ظاہر کر رہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اپنے دلکش خدوخال کے باوجود وہ مجھے کچھ عجیب سا لگا۔ معلوم ہوا۔ تاش کی نئی گڈی کھولی گئی تو کھیل ایک بار پھر شروع ہوگیا۔

اس کے پتے پھینکنے کے انداز سے میں نے جان لیا کہ وہ خاصا تجربے کار شارپر ہے۔ میں نے جاوید اور نوشابہ کی طرف دیکھا۔ جاوید حسب سابق بڑا غیر متعلق نظر آرہا تھا۔ مگر نوشابہ اب بھی مجھے پریشان ہی نہیں کچھ خوفزدہ بھی محسوس ہوئی۔

پتے تقسیم کیے گئے۔ پہلی بار امتیاز نے جیت لی۔ دوسری مرتبہ میں نے گڈی پھینٹی اور یہ بازی میرے ہاتھ رہی۔ اس سے مجھے اندازے کی تصدیق کرنا مطلوب تھی کہ امتیاز شارپر ہے یا نہیں۔ میں ان لوگوں پر یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ میں بھی اس فن سے واقف ہوں۔ ایسی صورت حال میں مجھے ایک امریکہ کے بڑے ہی معروف اور ماہر پتے باز نے مخالف کی پھینٹی ہوئی گڈی کاٹنے کی ترکیب بتائی تھی۔ جس کا انحصار اس بات پر تھا کہ میں مخالف کی وہ ٹرک پہچان لوں جس سے اس نے اس مرتبہ پتے پھینٹے ہیں۔

چنانچہ اگلی بار میں نے امتیاز کو گڈی پھینٹنے کا موقع دیا۔ مگر اس کی ٹرک نہ پکڑ سکا نتیجہ میں یہ بازی مجھے ہارنا پڑی۔ مگر اگلی مرتبہ میں نے اس کی چالاکی پکڑ لی اور اسی کے مطابق گڈی کو ایک خاص مقام سے کاٹا۔ شاید امتیاز اس ہنر سے انجان تھا۔ اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ بازی میں جیتا۔ اس کے بعد امتیاز نے ہی ہر مرتبہ تاش پھینٹے لیکن اس کی کوئی بھی چالاکی بھری باریک بین نظروں سے نہ بچ سکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک گھنٹے کے کھیل میں میں تقریباً ایک لاکھ روپے جیت چکا تھا۔ امتیاز سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ مگر میں جانتا تھا کہ اندر سے بری طرح کھول رہا ہے۔

اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ میں نے کھیل ختم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر امتیاز مجھے یوں کب جانے دے سکتا تھا۔ اس نے مزید کھیلنے پر اصرار کیا میں نے اس شرط پر مان لیا کہ بس تین بازیاں اور ہوں گی۔ امتیاز راضی ہوگیا۔ کھیل پھر شروع ہوا اس دوران جاوید عزیز کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اگرچہ وہ میری مسلسل جیت پر خود کو بہت خوش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نوشابہ بھی مطمئن تھی اور ایک ہلکی مسکراہٹ اس کے نرم و نازک ہونٹوں پر رقص کر رہی تھی۔ مگر ساتھ ہی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں کسی موہوم سے اندیشے کی پرچھائیاں بھی گاہے گاہے۔ ایک جھلک دکھا کر غائب ہو جاتی تھیں۔

ان تین بازیوں میں ایک مرتبہ میں نے پتے پھینٹے اور دو مرتبہ امتیاز نے مگر نتیجہ ہر بار ایک ہی رہا۔ یعنی میری جیت تیسری بازی کے اختتام پر میں نے اپنے سامنے رکھے ہوئے نوٹ گنے تو تین لاکھ دس ہزار نکلے۔ یعنی میں دو لاکھ دس ہزار جیت چکا تھا۔

''آج کی رات آپ کی خوش بختی کی رات ہے۔ ناصر صاحب۔'' امتیاز نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ ''میری طرف سے مبارکباد قبول کریں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی کلب آتے رہیں گے۔ آپ سے جیتنا میری آرزو بن چکا ہے۔''

''میں کوئی پیشہ ور کھلاڑی نہیں ہوں۔'' میں نے نرم لہجے میں ہی جواب دیا اور جاوید عزیز کی طرف اشارہ کیا۔ ''آج تو صرف ایک شریف نوجوان کی مدد کے خیال سے آ گیا تھا۔ ویسے آپ کی خواہش کا احترام کرنا بھی میرے لیے ضروری ہے۔ اس لیے جلد ہی پھر کسی دن حاضر ہوں گا۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے ایک لاکھ کے نوٹ اٹھا کر جاوید کی طرف بڑھا دیے۔

''یہ لو بھائی تمہارا نقصان تو پورا ہو گیا۔'' میں نے کہا۔ ''امید ہے آئندہ کبھی ایسی حماقت میں مبتلا نہیں ہو گے۔''

جاوید نے شکریے کے طور پر کچھ کہا اور نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیے۔ اس کے انداز سے بالکل یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ میری جیت سے خوش ہے۔ البتہ نوشابہ کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔ مجھے بار بار احساس ہو رہا تھا کہ وہ کسی اندیشے سے فکر مند ہے۔ امتیاز نے میری جیت کی خوشی میں جام کی تجویز پیش کی۔

یہ کوشش میرے مخالف ساتھی اور نگران کھیل کے دوران بھی کرتے رہے تھے۔ مگر میں نے بیرون ملک اس حرام شے کو منہ نہیں لگایا تھا تو اب بھلا اس کی کیا ضرورت محسوس کرتا۔ شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ اس کے بعد امتیاز نے جوس یا اسکوائش پر اصرار کیا۔ میں نے مان لیا۔ نگران پانچ منٹ میں ایک ٹرے میں اسکوائش کے چھ گلاس لیے حاضر ہوا۔ مشروب اچھا تھا اور مجھے اس کے ذائقے میں بھی کسی تبدیلی کا احساس نہیں ہوا۔ مگر یہ کوئی خاص بات نہیں تھی اس کا اپنا ایک ذائقہ تھا۔ جس سے آج تک کام و دہن کو سابقہ نہیں پڑا تھا۔ میں نے چند گھونٹوں ہی میں گلاس خالی کر دیا۔

رقم پہلے ہی بریف کیس میں رکھ چکا تھا۔ گلاس ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے اٹھا۔ امتیاز سے ہاتھ ملایا۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور جاوید اور نوشابہ کو لے کر کمرے سے باہر نکلا لیکن ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک دم چکرا گیا۔ ایک دم سے سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ نظروں کے سامنے تاریکی چھا گئی اور پھر جیسے میں اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر بے ہوش رہا لیکن آنکھ کھلی تو میں ایک کمرے کے فرش پر دست و پا بستہ پڑا ہوا تھا۔ مزید یہ کہ میرے منہ پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا کہ میں آواز بھی نہ نکال سکوں۔ کمرے میں ایک زیرو کا سبز بلب روشن تھا جس کی ہلکی روشنی میں میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ ایک مختصر سا کمرہ تھا۔ جس کی پیمائش دس بائی دس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی تھی اور ہر قسم کے فرنیچر یا کسی بھی چیز کی موجودگی سے یکسر خالی تھا۔ چھت بھی زیادہ بلند نہیں تھی۔

کمرے میں صرف ایک دروازہ اور ایک کھڑکی نظر آ رہی تھی اور دونوں بند تھے۔ میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے۔ جس کے باعث اپنی رسٹ واچ دیکھ کر وقت کا اندازہ لگانا بھی مشکل تھا ہاتھ اور پیروں کی بندشوں کے علاوہ

ان لوگوں نے رسی کو میرے گرد لپیٹ کر مزید اطمینان کرلیا تھا کہ میں کسی بھی طرح اپنے آپ کو آزاد نہ کرسکوں۔ بریف کیس جو میں لایا تھا غائب تھا۔

میں نے اپنی تکلیف دہ پوزیشن کو کم کرنے کے لیے ذہن کو دوسری طرف متوجہ کرلیا۔ اب تک کے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ پروفیسر ڈان زان کی آمد سے لے کر جاوید عزیز اور نوشابہ کی ملاقات اور ان کی فرضی داستان تک ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جس کے ذریعے مجھے لوٹنا مقصود تھا کہ غالباً کسی ذہین اور چالاک جرائم پیشہ کی سربراہی میں نہ صرف وہ قمار خانہ بلکہ دوسری غیر قانونی سرگرمیاں ہی اس قلعہ نما عمارت میں جاری تھیں اور احمق رئیس زادے اور سادہ لوح دولت مند لوگوں کو اسی ترکیب سے پھانس کر لایا جاتا تھا۔ تاکہ غیر ضروری خطرات مول لیے بغیر لاکھوں روپے حاصل کرسکیں۔

ظاہر ہے میری جگہ کوئی دوسرا شخص بھی ہوتا تو وہ ایک حسین دوشیزہ کی مدد اور کچھ خود بھی فائدہ اٹھانے کے لالچ میں اس قمار خانے میں اپنی لاکھ دو لاکھ کی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور مایوسی اور دلگرفتگی کے عالم میں جاوید اور نوشابہ سے خفت آمیز آمیز معذرت خواہی کے ساتھ اسی طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر واپس بھیج دیا جاتا۔ واپسی کے بعد اس سے کوئی خطرہ بھی نہ تھا۔ اول تو ایسے سادہ لوح شکار پولیس تک پہنچنے کی ہمت ہی نہیں رکھتے اور ان میں سے اگر کوئی دل جلا قانون کی مدد لینے کی کوشش بھی کرتا تو اس کے پاس اپنے الزامات کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہ ہوتا۔ میں بھی اگر ہار چکا ہوتا تو اس وقت اس نیم تاریک کمرے کے ٹھنڈے فرش پر پڑا ہونے کے بجائے اپنے شان دار بیڈروم میں نرم و گداز بستر پر لیٹا اپنی بدقسمتی کا ماتم کررہا ہوتا۔

غزلیں

ڈاکٹر منور ہاشمی

شہرت کے شہر میں ترے سامان ہیں بہت
اپنے لیے تو اس میں بھی نقصان ہیں بہت

اچھا نہیں ہے توڑنا یکسر کسی کا دل
انکار ہو تو اس کے بھی عنوان ہیں بہت

درد و الم، جفا و ستم، بے قراریاں
ہم پر جمالِ یار کے احسان ہیں بہت

پھیلا ہے چار سُو مرے جنگل حیات کا
مل جائیں ایک دو بھی جو انسان، ہیں بہت

غم سے گریز کرکے منور لکھے غزل
کاغذ کے دل میں آج بھی ارمان ہیں بہت

☆

سید جواد حسن جواد

کم گو ہے وہ، نہ ضد ہے مری التماس سے
شیریں دہن ہے، لب نہیں کھلتے مٹھاس سے

دیکھا ہے لے کے جائزہ ہوش و حواس سے
دلکش وہ چاند دُور سے، پیارا ہے پاس سے

چہرہ ہے اس کا مظہر رعنائی و مزاج
اندازۂ کتاب ہوا، اقتباس سے

جواد یوں تو واقعی سادہ سا ہے وہ شخص
چاہت بھری نظر میں ہے کیا کچھ قیاس سے

لیکن قابل غور سوال یہ تھا کہ مجھے بے ہوش کر کے اپنی اور میری رقم پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے مجھے یہاں بند کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ اس کمرے کے بجائے اگر وہ مجھے شہر کے کسی فٹ پاتھ یا کسی پارک وغیرہ میں ڈال دیتے تو میں ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ ظاہر تھا کہ مجھے نہ اس عمارت کا کوئی پتہ معلوم تھا اور نہ اب تک اس ڈرامے میں حصہ لینے والے کرداروں کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ پھر انہیں میری ذات سے ایسا کیا خطرہ محسوس ہوا کہ مجھے گرفتار کرنا ضروری سمجھا اور یہ کہ اب آئندہ میرے بارے میں ان کے کیا ارادے ہیں۔۔

میں اس مسئلے پر سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور نوشابہ بڑے محتاط انداز میں اندر داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر مجھے کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ دشمن کے کیمپ میں اگر کوئی میری مدد کر سکتا ہے تو وہ یہ ہی حسین لڑکی ہے۔ آہٹ سن کر میں آنکھیں بند کرنے اور بدستور بے ہوش ظاہر کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مگر اسے دیکھ کر یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس نے بھی دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ میں ہوش میں آچکا ہوں۔ وہ دبے پاؤں میرے قریب آئی۔

رسی کھولنے میں کچھ دیر لگی مگر وہ مصلحت جس کے پیش نظر اس نے میری بندشیں کاٹنے کے بجائے کھولنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوئی۔ اپنے منہ پر لگا ہوا ٹیپ میں نے خود ہی ایک جھٹکے سے الگ کر دیا۔

''وہ لوگ آپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ اس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ آپ کو رہا کر کے میں خود اپنی زندگی کے لیے خطرہ مول لے رہی ہوں۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ اگر وہ لوگ آپ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔''

''مگر کیوں۔'' میں نے آہستہ آواز میں پوچھا۔ ''انہیں مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ بے ہوش کرنے کے بعد وہ مجھے شہر میں کسی بھی جگہ ڈال کر اپنا پیچھا چھڑا سکتے تھے۔''

''امتیاز..... وہ آدمی جو بعد میں کھیل میں شامل ہوا وہ اس پورے گروہ کا سرغنہ ہے۔ مگر یہ بات صرف چند افراد ہی جانتے ہیں۔ اس وقت شہر میں اگر کوئی کاروباری حریف اور جانی دشمن ہے تو وہ ظہیر الدین ہے۔ جو خود بھی کئی خفیہ اڈوں کا مالک ہے۔ کچھ دن پہلے ظہیر الدین نے امتیاز کے ایک خاص آدمی کو قتل کرا دیا تھا۔ آج رات آپ جس طرح بازی کھیلے ہیں۔ اس سے امتیاز کو شبہ ہو گیا کہ آپ ظہیر الدین کے گروہ کے کارکن ہیں اور ظہیر الدین نے آپ کو امتیاز کے اڈوں کا راز معلوم کرنے یا اسے جان سے مارنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس لیے وہ نہ صرف اپنے ساتھی کا انتقام لینے بلکہ ظہیر الدین کو سبق سکھانے کے لیے آپ کو ختم کرنا چاہتا ہے۔''

''تم اگر اس کے گروہ کے ممبر ہو تو تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے۔ یقیناً میں تمہارا پہلا شکار تو نہیں ہو سکتا۔ تم اور جاوید پہلے بھی اکثر رئیس زادوں کو پھانس کر لاتے رہے ہو گے۔''

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' نوشابہ کے لہجے میں عجلت اور گھبراہٹ نمایاں تھی۔ ''اس کے آدمی کسی بھی لمحے یہاں آسکتے ہیں۔ ابھی آپ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں غنیمت ہے کہ انہوں نے آپ کو اتنی لمبی رسی سے باندھنا ضروری سمجھا یہ کمرہ عمارت کے عقبی حصے اور تیسری منزل پر واقع ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ کھڑکی سے رسی باندھی جائے تو وہ آپ کو زمین تک پہنچا دے گی۔ اس کے علاوہ یہ ریوالور ہے۔ جو آپ کو اپنی حفاظت میں مدد دے سکتا ہے۔ بس میں اتنا ہی

کرسکتی تھی۔''

اس نے اعشاریہ 38 بور کا ایک کولٹ ریوالور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ مگر میں نے اس وقت تک جانے پر آمادگی ظاہر نہ کی جب تک نوشابہ نے دوسرے دن میرے بنگلے پر آکر ملنے کا وعدہ نہیں کرلیا۔ وہ میرے بنگلے کا پتہ جانتی تھی اور ظاہر تھا کہ ان حالات میں ہمارا کسی عام کلب یا پبلک مقام پر ملنا خطرناک ہوسکتا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ واپس چلی گئی اور جاتے ہوئے باہر سے دروازے کی کنڈی لگا دی۔ جیسا کہ اس کے کہنے کے مطابق پہلے لگی ہوئی تھی۔

امتیاز کے آدمیوں نے قفل لگانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میں نے اس کے جاتے ہی کھڑکی کھولی اور چٹخنی کے ہک میں رسی باندھی خوش قسمتی سے رسی نائیلون کی ہونے کی وجہ سے کافی پتلی مگر بے حد مضبوط تھی ورنہ مجھے کوئی باندھنے کی جگہ تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔ پھر میں نے اپنا کوٹ اتار کر اسے الٹا یعنی پشت کا حصہ آگے کی جانب کر کے اس طرح پہنا کہ آستینیں ہاتھوں سے آگے نکلی رہیں اور نائیلون کی پتلی رسی پکڑ کر نیچے اترنے یا پھسلنے میں میرے ہاتھ زخمی نہ ہوں۔

ابھی تک کوئی ایسا تجربہ تو نہیں ہوا تھا۔ البتہ طالب علمی کے زمانے میں جب میں ڈیڈی سے چھپ کر فلموں کا سیکنڈ شو دیکھنے جاتا تھا تو ایک رسی کی مدد سے اپنے کمرے سے نیچے اترنے اور پھر دوبارہ چڑھنے کی کافی مشق حاصل تھی۔ شاید وہی مشق اس وقت کام آرہی تھی اور میں کسی خاص دشواری کے بغیر نیچے اترتا بلکہ کہنا چاہیے کہ پھسلتا چلا گیا۔ عمارت میں جتنے بھی کمروں کی کھڑکیاں اس جانب تھیں ان میں سے کوئی بھی کھلی ہوئی نہیں تھی۔ اس لیے کسی نے بھی مجھے اترتے نہیں دیکھا۔ رسی کے بارے میں نوشابہ کا اندازہ قریب قریب درست ہی نکلا وہ زمین تک تو نہیں پہنچی مگر مجھے اتنے فاصلے تک ضرور اتار دیا۔ جہاں سے میں کسی معمولی چوٹ کا بھی خطرہ مول لیے بغیر کود سکتا تھا۔

یہ ایک تنگ تاریک گلی تھی۔ نیم تاریک اس لیے کہ گلی کی اپنی کوئی روشنی نہیں تھی۔ صرف عمارت کی کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر آنے والی روشنی نے اندھیرے کو اس حد تک ضرور کم کر دیا تھا کہ ٹھوکر کھائے بغیر گلی پار کی جاسکتی تھی۔ ابھی تک عمارت میں کوئی ہنگامہ اٹھتا معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے یہ ہی سوچا جاسکتا تھا کہ وہ لوگ ابھی میرے فرار سے واقف نہیں ہوئے۔ گلی سے نکل کر ایک بڑی لڑکی پر آیا۔ میں نے گہری سانس لی اور شہر کی جانب چل دیا۔

نوشابہ اپنے وعدے پر پوری اتری۔ اگرچہ جب وہ یہ بات کہہ رہی تھی تو مجھے کچھ زیادہ یقین نہیں تھا لیکن وہ ٹھیک دو بجے میرے بنگلے پر پہنچ گئی۔ اس کے خیال میں یہ ٹائم اس لیے محفوظ تھا کہ اس کی اپنی ڈیوٹی پانچ بجے سہ پہر سے شروع ہوئی تھی اور رات کے تین بجے تک جاری رہتی تھی۔ میں اسے ڈیڈی کے اسٹڈی روم میں لے کے گیا اور مولا داد کو ہدایت کردی کہ خواہ کوئی بھی ملنے آئے کہہ دے کہ میں اس وقت گھر میں موجود نہیں ہوں اور نہ یہ معلوم ہے کہ کہاں گیا ہوں۔ یا کب واپس آؤں گا امریکہ سے واپسی کے بعد پہلا موقع تھا کہ کوئی لڑکی بلکہ کوئی خوب صورت لڑکی مجھ سے ملنے آئی تھی۔

مگر مولا داد نے کوئی حیرت ظاہر نہیں کی ممکن ہے وہ ڈیڈی سے میرے بارے میں سنتا رہا ہو یا پھر اس نے سوچا ہو کہ امریکہ میں دو برس رہ کر آیا ہے ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔ اس سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے یا شاید اس نے کچھ سمجھ داری سے کام لیا ہو۔ بہرحال اس نے بڑی سنجیدگی سے سر ہلایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

اب میں نوشابہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے پاس وقت کم تھا یا اسے یہ اندیشہ تھا کہ ممکن ہے وہ

اپنی بات پوری نہ کر سکے کہ اس نے کسی تمہید کے بغیر آغاز کلام کر دیا۔ پہلے اس نے بتایا کہ گزشتہ رات میرے فرار کے دو اثرات مرتب ہوئے۔ پہلا تو یہ کہ امتیاز مجھے غیر معمولی طور پر ذہین اور چالاک خیال کرنے لگا ہے اور اپنے گروہ سے ایک آدمی کو حکم دیا ہے کہ میرے بارے میں جملہ معلومات فراہم کی جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسے کچھ شبہ ہو گیا ہے کہ اس کے اپنے گروہ میں ظہیر الدین کا کوئی جاسوس کام کر رہا ہے۔ بہرحال غنیمت ہے کہ اسے کسی بھی طرح نوشابہ پر شک نہیں ہوا۔ پھر اس نے اپنے متعلق بتایا کہ اس کا تعلق ایک شریف اور عزت دار خاندان سے ہے۔ اس کے والد ایک بڑے بزنس مین تھے۔ انہوں نے اس کی ماں سے اپنے خاندان کی مرضی کے خلاف محبت کی شادی کی تھی۔

چنانچہ خاندان کے دیگر لوگوں نے ان سے تعلقات ختم کر دیے مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس کی والدہ شادی کے دوسرے سال ہی اس کی پیدائش کے وقت کسی پیچیدگی اور کیس بگڑ جانے کی وجہ سے انتقال کر گئیں۔ ان کی موت کا والدہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ غم غلط کرنے کے لیے پہلے شراب اور پھر چرس کے عادی ہو گئے۔ اس کی پرورش، تعلیم و تربیت اس کی بیوہ خالہ نے کی مگر جب تک وہ سن شعور تک پہنچی۔ اس کے والد کا کاروبار تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اپنی لت پوری کرنے کے لیے انہوں نے ذاتی اور موروثی جائیداد فروخت کرنا شروع کر دی اور ابھی وہ پورے بیس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی اور تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی کہ تمام جائداد بھی نشے کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔

صرف وہ چھوٹا سا مکان رہ گیا تھا۔ جہاں وہ اور اس کی خالہ سر چھپائے بیٹھی تھیں۔ والد ہزاروں کے نہیں لاکھوں کے مقروض ہو چکے تھے۔ مگر اتنا ہوش ان کو باقی تھا کہ انہوں نے وہ مکان فروخت کرنے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں۔

پھر ایک دن امتیاز اپنے قرض کی وصولی کے لیے قرقی لے کر آ پہنچا اس دوران اس کے والد کی حالت خراب تھی۔ پیسہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی خوراک نہیں خرید سکتے تھے۔ وہ نشے بازوں کو جب ان کی مطلوبہ خوراک دستیاب نہ ہو یا وہ اسے خریدنے سے قاصر ہوں تو ان کی کیسی بری حالت ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی منشیات کا عادی شخص ہی جان سکتا ہے۔ امتیاز قرقی لے کر آیا تھا۔ مگر اسے دیکھ کر وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے پیش کش کی کہ اگر نوشابہ اس کی مرضی کے مطابق کام کرنا منظور کر لے تو وہ نہ صرف تمام قرض معاف کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کے والد کو بھی چرس کی ایک خوراک روزانہ فراہم کر سکتا ہے اور اگر نوشابہ نے ہوشیاری اور وفاداری سے کام لیا تو اس کی خدمات کا معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا۔ جس سے وہ بہ آسانی اپنی گزر اوقات کر سکے گی۔ نوشابہ نے صرف ایک شرط عائد کی کہ اسے جسم فروشی پر آمادہ نہ کیا جائے اور امتیاز نے یہ شرط منظور کر لی۔ تب سے وہ اس کے گروہ میں کام کر رہی ہے اور اب اس حادثے کو تقریباً تین سال گزر چکے ہیں۔ امتیاز نے اس سے مختلف کام لیے۔ کلب کے ریسپشن کاؤنٹر پر بھی بٹھایا اور منشیات گاہکوں کو فراہم کرنے کا ذریعہ بھی بنایا۔ اب لگ بھگ ایک برس سے وہ دولت مند احمقوں کو پھانس کر قمار خانے تک لے جاتی ہے۔ نوشابہ مجھے اس کی پوری تفصیل بتانے لگی تھی۔ مگر میں نے اسے روک دیا اور مسکراتے ہوئے بتایا کہ میں اتنا اندازہ لگا چکا ہوں کہ اس طرح پھانسنے کے پروگرام کا آغاز پروفیسر ڈان زان مخل کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔

نوشابہ نے حیرت اور تعریف کے ملے جلے انداز سے میری طرف دیکھا اور چند لمحے ٹھہر کر

دوبارہ ماہانہ کام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ وہ اب تک بے شمار احمق دولت مندوں کو جن میں نوجوان اور ادھیڑ عمر دونوں ہی شامل ہیں ممتاز خانے لے جا چکی ہے۔ اس کا ضمیر شروع سے ہی اسے امتیاز کا آلہ کار بننے پر ملامت کرتا رہا ہے لیکن اپنے والد کی نشے کی عادت اور پھر گزر اوقات کے لیے ایک ذریعہ آمدنی کی مجبوری کے باعث وہ امتیاز کے اشاروں پر چلتی رہی ہے۔ ویسے امتیاز نے بھی اپنے کیے ہوئے وعدے کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے۔ آج تک بھی اسے اسکی مرضی کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا گیا۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ خود اور اس کے گروہ کا ہر آدمی اس کے ساتھ بڑی شرافت سے پیش آتا رہا ہے۔ نیز یہ کہ اب امتیاز اسے پانچ ہزار ماہانہ معاوضہ بھی ادا کرتا ہے۔ جو اس کی بوڑھے والد اور بیوہ خالہ کی گزر بسر کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔

جب مجھے پھانسنے کے لیے جال بچھایا گیا تو وہ جاوید عزیز کے ساتھ پہلی مرتبہ کلب میں مجھ سے ملاقات کے بعد ہی سے میری شخصیت سے کافی متاثر ہوئی تھی۔ اس کا دل مجھے دھوکہ دیتے ہوئے کچھ زیادہ ہی ملامت کر رہا تھا لیکن پھر بھی وہ میرے لیے شاید اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالتی لیکن شاید کلب میں جو کچھ ہوا اور اس کے بعد جب امتیاز اور اس کے آدمیوں نے مجھے قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کا ضمیر تڑپ اٹھا اور اس نے میری مدد کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ مجھے معلوم ہی تھا۔ میں نے نوشابہ سے اس عمارت کے بارے میں سوالات کیے۔ جو شہر کی ایک ماڈرن سوسائٹی کے علاقے میں واقع تھی۔ اس نے بتایا کہ بظاہر وہ عمارت ایک جدید طرز کا بورڈنگ اور لاجنگ ہاؤس ہے۔ جہاں صرف لوگوں کو دکھانے اور قانون کو دھوکہ دینے کے لیے امتیاز کے ساتھی شریف اور معزز کرائے داروں کے بھیس میں رہتے ہیں لیکن حقیقت میں وہاں شب و روز ہر قسم کے مجرمانہ اور غیر قانونی کام ہوتے رہتے ہیں۔ مختلف قسم کا جوا ہونے کے علاوہ وہاں بڑے بڑے پیمانے پر فحاشی بھی ہوتی ہے۔ ایک حصہ ایسا بھی ہے۔ جہاں اونچی سوسائٹی کے لوگ جو کسی نہ کسی نشے کے عادی ہیں۔ بڑے رازدارانہ طریقے پر آتے ہیں اور شاندار سجے سجائے آرام دہ کمروں میں کئی کئی دن نشے کے عالم میں مدہوش پڑے رہتے ہیں۔ وہاں اسمگلنگ کا اڈا بھی ہے۔ جہاں مال بیچنے اور خریدنے والے دونوں خفیہ طریقوں پر ملاقاتیں کرتے ہیں اور روزانہ لاکھوں کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے۔

میں نے نوشابہ کو بتایا کہ مجھے خوامخواہ خدائی فوجدار بننے کا کوئی شوق نہیں ہے لیکن امتیاز نے مجھ پر ہاتھ ڈال کر اچھا نہیں کیا۔ اب میں نے اس سے انتقام لینے اور نوشابہ کو اس کی قید سے آزاد کرانے کے لیے کوئی دقیقہ نہیں رکھوں گا۔ خاص طور سے اس حقیقت کے پیش نظر کہ امتیاز کا ارادہ بھی مجھے اکیلا چھوڑ دینے کا نہیں معلوم ہوتا اسی لیے اس نے اپنے آدمیوں کو میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور عقلمند وہی ہے۔ نیز یہ کہ آئندہ نوشابہ کا میرے بنگلے پر آنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ ملاقات اگر دن کے اوقات ہی میں ہو سکتی ہے تو ہم گاہے گاہے ضرور ملیں گے۔ یہ دوسری جوہات سے بھی ضروری ہے لیکن ہر مرتبہ کسی نئے اور معروف مقام پر۔

اس کے بعد بھی میں اور نوشابہ ملتے رہے۔ میں اس سے امتیاز کے بارے میں جو کچھ اسے معلوم تھا پوچھتا رہا لیکن خود اسے اپنے منصوبے کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔ پندرہ بیس دن تک میں اسے اپنے پلان کے بارے میں سوچتا اور اس کی ہر چھوٹی بڑی تفصیل پر غور اور اسی مناسبت سے اس کی تیاری کرتا رہا۔ یہ ظاہر تھا کہ اگر میں واقعی امتیاز اور اس کے گروہ کو تباہ و برباد

کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس کے بغیر نوشابہ کو ہر خطرے سے آزادی نہیں مل سکتی تھی تو اس کے لیے مجھے لازماً قانون کی مدد لینا ہوگی مجھے یاد تھا کہ ڈیڈی کے دوستوں میں کئی اعلیٰ پولیس افسران بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک ایس پی شیر جنگ صاحب کا نام ابھی تک میری یادداشت میں موجود تھا۔ مگر اس بات کو خاصا عرصہ گزر چکا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ شیر جنگ صاحب اب بھی پولیس کے محکمے میں موجود ہوں گے۔ ان کا ریٹائرمنٹ ہی نہیں بلکہ خود ان کا مرحوم ہونا بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ پھر بھی دریافت حال میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ چنانچہ ایک دن میں پولیس ہیڈ کوارٹر جا پہنچا کتنے ہی کمرے جھانکنے کے اور کافی سے زیادہ سرخ فیتے کی پیمائش کے بعد مجھے بتایا گیا کہ ایس پی شیر جنگ ریٹائر ہو چکے ہیں اور میں ضرور ہی ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں تو میر بلاک میں فلاں نمبر کی کوٹھی پر پہنچ جاؤں۔ ایس ایس پی صاحب کا موڈ ہوا تو شرف ملاقات حاصل ہو جائے گی۔

میں تلاش کرتے کرتے منزل مقصود پر پہنچا تو عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا گیٹ پر ایک باریش چوکیدار سے دعا سلام ہوئی میں نے بتایا کہ میں ایس پی صاحب کے مرحوم دوست سیٹھ احمد شاہ درانی کا بیٹا ہوں اور ایک ضروری کام کے سلسلے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ چوکیدار نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تسبیح کے دانے شمار کرتے ہوئے بتایا کہ صاحب عصر کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ جس سے ٹھیک چھ بجے فارغ ہوں گے میں چاہوں تو انتظار کر سکتا ہوں۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ چھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ چنانچہ میں وہیں چوکیدار کے پاس ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وقت گزاری کے لیے باتیں کرنے لگا۔ تو انکشاف ہوا کہ موصوف ریٹائرڈ ہیڈ کانسٹیبل ہیں۔

کچھ دیر کے بعد ایک اور لمبی داڑھی والے صاحب اندر سے نمودار ہوئے میں انہیں ایس پی صاحب سمجھ کر سلام کرنے ہی لگا تھا کہ چوکیدار نے بتایا کہ یہ صاحب کا خانساماں ہے۔ میں اس کے ذریعے آپ کے آنے کی اطلاع کرائے دیتا ہوں۔ خانساماں چوکیدار سے کچھ گفتگو کرنے کے بعد اندر واپس گیا تو میرے سوال کے جواب میں چوکیدار نے کہا کہ اس کا نام کریم بخش ہے۔ کبھی فرید کالونی کے تھانے میں کانسٹیبل ہوا کرتا تھا۔ کسی چکر میں پھنس کر ملازمت سے نکالا گیا تو صاحب نے ملازم رکھ لیا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد اندر سے میری طلبی ہوئی۔ کریم بخش مجھے اپنے ساتھ جس کمرے میں لے گیا وہاں ایک سفید باریش بزرگ جائے نماز پر بیٹھے۔ ایک دوسرے باریش کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انداز گفتگو سے ظاہر ہوا کہ ان میں سے ایک بزرگ سابقہ ایس پی شیر جنگ ہیں اور دوسرے مولانا ان کے سیکرٹری ہیں۔ جنہیں ایس پی صاحب اپنی وسیع دیہی اراضی کے متعلق کچھ ضروری احکامات دے رہے تھے۔ سیکرٹری صاحب سر ہلاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ تو میں نے ایس پی صاحب سے اپنا تعارف کرایا۔ وہ میرے والد مرحوم کا نام سنتے ہی اتنے جوش میں آئے کہ معلے سے اٹھ کر بغل گیر ہوئے اور کافی دیر تک ہوتے رہے۔

خیر و عافیت کے موضوع پر باتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو میں نے اپنی آمد کا مدعا عرض کیا۔ ایس پی صاحب بڑی سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ داڑھی پر ہاتھ پھیرتے رہے اور گاہے گاہے سر ہلاتے ہوئے میری گزارشات سنتے رہے۔ پھر اٹھے۔ میز کی دراز سے ایک رائٹنگ پیڈ نکال کر اس پر کچھ لکھتے رہے۔ پھر وہ کاغذ پیڈ سے پھاڑ کر بڑی ہی احتیاط' نفاست سے تہہ کر کے ایک سادہ لفافے میں رکھا۔ لفافے پر کسی انسپکٹر جمال بیگ کا

نام لکھا اور لفافہ مجھے دیتے ہوئے ہدایت کی کہ میں مکتوبہ الیہ سے کل ہی ملاقات کروں۔ وہ جو کچھ بھی کر سکے گا۔ ضرور کرے گا کیونکہ عنقریب وہ ان کا داماد بننے والا ہے میں نے شکریہ ادا کیا اور رخصتی کی اجازت چاہی' چلتے چلتے ایک یوں ہی خیال سا آیا اور میں نے ایس پی صاحب سے ان کے سیکرٹری کے بارے میں پوچھ ہی لیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ ایک سابقہ ایس ایچ او تھے۔

☆☆

پولیس ہیڈ کوارٹر میں انسپکٹر جمال بیگ نے شیر جنگ صاحب کا نام سنتے ہی بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔ مگر لفافے کے اندر رکھا ہوا خط پڑھ کر ان کا چہرہ اتر گیا۔ مسکراہٹ جاڑوں کی دھوپ کی طرح پھیکی پڑ گئی۔

''کیا بات ہے۔ جمال بیگ صاحب!'' میں نے پوچھا۔ ''آپ کس سوچ میں ڈوب گئے۔''

''کیا عرض کروں ناصر شاہ صاحب!'' وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔ ''آج کل میں ایک انتہائی پیچیدہ کیس میں الجھا ہوا ہوں۔ نوشاد راہی نامی ایک بہت بڑے اسمگلر کی تلاش کی ذمے داری مجھ پر ڈال دی گئی ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک بین الاقوامی اسمگلر ہے جو ناجائز منشیات' خاص طور سے ہیروئن کی بڑے پیمانے پر اسمگلنگ کرتا ہے۔ انٹرپول تک اسے پکڑنے میں ناکام رہی ہے۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا ہیڈ کوارٹر ایک بڑے شہر میں کہیں واقع ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنے خفیہ مخبروں کی اطلاعات پر پولیس نے مختلف افراد اور مقامات پر چھاپے مار کر گزشتہ ایک سال میں ہیروئن کی جتنی بڑی مقدار پکڑی ہے۔ اس نے تمام گزشتہ ریکارڈ توڑ دیے۔

مگر ان تمام کامیاب چھاپوں کے باوجود

غزلیں

اعتبار ساجد

ہر اِک رہرو، ہر اک رہ گیر کو زنجیر کیا کرنا
اَنا کے نام پر ہر شخص کو تسخیر کیا کرنا

خبر اُس گھر کی بھی لینی ہے جس کی چھت شکستہ ہے
فقط خوابوں میں اِک قصرِ حسیں تعمیر کیا کرنا

بہت کافی ہے' سن لیتی ہیں دیواریں مرے دُکھڑے
سنا کر حالِ دل' ہر شخص کو دلگیر کیا کرنا

ہمیشہ جس کو عزت دی' سر آنکھوں پر بٹھایا ہے
ذرا سی بات پر اب اُس کو بے توقیر کیا کرنا

اسی کٹیا میں رہنا ہے' ابھی کھل جائیں گی آنکھیں
تو پھر لے کر تمہارے خواب کی جاگیر کیا کرنا

وہی رکھنی ہے آشفتہ سری جو اُن کا شیوہ تھی
وفا میں کام کوئی بھی خلافِ میر کیا کرنا

غالب عرفان

قسم ہے اس پل کی جب تجھے میں نے دیکھا' دیوانہ وار دیکھا
وجود سے ماورا بھی تجھ کو' خیال کے آر پار دیکھا

نظر پڑی ہے جہاں بھی تم پر' تو صرف زلفوں کا ذکر ہی کیا
تمہارے ملبوس پر بھی میں نے ہواؤں کا اختیار دیکھا

سحر سے پہلے مہکنے والی' وہ شب کہیں لوٹ کر نہ جائے
تھکی ہوئی شام نے جو میرا کبھی درِ انتظار دیکھا

ہمیں شبہ ہے کہ مجرم اب بھی نا معلوم ذرائع اور وسائل سے ہیروئن بھاری مقدار میں دوطرفہ طور پر اسمگل کر رہے ہیں۔ نوشاد راہی کا فوٹو اگرچہ پولیس ریکارڈ میں موجود ہے۔ مگر اس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی اور بنیادی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ اس کی گرفتاری کے لیے گزشتہ دو سال میں چار ہوشیار اور ذہین آفیسر مقرر کیے گئے مگر وہ تمام جدوجہد کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے اور اس کی پاداش میں نہ صرف ان کا کیریئر ریکارڈ خراب ہوا۔ بلکہ کہیں کہیں پر جزوی معطلی اور تبادلہ وغیرہ کی مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔

اب اس مہم کا قرعہ فال میرے نام پڑا ہے۔ بس خدا ہی ہے جو عزت و آبرو کے ساتھ مجھے سرخرو کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کیس میرے لیے انتہائی اہم ہے اور میں اس میں اس قدر مصروف ہوں کہ کسی اور معمولی مجرم کی طرف توجہ نہیں دے سکتا میں آپ سے صاف انکار کر دیتا۔ مگر آپ سفارش ایسی زبردست لائے ہیں کہ میں کشمکش میں پڑ گیا ہوں کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔''

''آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں نے جو منصوبہ بنایا ہے۔ اس میں بنیادی کردار میرا ہی ہوگا۔ آپ کو صرف اس قدر زحمت دوں گا کہ جب میں کافی ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو آپ میرے بتائے ہوئے مقررہ وقت پر چھاپا مار کر مجرموں کو گرفتار کر لیں۔''

میں نے انہیں امتیاز کے بارے میں کچھ تفصیلات بتائیں انسپکٹر جمال بیگ کچھ فکر مند ہو گئے۔

''آپ کے بیان نے مجھے الجھا دیا ہے۔'' انہوں نے کہا۔ ''امتیاز صاحب کوئی بڑے سیاسی لیڈر نہیں لیکن مقامی اور صوبائی سطح پر ان کی کافی اہمیت ہے۔ دولت مند ہونے کی وجہ سے ان کا اونچی سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا ہے۔ اونچے کلبوں اور ایک دو خفیہ قمار بازی کے اڈوں پر ان کی آمد و رفت ممکن ہو سکتی ہے۔ مگر ابھی تک ان کے خلاف پولیس کے پاس جرائم پیشہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا کوئی ریکارڈ یا کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایک مقتدر شخصیت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کریں اور بعد میں کف افسوس ملنا پڑے۔ کسی غلطی کی صورت میں آپ کا جو حشر ہوگا۔ وہ تو ہوگا ہی مگر آپ سے تعاون کی پاداش میں' میں بلاوجہ مشکل میں پھنس جاؤں گا۔''

''آپ اطمینان رکھیں۔'' میں بولا۔ ''میں بلاشبہ کوئی تجربہ کار پولیس آفیسر نہیں لیکن میں نے دو سال تک امریکہ میں وہاں جرائم پیشہ افراد اور ان کی سرگرمیوں کو کافی قریب سے دیکھا ہے میں ہرگز کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے آپ پر کوئی آنچ آئے۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی موجودہ زندگی اور اس کے مفادات بھی بے حد عزیز ہیں میں اس قاضی کے قبیلے سے بھی نہیں ہوں جو شہر کے اندیشے میں دبلا ہوا کرتا ہے۔ آپ یقین رکھیں آپ تک تو بات بعد میں پہنچے گی۔ اس سے پہلے اگر مجھے اپنے لیے کوئی حقیقی خطرہ محسوس ہوا تو بغیر شرمندہ ہوئے بھاگ کھڑا ہوں گا۔''

انسپکٹر جمال بیگ مسکرانے لگے۔ غالباً اب انہیں کچھ اطمینان ہو گیا تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر میں نے اسی محتاط سوچ اور طرز عمل سے کام لیا تو ضرورت پڑنے پر وہ ہر ممکن تعاون کے لیے آمادہ ہیں۔ میں ان سے رابطہ قائم رکھوں اور اپنی کارگزاری کی رپورٹ دیتا رہوں گا۔ اس کے لیے انہوں نے مجھے دونوں بھی دیے جس پر ہنگامی حالات یا آفس میں ان کی عدم موجودگی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا اور اس ملاقات کے تیسرے دن میں اپنے بنگلے سے غائب ہو گیا۔

☆☆

سوسائٹی کے جس چھوٹے مگر خوب صورت اور ویل فرنشڈ بنگلے کو میں نے سیٹھ رحیم خان کے نام سے کرائے پر لیا تھا۔ اس میں پہلی ہی شام کو میں نے علاقے کے تمام عزیزین کو ایک تعارفی دعوت پر مدعو کیا اور اپنی افتتاحی تقریر میں بتایا کہ میرے آباؤ اجداد ایک بہت بڑے سیٹھ تھے اور ہندوستان سے ہجرت کر کے افریقہ چلے گئے تھے۔ خدا نے اپنا فضل و کرم کیا اور ہم جو یہاں سے خالی ہاتھ گئے تھے۔ ایک نسل کے بعد ہی آسودہ حالی کے دور میں داخل ہو گئے۔ ہم نے وہاں ہاتھی دانت کی تجارت اور اس کی مصنوعات کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اب تین چار نسلوں کے بعد ایک مرتبہ پھر پرانی شان و شوکت کے حامل بن گئے۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کی آزاد اسلامی مملکت کے قیام کے بعد ہم لوگ پھر اپنے وطن واپس آنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے میں یہاں حالات کے جائزے اور ابتدائی ضروری انتظامات کے لیے آیا ہوں۔

رفتہ رفتہ باقی اعزاز آتے جائیں گے۔

سردست میں نے رہائش کے لیے آپ کے مہذب تعلیم یافتہ اور معروف کاروباری علاقے کا انتخاب کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ مجھے ایک اچھا پڑوسی پائیں گے اور جواباً خود بھی اچھے پڑوسیوں کی طرح حقوق ہمسائیگی کا پاس رکھیں گے۔ اس کے بعد میں نے فرداً فرداً ہر مہمان سے تعارف حاصل کیا۔ بعد ازاں لذیذ اور خوش ذائقہ کھانوں اور ایک مختصر سے تفریحی پروگرام کے بعد یہ دعوت اختتام پذیر ہو گئی۔

اس تعارفی تقریب کے بعد میں کسی بھی دن پروفیسر ڈان زان مغل کی آمد کا منتظر تھا۔

اور مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پانچویں دن صبح دس بجے ڈان زان موصوف میرے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ ملاقات کے لیے انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ جس پر پہلے بھی عمل پیرا ہو چکے تھے۔ مگر آمنے سامنے ہونے کے باوجود مجھے اعتماد تھا کہ وہ مجھے ہرگز نہیں پہچان سکیں گے۔ سیٹھ رحیم خان کی اس حیثیت سے میں نے میک اپ ہی ایسا کیا تھا کہ مجھے نہ صرف ان کے بلکہ نوشابہ کے بھی شناخت کرنے سے قاصر رہنے کا مکمل یقین تھا۔ چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی، ناک پر سنہری فریم کا چشمہ جس کے بغیر پاور کے نیلگو شیشوں کے پیچھے آنکھوں میں سبزی مائل کنٹیکٹ لینس چہرے، ہاتھوں، بازوؤں، پیروں اور جہاں تک جسم کے کھلنے کا امکان تھا۔ قدرے سانولا رنگ، گالوں کی ہڈیوں پر معمولی سی پیڈنگ، یہ سب ایسی چیزیں تھیں جنہیں نے میرا حلیہ کچھ سے کچھ کر دیا تھا۔

ڈان زان مغل نے حسب معمول اپنے کچھ کرتب دکھائے پھر میرے شوق اور مشغلوں کے بارے میں سوال کیا میں نے محض انہیں تھوڑا سا پریشان کرنے کے لیے موسیقی، مصوری، گھڑ سواری اور ایسی ہی کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے بار بار پہلو بدلنے کے بعد آخر پوچھ ہی لیا کہ کیا آپ کو فلش، پوکر، رمی یا ایسے کھیلوں سے کوئی لگاؤ نہیں میں اچھل پڑا۔ جھٹ سے جواب دیا کہ فلش پر تو میری جان جاتی ہے لیکن میں بڑی بازیاں کھیلتا ہوں۔ انہوں نے گہری سانس لی اور یوں چشمہ بھی ان کے بریف کیس سے باہر آ گیا۔ میں نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ کہا کہ میں ایسی چیزوں کا قائل نہیں۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے کیسا ہی شاطر ہو میرے مقابلے پر آ کر اس کی ساری ترکی تمام ہو جاتی ہے اور بالآخر جیت میری ہی ہوئی ہے۔ مغل صاحب نے چشمے کی افادیت پر مزید کچھ فرمایا اور میں یوں جیسے ان پر کوئی احسان کر رہا ہوں اسے خریدنے پر آمادہ ہو گیا۔ ڈان زان نے سمجھ لیا تھا کہ اس گاہک سے زیادہ ملنے کی امید نہیں اس لیے انہوں نے دور

اندیشی سے کام لیا اور یوں وہ چشمے جو پہلے میں نے اپنے شوق اور انجانے پن میں ایک بڑی رقم دے کر خریدا تھا۔ پانچ سو میں لے لیا۔

اس کے بعد جاوید اور نوشابہ سے بھی ملاقات لازمی تھی۔ مگر یہ ملاقات سابقہ کلب میں نہیں ایک دوسرے کلب میں ہوئی۔ مجھے کم و بیش پہلی ہی داستان سننے کو ملی۔ صرف اس جزوی تبدیلی کے ساتھ اس مرتبہ ان دونوں کی شادی ہو چکی تھی اور مالدار سسر نے داماد کو ایک لاکھ نہیں دو لاکھ روپے دیے تھے۔ جیسی کہ توقع تھی۔ نوشابہ مجھے نہیں پہچان سکی اگرچہ کسی نا معلوم وجہ سے وہ گاہے گاہے مجھے بڑی گہری نگاہوں سے دیکھنے لگتی تھی۔ جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو۔ میں نے بڑے پرجوش انداز میں ان کی مدد کا وعدہ کیا اور اس ملاقات کے تیسرے دن رات کے دس بج کر پانچ منٹ پر ایک مرتبہ پھر اسی عمارت میں موجود تھا۔ مگر ایک دوسرے کمرے میں یہ قدرے حیرت کی بات تھی کہ امتیاز نے میرے فرار کے بعد بھی اس اڈے کو بند یا تبدیل نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی نہ کسی وجہ سے اسے یہ اعتماد ہے کہ اول تو یہاں چھاپہ نہیں پڑ سکتا اور پڑ بھی جائے تو وہ اس سے بچ نکلے گا۔ نئے شکار کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر غالباً صرف اس لیے لایا جاتا تھا کہ وہ غیر ضروری طور پر آئے دن کی دردسری مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

اس بار میں نے چشمے کے سلسلے میں ایک دوسرا طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ جس کا ذکر کرنا میں ڈان زان سے ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے بھول گیا۔ پڑوس کے ایک شریر بچے کو جو ہر وقت گلی میں کھیلتا رہتا تھا اور جس کی عمر آٹھ دس برس سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے بیل گم کے ایک پورے پیکٹ کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جب بھی اسے بلاؤں وہ آجائے اور اس وقت میرے ساتھ ڈرائینگ روم میں جو بھی بیٹھا ہو۔ اپنے کھلونا پستول سے اسے ہینڈز اپ کہے اور لبلبی دبا دے یہ کھلونا پستول ایسا تھا جس میں پانی بھرا جاتا تھا اور لبلبی دبانے پر ایک پتلی سی دھار سامنے والے پر پڑتی تھی۔

میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ جب میں بلاؤں تو وہ پستول میں پانی نہیں بلکہ روشنائی بھر کر لائے۔ بس تھوڑی سی چنانچہ عین اسی وقت جب کہ ڈان زان مغل صاحب اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ شوخ لڑکا آیا۔ زان صاحب سے بڑے بارعب لہجے میں ہینڈز اپ کیا اور پچکاری چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب یہ اس کی نشانہ بازی کی مہارت تھی یا حسن اتفاق کہ روشنائی ڈان ذان صاحب کے روئے مبارک پر پڑی جس نے انہیں روسیاہ کر دیا اور انہیں منہ دھونے کے لیے باتھ روم جانا پڑا۔ ان کے جاتے ہی میں نے ان کا بریف کیس کھولا' اس میں کئی چشمے رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک چشمہ بالکل ویسا ہی معلوم ہوا جیسا اس رات چشمے والے نے لگا رکھا تھا اور جسے میں نے توڑ دیا تھا۔ میں نے وہ چشمہ نکال کر محفوظ کر لیا اور اطمینان سے ڈان زان صاحب کے باتھ روم سے واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ معذرت وغیرہ میں پہلے ہی کر چکا تھا کہ پڑوس کا یہ بچہ بہت شریر ہے اور میرے معزز مہمانوں کے ساتھ پہلے بھی اس طرح کی شرارت کر چکا ہے۔ پہلے میں نے اسے صرف ڈانٹنا کافی سمجھا تھا۔ مگر اب میں یقیناً اس کے باپ سے شکایت کروں گا کہ وہ اسے مناسب سرزنش کریں۔ کیونکہ آئندہ ایسی کوئی حرکت ناقابل برداشت ہوگی۔

مغل صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے تاش کی گڈی نکالی۔ وہ چشمہ لگا جو مغل صاحب فروخت کر گئے تھے۔ حسب سابق پتوں پر نیلے رنگ کے نشانات نظر آنے لگے اس

کے بعد میں نے وہ چشمہ ناک پر رکھا جو خود اڑایا تھا۔ اب جو پتوں پر نظر ڈالی تو چودہ طبق روشن ہوگئے۔ اسی گڈی کے ہر پتے پر دوسرے خفیہ نشانات بھی تھے جو نیلے نہیں' سرخی مائل تھے اور ان سے ہر پتے کی بالکل صحیح قدر و قیمت کا اظہار ہو رہا تھا۔ دونوں بلکہ تینوں چشموں کے فریم کا ڈیزائن یکساں تھا۔ رنگ مختلف تھے۔ وہ جو خریدے تھے۔ کتھئی رنگ کے تھے اور جو اڑایا تھا اس کا فریم کالے رنگ کا تھا۔ ایک اور نازک سا فرق بھی تھا۔ میرے چشموں کے شیشوں کا رنگ ہلکا قرمزی تھا۔ جبکہ کالے فریم کے شیشے نیلگوں تھے۔ دونوں رنگ اتنے ہلکے تھے کہ دن میں تو آسانی سے نظر آجاتے تھے۔ مگر رات کے وقت بجلی کی روشنی میں انہیں دیکھنا تقریباً ناممکن تھا۔ میں دوسرے دن ایک عینک ساز کی دکان پر گیا اور کالے فریم والے چشمے کے شیشے نکلوا کر اپنے خریدے ہوئے چشمے میں لگوا لیے۔

یہ داستان ابھی یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک بار پھر اسی عمارت میں لے جایا گیا۔ جہاں پہلے جا چکا تھا لیکن کمرہ وہ نہیں تھا۔ دوسرا تھا۔ کام یہاں بھی وہی ہو رہا تھا۔ چار پانچ میزوں پر بازیاں جمی ہوئی تھیں اور یہ شاید اتفاق تھا کہ ایک میز پر امتیاز بھی چشمہ لگائے کھیل میں مصروف تھا۔ یہاں بھی ایک نگران میز کرسی ڈالے سب سے الگ بیٹھا تھا۔ مگر اس کا انداز سابقہ نگران سے زیادہ پراعتماد تھا۔ مجھ سے اس کا تعارف شوکت خان کے نام سے کرایا گیا۔

کمرے کے ایک گوشے میں دو میزیں خالی تھیں شوکت خان نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کی دعوت دی۔ مگر میں امتیاز کی میز کی طرف بڑھ گیا۔ قریب پہنچ کر متوجہ کیا اور کہا کہ آپ شہر کی معروف شخصیت ہیں میں حال ہی یورپ سے آیا ہوں۔ اس کے باوجود آپ سے غائبانہ متعارف ہو چکا ہوں۔ کیا آپ مجھے کھیلنے کا

غزلیں

ناصر زیدی

ذہن میں اپنے بساتا' دل کے اندر دیکھتا
میں تصور میں تیری تصویر اکثر دیکھتا

اور تو کچھ بھی نہیں بس ایک خواہش ہے مری
سامنے تجھ کو بٹھاتا ' زندگی بھر دیکھتا

یہ بھی اچھا تھا کہ ان آنکھوں میں بینائی نہ تھی
کس طرح اُس سے بچھڑ جانے کا منظر دیکھتا

اُس کو ہی اِدراک ہوجاتا کہ کیا ہے اشکِ غم
قہقہوں میں جو چھپا تھا وہ سمندر دیکھتا

زندگی دیتی اگر فرصت تو ناصر ایک دن
جس قدر دیکھا ہے اس کو اس سے بڑھ کر دیکھتا

ڈاکٹر پرویز احمد

بند پنجرے سے ڈر گیا ہدہد
سچ سے ایسے مکر گیا ہدہد

دیکھ کر پرکٹے پرندوں کو
اپنے ہونے سے ڈر گیا ہدہد

کاش رکھتا نہ سر پہ تو کلغی
دیکھ تیرا بھی سر گیا ہدہد

چونچ لمبی ہے اس لیے یارو
بات لمبی سی کرگیا ہدہد

☆☆

موقع دے کر عزت افزائی کریں گے۔ امتیاز نے مجھے غور سے دیکھا۔ اٹھ کر ہاتھ ملایا اور مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ آپ دوسری میز پر تشریف رکھیں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔''

میں جاوید عزیز اور نوشابہ خالی میز پر بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد امتیاز بھی آ گیا۔ دو افراد اور بھی نمودار ہوئے اور خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے بریف کیس سے باکل نئی کرنسی نوٹوں کی گڈیاں نکال کر سامنے رکھیں۔ سیل پیک تاش کی گڈی کھولی گئی اور کھیل شروع ہو گیا۔ مجھے ہر پتے کے سرخ نشانات بالکل صاف نظر آ رہے تھے اور وہ پتوں سے پوری مطابقت رکھتے تھے۔ ایک دو بازیاں مجھے دانستہ جیتنے کا موقع دیا گیا۔

پھر امتیاز نے سنبھالا لیا اور اچھے پتوں پر بڑی بڑی رقموں کی چالیں چلنے لگا مگر ظاہر تھا کہ میں بھی اس کے پتے پڑھ رہا تھا۔ اس لیے جب بھی اس کے ہاتھ میں بڑے پتے آتے تھے۔ میں مقابلے سے دستبردار ہو جاتا تھا اور جب میرے پاس اچھے اور اس کے پاس کمزور پتے ہوتے تھے تو اس کے بلف کھیلنے کے باوجود بھی شو نہیں کراتا تھا اور چال پر چال چلتا رہتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میں بعد کی زیادہ تر بازیاں بھی جیت کر مجموعی اعتبار سے اپنی رقم میں ایک لاکھ سے اوپر کا اضافہ کر چکا تھا۔ یہ صورت حال امتیاز کے لیے ناقابل قبول تھی۔ وہ قدرے حیرت زدہ سا نظر آ رہا تھا۔ گاہے گاہے غور سے مجھے اور پھر میرے چشمے کو دیکھنے لگتا تھا۔

بالآخر اس نے شارپنگ اور پتے بازی شروع کر دی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ متواتر جیتنا میرے پلان میں شامل نہیں تھا۔ ہارنا اس لیے ضروری تھا کہ میرے تمام نوٹ نشان زدہ تھے جنہیں بعد میں برآمد کر کے بطور ثبوت استعمال کیا جانا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی چالوں کا کوئی توڑ نہیں کیا اور ہارنے لگا پہلے وہ جیتے ہوئے لاکھ سوا لاکھ ہارے اور پھر اپنی لائی ہوئی رقم میں سے بھی تقریباً پچھتر ہزار امتیاز کے سامنے پڑے ہوئے ڈھیر میں شامل کر دے۔ اس موقع پر میں نے پہلی مرتبہ جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالا۔ گویا اپنے اعصاب کو تمباکو کے نشے سے تسکین دینے کی متوقع کوشش کی لیکن میری یہ حرکت اس سے کہیں زیادہ اہم تھی جتنی بظاہر نظر آ رہی تھی۔

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ نگران شوکت خان کی میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور کان سے لگایا کچھ سنا اور چند الفاظ میں کچھ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اٹھ کر امتیاز کے پاس آیا۔ اس کے دائیں کان میں سرگوشی کی امتیاز نے سر ہلایا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

شوکت خان نے بلند آواز میں کمرے میں موجود افراد کو اپنی جانب متوجہ کیا اور بتایا کہ حضرات پولیس نے عمارت پر چھاپہ مارا ہے۔ مگر گھبرانے کی اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ سب شہر کے معززین ہیں۔ ہم آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ ایسی ہنگامی صورت حال کا مکمل تدارک ہمارے ہاتھ میں ہے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ اپنے اپنے بریف کیس ہمارے حوالے کر دیں۔

سب نے بریف کیس دے دیے شوکت خان نے انہیں کمرے میں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی آہنی الماری میں رکھا۔ وہیں بجلی کے سوئچ بورڈ پر لگے ہوئے ایک بٹن کو دبایا دیوار کا ایک حصہ الماری سمیت دوسری جانب گھوم گیا اور پہلی الماری کی جگہ ایک دوسری اسی طرح کی الماری سامنے آ گئی۔ اسی کے ساتھ میز پر بیٹھا ہوا اسی کا ایک آدمی اٹھا میز کو کچھ کہا پھر اسے دبایا۔ اس کے پائے چھوٹے ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جو میز تین فٹ اونچی تھی۔ اس کی اونچائی انچوں میں باقی رہ گئی۔

شوکت خان نے سوئچ بورڈ میں لگا ہوا دوسرا

بٹن دبایا اور میزوں کی لمبائی چوڑائی کے برابر فرش کا حصہ گھوم گیا اور جو نچلا حصہ اوپر ہماری نظروں کے سامنے آیا اس پر صرف ایک بڑی سی میز فرش کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ جلد ہی اسے کھینچ کر بلند کر دیا گیا اور اب اس کے فولڈنگ پایوں کی اونچائی کم و بیش تین فٹ ہوگئی۔ کمرے کے تمام حاضرین اپنی اپنی کرسیاں گھسیٹ کر میز کے گرد آ بیٹھے۔ الماری کھولی گئی۔ اس کے نچلے خانوں میں پھولوں' میووں' کریم کیک' پیسٹریوں کی طشتریاں بھری رکھی تھیں۔ انہیں میز پر چن دیا گیا۔

کمرے میں پہلے سے موجود لمبے چوڑے فریج سے ٹھنڈے مشروبات کی بوتلیں ہمارے سامنے رکھ دی گئیں۔ سارا کام پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں انجام پا گیا۔ ہم تیسری منزل پر تھے اور پولیس کو وہاں تک پہنچنے میں اتنا وقت تو لگ ہی سکتا تھا۔

ہم بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ پر شور آواز کے ساتھ کھلا اور انسپکٹر جمال بیگ دو مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور اور کانسٹیبلوں کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اس مرتبہ مجھے جس کمرے میں لایا گیا تھا۔ وہ عمارت کے نگران اور ذاتی کمرہ اور آفس تھا اور یہ کہ شوکت خان ہی منیجر کا رول ادا کرتا ہے۔

''اس بورڈنگ ہاؤس کا منیجر کون ہے۔'' جمال بیگ نے پوچھا۔

شوکت خان جلدی سے کھڑا ہوگیا۔ ''میں ہوں جناب۔ فرمایئے۔''

''ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ بورڈنگ ہاؤس کی آڑ میں یہاں ہر قسم کی غیر قانونی سرگرمیاں ہوتی ہیں۔'' جمال بیگ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''مثلاً قمار بازی' جسم فروشی' منشیات کی تجارت اور اسمگلنگ وغیرہ۔ یہ بلڈنگ اس وقت پولیس کے محاصرے میں ہے اور میں ہر کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''کس نے آپ کو غلط رپورٹ دی ہے۔'' شوکت خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں صرف شریف کرائے دار رہتے ہیں۔ جو زندگی کے مختلف شعبوں سے منسلک ہیں۔ رہی تلاشی کی بات تو آپ جس طرح چاہیں اپنا اطمینان کر سکتے ہیں۔''

''یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں۔'' شوکت خان نے ریوالور سے ہم سب کی طرف اشارہ کیا۔

''ان میں سے کچھ بورڈنگ ہاؤس کے کرائے دار ہیں اور کچھ میرے ذاتی دوست۔'' شوکت خان نے مطمئن انداز میں کہا۔ ''میں نے آج انہیں ایک چھوٹی سی تقریب کے سلسلے میں مدعو کیا تھا۔''

شوکت خان نے پلٹ کر ایک کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔

''نور محمد جاؤ۔ سب انسپکٹر فرید سے کہو کہ وہ مختلف کمروں کی تلاشی لے۔ ہر منزل کا ہر کمرہ دیکھنا سردست ضروری نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی مشکوک بات یا چیز نظر نہ آئے۔ ابتدائی کاروائی کے نتیجے سے مجھے پندرہ منٹ کے اندر مطلع کیا جائے۔''

کانسٹیبل نے اٹینشن ہو کر سلیوٹ کیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ اب جمال بیگ پھر شوکت خان کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا یہاں فلش نہیں ہو رہا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''آپ کو میز پر تاش کے پتے اور نوٹ نظر آ رہے ہیں۔'' منیجر نے پہلی مرتبہ ناگواری کا اظہار کیا۔

''طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' جمال نے ڈانٹا۔ ''جو پوچھا جائے' اس کا جواب دو۔''

''جی نہیں۔ یہاں ایسا کوئی کام نہیں ہو رہا تھا۔ آپ ان معززین سے دریافت کر سکتے ہیں۔''

جمال نے اب پورے غور اور توجہ سے ہماری طرف دیکھا امتیاز اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''غالباً ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''درست ہے۔ میں آپ کو جانتا ہوں امتیاز صاحب!'' جمال نے جواب دیا۔ ''اور آپ کی شہرت سے بھی واقف ہوں۔''

''تو پھر میری بات کا یقین کیجیے۔ یہاں سچ مچ ایک دعوت ہی جا رہی تھی۔''

اب میں اپنی کرسی سے کھڑا ہوا ظاہر ہے کہ یہ پوری پلاننگ میری تھی۔ میں انسپکٹر جمال بیگ کو برابر رپورٹیں دیتا رہا تھا اور ہونے والے اقدامات سے آگاہ کرتا رہا تھا۔ آج چھاپے کے لیے بھی ہمارے درمیان طویل گفتگو ہو چکی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ پولیس کی کتنی نفری بلڈنگ کے باہر محاصرہ کیے ہوئے ہیں اور کتنی تعداد عمارت کے اندر مختلف منزلوں پر تلاشی لے رہی ہے۔ چھاپے کا سگنل اس وقت دیا گیا تھا۔ جب میں نے جیب سے لائٹر نکالا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔ جو کئی مخصوص سگنل نشر کر سکتا تھا۔ یہ اشارہ پا کر ہی جمال عمارت میں داخل ہوا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ میں بھی اپنی زبان کھولوں لیکن پہلے سے طے شدہ فیصلے کے مطابق مجھے ظاہر یہ ہی کرنا تھا جیسے میرا اور انسپکٹر جمال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

''یہ جھوٹ ہے۔ انسپکٹر صاحب!'' میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''باقی عمارت کے بارے میں تو میں نہیں جانتا مگر یہاں واقعی جوا ہو رہا تھا۔''

امتیاز اور شوکت خان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ جاوید، عزیز اور نوشابہ کی حیرت بھی دیدنی تھی۔

''سیٹھ صاحب! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔'' شوکت خان جلدی سے میری طرف بڑھا اور شانہ دبا کر بولا۔ ''بات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔''

''مجھے جو کچھ سمجھنا تھا۔ وہ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔'' میں نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ ذرا آنکھیں اور کان کھول کر حالات کو جاننے کی کوشش کریں۔''

میں نے اس طرح جیسے انسپکٹر جمال میرے لیے بالکل اجنبی ہو اور میں پہلی مرتبہ اسے بتا رہا ہوں۔ ڈان زان مغل کی ملاقات سے لے کر آج تک کی داستان بیان کی اور کہا کہ میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ اس طرح کے ہتھکنڈے میری لیے نئے نہیں ہیں۔ میں کلب میں پہلے جاوید اور نوشابہ کی ملاقات کے بعد ہی سمجھ گیا تھا کہ میرے لیے جمال بچھایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اپنی پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

''میری جیب میں ایک مائیکرو کیسٹ ریکارڈ موجود ہے۔ جس میں وہ سب کچھ ریکارڈ ہو چکا ہے جو یہاں ہوتا رہا ہے۔ میں نے مسٹر امتیاز کے ساتھ کھیلنے کی خواہش اسی لیے ظاہر کی تھی کہ کسی اور کی آواز پہچانی جائے یا نہ پہچانی جائے لیکن وہ سیاسی لیڈر ہیں۔ ہزاروں کان ان کی مخصوص آواز اور لب لہجے سے آشنا ہیں کوئی اسے شناخت کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ ویسے ان لوگوں کی ہوشیاری اور چالاکی کا جواب نہیں۔ پولیس کے چھاپے کی اطلاع ملتے ہی انہوں نے جس طرح کمرے کا حلیہ بدلا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پھر میں نے جمال بیگ کو اس میکینکل نظام اور سوئچ بورڈ کے ان بٹنوں کے بارے میں بتایا جس کے ذریعے پانچ منٹ میں جوئے کا اڈا بورڈنگ ہاؤس کے میجر کے آفس میں تبدیل ہو گیا تھا۔''

HBL
HBL InternetBanking
HBL PhoneBanking
اکاؤنٹ کی معلومات
چیک بک کی درخواست
HBL کریڈٹ کارڈ بل کی ادائیگی
HBL کارڈز کی ایکٹیویشن اور ڈی ایکٹیویشن
HBL انٹرنیٹ بینکنگ سپورٹ
اکاؤنٹ یا سروس سٹیٹمنٹ کی درخواست
111-111-425
JWT

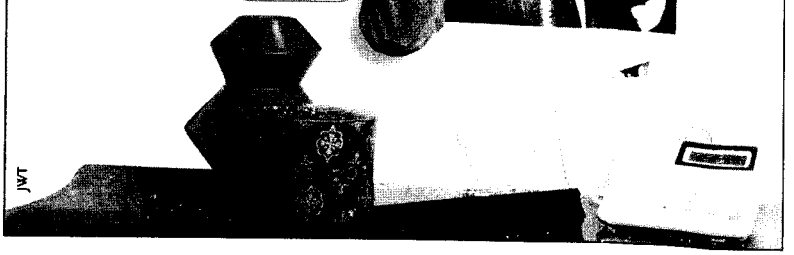

شوکت خان کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ نوشابہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہی تھی۔ شہر کے ان پانچ چھ شرفاء کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں جو آسان دولت کمانے کے لالچ میں ان جعلسازوں کا شکار بنے تھے۔ مگر امتیاز انتہائی سنجیدہ اور خاموش تھا۔ اسی وقت سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے جمال کو بتایا کہ تینوں منزلوں پر تقریباً تیس کمروں کی تلاشی لی جا چکی ہے مگر کہیں سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی۔

''ہر کمرے میں ایک کرائے دار مقیم ہے۔ جس کے پاس شناختی کاغذات موجود ہیں۔'' جمال بیگ نے فکر مند انداز میں میری طرف دیکھا۔

''انسپکٹر جمال!'' امتیاز بھاری آواز میں بولا۔ ''اس نوجوان نے ابھی جو دلچسپ کہانی سنائی ہے۔ اس میں کتنی حقیقت ہے اور کتنی اس کی ذہنی اختراع یہ میں نہیں جانتا مگر تم زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت کر سکتے ہو۔ وہ صرف اتنی ہے کہ سوسائٹی کے کچھ معزز افراد اپنا دل بہلانے کے لیے شوکت صاحب کے آفس میں تاش کھیل رہے تھے جو ہم سب کے مشترکہ دوست ہیں۔ بلاشبہ اس سے ہماری کچھ ذلت و رسوائی ہوتی مگر یہ سوچو کہ تمہارے ہاتھ کیا آئے گا۔ اس بااثر طبقے کی دشمنی۔ جس کے ایک اشارے سے تمہاری یہ وردی بھی اتر سکتی ہے۔ جس میں اس وقت تم اتنے اسمارٹ نظر آ رہے ہو۔''

''انسپکٹر صاحب!'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ایک عظیم کارنامہ آپ کی دسترس میں ہے۔ دشمن کی باتوں میں آ گئے تو ساری زندگی کف افسوس ملتے رہیں گے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جو شخص چند منٹ میں قمار خانے کو آفس میں بدل سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی بعید نہیں کہ بورڈنگ ہاؤس کے دوسرے کمروں میں بھی یہ ہی پرکاری دکھائی ہو۔ آپ یہ مائیکرو کیسٹ ریکارڈ سنبھال لیں۔ جس میں یہاں ہونے والی تمام گفتگو ریکارڈ ہے۔''

''ان شریف آدمیوں کو آہنی زیور پہنائیں اور پھر میرے ساتھ چلیں۔ میں بھی ذرا بورڈنگ ہاؤس کے معزز کرائے داروں سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کمرے میں جو کاریگری کی گئی ہے۔ اس کا مظاہر کسی بھی وقت دیکھا جا سکتا ہے۔''

میں نے جیب سے چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکال کر جمال کے ہاتھ میں دے دیا۔ امتیاز مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

''سیٹھ صاحب! آخر آپ کو ان شریف آدمیوں سے کیا دشمنی ہے۔ کیا ہم آپس میں اس معاملے کو طے نہیں کر سکتے۔'' وہ بولا۔

''محترم شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا اور دو قدم اس کی طرف بڑھا۔ بڑے اطمینان سے اپنی فرنچ داڑھی اتار کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ چشمہ اتارا۔ گالوں کی پیڈنگ اور آنکھوں کے کنٹیکٹ لینس علیحدہ کیے۔ ''اب آپ کہیں تو منہ بھی دھو آؤں۔ میرے خیال میں اس کی ضرورت تو نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اتنے بھی گدھے نہیں ہیں۔''

''اوہ، تم!'' بے اختیار امتیاز کے منہ سے نکلا۔

''جناب والا!'' میں نے سر کو خم کرتے ہوئے جواب دیا۔